

جواہرِ عَزِزِی

اردو ترجمہ

تَفْسِیرِ عَزِزِی

تصنیفِ لطیف :

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم :

شیخ الاسلام علامہ اہل بیت حضرت مولانا محمد امجد علی

صاحبزادہ محل محفوظ الحق شاہ چشتی
پیرسید صابری قادری

نورانیہ رضویہ پبلی کیشنز

جو امر عن زیدی

اردو ترجمہ

تفسیر عن زیدی

پارہ انتیسواں

مصنف لطیف :

عزت شاہ بخاری الشریعہ و فروعہ دینیہ

مترجم :

عزت شاہ بخاری الشریعہ و فروعہ دینیہ

صاحبزادہ محمد مجتوب اللہ صاحبزادہ
شاہ چشتی صاحبزادہ

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

۱۱-ولنگنج بخش روڈ لاہور 042-7313885

marfat.com

Marfat.com

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

تفسیر عزیزی (انیسواں پارہ)	_____	نام کتاب
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ	_____	مصنف
صاحبزادہ سید محمد محفوظ الحق شاہ صاحب چشتی صابری قادری	_____	مترجم
صاحبزادہ پیر سید محمد محمود الحق شاہ قادری	_____	زیر اہتمام
بوٹرز ہیڈ کوارٹر	_____	کیپوزنگ
جمادی الاول ۱۴۲۹ھ جون ۲۰۰۸ء	_____	اشاعت
سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری	_____	تابع
اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور	_____	مطبع
1N-131	_____	کیپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

مکتبۃ المدینہ یضامدینہ کراچی 021-4128889	مکتبہ غوثیہ ہول سیل پانڈی سٹی کراچی 021-4910584	ضیاء القرآن پبلی کیشنز انخال سٹراڈ رو بازار کراچی 021-2630411
مکتبۃ المدینہ اعلیٰ پور بڑگٹ ٹنکان	اسلامک بک کارپوریشن اقبال سٹریٹ کئی بک دہلوی پنڈی 051-5538111	احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کئی چوک راولپنڈی 051-5558320
مکتبہ بستان العلوم کڑھالہ آزاد کشمیر (برائے کمرات) 0344-5084292	شیر برادرز زبیدہ سٹریٹ 40 نمبر بازار لاہور 042-7248008	مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی 021-2216464

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885-7070063

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فصل آباد فون: 2626046

marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَعَلَىٰ آلِهِ وَسَلَّمَ

وَصَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

مَوْلَانِي صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

مُحَمَّدُ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالْثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

نُورِيهِ رَضْوِيهِ
پنہلی کیشنز

marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹	نیچے ہیں	۱۱	سورۃ الملک
۵۱	ن کے متعلق دیگر اقوال		وجہ تسمیہ اور ذات حق کے لائق چند
۵۲	ن اور عارفین کا ملین	۱۳	چیزوں کا ذکر
	قلم کے اسرار اور بارگاہ نبوت کے	۱۴	سورر حمانیات اور ربانیات
۵۶	ساتھ مشابہت	۱۵	برکت کا مفہوم
۶۰	جواب طلب سوال		ملک و ملکوت کی حد اور ان کے اعتبار سے
	ہمارے رسول کریم ﷺ کی عقل کی	۱۵	صفات کا ذکر
۶۱	وسعتوں کا بیان	۱۸	دو جواب طلب سوالات
	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن اخلاق	۲۴	شیاطین کے رجم کا طریقہ
۶۶	کا بیان	۲۶	ایک جواب طلب سوال
۶۸	حلم کا بحر بیکراں	۳۲	چند سوالات
۷۱	دست مبارک سے شفا طلب کرنا		عذاب قبر دور کرنے کا اشارہ - ارواح انبیاء
۷۵	مدارات اور مدامت میں فرق	۳۵	واولیاء اہل قبور کی مدد کرتی ہے
	زیادہ قسمیں کھانے والے کے کہنے پن	۳۶	سورۃ نون
۷۶	کا بیان	۳۶	شان نزول
۷۶	ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۶	سورۃ الملک سے رابطہ کی وجہ
۸۱	اصحاب جنت یعنی باغ ضرور کا واقعہ	۳۸	سورۃ نون کی وجہ تسمیہ
	قیامت کے دن بلا حجات پروردگار کی		مچھلی اور تیل کا واقعہ جو زمین کے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۹	ظہور	۹۳	زیارت کا بیان
	دوزخ آٹھ گروہوں کے سوا سب لوگوں		آیت کریمہ کی برکات اور اسے پڑھنے
۱۸۲	کو نکالتی ہے	۱۰۸	کے دو طریقے
۱۸۶	جزوی امور میں صبر کرنے والے	۱۱۱	بد نظری سے بچاؤ کا طریقہ
۱۸۹	متعد وغیرہ کی حرمت کا بیان	۱۱۵	سورة الحاقة
۱۹۰	مسئلہ شرعیہ		سورة نون کے ساتھ رابطے کی وجہ سے
	لواطت متعد اور جلق وغیرہ کی حرمت	۱۱۵	متعلق مقدمہ
۱۹۲	کا بیان	۱۲۱	ایک جواب طلب سوال
۱۹۳	امانتوں کی حفاظت کا بیان	۱۲۵	عاد کے لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ
	بیعت طریقت وغیرہ کی رعایت اور	۱۳۶	اہل بیت کے ساتھ توسل
۱۹۳	مشروعیت کا بیان		صحابہ کرام کا مقتدائے کائنات ہونے
۱۹۳	گواہی چھپانے کی نہائی کا بیان	۱۳۸	کا بیان
۱۹۵	نماز کو مکروہات سے بچانے کا بیان		اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت
	اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان	۱۳۸	کا ثبوت
۲۰۰	کی بے صبری اور حرص کا بیان	۱۳۵	حاطین عرش کی تسبیح کا ذکر
۲۰۲	سورة نوح علیہ السلام	۱۳۵	حاطین عرش کی شکل کا بیان
	سورة نوح علیہ السلام کے سورة المعارج	۱۵۲	فضیلت روزہ کا بیان
۲۰۳	کے ساتھ رابطے کی وجہ	۱۶۱	سوال
۲۰۳	حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ	۱۶۷	سورة المعارج
۲۰۵	لکھنے اور سینے کی ابتدا کا بیان	۱۶۹	سورة المعارج کی وجہ تسمیہ
۲۰۵	بت پرستی کے آغاز کا بیان		افعال و تاثرات الہیہ کے وسائط

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۴	حاضری	۲۰۸	اس سورۃ کے معانی سمجھنے کے لیے دو
۲۶۶	دو جواب طلب سوالات	۲۱۰	مقدمات
۲۶۸	قرآن کی وجہ تسمیہ	۲۱۰	حضور علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان وجوہ مناسبت
۲۷۳	استعانت بالجئن سے منع کرنے اور جنات کے نقصان کو روکنے کا بیان	۲۲۰	اجل کی تین قسمیں ہیں
۲۸۰	آدمیوں کے مختلف مذاہب جنات میں بھی ہیں	۲۲۱	حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا محذوف
۲۸۴	جنات کے ایمان لانے کے واقعات	۲۳۰	اولیاء کاملین کے مزارات کی زیارت کا قصد کرنا اور انہیں بوسہ دینا
۲۹۸	صحابی جنات رضی اللہ عنہم کا ذکر	۲۳۲	ضمیر کی بجائے اسم جلال کے اظہار کی حکمت
۳۰۱	حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے لیے ہامہ پسر ابلیس کے آنے کا بیان	۲۴۰	ایک الجھن اور اس کا حل
۳۰۲	چند دیگر جن صحابہ کرام کا ذکر	۲۴۲	عذاب قبر کا ثبوت
۳۰۳	گمراہ جنات کے چار گروہ	۳۰۴	پانچ قسم کے بت ہر کسی کے پاس موجود ہیں
۳۰۴	ایک شبہ کا جواب	۲۴۶	مسجد اور اس کے آداب کا بیان
۳۰۸	سورۃ الجن	۲۵۲	ایک قوی اعتراض
۳۱۸	سورۃ الجن کی وجہ تسمیہ	۲۵۳	صاحب کشاف کا رد
۳۲۰	جان داروں کی پیدائش میں حکمت	۲۵۷	سورۃ المزمل
۳۲۳	جان داروں کی چار قسمیں	۲۵۸	سورۃ المزمل کی ماقبل سے مناسبت
۳۲۴	اس سورۃ کے نزول کا سبب	۲۶۳	خرقہ پوشی کی اسات شرائط
۳۲۵	جنات کی بارگاہ سید عالم ﷺ میں ترتیل قرآن کا شرعی تصور	۳۲۸	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲۹	نماز تہجد کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے	۳۲۹	حضور علیہ السلام کا انداز تلاوت
۳۶۳	طریقوں کا بیان	۳۲۹	سلوک الی اللہ کا مفہوم
۳۶۵	نماز تہجد میں سورۃ اخلاص پڑھنے کے	۳۳۲	تلاوت قرآن پاک کے موجب قرب
۳۶۷	چند طریقے	۳۳۲	ہونے کی وجہ
۳۶۷	دو جواب طلب سوالات	۳۳۷	حضور علیہ السلام پر قرآن پاک کی گرانی
۳۷۶	سورۃ مدثر	۳۳۳	اور دشواری کے مواقع
۳۷۶	سب نزول	۳۳۷	قیام اللیل کی برکات کا بیان
۳۷۷	سورۃ مزمل کے ساتھ رابطہ کی وجہ	۳۳۷	سید الکونین رسول الثقلین ﷺ کی
۳۷۷	سورۃ مدثر کی وجہ تسمیہ	۳۴۰	روزانہ مصروفیات
۳۸۰	اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور	۳۴۲	ذکر خداوندی کی مختلف اقسام
۳۸۰	شادی کی علامت ہے	۳۴۳	اس قسم کے تبدیل اور انقطاع کا فائدہ
۳۸۰	عیدین ایام حج و تشریف میں تکبیر واجب	۳۴۳	اس انقطاع اور تنہا نشینی کا طریقہ
۳۸۰	ہونے کا راز	۳۴۷	ایک قوی شبہ
۳۸۰	تاریخ اسلام میں تکبیر کے مواقع اور	۳۵۲	ہجر جمیل کی حقیقت
۳۸۰	برکات	۳۵۶	اہل اللہ کی برکت سے جہان کا
۳۸۵	خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی	۳۵۶	قیام ہے
۳۸۵	دلجوئی کے لیے صبر کرنے میں فرق	۳۵۶	ایک سوال اور اس کا جواب
۳۸۹	ولید بن ولید کا اظہار اسلام میں	۳۵۹	مرد مومن کے تین بچوں کی وفات اسے جہنم
۳۹۱	خلوص	۳۵۹	میں داخل ہونے سے بچالے گی
۳۹۱	کفر کی چار قسموں کا بیان	۳۶۰	ایک جواب طلب سوال
۳۹۲	ولید بن مغیرہ کے عناد کا بیان	۳۶۳	ختم قرآن مجید کی ترتیب کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۲	مذکورہ زیارت کے منکروں کا رد	۴۰۰	زبانہ کی خوف ناک شکل کا بیان
۴۵۰	اویس پر شش نماز بود		زبانہ یعنی داروغہ جہنم کے انیس (۱۹)
	عورتوں اور مردوں کے امتیازی امور	۴۰۰	ہونے کی وجہ کا بیان
۴۵۳	کا بیان		نماز کے ارکان اور شرائط کا بیان انیس
۴۵۴	سورۃ الدھر	۴۱۵	ہیں
۴۵۴	سورۃ قیامت کے ساتھ رابطے کی وجہ		اس کھانے کی شرائط کا بیان جو کہ موجب
۴۵۵	سورۃ انسان کی وجہ تسمیہ	۴۱۵	اجر ہوتا ہے
۴۵۵	سورۃ دہر کی وجہ تسمیہ		ان امور کا بیان جن سے پرہیز ضروری
۴۵۶	دہریوں کا اعتراض اور اس کا جواب	۴۱۶	ہے
۴۶۴	ایک جواب طلب سوال	۴۱۷	روز جزا کے واقعات کا بیان
۴۶۴	شکر گزاروں کے تین گروہ	۴۱۸	شفاعت کرنے والوں کا ذکر
۴۷۱	نذر کے احکام کا بیان	۴۲۳	سورۃ القیامۃ
	زکوٰۃ نذر اور کفارات کا فرق و دینا درست		سورۃ القیامۃ کے سورۃ المدثر سے رابطے
۴۷۲	نہیں ہے	۴۲۳	کی وجہ
۴۷۵	ایک اشکال اور اس کا جواب	۴۲۳	وجہ تسمیہ
۴۸۴	جنتی مشروبات کی تفصیل	۴۲۷	نفس کی قسموں کا بیان
۴۸۵	مطالب سورۃ کا خلاصہ	۴۳۰	دنیا کی محبت ہر خطا کا سر ہے
۴۹۳	سورۃ ہر سلات		آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت نیکوں کو
۴۹۳	سورۃ دہر کے ساتھ رابطے کی وجہ	۴۳۱	نصیب ہوگی
۴۹۴	سورۃ مرسلات کی وجہ تسمیہ		تفسیر تاویل اور تحریف کی تعریف پر
۴۹۵	اجمال کی تفصیل	۴۳۲	جنتی مقدمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
			ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق میں
		۵۰۰	اختلاف
			رحم مادر میں بچے کی تخلیق کا
		۵۱۰	تفصیلی بیان
			تخلیق انسانی کے تدریجی مراحل کے متعلق
		۵۱۲	نجومیوں کی تحقیق
		۵۲۵	نماز میں رکوع کی حکمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗا وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سورۃ الملک

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ مکی ہے کہ الم السجدۃ کے بعد مکہ شریف میں اتری اس کے بعد سورۃ الحاقۃ اور سورۃ المعارج نازل ہوئی ہیں جبکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی اور بعض دوسروں کی روایت کے ساتھ مدنی ہے اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں اس صحیح حدیث کے مطابق جو کہ صحاح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کتاب اللہ کی ایک سورۃ نے جو کہ تمام وکمال تیس آیات ہیں گناہگار آدمی کے حق میں شفاعت کے لیے اس قدر اصرار کیا کہ اسے جہنم کی گہرائی سے نکالا اور جنت میں داخل کیا اور وہ سورۃ تبارک الملک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو یعنی چاہیے کہ ہر مسلمان اس سورۃ کو یاد کرے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ میت کو جب قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب کے فرشتے آتے ہیں یہ سورۃ حمایت کے لئے اور انہیں روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اگر پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ میں تمہیں اس طرف سے راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز میں میری تلاوت کرتا تھا اور اگر سر کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ اوپر سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنی زبان سے میری تلاوت کرتا تھا اور اگر دائیں بائیں سے آئیں تو کہتی ہے کہ ان دونوں طرفوں سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص مجھے اپنے سینے میں یاد رکھتا تھا۔

اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نفل میں بیٹھ کر یہ

سورۃ پڑھا کرتے تھے اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرمانے سے پہلے اس سورۃ کی ضرورت تلاوت فرمایا کرتے تھے اس لیے حدیث شریف میں اس سورۃ کو مانعہ - منجیہ اور واقعہ کا نام دیا گیا ہے اس لیے کہ عذابِ قبر کو روکتی ہے اور عذاب سے نجات بخشتی ہے اور قیامت کے صدموں اور پریشانیوں سے حفاظت کرتی ہے۔

اس سورۃ کے سورۃ التحریم کے ساتھ رابطہ کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ تحریم میں عیال داری کے آداب اور شرائط کا بیان ہے کہ مرد کو اپنی عورتوں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ کس طرح خانہ داری کرنا چاہیے اور اگر اس کے اہل و عیال چاہیں کہ گنہوں کا ارتکاب کریں اور جہنم کی آگ والے راستے پر چلیں تو اسے واجب ہے کہ ان کی اس راہ پر چلنے سے گمبہانی کرے۔

اور اس سورۃ میں خدائی اور شہنشاہی کے لوازم اور قواعد مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی سرداری مذکور ہے جبکہ یہاں تمام جہان کی سرداری بیان فرمائی ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے انداز کا تقاضا ہے کہ پہلی کو دوسری پر مقدم کریں۔ نیز اس سورۃ میں جہنم کی آگ کی صفت اس مضمون کے ساتھ ذکر فرمائی گئی ہے وَقُوذَهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ يَا أَمْرَهُمْ جبکہ اس سورۃ میں اس مضمون کے ساتھ کہ إِذَا الْقُرُوفُ فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورٌ نیز مذکور ہے سَلَّهْمُ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ اور دونوں مضمون ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اس سورۃ میں مذکور ہے وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے وَأَسْرُوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ جبکہ اس سورۃ میں ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا۔

نیز اس سورۃ میں مذکور ہے کہ اپنی عورتوں کی خوشنودی کے لیے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو کیوں حرام کیا؟ جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ حقیقی بادشاہی صرف خدا تعالیٰ

کے لیے ہے پس اس کے احکام کی تبدیلی میں دوسروں کی پیروی نہیں کرنا چاہیے کہ حکمرانی بادشاہوں کا خاصہ ہے اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے بادشاہوں کے حکم کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غور و فکر کے بعد مناسبت کی بہت سی وجوہ نکلتی ہیں۔

وجہ تسمیہ اور ذاتِ حق کے لائق چند چیزوں کا ذکر

اور اس سورۃ کو سورۃ ملک اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو کچھ حقیقی بادشاہت کے لائق ہے، حضرت حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے ثابت فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں ہیں: پہلی چیز خیرات کی کثرت اور انعام و احسان وافر کرنا کہ لفظ تبارک سے سمجھ آتا ہے۔

دوسری چیز عموم قدرت یہاں تک کہ یہ عموم زندہ کرینے اور مارنے تک پہنچا کہ بادشاہوں میں سے کسی کو میسر نہیں ہے اور یہ مضمون وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

تیسری چیز رعایا، اہل مراتب اور ملک کے رئیسوں کے اعمال کی خبرگیری جو کہ بادشاہی کے لوازمات سے ہے اور لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی چیز غلبہ، عزت اور مرتبہ جو کہ لفظ عزیز کا مفاد ہے۔

پانچویں چیز خطاؤں کو بخشنا اور معاف کرنا جو کہ لفظ غفور سے نکلتا ہے۔

چھٹی چیز اپنے پیش کاروں، خادموں اور غلاموں کے لیے بلند عمارات تعمیر کرنا جو کہ

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَبَاقًا كَامُضْمُوْنٍ ہے۔

ساتویں چیز رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا جو کہ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

تَفٰوُتٍ سے سمجھ میں آتا ہے۔

آٹھویں چیز اپنی مملکت کے شہروں کو زینت بخشنا، ان کی آئینہ بندی اور سامانِ روشنی

اور مشعل خانہ کا انتظام جو کہ لفظ زَيْنَا السَّمٰوٰتِ الدُّنْيَا بِمَصٰبِيْحٍ سے معلوم ہوتا ہے۔

نویں چیز دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لیے آفات تار رکھنا جیسے توپ گولا، قید خانہ

اور فوجی جو کہ وَجَعَلْنَاهَا رَجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ اور
سَلَّطْنَاهُمْ حَزَنَتَهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ سے معلوم ہوتا ہے۔

دسویں چیز دوستوں اور فرماں برداروں پر رحم و فضل کرنے کے وافر اسباب مہیا کرنا
جو کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ سے معلوم ہوتا ہے اور آیت اَمِنْتُمْ مِّنْ فِي
السَّمَاءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ تَمِنَ آيَاتِ کے آخر تک میں بھی دونوں مضمونوں
کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

گیارہویں چیز وحشی جانوروں کی تسخیر اور توشہ خانہ کی آبادی جو کہ اَلَمْ يَسْرِواِلَى
الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَاتٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

بارہویں چیز ملک میں امن، نزخوں کی ارزانی، رعایا اور متوسلین کی روزی اور
تنخواہوں میں فراخی کرنا جس کا اَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ سے لے کر بَلْ لَّجُوا فِي
عُتُوِّ وَنُفُوْرٍ تک کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے۔

تیرہویں چیز کسی کو حفاظت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ اس درگاہ کے دُھتکارے
ہوئے کو جگہ دے اور حمایت کرے یا اس بارگاہ کے مجرّم و مردود کو روزی پہنچائے اور کوئی
نفع پہنچائے اور یہ معنی اَمِنٌ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدُكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ تا
اٰخِر بَلْ لَّجُوا فِيْ عُتُوِّ وَنُفُوْرٍ سے سمجھا جاتا ہے۔

سور رحمانیات اور ربانیات

اور یہ سورۃ رحمانیات سے ہے کہ اس میں اسم ذات کی بجائے اسمِ رحمن استعمال ہوتا
ہے جیسے سورۃ انبیاء، سورۃ یسین، سورۃ مریم اور سورۃ طہ جس طرح کہ سورۃ نون، سورۃ الحاقۃ اور
دوسری بہت سی سورتیں۔ جیسے طویل سورتوں میں سے سورۃ ہود اور سورۃ یوسف اور قصار میں
سے سورۃ الفجر وغیرہ ربانیات ہیں کہ ان میں اسم ذات کی بجائے اسمِ رب مستعمل ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيْدِهِ الْمُلْكُ بہت بابرکت ہے وہ ذات پاک جس کے دست

تصرف میں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کی بادشاہی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دس اذکار سے جو کہ تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، توحید، حوقلہ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ) حسبہ (حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ) بسملہ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) استعانت اور تبارک ہیں ہر شریعت میں ان کے مختلف صیغے رائج اور معمول ہیں اور یہ ذکر جو کہ تبارک سے عبارت ہے قرآن مجید کی دو سورتوں کے شروع میں واقع ہوا جس طرح کہ تحمید پانچ سورتوں کی ابتدا میں واقع ہوئی اور تسبیح سات سورتوں کی ابتدا میں۔

برکت کا مفہوم

اور اس ذکر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کی کثرت کو ملاحظہ کرنا ہے جو کہ ذرات عالم کے ہر ذرہ میں ہمیشگی کے ساتھ جلوہ گر ہے اس لیے کہ برکت کے مفہوم میں دونوں چیزیں داخل ہیں خیر کا صادر ہونا اور اس کی ہمیشگی۔ اسی وجہ سے جس چیز سے خیر صادر نہ ہو اسے مبارک نہیں کہتے اور جس چیز سے ایک دو بار خیر صادر ہو اسے بھی مبارک نہیں کہتے جب تک کہ ہمیشہ اور دائم رہنے والی خیر کا مصدر نہ ہو۔

ملک و ملکوت کی حد اور ان کے اعتبار سے صفات کا ذکر

نیز جاننا چاہیے کہ غیر متناہیہ عوالم کے اصول دو عالم ہیں ملک اور ملکوت۔ ملک عرش سے لے کر فرش ک عالم اجسام کا نام ہے جبکہ ملکوت قلم اعلیٰ سے انسانی نفس ناطقہ تک عالم ارواح کا نام ہے اور حضرت حق تعالیٰ کے لیے دونوں عالموں میں بادشاہانہ تصرف اور مالکانہ تدبیر ثابت ہے۔ عالم ملک کے تصرف کے اعتبار سے اسے تبارک کے ساتھ موصوف فرماتے ہیں جو کہ خیر دائمی کی کثرت کے معنوں میں ہے اس لیے کہ یہ عالم روز بروز زیادتی اور ترقی میں ہیں اور دم بدم عجیب حالات اور نادر ترکیبات قوت و استعداد کی کمیں گاہ سے فعلیت اور ظہور کے مقام پر جلوہ گر ہو رہی ہیں جبکہ عالم ملکوت کی اپنے ارادہ کے تقاضے کے مطابق تسخیر کے اعتبار سے تسبیح کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جس کا معنی تزیہ و تقدیس ہے جیسا کہ سورۃ یسین کے آخر میں قُبْحَانَ الَّذِي يَبْدَهُ

مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ہے اس لیے کہ تنزہ قدس اور پاکیزگی عالم ارواح کے مناسب ہے۔

اور چونکہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عجیب نشانات جو کہ عالم ملک میں مشاہدہ میں آتے اور محسوس ہوتے ہیں اور سرحد امکان سے وجود کے مقامات میں داخل ہو کر محاصرہ کی حد اور عقل کے استدلال کے احاطہ سے خارج ہیں، کی طرف اشارہ پورا ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس عالم میں اس کا تصرف اور تدبیر اس کی موجودہ مقدار تک منحصر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ممکنات میں داخل ہے وہ بھی اس کی قدرت کے ساتھ متعلق ہے۔

وَهُوَ عَلِيُّ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور وہ سب چیزوں پر خواہ موجود ہوں، خواہ نہ ہوں، خواہ عادی ہوں، خواہ نہ ہوں، قادر ہے اور اس جہت سے کہ ہر موجود کی امکانی صورتوں کی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کے معمور خزانوں کو کوئی پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُومٍ اور خزانوں کا یہ وافر ہونا کسی بادشاہ کے لیے تصور نہیں ہو سکتا۔

اب اس کی بادشاہی کے چند اور کارخانوں کو غور سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کتنے عجیب آثار رکھتے ہیں تاکہ اس کی بادشاہی کی وسعت کا تھوڑا سا تصور تمہارے ذہن میں آئے اور قدرے معرفت جو کہ اس کی بارگاہ میں توجہ کو صحیح کرنے والی ہو، تمہیں نصیب ہو۔ تمام کارخانوں سے پہلے اپنی نوع کے کارخانے کو جو سرکارِ عالی کے چیلے ہیں، غور و فکر کے ساتھ دریافت کرو کہ اللہ تعالیٰ کی برکت نے تقاضا فرمایا کہ موجودات میں سے ایک نوع کو اپنی قدرت اور اختیار سے ایک سایہ اور نمونہ دینا چاہیے اور اپنے علم و شعور کا ایک عکس اسے عطا فرمانا چاہیے تاکہ اختیار کے ساتھ خیرات دائمی کا مصدر ہونے میں اپنے خالق کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اس لیے کہ دوسری مخلوقات جو کہ مصدر خیرات ہوتی ہیں یا تو بے اختیار ہوتی ہیں جیسے افلاک، ستارے، عناصر، کانیں اور نباتات یا ضعیف اختیار کے ساتھ جو کہ طبیعت کا حکم رکھتا ہے اور اس ضعیف اختیار کی وجہ سے تعریف اور مذمت کا

مورد نہیں ہوتی اور ان کی خیرات دوام اور ہمیشگی کے زیور سے خالی ہوتی ہے جیسے حیوانات یا اپنے اختیار میں مجبور ہیں اور اپنے مالک کے حضور بے اختیاروں کی طرح مغلوب جیسے ملائکہ اور ارواح مدبرہ۔ اس لیے اس نے تمہاری نوع کو پیدا فرمایا اور قدرت، اختیار، شعور اور ادراک کلی دینے کی وجہ سے جو کہ ہمیشہ رہنے والے نشانات کے افعال کا مصدر ہو سکے اور ایک عالم کی بناء کر سکے اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اسے بطور خود چھوڑ دیا پھر اس کے لیے ایک ایسی چیز چاہی تھی جو کہ اس کے جذبہ خیر کو حرکت دینے والی اور شر سے روکنے والی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ

ۚ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ۗ وَهُوَ بِالْاَقْدَارِ بَادِشَاهٌ هُوَ ۗ كَمَا جَسَّ نَمُوْتٌ اُوْر
زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ حیات کی وجہ سے اعمال اختیار یہ پر قادر ہوں اور موت کی وجہ سے تمہارے عمل کے حسن کے آثار ظاہر ہوں تو جس طرح حیات اعمال کی اصل اور ان کے تخم کے ظہور کا باعث ہے، موت ان اعمال کے نتائج اور آثار کی نمود کا باعث ہے اور یہ عجیب تدبیر اس لیے فرمائی

لِيَسْئَلُوْكُمْ اَبْنٰكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ تَا كَمَا تَمَّ اَرَا اَمْتَا ن كَرِي ۗ كَمَا تَمَّ مِي ۗ سَا كُو ن عَمَل كِي
رو سے زیادہ اچھا اور نیک ہے اور حسن عمل کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اپنے خالق کے ساتھ تمہاری مشابہت کے مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں جس قدر حسن عمل زیادہ ہوگا، تم میں برکت الہی کا ظہور زیادہ ہوگا پس اس تدبیر کے ساتھ اس نے برکت کا بیج بویا تاکہ اس بیج کی پیداوار ایک جہان کی آبادی کا باعث ہو جسے عالم آخرت کہتے ہیں۔

اور یہ تدبیر بلا تشبیہ خزانوں کے مالک کی تدبیر کی طرح ہے جو چاہتا ہے کہ اپنے خزانے کو زراعت اور تجارت کے ساتھ زیادہ کرے اور دوسرا رنگ اور ایک اور نقش باندھے۔ فرق یہ ہے کہ صاحب خزانہ اس تدبیر میں اپنے غیر سے مدد لیتا ہے اور اس کا محتاج ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض کے ساتھ ترکیب دے کر اپنے غیر سے مدد مانگے بغیر یہ نقش باندھا ہے اور اسی لیے باوجودیکہ یہ نقش باندھنے کے لیے اس نے اقتدار اور اختیار والے بندوں کو درمیان میں رکھا ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا

جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا: اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُخْصِيهَا عَلَيْكُمْ وَهِيَ تَمَّارَةٌ لَكُمْ فِي غَلْبَةِ اِسْمِهَا وَنَقِيضٌ لَهَا فِي اِسْمِهَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُخْصِيهَا عَلَيْكُمْ وَهِيَ تَمَّارَةٌ لَكُمْ فِي غَلْبَةِ اِسْمِهَا وَنَقِيضٌ لَهَا فِي اِسْمِهَا

اس لیے کہ ہر چیز کی لگام بلکہ ان واسطوں کے اقتدار اور اختیار کی لگام بھی اپنے قبضہ قدرت میں رکھتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ اور وہ ایسی عزت والا ہے کہ اس عزت کی مثل کا اس کے غیر میں تصور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی یہ عزت نہ ہوتی تو اس مخلوق کو کہ جسے اس نے اپنا خلیفہ بنایا اور تصرف میں خود مختار فرمایا ہے، اپنی نافرمانی اور ناراضگی پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتا تھا جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کو اپنی جگہ مقرر کرتے ہیں اور با اختیار کرتے ہیں پھر اس سے یہ عہدہ چھین نہیں سکتے اور اپنی ناراضگیوں پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتے اور اس تمام عزت اور غلبہ کے باوجود جو کہ اسے حاصل ہے، ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ اَلْغَفُوْرُ پر وہ پوش اور بخشش والا ہے، اپنے ان خود مختار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور پکڑنے میں جلدی نہیں فرماتا تا کہ ان کی سرکشی اور عناد ثابت ہو جائے اور حکمت کے تقاضے کے مطابق پر وہ پوشی اور بخشش کی جگہ نہ رہے۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ موت کو حیات سے پہلے کیوں لایا گیا حالانکہ موت تو حیات کے بعد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نیک عمل کرنے کا سبب درحقیقت موت ہے اور یہاں اس معاملہ امتحان میں حسن عمل کا منظور ہے نہ کہ اصل عمل پر اطلاع پس موت بمنزلہ مقصود ہے کہ امر مقصود یعنی حسن عمل کا سبب ہے اور حیات بمنزلہ وسیلہ کے ہے کہ ایسے امر کا سبب ہے جو کہ وسیلہ ہے اور مرتبے کے اعتبار سے مقاصد و مسائل سے پہلے ہوتے ہیں اگرچہ زمانے کے اعتبار سے وسائل مقاصد سے پہلے ہوتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم ملک میں موت ذاتی ہے اور حیات عرضی ہے اور ذاتی عرضی سے مقدم ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ موت کو اس وجہ سے مقدم فرمایا گیا کہ موت ہر آدمی کی آنکھوں کے سامنے اور پیش نظر رہے اور اس سے کبھی غفلت نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لذتوں کی قاطع کا ذکر زیادہ کرو یعنی موت کا۔ نیز وارد ہے کہ بس العبد عبد نسی المقابر والبلی بہت بُرا ہے وہ بندہ جو قبروں اور بوسیدہ ہونے کو بھول گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت سے مراد دنیوی موت ہے اور حیات سے مراد اخروی حیات ہے اور دنیوی موت کو حیاتِ اخروی پر تقسیم مانی حاصل ہے اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ موت سے مراد نطفہ ہونے کی حالت ہے اور حیات سے مراد دنیوی حیات اور نطفہ کی حالت حیات سے پہلے ہے اور اس تفسیر پر لَبِلُوا كُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کے ساتھ مناسبت اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ اس نے جب تمہیں پہلے مردہ کیا پھر زندہ کیا پس تمہیں چاہیے کہ جانو کہ ہر موت کے بعد ایک زندگی ہے کہ اعمال خیر کے ساتھ اس زندگی میں تم نفع حاصل کرو گے جبکہ بُرے اعمال سے ضرر پاؤ گے اور اس جاننے سے اپنے اعمال کو اچھا کرنے میں کوشش کرو اور اپنے اعمال کو بُرا کرنے سے پرہیز کرو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ موت کو پیدا کرنے کا کیا معنی ہے اس لیے کہ موت زوال حیات کا نام ہے اور ہر چیز کا زوال جو کہ اس چیز کا عدم ہے مخلوق نہیں ہے اس چیز کو پیدا نہ کرنا زوال حاصل کرنے میں کافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موت و حیات ایک ساتھ عدم اور استعداد ہیں اس لیے کہ حیات حسن و حرکت ارادہ سے عبارت ہے اگرچہ وہ حرکت ارادی مجبوراً ہو جیسے سانس لینے والا اور موت حس و حرکت ارادی کا نہ ہونا ہے اس سے جو حس و حرکت کے قابل تھا اس لیے پتھر اور لکڑی کو نہیں کہا جاسکتا کہ میت اور مردہ ہے اور عدم استعداد عدم محض نہیں بلکہ وجود کی آمیزش رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محل کے بغیر صورت نہیں پکڑتا اور جب اسے وجود سے آمیزش حاصل ہوئی تو پیدائش کے قابل ہو گیا جیسے حیات

دوسرا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ موت و حیات

کی خلقت سے مراد ان دونوں کی مثالی صورتوں کی خلقت ہے اس لیے کہ موت کو عالم مثال میں سیاہ و سفید داغوں والے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہو اور اس کی بو اس چیز کے نتھنوں میں پہنچتی ہے وہ مر جاتی ہے اور زندگی کو ابلق گھوڑی کی شکل میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہوتا ہے اور اس کی بو اس کے نتھنوں میں پہنچتی ہے زندہ ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے صحیح حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے جنت اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کریں گے تاکہ دوزخیوں کا غم پر غم بڑھے اور بہشتیوں کو سرور پر سرور حاصل ہو۔ نیز سامری کے قصہ میں واقع ہوا ہے کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ابلق گھوڑی پر سوار دیکھا تھا اور اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے کچھ خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھی کہ سونے کے چھڑے میں ڈال کر ایک طلسم بنایا اور اسے معبود قرار دیا۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور جب آپ اس لفظ پر پہنچے کہ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تو ارشاد فرمایا: اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا واورع عمل عن محارم اللہ وَاَسْرَعُ فِي طَاعَةِ اللہ یعنی حسن عمل سے مراد نوافل کی کثرت نہیں ہے بلکہ آداب کی رعایت اور محرمات سے نفس کی نگہبانی ہے اس لیے کہ نافرمانی جب اطاعت کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو نیکی کے اثر کو کمزور کرتی ہے۔ پھر اس سلطنت کی عمارات اور بلند تعمیرات کے کارخانہ میں غور کرو اور بالکل ظاہر ہے کہ عالم ملک کے کمال کی انہما آسمانوں کی پیدائش میں ہے اس لیے کہ عالم میں کوئی چیز مضبوطی، حسن انتظام اور قرآن کی رعایت میں اس کے برابر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِاَقْتَدَارِ بَادِشَاهِ جَسَّ نِ سَاتُوں آسْمَانِ پیدائش کے ہیں تاکہ ہر آسمان کے واسطے سے جہان میں ایک خاص فیض نازل فرمائے اور لوگ اس فیض کو اس آسمان اور اس آسمان کے ستاروں اور اس آسمان سے متعلق روحوں کے ساتھ نسبت کریں اور فعل الہی اس پردے میں مخفی اور چھپا رہے ہیں کہ بادشاہوں کی عادت

ہے کہ اپنے فعل کو اپنے اہلکاروں کے افعال کے پردہ میں چھپا رکھتے ہیں اور دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہے مگر اس کا مبداء اور اصل آسمان سے ہے اور آسمان کے رہنے والے ان نعمتوں کا فیض دینے میں واسطہ واقع ہوئے ہیں اور ان سات آسمانوں کو جدا جدا بنایا تاکہ جہان والوں کو اس فیض کے پہنچنے میں نزدیکی اور دُوری کا اختلاف واقع ہو بلکہ ان سات آسمانوں کو بنایا۔

طَبَاقًا تَبَتُّهُرَ آسْمَانِ اِنۡجِلۡمَ اَسْمَانِ كُو مَحِيطُ هِیۡ اَوۡرِ جُو فِیضِ كِه نَا زِلۡ هُو تَا هِیۡ اَعۡلٰی كِه نِچَلۡ كَا اِحَا طِه كَرۡنِ كِه سَبۡبِ سِیۡ اِسۡ فِیضِ كَا كُرۡرِ نِچَلۡ اَسْمَانِ اَوۡرِ جُو كِچھ اِس كِه اِنۡدَرِ هِیۡ اِس كِه اَوۡرِ سِیۡ صَوۡرَتِ بَکُرۡ اَوۡرِ سَا تُوۡنِ اَسْمَانُوۡنِ كِه فِیوضِ كَا اِمۡتِزَاجِ سَبۡبِ كِه سَا تِھ زَمِیۡنِ وَا لُوۡنِ پَرِ مَتَحَقِّقِ هُو۔ نِیۡزِ سَا تُوۡنِ اَسْمَانُوۡنِ كُو اِیۡكِ سَا تِھ اِیۡكِ دُوسَرۡیۡ كِه مَطَابِقِ كَرِ دِیَا تَا كِه بَعۡضِ كِه بَعۡضِ كِه سَا تِھ مَوَافِقَتِ كِیۡ وَجِہِ سِیۡ كَا نَا تِ كِه اِحۡكَامِ مِیۡ خَلَلِ اَوۡرِ تِصَا دِ اَوۡرِ خَرَابِیَا رُو نَمَا نَہِ هُوۡنِ اَوۡرِ یَہِ عَجِیۡبِ تَدَبِیۡرِ كَا نَا تِ كِیۡ تَكۡمِیۡلِ اَوۡرِ حَسَنِ اَعۡمَالِ كِه مَفَا سِدِ كَا مَوْجِبِ هُو۔ اِیۡ لِیۡ

مَاتَرِیۡ فِیۡ خَلۡقِ الرَّحْمٰنِ تُو عَامِ رَحْمَتِ وَا لَیۡ خَدَا كِیۡ تَخَلِیۡقِ مِیۡ نَہِ عَالَمِ اَعۡلَوِیۡ مِیۡ نَہِ عَالَمِ كُوۡنِ وِفَا سِدِ مِیۡنِ تَفَاوُتِ كُوۡیۡ تَفَاوُتِ دِیۡكِھَتَا هِیۡ؟ حَكْمَتِ كِیۡ رِعَا یَتِ حَسَنِ اِنۡتِظَامِ اَوۡرِ ہرِ چِیۡزِ سِیۡ مَطۡلُوبِ تَا ثِیۡرُوۡنِ كِه صَا دَرِ ہُوۡنِیۡ مِیۡ ہَاں جُو تَفَاوُتِ كِه ہِیۡ صَوۡرِ تُو عِیۡہِ كِیۡ طَبِیۡعُوۡنِ مِیۡ اِخۡتِلَافِ اَوۡرِ اِخۡتِیَارِ وَا لِیۡ چِیۡزُوۡنِ كِه جَذَبَاتِ اَوۡرِ اِرَادُوۡنِ مِیۡ اِخۡتِلَافِ كِیۡ وَجِہِ سِیۡ ہِیۡ اَوۡرِ یَہِ تَفَاوُتِ حَكْمَتِ اَوۡرِ جِہَا نَدَا رِیۡ كِه تَقَابُضُوۡنِ كِه عِیۡنِ مَطَابِقِ ہِیۡ اِگَرِ یَہِ تَفَاوُتِ نَہِ ہُوۡتِیۡ عَجِیۡبِ تَا ثِیۡرِیۡنِ اَوۡرِ حِیۡرَانِ كُنِ تَرَكِیۡبَاتِ نَمُو دَا رِ نَہِ ہُوۡتِیۡنِ۔

اور اے سننے والے! اگر اس امر میں تجھے کوئی شک ہے اور تو اس تفاوت کو حکمت کی رعایت میں تفاوت کا موجب نہیں سمجھتا فَارۡجِعِ الْبَصَرَ پَسِ اِنۡجِلۡمَ اَسْمَانِ كُو عَالَمِ بَا لَا كِیۡ طَرَفِ پِھِیۡرِ كِه كَا نَا تِ اَوۡرِ فَا سِدَاتِ كَا مَبۡدَا ہِیۡ ہِیۡ اَوۡرِ جَبۡ تَا كِیۡ شِیۡ كِه مَبۡدَا مِیۡ خَلَلِ نِہِیۡنِ پڑتا اس شے میں خلل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

هَلۡ تَسۡرِیۡ مِیۡنِ فُطُوۡرِ كِیَا تُو اِسۡ عَالَمِ بَا لَا مِیۡنِ كُوۡیۡ شِکَا فِیۡ دِیۡكِھَتَا ہِیۡ جُو كِه فِعۡلِ اَوۡرِ

رعایت حکمت کے اتفاق پر دلالت نہ کرے اور اگر تجھے اس ایک بار کے دیکھنے سے تسلی خاطر حاصل نہ ہو تو کہے کہ پہلی نظر حماقت ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ اس عالم کے احوال میں اپنی عقلی چشم کو پھر لوٹا کَوْنَتَيْنِ تکرار سے يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَايِسًا تیری نظر تیری طرف پھرے گی دُھتکاری ہوئی گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دلائل ہر طرف سے کوتاہی طلب کرنے والے کو دُھتکارتے ہیں۔

وَهُوَ حَسِيرٌ اور وہ نظر تھکی ہوئی اور عاجز ہوئی ہوگی۔ پس یہ امر اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حکمت کو پسند کرتا ہے تو تمہارے اختیاری اعمال میں بھی اسی کو پسند کرتا ہے کہ ممکن حد تک اچھے طریقے سے واقع ہوں کہ کسی طرح بھی ان میں حکمت کی مخالفت اور رخنہ پیدا نہ ہوتا کہ بقدر امکان اپنے خالق کے ساتھ مشابہت حاصل کر لے۔

اور اس آیت میں اسم ذلت کی بجائے لفظ رحمن اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ عام پیدائش میں حکمت کی رعایت تمام نعمتوں کا مبداء ہے اور یہ عام انعام صفت رحمانیت کا اثر ہے جو کہ عموم رحمت کے معنوں میں ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آسمان کا جو ہر بسیط ہے اور جو اہر عناصر اور عناصر کے مرکبات سے وراء ہے۔ پس جس طرح پانی، آگ، ہوا اور خاک کو نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں چیز سے مرکب ہو کر آیا اسی طرح آسمان کو بھی نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں جوہر سے مرکب ہے اور جو کعب احبار وغیرہ سے روایات آتی ہیں کہ آسمان دنیا پانی کی موج ہے جو کہ معلق کھڑی ہے اور دوسرا آسمان سفید مروارید سے ہے تیسرا آسمان لوہے سے چوتھا تانبے سے پانچواں چاندی سے چھٹا سونے سے اور ساتواں آسمان سرخ یا قوت سے ہے تو یہ تشبیہ و تمثیل کے طریقے پر ہے یعنی اگر آسمانی جوہر کو دنیا کے معلوم جوہر پر مطابقت اور تمثیل دیں تو یہ جوہر فلاں آسمان کے مشابہ اور مانند ہے جس طرح اسی مطابقت اور تشبیہ کی وجہ سے سورج کو سونے کا اور چاند کو چاندی کا خیال کرتے ہیں اور دن کو سفید اور رات کو سیاہ کہتے ہیں۔

اور جب رعایت حکمت اور عالم بالا کی اونچی عمارات جو کہ بمنزلہ بادشاہی تخت کے ہے اور نچلا عالم جو کہ کائنات اور فاسدات پر مشتمل ہے اس عالم بالا کی نسبت شہر میں رعایا کے گھروں کے مرتبے میں ہے کے کارخانہ میں عمل کے اتفاق کے بیان سے فارغ ہوئے اب فرمایا ہے کہ حکمت کو پورا کرنے اور ان خاص عمارات میں حسن ذاتی کا کامل کرنے کے علاوہ ہم نے عرضی خوبیوں اور زینتوں کو بھی کامل فرمایا ہے اور ان محاسن اور زینتوں کو اعداء پر قہر اور چوروں سے پہرے کا سبب بنایا کہ ان خاص محلات کے قریب پھٹک نہیں سکتے اور یہ تدبیر انتہائی عجیب ہے کہ ایک چیز میں زینت اور سلطنت کی رونق بھی ہو اور دشمنوں پر قہر اور فساد یوں کو سزا بھی اور کسی بادشاہ کو ایسی تدبیر نہ آئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا اور تحقیق ہم نے زمین سے نزدیک آسمان کو زینت بخشی ہے کہ چاند اس میں گڑا ہے بَصَائِعَ بے شمار چراغوں کے ساتھ جو کہ اس آسمان کے اوپر درجہ بدرجہ معلق ہیں، ثوابت کرسی میں، زحل ساتویں آسمان میں، مشتری چھٹے آسمان میں، مریخ پانچویں میں، سورج چوتھے میں، زہرہ تیسرے میں، عطارد دوسرے آسمان میں اور ان تمام چراغوں کی شعاع نچلے آسمان میں ہو کر اسے بہت زیادہ زینت بخشی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کسی مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینا اس پر موقوف نہیں کہ وہ سب چراغ اس مکان میں رکھے ہوئے ہوں بلکہ معمول بھی نہیں بلکہ مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینے کا یہی طریقہ ہے کہ اس مکان کے اوپر لڑیوں میں یا بلند طاقوں میں قدیلیں لٹکاتے ہیں تاکہ اس چراغاں کی شعاع اس پورے مکان میں پھیلے اور اگر چراغاں کو اس مکان کے اندر رکھیں تو اس چراغاں کی شعاعیں اس مکان میں نہ پھیلیں تو اس آیت سے ستاروں کا نچلے آسمان میں ہونا سمجھنا عرف کے خلاف ہے اور درحقیقت ستاروں کے تمام انوار کے ساتھ زمین و آرائش اسی آسمان کو حاصل ہے جو کہ سب سے نیچے ہے اور سب کی شعاعوں کی جلوہ گاہ ہو خصوصاً زمین والوں کی نظر میں آسمانوں کے

صاف شفاف ہونے کی وجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ستارے اسی آسمان میں ہیں اور زینت میں یہی امر معتبر ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کے مطابق ہونہ یہ کہ واقعی ہو۔ اسی لیے چاندی پر سونے کا جڑاؤ کرتے ہیں اور ملمع کرتے ہیں تاکہ دیکھنے میں خوبصورت لگے اور ایک چراغ کو ہزار میں آئینہ میں دیکھتے ہیں تاکہ بے شمار چراغ نظر آئیں اور زینت حاصل ہو۔

اور آسمان دنیا کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی ہے کہ آسمان دنیا عالم بالا کے دروازے کی طرح ہے کہ بادشاہی کے تخت کا حکم رکھتا ہے اور دروازے کو زیب و زینت کرنا اور اس پر پہرے داروں، چوکیداروں کو مقرر کرنا اور وہاں توپ اور گولہ مہیا رکھنا شاہانہ انتظام کے مطابق ہے۔ نیز اس آرائش میں اس بات کا اشارہ ہے کہ میں آدمی کو بھی ان درجوں کے ساتھ زینت بخشا ہوں جو فی الحال اس کی قدر سے زیادہ ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ مرتبے اس کے فوقانی ارباب کے مرتبے ہیں کہ اس میں ظہور کرتے ہیں تاکہ اس میں جن چیزوں کی قوت سپرد کی گئی ہے انجام کار وہ فعلیت اور ظہور میں آئے۔

وَجَعَلْنَاهَا اور ہم نے اس چراغاں کو کر دیا توپ کے گولوں کی طرح کہ ہو جاتے ہیں رَجُومًا لِلشَّيَاطِينِ شیطانوں کو سنگسار کرنے کا سبب جو کہ خبروں کی چوری اور عالم بالا کی تدبیروں کی جاسوسی کے لیے جاتے ہیں تاکہ ان خبروں اور تدبیروں کو زمین کے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے اعمال کو خراب کریں اور اپنے آپ کو ان کے نزدیک عالم الغیب اور تدبیرات الہیہ میں شریک ظاہر کریں اور ان سے عبادتیں قربانیاں اور اجر تیں اپنے لیے اور اپنے دشمنوں کے لیے طلب کریں۔

شیاطین کے رجم کا طریقہ

اور ستاروں کے ساتھ شیطانوں کی سنگساری کا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے ستاروں کی شعاعوں سے جو کہ آسمان دنیا میں جمع ہوئی ہیں ایک آگ جلاتے ہیں اور اس آگ کو ہر آسمانی راز چرانے والے شیطان کے پیچھے بھگاتے ہیں اور آسمان دنیا کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اوپر کے آسمانوں کے نیچے کوئی ایسا جہنم نہیں ہے جو کہ ستاروں کی

شعاعوں کو گرم کرنے کی کیفیت کے قابل ہوتا کہ اس قابلیت رکھنے والے جسم میں تاثیر کریں اور گرم کریں اس لیے کہ فاعل قابل کے بغیر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ بخلاف آسمان دنیا کے کہ اس کے نیچے اس کیفیت کو قبول کرنے والی لطیف ہوا اور اوپر چڑھنے والے بہت سے بخارات موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سورج کی شعاع جب زمین اور پتھر پر پڑتی ہے تو بہت گرم ہوتے ہیں جبکہ اجسام فلکیہ میں بلکہ کرۂ ہوا کے طبقات میں بھی قابل کے تصور کی وجہ سے اس کی اپنی گرمی ظاہر نہیں ہوتی پس اگر کہا جائے کہ ہم نے زمین اور پتھر کو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جلانے اور پکانے کے قابل بنا دیا ہے باوجودیکہ سورج کے جسم سے بہت دور ہیں تو بالکل صحیح ہے۔

اور وہ جو حکماء نے کہا ہے کہ شہابوں کی حقیقت یہی جلانے والے بخارات ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس تاثیر کو قبول کرنے والے ہی بخارات ہیں نہ یہ کہ انہیں ستاروں کی شعاعوں کی ضرورت نہیں یا فرشتوں کو ان شعاعوں کے ساتھ ان بخارات کو روشن کرنے میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ اگر جلے ہوئے بخارات کرۂ نار میں داخل ہونے کی وجہ سے خود بخود جل جاتے تو لازم تھا کہ اوپر چڑھنے میں زیادتی قبول کرتے اور خط مستقیم پر اوپر جانے والی حرکت کرتے اس لیے کہ اس صورت میں ان کی حرکت محیط طبعی کی سمت کو ہوتی حالانکہ اکثر اوقات جلنے کے بعد بخارات نازل ہوتے ہیں اور کبھی دائیں بائیں بھاگتے ہیں اور حرکات قسر یہ جو کہ خود مختار ہونے کے ارادے کو توڑتی ہیں ان میں بالکل ظاہر محسوس ہوتی اور نظر آتی ہیں جیسا کہ تجربہ اور گہری نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاعْتَدْنَا لَهُمُ اور ہم نے ان شیطانوں کے لیے مہیا کیا ہے اس خبروں کی چوری کے سوا جس کا مقصد بنی آدم کو گمراہ کرنا ہے ان کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے عَذَابَ السَّعِيرِ جہنم کی آگ کی جلن کا عذاب اگرچہ وہ بھی آگ سے پیدا کیے گئے ہیں پس ان کے مادے کو انہیں کی صورت پر مسلط کرتے ہیں تاکہ عذاب دیں اس لیے کہ جب تک صورت مادہ پر مسلط ہے کام طبیعت کے مطابق ہے اور جب مادہ

صورت پر مسلط ہوا تو بنیاد اور افعال میں خلل لازم ہوا جس طرح کہ بیماریوں کے پیدا ہونے میں تجربہ اور امتحان کیا گیا ہے کہ خون اور دوسری اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے مزاج خراب ہوتا ہے اور افعال میں خلل پڑ جاتا ہے اگرچہ بدن کا مادہ یہی خون اور اخلاط ہیں۔

ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ سورۃ کی ابتدا سے لے کر اس آیت تک کلام کی بناء غیب پر رکھی گئی اور اپنی ذات پاک کا ذکر غائب کے صیغے کے ساتھ فرمایا اس آیت میں غیبت سے متکلم کی طرف التفات کیوں فرمائی گئی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسا ایسا کیا انداز کے اس بدلنے میں نکتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے سورۃ سے لے کر اس آیت تک ان اوصاف کا ذکر فرمایا گیا جو کہ مخلوق سے مقصود نہیں ہو سکتے۔ یعنی خلق، موت، حیات، سات طباقوں والے آسمانوں کو پیدا کرنا پس متکلم کو معین کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ ہر عقل مند جانتا ہے کہ یہ کام خدائی کام ہیں جبکہ اس آیت میں جو کام ذکر فرمائے گئے ہیں یعنی مکانات کو قندیلوں اور چراغاں کے ساتھ زینت دینا، دشمنوں پر پتھر پھینکنا اور اپنے دشمنوں کے لیے سزا کے اسباب مہیا رکھنا اس قسم سے ہیں کہ آدمی یہی کرتے ہیں۔ پس متکلم کی تعریف جو کہ تعریف کے انتہائی درجات تک پہنچی ہے، ضروری ہوئی تاکہ شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اور تفسیرات عجیبہ میں سے وہ تفسیر ہے جو کہ بعض مضبوط فقہاء نے اس آیت میں کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوما بوگس خیالات کے معنوں میں جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص رجما بالغیب باتیں کرتا ہے یعنی بے اصل گمان فاسد کرتا ہے اور شیاطین سے مراد نجومی ہیں جو کہ اپنی جھوٹی خبروں کے ساتھ لوگوں کو جسے پہلے لانا ہے اسے مؤخر کرنے اور جسے مؤخر کرنا ہے اسے پہلے لانے میں گرفتار کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اوہام اور وسوسوں کو راہ دیتے ہیں۔ پس اس آیت کا معنی یوں ہوا کہ ہم نے ان ستاروں کو نجومیوں کے لیے جھوٹ بولنے کے اسباب بنایا ہے اور ہم نے ان نجومیوں کے لیے جو کہ ستاروں کی تاثیر کے معتقد ہیں یا غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں

جلن کا عذاب مہیا کیا ہے وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ اور ان لوگوں کے لیے جو کہ اپنے پروردگار کے ساتھ کافر ہو گئے ہیں ان شیطانوں کے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایک اور عذاب ہے جو کہ قسم قسم کے دکھ اور تکلیف کو جمع کرنے والا ہے اس لیے کہ انہوں نے بھی اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کر کے بدی کی کئی قسموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور وہ عذاب

عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم ہے جو کہ آگ کی جلن زمہریر کی ٹھنڈک طوق اور زنجیریں پہننے کے ساتھ ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے زقوم غساق اور غسلین کھانے گرم کھولتا پانی اور پیپ پینے چڑھائی پر چڑھائی وغیر ذالک کو جمع کرنے والا ہے۔

وَبِنَسِ الْمَصِيرُ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی وہ دوزخ۔ اس لیے کہ مکان کا بُرا ہونا یا اس مکان کی ذات سے ہے یا اس مکان میں رہنے والوں اور وہاں کے مالکان امر سے ہے مکان کی برائی جیسے تنگ اور ہوا کے بغیر مکان کہ یہ بُرائی اس کی ذات کی وجہ سے ہے اور جیسے کھلے فضا والے مکان کی بدی جس میں کوئی جن مسلط ہے اور وہاں ہر جانے والے کو ایذا دیتا ہے جبکہ دوزخ میں دونوں قسم کی بدیاں جمع ہیں۔ دوزخ کی ذات اس میں سکونت کا قصد کرنے والوں کے ساتھ اس طرح پیش آتی ہے۔

إِذَا أُلْقُوا فِيهَا جب یہ کفار اس دوزخ میں پھینکنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تو مرحبا کہنے استقبال اور تعظیم کرنے کی بجائے سَمِعُوا لَهَا شَهِيْقًا اس دوزخ کی بہت مکروہ اور بلند آواز سنتے ہیں جیسے گدھے کی اونچی آواز۔ صرف فرق یہ ہے کہ گدھا اس قسم کی آواز کر کے چپ ہو جاتا ہے۔

وَهِيَ تَفُوْرٌ اور وہ دوزخ زیادہ جوش مارتی ہے جیسے دیگ جوش مارتی ہے اور یہ تیز آواز اور سخت نعرہ نکالنے سے اس کا غصہ اور غضب دُور نہیں ہوتا بلکہ ان کفار کو دیکھتے ہی اس کا غصہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ

تَكَادُ تَمَيِّزُ قَرِيْبٌ ہو جاتی ہے کہ پارہ پارہ ہو جائے اور کفار پر ٹوٹ پڑے۔ مِنْ الْغَيْْظِ غصے کی شدت سے اس لیے کہ ان کفار نے بھی دوزخ کے پروردگار کو ناراض کیا تھا

اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جو کہ رسل علیہم السلام کی زبان پر ان کے پاس بھیجا گیا تھا، سنتے ہی خود بھی غضب ناک ہو جاتے تھے اور اپنے بتوں اور اپنے طور طریقے اور آئین کی حمایت میں جوش دکھاتے تھے اور غصے کے وقت اس حالت کا سبب یہ ہے کہ غصے میں دل کا خون جوش میں آ جاتا ہے جبکہ قاعدہ ہے کہ جب خون جوش کرے اس میں حجم بڑھاتا ہے اور اس کے اندازے کو فراخ کرتا ہے اور ظرفوں میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ شدید خونی زخموں میں محسوس ہوتا ہے۔

اور اس مکان کے ساکن اور مالک اس قدر بدخلق اور طعن کرنے والے ہیں کہ صرف ایک طعنہ دینے اور ڈانٹنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کُلَّمَا أَلْقَى فِيهَا فَوْجٌ جب بھی اس دوزخ میں ایک گروہ ڈالا جاتا ہے جو ایک ہی گناہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا ایک ہی شہر میں رہتے تھے یا ایک دوسرے کے ہم عصر تھے یا خود کو ایک نبی کی امت کہتے تھے اور اس نبی علیہ السلام کے قانون اور اس کے فرمان سے گزر گئے اور اگرچہ اس قسم کے بے شمار گروہ اسی دوزخ میں جمع ہوں گے لیکن ڈالنے میں پس و پیش کریں گے اس لیے کہ ان سے بعض پہلے ڈالنے کے مستحق ہیں اور بعض بعد میں ڈالنے کے قابل اور بعض نچلے طبقے کے مستحق ہیں جبکہ بعض اوپر کے طبقے کے لائق قصہ مختصر وہاں کے مالک جو کہ دوزخ کے نگہبان ہیں اس میں ڈالتے ہی بغیر اس کے کہ سانس لینے کا موقع دیں، طعن و تشنیع کے ساتھ پیش آئیں گے۔

سَلَّهْمُ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ان سے پوچھیں گے دوزخ کے محافظ کہ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا جو تمہیں اس سیاہ مصیبت سے ڈراتا اور تم اپنے آپ کو اس سے بچانے کی فکر کرتے اس لیے کہ عقل مندوں کا کام یہی ہے کہ اگر کم درجہ اور ذلیل لوگوں سے بھی کسی خوف کی بات سنتے ہیں تو اس خطرناک امر سے اپنی حفاظت کی فکر کرتے ہیں چہ جائیکہ جب کوئی قابل اعتبار شخصیت ڈرائے اور ان محافظوں کی اس سوال سے نیت یہ ہے کہ جب انسان رسل علیہم السلام کے آنے کا انکار کریں تو غصے کی آگ بھڑکے اور ہم ان پر دست درازی کریں اور کافر بھی قرآن کی وجہ سے سمجھ

جائیں گے کہ سوال کا مقصد یہی ہے، مجبوراً سچائی اور راستی کی راہ اختیار کرتے ہوئے
 قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈرانے والے
 ضرور آئے تھے اور ہم میں سے ایک گروہ بھی ان کی خبر پر یقین کر کے ان کے ساتھ متفق
 ہو کر ہمیں ڈراتا تھا جن کا ہم نے واعظاً ملأ پندگو اور نصیحت کرنے والے نام رکھا ہوا تھا۔
 فَكَذَّبْنَا تو ہم نے سب کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا حالانکہ ان کے پاس دلائل
 اور معجزات بھی تھے اور وہ ایک کلام کا نشان دیتے تھے کہ اسے حق تعالیٰ نے نازل فرمایا
 ہے اور اس کلام میں دوزخ سے ڈرایا لیکن ہم نے قبول نہ کیا۔

وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں
 فرمایا ہے نہ امر وہی نہ وعدہ و وعید اور نہ پند و نصیحت۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ تم
 نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں کہ خدا تعالیٰ پر اس لیے بہتان باندھتے ہو تا کہ لوگ خدا کے
 گرویدہ ہو جائیں اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اور جہاں میں فسق و فجور نہ رہے اور
 فتنہ فساد لڑائی اور جھگڑا رفع ہو جائے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ بہتان عین اس کی مرضی اور
 اسے پسند ہے کہ ہم اس کے لیے کرتے ہیں اور ہم اس کی راہ میں کھنچتے ہیں اور وہ نہیں
 سمجھتے کہ افتراء باندھنا جس نیت سے بھی ہو رسیا ہی ہے اور اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم
 خود بڑی گمراہی میں تھے کہ ہم نے سچوں کو جھوٹا قرار دیا اور خیر خواہی اور شفقت کرنے
 والوں کے ساتھ ہم نے بدگمانی کی اور ان کی بات تک نہ سنی اور ان کے حالات میں ہم
 نے غور و فکر اور عقل نہ کی کہ ان کی عزت کا میدان جھوٹ اور افتراء سے ہزاروں مرحلہ دُور
 تھا۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے وہ معجزات جو اس کی سچائی پر
 گواہی دیتے تھے وعدہ اور وعید کی خبروں اور احکام شرعیہ سے گو ہماری عقل میں نہ آئیں۔
 اَوْ نَعْقِلُ یا ہم عقل کے ساتھ ان چیزوں کا حسن اور سچائی دریافت کر لیتے جو انبیاء نے اللہ
 تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچائیں۔ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيرِ تو آتش دوزخ کے
 ملازموں میں نہ ہوتے جو کہ ہم پر یہ ظلم کر رہے ہیں اور جب تکلیفات الہیہ کے دلائل یہی

دو قسم ہیں: سمعی اور عقلی تو سمعیات اور عقلیات میں غور و فکر نہ کرنے پر حسرت کریں گے۔ اور بعض مفسرین نے نسمع کو تقلید پر اور نعقل کو تحقیق و اجتہاد پر محمول فرمایا ہے کہ دونوں نجات کی راہیں ہیں اور صاحب کشف نے کہا ہے کہ ومن بدع التفاسیر ان المراد لو كنا على مذهب اهل الحديث او مذهب اصحاب الراي ما كنا في جهنم اس کے بعد معتزلی ہونے کے تعصب کی بناء پر اس تفسیر کو باطل کرنے میں بہت فضول باتیں کی ہیں جو کہ سب تعصب اور نا انصافی پر مبنی ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ علماء ان باتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ المختصر ان کفار نے موت کے بعد اس وقت ڈرانے والوں سے عبرت پکڑی اور اپنے گمراہ ہونے کا اقرار کیا۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ پس اپنے گناہ کے قائل ہوئے کہ ہم نے بلا وجہ انبیاء علیہم السلام اور داعظوں کا انکار کیا اور معجزات اور مضبوط دلائل کی طرف سے روگردانی کی اور ہم عقل کے تقاضوں سے دور رہے لیکن اس وقت ڈرنا اور قائل ہونا انہیں مفید نہیں ہوگا۔

فَسُحِقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ تو اس وقت دور گرنا اور دور رہنا ہے آگ والوں کے لیے نجات چھٹکارا پانے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمت رحمانیہ سے اس ڈرنے اور اقرار کرنے کی وجہ سے بحر رحمت ہرگز جوش میں نہیں آئے گا اور ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے۔ ہاں!

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ تحقیق وہ لوگ جو غائبانہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں دوزخ کا عذاب دیکھے بغیر اور اس کی تیز آوازیں سے بغیر اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر کہ ان کاموں کی ابتدا موت کے وقت اور بدن سے روح کے جدا ہونے سے ہوتی ہے اور اگر چہ وہ خواہش نفسانی اور غضب نفسانی کے غلبے کی وجہ سے بُرے اعمال کے مرتکب ہوئے تھے لیکن ڈرنے کے وقت جو ڈر کہ وہ رکھتے تھے اور وہ ڈر بُرائی کے ارتکاب کے بعد انہیں ندامت اور شرم ساری کا موجب ہوتا تھا۔

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ان کے لیے بخشش ہے ان گناہوں کی جو انہوں نے شہوت اور غضب کے غلبے کی وجہ سے کیے۔

وَأَجْرٌ كَبِيرٌ اور بہت بڑا اجر ہے اس ڈرنے، نادم ہونے اور شرم ساری اٹھانے پر جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ .

اور واقع میں پروردگار کی ذات پاک کے لائق یہی ہے کہ اس سے غائبانہ ڈرنا چاہیے کہ کسی شخص سے غائب ہونا اس وقت امن اور بے خوفی کا موجب ہوتا ہے کہ اسے غائب ہونے کی صورت میں اس شخص کے اقوال اور افعال کی اطلاع نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک علام الغیوب ہے، کوئی چیز اس کے علم کے احاطہ سے غائب نہیں ہے اس حد تک کہ ظاہر اور پنہاں اس کے حضور برابر ہے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ اور اپنی بات کو چھپاؤ اور اجہروا بہ یا کھلے عام بلند آواز سے کہو وہ ان دونوں باتوں کو جانتا اور سنتا ہے۔ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ تحقیق اللہ تعالیٰ دلی فطرات کو جاننے والا ہے جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

اکثر مفسرین نے روایت کی ہے کہ کفار قریش اپنی محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے بارے میں طعن اور بدگوئی کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی والہام کے ذریعے اس کی اطلاع ہوتی تھی اور ملاقات کے وقت آپ ان کفار کو آگاہ فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں مجلس میں میرے حق میں یوں کہا، مناسب نہ تھا اس کے بعد کفار نے باہمی پابندی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور بدگوئی بلند آواز سے نہیں کرنی چاہیے اس گماں سے کہ شاید آپ کے معتقدین میں کوئی یہ سن کر آپ کو پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ یہ علم الہی ہے جس میں چھپا اور ظاہر برابر ہے بلکہ جو کچھ دل میں چھپا ہے وہ بھی ظاہر ہے اور اگر تمہیں بعید معلوم ہو کہ قرب اور حاضر ہونے کے بغیر ہمارے اقوال اور افعال کا ادراک کیسے کیا جاسکتا ہے، خصوصاً ان چیزوں کو جو ہم دل میں چھپا رکھتے ہیں اور زبان پر بالکل نہیں لاتے، کیسے جانتا ہے، ہم کہتے ہیں۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے ان دلی فطرات کو تمہارے دلوں میں اور ان اقوال اور کلمات کو تمہاری زبانوں پر اور ان حرکات و سکنات کو تمہارے اعضاء

پر پیدا کیا ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنا اس چیز کے حالات کی تفصیلات کو جانے بغیر ممکن نہیں اور اگر تم کہو کہ ان چیزوں کو اپنے میں ہم خود پیدا کرتے ہیں نہ کہ خدا جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس قدر تو معتزلہ و فلاسفہ کے نزدیک بھی مانی ہوئی بات ہے کہ مجردات کو واقع ہونے والی اشیاء کا علم ضروری ہے۔

وَهُوَ اللَّطِيفُ اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ مجردات سے لطیف ترین ہے کہ مادہ سے کسی وجہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا تو اس قسم کے مجرد کے لیے نفس الامری حقائق کے ادراک سے کسی مانع کا تصور نہیں ہے ہاں ان حقائق کی طرف توجہ اور التفات ان حقائق کے حاضر کرنے کی شرط ہے جبکہ اللہ تعالیٰ

الْخَبِيرُ خبردار ہے کہ جہان کے ذروں میں سے ہر ذرے کے احوال پر توجہ فرماتا ہے اور اسے کسی ذرہ کے حال سے ذہول اور غفلت کبھی رونما نہیں ہوتی پھر اس کی بادشاہت کے کارخانوں میں سے ایک اور کارخانے پر نظر کرو۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا وہ وہی بادشاہ فیاض آباد فرمانے والا ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو رام اور مسخر کر دیا ہے اور تمہیں زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح اس زمین میں آباد کیا اور زمین میں جو کچھ کانیں، چشمے، قوت نامیہ، کارآمد حیوانات جیسے گائے، اونٹ، گھوڑا اور گدھا سب کو تمہارے قبضے میں دے دیا تاکہ ان جانوروں سے خدمت لے کر زمین کی کانوں کو باہر لاؤ اور کھیتیاں اور پھل اُگاؤ اور کنویں اور چشمے جاری کرو اور عمارتیں مرتب کرو۔

فَامشُوا فِي مَنَاكِبِهَا پس چلو زمین کے کندھوں پر تجارت اور ایک ملک کی جنس کو دوسرے ملک تک لانے اور سیر و تماشا اور ہر ملک کی آب و ہوا اور خاصیتوں کو پہچاننے کے لیے وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ اور اس کے دیئے ہوئے رزق کھاؤ جو تمہیں زمین سے عطا فرماتا ہے تو تم اس معاملہ میں مزارعوں اور عاملوں کی طرح ہو گئے کہ تمہاری تنخواہ بھی تمہارے کام سے ہی نکلتی ہے لیکن اس کے باوجود تم سے مطلوب یہ ہے کہ تم نے بادشاہ کا حق بھی ادا کیا ہو اور دوسرے تنخواہ داروں کو جو کہ مساکین، محتاج، یتیم اور بے کس ہیں اور

حکم حضور کی دستاویز کے ساتھ تم سے چاہتے ہیں بھی محروم نہ رکھو اس لیے کہ عملداری کی مدت ختم ہونے کے بعد آخر تمہیں اس زمین اور ان منافع سے گزرنا ہے۔

وَالْيَه النَّشُورِ اور اسی کی طرف زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور وہ تم سے ایک ایک جو کا حساب لے گا اور حقوق ضائع کرنے پر تمہاری پکڑ دھکڑ ہوگی اور اس بات پر دھوکہ کھائے ہوئے ہو کہ زمین کا مالک ہمیں بنایا ہے اور زمین ہم پر چھوڑ دی ہے اور اس کی فوج اور لشکر جو کہ فرشتے اور ارواح مدبرہ ہیں سب آسمان میں ہیں اور آسمانوں کی ہم سے ہزاروں سال کی مسافت ہے اگر فرشتے اور ارواح چاہیں کہ ہمارے گناہوں پر ہمیں تنبیہ کریں تو نہیں کر سکتے اگرچہ تنبیہ کے متعلق انہیں حکم الہی پہنچے۔

ء اٰمِنْتُمْ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اور ڈرتے نہیں ہو۔ مَنْ فِي السَّمَاءِ اس بادشاہ سے جس کی سلطنت کا ظہور اور اس کے احکام کے خدام آسمان میں ہیں اس گمان کی وجہ سے کہ آسمان سے ہمارا تدارک کیسے کر سکتا ہے کہ ہم تو زمین میں ہیں اور تمہارا یہ خیال نرانا سا خیال ہے بے خوف رہتے ہو۔ اَنْ يَّخْفِيَ كُنُحُ الْاَرْضِ اس سے کہ تمہارے ساتھ زمین کو غرق کر دے جس طرح کہ اب تسخیر اور مطیع کرنے کی وجہ سے زمین کے کندھوں پر سوار پھرتے ہو بکھتے نہیں ہو کہ جس نے ہمیں زمین پر سوار کیا ہے ایسا بھی کر سکتا ہے کہ زمین کو ہم پر سوار کر دے۔

فَاِذَا هِيَ تَمُورٌ پس اچانک وہ زمین ہلنے لگے اور دریا کی موج کی طرح موج مارے اور تم اس کی موجوں کے تلاطم کی وجہ سے زمین کے پیٹ میں پاش پاش ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ اور اگر اس دلیل کے واضح ہونے کے باوجود اس کے دستِ تصرف کو زمین سے اس کے دارالسلطنت کے دُور ہونے کی وجہ سے چھوٹا جانو تو تم سے ایک اور بات پوچھتا ہوں۔

اَمْ اٰمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ آیا اس بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی سلطنت کا ظہور آسمان میں ہے۔

اَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا اس سے کہ تم پتھر برسانے والا بادل بھیج دے کہ پانی

کے قطروں کی بجائے اس سے پتھر برسیں جس طرح کہ رب پانی برساتا ہے اور زمین میں تمہارے رزق کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے اور اگر بالفرض وہ بادشاہ تمہیں دنیا میں چھوڑ دے۔

فَتَعْلَمُونَ تو قریب ہے کہ تم جان لو گے سفر آخرت کی پہلی منزل میں کیف نذیر کہ میرا ڈرانے والا کیا سچ بولنے والا تھا اور یہ کفار آپ سے اس ڈرانے کا یقین نہ کریں اور کہیں کہ زمین کا دھنسا عادت کے خلاف ہے اور آسمانوں سے پتھر برستا بھی کبھی واقع نہیں ہوا تو یقین سے جانیں کہ انہوں نے آپ کی تکذیب پر اصرار کیا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ اور تحقیق ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے تکذیب کی تھی جیسے قارون اور لوط علیہ السلام کی قوم نے اسی قسم کے خلاف عادت عذابوں کی۔

كَيْفَ كَانَ نَكِيرِ تو کیا ہوا میرا انکار کرنا ان پر کہ میں نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک ایک طرف سے دوسری طرف کو دھنستا جا رہا ہے اور زمین اس کے بارے میں دریا کے حکم میں ہو گئی کہ غرق بھی کیا ہے اور اپنی موجوں کے تلاطم کے ساتھ اسے زیر و زبر بھی کرتی ہے اور لوط علیہ السلام کی قوم کے لیے آسمان کی طرف سے کنکر پتھر برسے جو کہ اوپر سے نیچے تک گزرتے ہی گئے اور اگر ان واقعات کو سننے کے باوجود بھی اس ڈرانے پر یقین نہ کریں اور کہیں کہ سنا ہوا دیکھے ہوئے کی طرح کب ہوتا ہے تو یقین جانیں کہ یہ کمال بے عقلی میں ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ كَمَا وَهوا میں اُڑنے والے جانوروں کو نہیں دیکھتے ہیں جو کہ پتھر کی طرح بھاری ہیں اور ان میں جو ہر زمینی غالب ہے اور ہر ثقل شے اپنی حرکت میں ٹھلی سمت کو طلب کرنے والی ہے جبکہ وہ جانور حکم الہی کے ساتھ فَوْقَهُمْ ان کے سروں کے اوپر ہوتے ہیں ایک ایک یا دو دو نہیں تاکہ اس بات کا احتمال پیدا ہو کہ سنگ ریزے ہوا کی حرکت کے زور سے اُڑ گئے ہوں بلکہ

صَافَاتٍ صَفِيصٍ باندھے ہوئے سینکڑوں ہزاروں جس طرح کہ کبوتروں اور کونجوں

میں محسوس کیا اور دیکھا جاتا ہے اور اگر کہیں کہ یہ جانوروں کے پروں کی خاصیت کی وجہ سے ہے جو کہ ہوا میں تیرتے ہیں، مثل دوسرے جانوروں کے جو کہ پانی میں تیرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اڑنے کی حالت میں کبھی پروں کو کھول لیتے ہیں۔

وَيَقْبِضْنَ اور پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں اور اس حالت میں بھی زمین پر نہیں گرتے تو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت کے حکم کے خلاف جو کہ نچلی حرکت کو چاہتی ہے، ہوا میں ان کی نگہداشت صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔

مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ہوا میں ان نگہبانی نہیں کرتا مگر وہ ذات جو کہ رحمانیت کے ساتھ موصوف ہے اور اس کی رحمانیت ان کے منافع ان تک پہنچانے کی متقاضی ہے اور وہ منافع ہوا کے طبقات میں امانت رکھے ہوئے ہیں تو جب تک ان کی ہوا میں نگہداشت نہ کی جائے وہ اس کے منافع کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت کو دیکھتا ہے اور غیبی تدبیر کے ساتھ انہیں ہوا کے طبقے میں پہنچاتا اور نگہداشت فرماتا ہے۔

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ تحقیق وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اس کے نفع و نقصان کو جانتا ہے اور اسے منافع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے کی تدبیر سکھاتا ہے پس ان جو اہر ارضیہ کی ہوا میں نگہداشت دونوں چیزوں پر اس کی قدرت کی دلیل ہے اس لیے کہ حسف کی حقیقت بھی زمینی اجزا کو ہوا کی مداخلت کے ساتھ حرکت دینا ہے اور آسمان سے پتھر برسنا بھی موقوف ہے زمین کے سخت شدہ اجزا کو اوپر لے جانے اور ان اجزا کی اس وقت تک کہ پتھر کی صورت پورے طور پر قبول کر لیں نگہداشت پر پھر انہیں ان کی طبیعت پر چھوڑ دینا تاکہ اپنے طبعی تقاضے کی وجہ سے زمین پر گر پڑیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو اڑنے والے جانوروں کا حال ان دونوں چیزوں سے زیادہ عجیب ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کرۂ ہوا میں خیال کرے اور ہوائی جانوروں کا اجتماعی طور پر اور ایک دوسرے کے پیچھے اڑنا ملاحظہ کرے تو یقین جانے کہ زمین کی طرف سے ایک بادل اٹھ کر سنگ باری کرتا ہے اور زمینی اجزا آسمان کی طرف دوڑتے آتے ہیں جبکہ حسف اور

آسمان سے سنگ باری اس قدر عجیب و غریب نہیں ہے اس لیے کہ زمینی اجزا ہر صورت میں نخلی سمت کو حرکت کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے بادشاہ کی پکڑ سے بے خوف ہونا اور نہ ڈرنا اس کے عاجز ہونے کے وہم کی بناء پر نہیں بلکہ مقابلہ ممکن ہونے کے وہم کی بناء پر ہے تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدُكُمْ أَيَا كُونُ هِيَ اس قسم کا شخص جو تمہارا لشکر ہو اور تمہارے نوکروں کی طرح تمہارے مخالف سے جنگ کے لیے وقت پر حاضر ہو جائے۔
يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ تہماری مدد کرے رحمان کے مقابلہ میں آ کر۔

اور اگر یہ لوگ جہالت اور حماقت کے طریقے پر کہیں کہ ہاں ہم نے اپنے معبودوں اور شیطانوں کا ایک لشکر جمع کر لیا ہے جو کہ ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے دور کر سکتا ہے تو یقین جان کہ

إِنَّ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ نہیں ہیں یہ کفار مگر دھوکے میں جو کہ بظاہر ہر حقیقت سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور اسباب کو مسبب کے مقابلہ میں کرتے ہیں۔

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ أَيَا كُونُ هِيَ اس طرح کا آدمی جو تمہیں روزی دے۔
إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ أَرَحَقَ تَعَالَى اپنے رزق کو بند کر دے اور اس کے اسباب بارش ہوا، سورج، چاند، بیج اور نیل اٹھالے اور ظاہر ہے کہ جب رزق کا ایک سبب جو کہ بارش ہے بند ہو جاتی ہے ان کے بتوں اور معبودوں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا اور اس بند شدہ سبب کو نہیں کھولتا، دوسرے اسباب تک کیا پہنچے گا تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے مقابلے کا امکان بھی خیال باطل ہے لیکن وہ اپنے جھوٹے مقدمات کے باطل ہونے کا کھوج نہیں لگاتے۔

بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَ نُفُورٍ بلکہ عناد اور حق کو قبول کرنے سے نفرت میں جھگڑا کرتے ہیں جبکہ امر کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سیدھی راہ کو گم کر دیا ہے اور اپنی نظر کو سفلی اسباب پر جما کر مسبب الاسباب سے بالکل غافل ہو چکے ہیں تو ان سے پوچھنا چاہیے۔

اَقْمَنُ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ آيَاوه جو اپنے چہرے کے بل گرا اُلٹا چلتا ہے کہ سفلی چیزوں یعنی زمین اور جو کچھ اس پر ہے کے سواد دیکھتا ہی نہیں۔ اَهْدَى زیادہ راہ پانے والا ہے اَقْمَنُ يَمْشِي سَوِيًّا آيَاوه جو سیدھا چلتا ہے اور آسمان سَطْرَهُ علم اور منارہ سب کچھ اس کی نظر میں ہے جس طرح توحید کو ماننے والا اپنی نگاہ مسبب الاسباب پر رکھتا ہے اور وہ اس ملاحظہ کی وجہ سے عَلِي صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ سیدھی راہ پر قائم ہے کہ اسباب کو اسمائے الہیہ کے مظاہر سمجھتا ہے جبکہ حق تعالیٰ کو اسباب کے نزدیک مؤثر مانتا ہے نہ مؤثر بشرط اسباب اور اس کے باوجود امور کی ترتیب میں حکمت کی رعایت فرماتا ہے اور ان اسباب پر اعتماد کیے بغیر اسباب کو سمیت عطا فرماتا ہے بخلاف اس شخص کے جس نے صرف مسبب پر نظر جمائی اور اسباب کو اعتبار کے درجہ سے بالکل گرا دیا کہ اس نے کارخانہ حکمت کو دریافت نہ کیا اور اعتدال کی راہ سے باہر نکل گیا اور اگر ان واضح تقریروں کے ساتھ بھی حقیقت کار کا سراغ نہ لگائیں تو انہیں سمجھانے کے لیے ایک اور راستہ اختیار کیجیے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي اَنْشَأَكُمْ کہہ دیجیے کہ وہ ایسا مسبب الاسباب ہے جس نے تمہیں عدم کے پردے سے پیدا فرمایا اور اس وقت تمہا بولے وجود کا تقاضا کرنے والا کوئی سبب نہ تھا اس لیے کہ پیدا ہونے کے اسباب کی انتہا والدین کا جماع ہے اور بالکل ظاہر معلوم ہے کہ والدین کے جماع کی بیٹا پیدا کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے کئی سال یہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اولاد کی آرزو میں ہوتے ہیں اور نہیں ملتی اور قوی دینے اور قوی کے مقام کو پیدا کرنے میں خود اس جماع کی تاثیر کا کوئی تصور نہیں۔ تو وہی ہے کہ جس نے تمہیں پیدا بھی فرمایا۔

وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ اور بنایا تمہارے لیے سماعت بصارتوں اور دلوں کو کہ ان تینوں چیزوں کی وجہ سے تم نے اشیائے عالم کی دریافت شروع کی اور انہیں چیزوں کے ساتھ اسباب کی سمیت کا سراغ لگاتے ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو تم اسباب کو کبھی اسباب نہ سمجھتے۔ پس درحقیقت تم نے اسباب کو اسباب بنایا ہے ورنہ

افعال الہی ایک دوسرے کے بغیر ہوتے چلے جاتے۔

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ بہت کم شکر کرتے ہو تم اس لیے کہ یہ دونوں حواس اور دل جو کہ عقل و شعور کا مقام ہے، تمہیں اس لیے دیئے گئے تھے کہ اس کی توحید اور تاثیر میں منفرد ہونے کا حق ادا کرو اور اسباب کو اس کی حکمت کے مظاہر جانو جبکہ تم نے اپنے ان سب آلات کو اسباب کی پہچان میں اس قدر نیچا کر دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کو تاثیر میں منفرد سمجھنے سے محروم ہو گئے۔

اور اگر بالفرض وہ فہمائش کے اس طریقے سے بھی راہ پر نہ آئیں اور اسباب کی سمیت کے حقیقی ہونے کے اعتقاد پر اڑے رہیں تو ایک اور راستہ اختیار کیجیے اس موجب کے قول کی راہ اختیار کریں قُلْ کہیے اگر وہ صحیح ہے جو تم کہتے ہو تو تمہارے اعمال بھی تمہاری جزا کا سبب ہوں گے اس لیے کہ

هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ زمین میں تاکہ اس میں تم سے قسم قسم کے اعمال سرزد ہوں۔ وَاللَّيْلِ تَحْشُرُونَ اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہو گا تاکہ اپنے اعمال کی جزا پاؤ۔ پس تمہارے اعمال بھی اسباب میں سے ہیں تو تم انہیں معطل کیوں چھوڑتے ہو؟ اور بُرے کاموں سے نہیں ڈرتے ہو۔

وَيَقُولُونَ اور اس الزام کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اعمال کو اس وجہ سے معطل چھوڑتے ہیں اور ان کی سمیت کا اعتقاد نہیں کرتے کہ اعمال کے آثار ہماری معلوم مدتوں میں ظاہر نہیں ہوتے مگر تم ان اعمال کے آثار کے ظہور کے لیے دُور دراز مدت کا وعدہ کرتے ہو اور جب تک اس وعدے کو معین نہ کرو ہم کیسے یقین کریں۔

مَنْ هَذَا الْوَعْدَانِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچ کہنے والے ہو تاکہ اگر اس وعدے کے مطابق حشر اور جزا واقع ہو جائے تو تمہارا سچا ہونا ظاہر ہو جائے ورنہ تمہارا جھوٹ واضح ہو ان کی اس بات کے جواب میں

قُلْ کہہ دیجیے ہم اس وعدے کو معین نہیں کرتے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس

کے معین کرنے پر آگاہ نہیں فرمایا۔ (غیوبِ خمہ جن میں سے علم قیامت بھی ہے کے متعلق صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی عطا فرمایا اور جہاں اس کی نفی معلوم ہوتی ہے تو وہ آپ کو وقت قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی زیر آیت فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا لکھا ہے۔ وهذا قبل اعلامه بوقتھا فلا ینافی انه علیہ السلام لم یرج من الدنیا حتی اعلمہ اللہ بجمع مغیبات الدنیا والآخرة یعنی یہ آیت حضور علیہ السلام کو وقت قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔ نیز یہی تفسیر زیر آیت یَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ لکھا ہے المعنی لایفید علمہ غیرہ تعالیٰ فلا ینافی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرج من الدنیا حتی اطلع ماکان وما یکون وما ہو کائن ومن جملة علم الساعة معنی یہ ہیں کہ علم قیامت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تو یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے انہیں سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمایا ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔ مسئلہ علم غیب کی تفصیلات کے لیے دیکھیے الدولہ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ از حجۃ الاسلام اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور جاء الحق ج ۱ از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ)

بلکہ اسے مبہم رکھا اور حکمت اس کے مبہم رکھنے میں ہے اس لیے کہ اگر اس وعدے کو اس کے مقدمات کے قریب ہونے کے پیش نظر قریب بیان کریں جو کہ ہر شخص کی موت کے بعد شروع ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کی اجل کو اس کے ساتھ معین کر کے نشان دے دیں تو کارخانہ عالم بے کار ہو جائے اور ہر کسی کو اپنی اجل کا خوف پریشان کر دے اور اگر اس وعدے کو اس کی انتہا کے پیش نظر جو کہ روز قیامت ہے ڈور بیان کریں تو لوگ بالکل بے خوف ہو جائیں اور ہر نہرے اعمال کرنے پر جرأت کریں اس لیے کہ انسان کی جبلت

ہے کہ اپنے زمانے سے دور ہونے والے واقعات پر توجہ نہیں کرتا اور ان سے نہیں ڈرتا اس لیے اس علم کو مخلوقات میں سے کسی کے سامنے نہیں کھولا بلکہ

إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ اس کے سوا نہیں کہ اس واقعہ کا علم بلکہ ہر کسی کی اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس کے غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہے۔

وَأَنَّمَا آتَانَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ اور میں نہیں ہوں مگر ڈرانے والا واضح کرنے والا کہ قطعی دلائل اور تصدیق کرنے والے معجزات کے ساتھ اس کے وقوع کو ثابت کرتا ہوں اور ان دلائل اور ان معجزات کے باوجود میری صداقت کو اس وقت کے بیان کرنے پر موقوف رکھنا کمال بے عقلی ہے اور اس کے باوجود اس کے وقت کو جاننا کافروں کے حق میں سخت نقصان دہ ہے۔ چنانچہ جب اس وعدے کا وقت آ پہنچے گا اور کافر بھی اس وقت زندہ ہو جائیں گے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً تَوَجَّهَ اس وعدے کو قریب آیا دیکھیں گے۔ سَيُنْتِزَعُ وَجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے جنہوں نے کفر اختیار کیا اور سیاہی ڈھنڈلاہٹ پھینکا اور غبار آلودگی ان سب پر ٹوٹ پڑے گی۔

وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم تاکید سے طلب کرتے تھے اور اگر یہ کفار کہیں کہ اگر یہ واقعہ جس طرح کہ تم کہتے ہو درست ہے تو ہم اور تم سب کے سب ہلاکت کی آفت میں گرفتار ہو جائیں گے اور ہر کسی کی روح قبض ہوگی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ فرمادیجیے آیاتم نے دیکھا اور غور کیا ان اهلکینی اللہ وَمَنْ مَعِيَ اگر مجھے ہلاک فرمائے اللہ تعالیٰ اور انہیں جو میرے ہمراہ ہیں موت کے ساتھ یا نوحہ اولیٰ یا آخرت میں میرے ہمراہوں کو گناہوں کی شامت کی وجہ سے اورد حمننا یا ہم پر مہربانی فرمائے کہ موت کے بعد سکون و راحت نصیب فرمائے اور نوحہ اولیٰ تک اسی حال میں رکھے اور آخرت میں کوتاہیوں سے درگزر فرمائے تو تمہیں کیا فائدہ اور جب تمہارا ڈر ان چیزوں سے زائل نہیں ہوتا تو اپنے امن کی فکر کرو۔

فَمَنْ يُجِبِرِ الْكَافِرِينَ پس کون ہے جو کافروں کو پناہ دے گا۔ مِنْ عَذَابِ آلِيمٍ
وردناک عذاب سے۔

قُلْ کہہ دیجیے یہ ساری شقیں جو میں نے ذکر کی ہیں صرف تمہارا انکار ملاحظہ کیا ہے
ورنہ میں اپنے طور پر نجات اور ثواب کا امیدوار ہوں اس لیے کہ هُوَ الرَّحْمَنُ وہ
کثیر الرحمت ہے۔ پس اس کی طرف سے کبھی رحمت کے خلاف واقع نہیں ہوتا مگر یہ کہ ہم
کفر و عناد کریں اور اس کی رحمت کو غضب کے ساتھ بدل دیں یا اس کی توحید اور تاثیر میں
انفرادیت کے قائل نہ ہوں اور بتوں اور دوسرے وہم پر مبنی اسباب کی سفارش پر اعتماد کر
کے اس کی ناپسندیدہ چیزوں میں بے احتیاطی کریں اور ان معاملات میں سے کوئی بھی ہم
میں موجود نہیں ہے۔

اٰمَنَّا بِهِ ہم اس پر ایمان لائے وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا اور اسی پر ہم نے اعتماد کیا ہے اور
اسباب میں سے کسی کو ہم نہیں دیکھتے۔ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ پس تم
عنقریب جان لو گے کہ کون ظاہر گمراہی میں ہے ہم یا تم۔

اور اگر وہ کہیں کہ گمراہی ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ تم اسباب کے بے کار کرنے کے
قائل ہوتے ہو۔ قُلْ اَرَأَيْتُمْ فَرَمَادِیْجِیے کیا تم نے اس بات میں غور کیا ہے کہ آسمانی یا
زمینی کوئی سبب کارآمد ہوتا ہے؟ اِنْ اَصْبَحَ مَاءٌ كُمْ غَوْرًا اگر صبح کرے تمہارے
چشموں، کنوؤں اور دریاؤں کا پانی زمین میں گہرائیچے جا کر کہ اسے باہر لانے کے لیے
کوئی آلہ کار گرنہ ہو۔ فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ تو کون ہے جو تمہارے پاس جاری پانے
لائے جو آنکھ کے ادراک سے دریافت ہو سکے حالانکہ پانی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر وقت
درکار ہے اور جب آسمانی اور زمینی اسباب اس ضروری امر کو حاصل کرنے میں بے کار
ہیں تو ہم اسباب پر کس طرح اعتماد کریں اور اسباب کو معطل سمجھنے کے قائل نہ ہوں۔

منقول ہے کہ خام حکیموں میں سے ایک نے یہ آیت سنی اور کہنے لگا کہ اگر ایسا
اتفاق ہو تو ہم کستیوں اور کدالوں کی طاقت سے پانی نکال لیں گے اسی وقت نزول الماء
کے طریقے سے سیاہ پانی اس کی دونوں آنکھوں میں اتر آیا اور اندھا ہو گیا اور اس نے

غیب سے آواز سنی کہ پہلے اپنی آنکھوں سے سیاہ پانی دُور کر اور اس کی جگہ سفید پانی پیدا کر پھر کنویں اور چشمے کا پانی نکال اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے تو چاہیے کہ کہے **اللَّهُ يَأْتِينَا بِهِ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِينَ**۔

چند سوالات

اس سورۃ کی تفسیر میں چند سوالات باقی رہ گئے جو کہ اہل عربیت، علمائے اسرار اور ارباب نظم کرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ **أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ** فرشتوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے جبکہ قد جاء ناندیر دوزخیوں کی زبان سے حکایت کی اور اتیان اور مجی دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔ لفظ میں اس اختلاف میں کیا نکتہ ہوگا۔

اس کا جواب امام جلال الدین السیوطی کی تفسیر اتقان میں مذکور ہے اور وہ اتیان اور مجی کے اصل معنوں میں متحد ہونے کے باوجود استعمال میں فرق پر مبنی ہے اور وہ فرق چند وجہ سے ہے اور ہر وجہ کی ان آیات میں موجود مضمون سے مطابقت ایسی تفصیل اور طوالت چاہتی ہے جو کہ اس تفسیر کے موضوع سے خارج ہے اور جس قدر تفسیر کے لائق ہے یہ ہے کہ اتیان محسوس اور غیر محسوس، مقدر اور موجود دونوں چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بخلاف مجی کے کہ غالب طور پر فعل سے متصل محسوس چیزوں میں استعمال ہوتا ہے اسی لیے دنیا میں تجلی الہی گو کہ پردہ عزت میں مستور ہے لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ **هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ** اور اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی کو کہ آخرت میں بے پردہ اور بے حجاب ہوگی لفظ مجی کے ساتھ کہ **وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا**

اور عذاب مقدر کی اکثر لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر ہوئی **أَتَى أَمْرًا لَّهُ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ** اور ثابت اور واصل عذاب کو زیادہ تر لفظ مجی کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ **فَلَمَّا جَاءَهُمْ أَمْرُنَا** و **جَاءَهُمْ بَأْسُنَا** پس ان آیات میں ملائکہ کی زبان سے عام لفظ ارشاد ہوا کہ آیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا محسوس یا غیر محسوس مقدر یا محقق نہیں پہنچا تھا اس لیے

کہ الزامِ حجت اسی انداز سے ہوتا ہے اور بے خبری کا عذر اٹھ جاتا ہے جبکہ دوزخیوں کی زبان سے زیادہ حسرت و لابتے 'خطا ظاہر ہونے کی شدت اور گناہ کی بڑائی کے لیے لفظ مجی لائے۔ یعنی ہمارے پاس ایک ڈر سنانے والے محسوس تشریف لائے اور ہم نے انہیں دیکھ اور سن کر قبول نہ کیا اور اسی فرق کی تائید اس استعمال سے ہوتی ہے جو کہ حضرت خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کی طرف حکایت کے طور پر سورہ مریم میں واقع ہوا۔ **يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَ نِسِي مِنَ الْعِلْمِ مَأَلَمٌ يَأْتِكَ** اور وہ جو سورہ مومنوں میں واقع ہوا **مَجَاءَهُمْ مَأَلَمٌ يَأْتِي آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ**۔

احتمال ہے کہ جگہ جگہ اس استعمال کو اختیار کرنا سلامت لفظ کے لیے ہو اس لیے کہ ابتدائے کلام میں ہمزہ متحرکہ اور انتہائے کلام میں ہمزہ ساکنہ ثقیل معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ ذوقِ سلیم اس کا فیصلہ کرتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سورہ انعام میں اوپر کے عذاب کو نیچے کے عذاب پر مقدم فرمایا ہے کہ **قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْضِكُمْ** جبکہ یہاں نیچے کے عذاب کو اوپر کے عذاب سے مقدم فرمایا کہ **أَمْ أَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا** عبارت کے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے سورہ انعام میں اس سے پہلے جو آیت گزری ہے کہ **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً** پس پہلے اوپر کے عذاب کو لانا مناسب ہوا جبکہ اس سورہ میں اس سے پہلے آیت گزری ہے۔ **هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهَا** پس نیچے کے عذاب کو جو کہ زمین کی طرف سے ہے پہلے لانا زیادہ مناسب ہوا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ صافات اور یقبضن دونوں طیر سے حال واقع ہوئے ہیں۔ ایک حال کو اسمِ فاعل کے صیغے کے ساتھ مفرد لانا اور دوسرے کو جملہ فعلیہ مضارع کر دینا کس لیے ہے؟ یصفن اور یقبضن کیوں نہ فرمایا اور صافات و قابضات ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوا میں اڑنا پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ان دونوں کاموں میں اصل اطراف کو کشادہ کرنا اور کھولنا ہے تاکہ پانی اور ہوا کی سطح کو چیرنا آسان ہو جائے جبکہ ان دونوں صورتوں میں اطراف کو سمیٹنا طبیعت کی استراحت کے لیے عارضی ہے تاکہ جدید قوت پیدا ہو جیسے لومڑی اور دوسرے حیوانات کا جست لگانے اور جھپٹنے کے وقت سکڑنا اور اسم فاعل کا صیغہ ثبوت اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے جبکہ جملہ فعلیہ مضارع نئے سرے سے کسی شے کے بننے پر۔ تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ جانور ہوا میں ہمیشہ صف بنائے اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں اور پروں کو کھولنے میں مدد دینے کے لیے کبھی کبھی ان پروں کو سمیٹ لیتے ہیں پانی میں تیرنے والوں کی طرح اور دونوں حالتوں کا یہ فرق صیغہ بدلے بغیر سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ عذابِ قبر سے نجات بخشی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا عذاب زیادہ تر بہا متقادی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خصوصاً قبر میں بُرے اعمال کی باز پرس سے غفلتِ نفسانی تاریکیوں کی صورتوں کے تہ بہ تہ ہونے اور نجاستوں سے آلودگی کی وجہ سے۔ جو شخص معنی سمجھ کر اس سورۃ کو ہمیشہ پڑھے اسے پورا یقین ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد اعمال کی باز پرس ہوتا ہے اس لیے کہ آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اس پر واضح دلالت رکھتی ہے۔ نیز وہ اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ سینوں کی چھپی ہوئی باتیں اور میرے نفس کی مخفی چیزیں سب کی سب میرے پروردگار کے حضور ظاہر ہیں کہ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوْ اجْهَرُوْا بِهِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ پس اس اطلاع کے ساتھ علم کی وجہ سے ان چھپی ہوئی باتوں کی جو ہر نفس کو خراب کرنے کی تاثیر کچھ کم ہو جاتی ہے۔

نیز قبر میں پہنچتے ہی جو صدمہ ہوتا ہے جو کہ زمین کے دبانے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس میں موج والی حرکت ظاہر ہوتی ہے اور میت کو اپنے تھپیڑوں سے زبرد بر کر دیتی ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مِّنْ فِى السَّمٰوٰٓءِ اَنْ يَّخْفِىْ بِكُمْ الْاَرْضُ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرٌ كِى تَلٰوٰتِ كِى وَجْهٍ سِى يٰهٗ خَوْفٍ هٗمِشَ تَلٰوٰتِ كِى كِرْنِى وَاَلِى كِى سَا مْنِى رِى كَا اَوْرٰنِى الْيٰذِىْنَ

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ کے سچے وعدے کے مطابق معافی اور مغفرت کے لائق ہو جاتا ہے اور اس کی آخری آیت کہ اِنْ اَصْبَحَ مَاءٌ كُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مُّعِينٍ اور اس کی درمیانی آیت اَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ اِهْدَىٰ اَمْ مَنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ بھی اس بارے میں قوی مناسبت رکھتی ہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد پوشیدہ نہیں رہتا اور آیت هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ ذُلُولًا بھی اپنے بعض بطون میں قبر میں راحت کی متقاضی ہے۔

عذاب قبر دور کرنے کا اشارہ۔ ارواح انبیاء و اولیاء اہل قبور کی مدد کرتی ہے

اور اس سورۃ میں عذاب قبر کو دور کرنے میں دیگر اسرار بھی امانت رکھے گئے ہیں کہ یہ مقام ان کے بیان کا متحمل نہیں ہے، صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ تبارک کے لفظ میں جو کہ خیر کی ہمیشگی اور موت کے بعد احسان اور انعام کا معاملہ جاری رکھنے کا اشارہ کرتا ہے، غور کرنا چاہیے۔ نیز نورانی ستاروں کی قدیلوں کے ساتھ آسمان کو منور کرنے اور اس کے گرد و نواح سے ان کی شعاعوں کی وجہ سے شیاطین کو دور رکھنے میں اس امر کا صریح اشارہ ہے کہ آسمانی کیفیتیں قبر میں روشنی دینے اور قبر کی تاریکی اور شیاطین کی تشویش سے محفوظ رہنے کا موجب ہوں گی بلکہ اگر گہرائی میں اتر کر غور کریں تو ظاہر ہو کہ قبر میں داخل ہونے کے بعد زمین کے اوپر کا طبقہ قبر میں دفن آدمی کے حق میں آسمان دنیا کا حکم پیدا کرتا ہے اور ہدایت کے چراغوں کے ساتھ جو کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی نورانی ارواح ہیں اور انہوں نے اس طبقہ میں اپنی شعاعیں بکھیر کر اسے مزین کیا ہے اور نچلے لوگوں سے شیاطین کو دور کرنے میں مدد فرماتی ہیں جس طرح آسمان دنیا روئے زمین کے ساکنوں کی نسبت اوپر کے غیبی انوار کی شعاعوں کی حکایت کرنے والا ہے اسی طرح زمین کی اوپر کی سطح ان فوقانی غیبی انوار کی شعاعوں کی زمین کے پیٹ میں رہنے والوں کی نسبت سے حکایت کرنے والی ہے۔ ہاں بصیرت کی نگاہ کا سلامت ہونا شرط ہے جو کہ اعتقادات کے صحیح کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں قبر میں اور بعث و نشر کے دن ہر تکلیف سے امن عطا فرمائے۔ آمین

سورة نون

شان نزول

اس سورة کا ابتدائی بلاشبہ مکئی ہے اور اس کی بعض آیات میں اختلاف ہے کہ مکئی ہیں یا مدنی اور اختلاف کے بغیر اس سورة کی پانچ آیات ہیں اور اختلاف کے ساتھ باون (۵۲) اور اس سورة کا سبب نزول یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ غیب سے سکھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کو ظاہر کرنا شروع کر دیا اور حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زید اور حضور علیہ السلام کی خادمہ ام ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کے اہل بیت میں نماز ادا کرنا رائج ہوا اور یہ تازہ حرکات جنہیں اہل مکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا اس شہر کے درمیان ہر محفل کا موضوع ہو گئیں۔ کافروں نے کہا کہ فلاں دیوانہ ہو گیا ہے اور اس نے اپنے تمام گھر والوں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سن کر تکلیف ہوئی اللہ تعالیٰ نے یہ سورة بھیجی اور قسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ دیوانے نہیں ہیں بلکہ آپ کی عقل تمام خلائق کی عقل سے زیادہ ہے۔

سورة الملک سے رابطہ کی وجہ

اس سورة کا سورة الملک سے رابطہ یہ ہے کہ وہ سورة حق تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت کے اکثر کارخانوں پر مشتمل ہے۔ پہلا کثرت خیرات، دوسرا عموم قدرت جو کہ انتہا کو پہنچ کر زندہ کرنے اور موت دینے تک پہنچی۔ تیسرا لوگوں کے اعمال سے خبردار ہونا اس حد تک کہ جو کچھ ان کے سینوں میں ہے وہ بھی اس کے حضور پوشیدہ نہیں ہے چوتھا غلبہ پانچواں

قدرت کے باوجود بخشش اور معافی، چھٹا اپنے خدام کے لیے بلند عمارات، ساتواں رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا، آٹھواں اپنی مملکت کے شہروں کی زینت اور زیبائش، نواں دشمنوں پر غلبے کے اسباب کی تیاری، دسواں دوستوں پر رحمت کے اسباب کا وافر ہونا، گیارہواں امن بارہواں نرخ سے کرنا، تیرہواں مخالفوں کو بے قدرت کرنا اس سے کہ دشمنوں کی حمایت کر سکیں یا اس درگاہ کے محروموں کو رزق دے سکیں۔ یہی عمدہ کارخانے ہیں جنہیں جمع کرنے سے مملکت کا کام قوت پکڑتا ہے۔

ایک عمدہ کارخانہ باقی رہ گیا کہ یہ تمام کارخانے اسی کے ساتھ وابستہ ہیں جس کا ذکر اس سورۃ میں نہ ہوا تو تکمیل کے طور پر اس کا اشارہ اس سورۃ میں ضروری ہوا اور وہ کارخانہ اہل قلم اور دفاتروں کے پیش کاروں کا کارخانہ ہے۔ پس یہ سورۃ گویا تمام کارخانوں کے ساتھ مملکت کے وجود خطی کا بیان ہے جیسا کہ سورۃ الملک میں تمام کارخانوں کے ساتھ خارجی بادشاہت کے وجود کا بیان ہے اور وجود خطی وجود خارجی کا ظل ہے اور ان دونوں کے درمیان حکایت اور محکی عنہ کا تعلق ثابت ہے اس بناء پر کہ ظل کا مرتبہ اصل کے مرتبے سے متاخر ہے۔

ان کارخانوں کو اس سورۃ میں کہ اس سورۃ کے بعد ہے۔ بیان فرمایا ہے تاکہ اشارہ ہو اصلیت اور ظلیت میں فرق کا اور اسی لیے اس کارخانہ کو اس سورۃ میں دوسرے کارخانوں کے ساتھ درج کر کے ایک جگہ نہیں لایا گیا اور اس کے باوجود دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں مناسبت متحقق ہے وہاں فرمایا ہے کہ لَيَلُوْكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا جبکہ یہاں فرمایا ہے اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اور اس سورۃ میں جہنم میں کافروں کا عذاب اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ، حکومت اور بادشاہت کے آئین کے ساتھ مذکور ہے جبکہ یہاں وہی مضامین پیش کاری کے آئین کے ساتھ ہیں کہ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ، اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ، اَمْ لَكُمْ اِيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَيْۃِ جو کہ دستاویزات اور لکھنے پڑھنے اور قول و قرار کے متعلق صریح سوال ہے اور یہ انداز دفاتر کے پیش کاروں کا انداز ہے۔

نیز اس سورۃ میں اصحاب الجہد کا واقعہ مذکور ہے جو کہ پیش کاری کے قواعد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ کسی بستی کے زمیندار جب فصل خلاف معمول لائیں اور تنخواہ داروں کو ان کا جائز حق نہ دیں اس بستی کو ان کے ہاتھ سے لے کر حق سرکار میں ضبط کر لینا چاہیے اور ان کا سارا مال قرق کر لینا چاہیے جبکہ اُس سورۃ میں اسی قسم کے خطرناک دنیوی واقعات سے بادشاہت اور حکومت کے آئین کے ساتھ ڈرایا ہے کہ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ ذُلُولًا ؕ اٰمِنْتُمْ مِّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ اَمْ اٰمِنْتُمْ مِّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا .

نیز اس سورۃ میں دریا کی مچھلی کا ذکر ہے جو کہ جہان کی گہرائی میں مخلوقات کے طبقات سے نیچے رہتی ہے اور تسخیر الہی کے ساتھ مسخر ہے کہ عظیم پیغمبر علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں رکھا گیا اور اس نے پوری احتیاط کے ساتھ اس رسول علیہ السلام کے بدن مبارک کی حفاظت کی جبکہ اُس سورۃ میں ہوا میں اڑنے والے جانوروں کا ذکر ہے جو کہ تسخیر الہی کے ساتھ مسخر ہیں۔ پس گویا ارشاد ہوتا ہے کہ مرغ سے لے کر مچھلی تک سب کے سب ہماری بادشاہت کے زیر فرمان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس غور اور گہری نظر دیکھنے کے بعد بہت سی وجوہ مناسبت دریافت ہوتی ہیں۔

سورۃ نون کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نون ابجد کے حساب سے پچاس کے عدد پر دلالت کرتا ہے اور اس سورۃ کی آیات جن پر اتفاق ہے پچاس ہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ پچاس سال تھا۔ ۲۳ سال خود بنفس نفیس حیات ظاہری کی حالت میں وسادۃ نبوت پر جلوہ افروز رہے اور اس کے بعد آپ سرکار کے خلفاء ۲۷ سال تک اسی طرز اور قانون پر عمل کر کے تشریف لے گئے جب حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے ستائیسویں سال خلیفہ وقت کو حکم بنانے کے واقعہ میں اُتارا اور معزول کیا گیا تو دور نبوت منقطع ہو گیا گواصل خلافت خلیفہ برحق کے وجود کی وجہ سے تیس سال تک رہی لیکن جب نبی علیہ السلام کے خلیفہ کا حکم جاری نہ ہوا تو گویا حکم نبی جاری نہ ہوا اور برکت نبوت منقطع

ہوگئی اس لیے کہ اس وقت نبوت کا حکم اس وقت کے خلیفہ کے حکم میں منحصر تھا۔

(اس سے مراد یہ ہے کہ کاروبار حکومت میں فیوض و برکات نبوت کا دور ختم ہوا نہ کہ از روئے دین اسلام کیونکہ یہ سلسلہ تو تا قیام قیامت جاری ہے اور آپ کی نبوت قیامت تک ہے آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا آپ خاتم النبیین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

رونق از ما محفل ایام را

او رسل را ختم و ما اقوام را

نیز اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو آپ کی ذات پاک سے جنون کی نفی کے حوالے سے بہت زیادہ واضح بیان کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے۔ ن کا حرف سر نبوت ہے۔ نیز حرف ن کو اس سورۃ کے مطالب سے ہر عمدہ مطلب میں دخل ہے اس لیے کہ پہلے اس سورۃ میں حضور علیہ السلام پر اپنی نعمت بیان کر کے جنون کی نفی فرمائی ہے پھر آپ کو نہ ختم ہونے والے اجر کا وعدہ دیا گیا اور آپ کے دشمنوں کو مفتون فرمایا اس کے بعد کافروں کے بارے میں سستی کرنے سے منع فرمایا خصوصاً وہ کافر جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین ظاہر ہوئی ہو۔ چغل خور اور خیر سے بہت روکنے والا اس کی صفت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ زینم لینے یعنی والد الزنا بھی ہو اور اپنے مال اور اولاد پر مغرور اور نازاں بھی اس کے بعد باغ والوں کے امتحان کا واقعہ ہے اور مساکین کے حق کو جدا کرنے کو ترک کرنا نیند کی حالت میں ان کے باغ کو آفت پہنچانا ان کا ایک دوسرے کو آواز دینا پوری خوشی کے ساتھ چلنا اور حق مساکین کو روکنا اس کے بعد کافروں سے امن کی دستاویز کا سوال ہے جو کہ یمن یعنی قسم ہے اس کے بعد ذکر کید متین۔ ازاں بعد حضرت ذوالنون علیہ السلام کا ذکر اور ان کی ندا کا بیان اور اس ندا کی برکت سے اس بند مکان سے ان کی حفاظت اور اس حرف کی تفسیر میں جو کہ اس سورۃ کی ابتدا میں واقع ہوا اور یہ سورۃ اس حرف کے ساتھ سکی ہوئی بہت اختلاف ہے۔

مچھلی اور نیل کا واقعہ جو زمین کے نیچے ہیں

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما 'قائدہ' سہمی 'مقاتل اور کلبی وغیرہم سے منقول

ہے کہ اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین ہے اور اس کا نام بلہوت یا لہوت یا لثوما یا بلہوت یا بونیا ہے اور ان بزرگوں سے یوں روایت آئی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اپنے عرش کے نیچے سے فرشتہ بھیجا جو کہ ساتویں زمین کے نیچے آ گیا اور اسے اپنے کندھا پر لے لیا اس کا ایک ہاتھ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے اور اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ساتوں زمینوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے کھڑا ہے اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کے قرار کی جگہ نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس سے ایک ہیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اور چالیس ہزار پاؤں اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کی جائے قرار اس کی کوہان پر ہے اور چونکہ اس فرشتے کے دونوں قدم اس کوہان پر جمے نہیں رہتے تھے اس لئے زمرد سبز کا ایک ٹکڑا بھی جنت الفردوس سے لا کر اس ہیل کی کوہان پر اس کے کان تک بچھا دیا یہاں تک کہ اس فرشتے نے اس پتھر پر قیام کیا اس ہیل کے سینگ زمین کی اطراف سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور اس ہیل کی ٹاک کے سوراخ دریائے شور میں ہیں جب وہ ہیل سانس لیتا ہے تو دریائے شور کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور جھاگ لاتا ہے اور سانس اندر کھینچتا ہے تو دریائے شور میں جزر پیدا ہوتا ہے یعنی سمٹتا ہے اور اس ہیل کے پاؤں کی قرار گاہ کے لیے ایک چٹان پیدا کی گئی ہے جو کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے موٹا پے اور حجم کے برابر ہے اور اس ہیل کے پاؤں اس چٹان پر ہیں اور یہ وہی چٹان ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے علاوہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کی نصیحت میں اسے ذکر کیا ہے کہ **يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ**۔

جبکہ اس چٹان کے قرار کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی پیدا کی گئی ہے جس کی پشت پر وہ چٹان ہے اور اس کا باقی بدن خالی ہے اور وہ مچھلی ایک دریا پر ہے اور وہ دریا ہوا پر اور ہوا قدرت پر لنگی کھڑی ہے تاکہ جانیں کہ اس جہان کی بنیاد سب کی سب ہوا پر ہے۔

کعب احبار نے کہا ہے کہ ایک دن ابلیس نیچے اتر کر اس مچھلی تک پہنچا اور اس کے دل میں دوسوہ ڈالا کہ تو نے اتنے بڑے بوجھ کو کیوں اپنے اوپر لیا ہے ایک بار جنبش کر

تاکہ سب آسمان، زمینیں اور پہاڑ تیری پشت سے گر پڑیں اور تو بے فائدہ بوجھ اٹھانے سے چھوٹ جائے اس مچھلی نے ارادہ کیا کہ اپنے کو حرکت دے صرف اس قصد کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے ایک جانور بھیجا جو کہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک پہنچ گیا اس کی وجہ سے مچھلی بے قرار ہو گئی اور بارگاہِ خداوندی میں شکایت عرض کی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس وسوسہ شیطانی کی سزا ہے جسے تو نے قبول کیا پھر اس جانور کو حکم فرمایا کہ اس مچھلی کے کان کی راہ سے باہر آئے اور اس کے سامنے حاضر رہے تاکہ اگر دوسری مرتبہ یہ خیال اس کے دل میں آئے اس کے دماغ میں پھر داخل ہو جائے۔

ن کے متعلق دیگر اقوال

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ن سے مراد وہ مچھلی ہے جس کے پیٹ میں حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو رکھا گیا، تین دن تک یا چالیس دن تک آپ کو اپنے پیٹ میں رکھا اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مچھلی مراد ہے جس کے خون میں رنگین ہو کر نمرود کا تیر آیا تھا اس لیے کہ یہ دونوں مچھلیاں اپنی جنس میں ایسی عظمت رکھتی ہیں جو دوسری مچھلیوں کو حاصل نہیں۔ وہ ایک مچھلی ایسے عظیم رسول علیہ السلام کو اپنے میں لینے کے لیے مقرر کی گئی اور اس نے اس قدر ادب کی رعایت کی کہ آپ کے گوشت پوست کو کوئی گزند نہ پہنچی اور اس دوسری نے خود کو حضرت حق تعالیٰ کا فدیہ بنایا اور اپنی جان کی اس ذات پاک کے دشمن کے مقابلہ میں بازی لگا دی جس طرح دورانِ جنگ کوئی شخص اپنے آپ کو سردار کی جگہ ظاہر کرے تاکہ اس کے دشمنوں کے تیر و تفنگ اپنے اوپر لے اور سارے لشکر سے ممتاز ہو جائے اور ضحاک اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ن سے مراد دو ات ہے جیسا کہ ایک پرانے شاعر نے کہا ہے۔

اذا ما الشوق برح بی الیہم

القت النون بالدمع السجوم

اور یہ تفسیر لفظ قلم کے ساتھ بہت مناسب ہے اور اس حدیث مرفوع کی مؤید ہے کہ

اول شیء خلقه الله القلم ثم خلق النون یعنی الدواۃ ثم قال اکتب ما هو کائن

من عمل او اثر او رزق او اجل فکتب ما کان او هو کائن الی یوم القیامۃ ثم ختم علی القلم یعنی سب سے پہلی شے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، قلم ہے پھر نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا پھر فرمایا لکھ جو کچھ ہونے والا کام نشان رزق یا اجل تو قلم نے جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہونے والا لکھا پھر قلم پر مہر لگا دی گئی۔

اور معاویہ بن قرہ سے مرفوعاً روایت آئی کہ النون لوح من نور یکتب فیہ الملائکہ مایومرون بہ نون نور کی ایک ٹخنتی ہے جس پر فرشتے وہ کچھ لکھتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے نون ایک نہر کا نام ہے لیکن ان سب تفسیرات پر ایک نحوی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صرف نون پر وقف کرنا جس پر قراء کا اجماع ہے ان تفسیروں سے انکار کرتا ہے اس لیے کہ لفظ نون اگر اسم جنس ہے تو حرف قسم کے مقدر ہونے کی وجہ سے اس کی جر اور تنوین لازم ہو جاتی ہیں اور اگر اسم علم منصرف ہوتا تو بھی اس پر جر اور تنوین آتی اور اگر غیر منصرف ہوتا تو حرف قسم کی اتقاری کی وجہ سے فتحہ ضروری ہو جاتا۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں اس لفظ کا ذکر قسم سے کنایہ ہے صریح قسم نہیں ہے اور حرف قسم کا مقدر ہونا اور اس کا اس لفظ میں عمل کرنا صریح قسم کو لازم ہے نہ کہ کنایہ کو لازم۔

ن اور عارفین کا طین

اور عطاء اور بعض مفسرین سے منقول ہے کہ نون نور اور ناصر کے پہلے حرف کا اشارہ ہے اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ایمان والوں کی نصرت کا اشارہ ہے اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نون سے مراد وہی مچھلی ہے جو کہ دریا میں ہوتی ہے اور اسے عارفین کا طین کے ساتھ ایک قوی مناسبت ہے اس لیے کہ ساری زندگی دریا اور پانی میں ہوتی ہے اور اس سے کبھی سیر نہیں ہوتی اور اگر لمحہ بھر کے لیے پانی سے جدا ہو جائے تو مر جائے اور جان دے دے اور اسی طرح عارف لوگ ہمیشہ بحر حقیقت میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور سیر فی اللہ کے مرتبوں سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور اگر ایک لمحہ اس کی یاد

سے جدا ہوں ہلاک ہو جائیں اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ جو مچھلی کے سوا اس کے پانی سے سیر ہوا جان لے کہ وہ روزی سے خالی ہے اور اسے دیر ہوگئی۔

تو اس حرف کو مطلب میں شروع ہونے سے پہلے لانا اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ کفار آپ کو کمال شوق اور کشش کی وجہ سے جو کہ آپ ہماری طرف رکھتے ہیں اور ہر لحظہ اور ہر دم آپ ہماری بات کرتے ہیں اور اپنی حرکات و سکنات کو جو کہ ان کی عادت کے خلاف ہیں ہماری خاطر ان بے سمجھوں کے ہنسی مذاق کی جگہ بناتے ہیں اور ہمارے مشغل کے بغیر آپ ایک لمحہ نہیں رہ سکتے مجنون کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے اذکرو اللہ حتی یقال مجنون اور وہ نہیں سمجھتے کہ مچھلی کو دریا کے ساتھ یہی حالت ہے اگر آپ کو اپنے لازمی محبوب کے ساتھ یہ حالت رونما ہو تو کیا عجب اور جنون پر کیوں محمول ہو۔

اور حضرات صوفیاء قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفس کلیہ ہے کہ لوح محفوظ ہے اور مبدأ وحی ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ یعنی عقل اول ہے جو کہ لوح محفوظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مبدأ ہے اور ان میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفس رحمانی ہے جو کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مبدأ ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے جو کہ اس روحانیت کے وجود کا مبدأ ہے اور بعض نے نون سے مراد ولایت محمدیہ کا نور لیا ہے جو کہ قیامت باقی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ن یعنی آپ کی نبوت بلاشبہ برحق ہے آپ کا نور جہان میں سرایت کرے گا تو آپ کی مدد واقع ہوگی اور آپ کا نفع پچاس سال تک روز بروز ترقی اور زیادتی میں رہے گا۔ یہاں جاننا چاہیے کہ حرف ن شکل کے اعتبار سے الف اور با کی طرح اصول حروف سے ہے اس لیے کہ شکل کے اعتبار سے اصول حروف وہ حروف ہیں کہ دوسرے حروف کی شکلیں ان حروف کی شکلوں سے مرکب ہوئیں اسی طرح الف ایک کھڑا خط ہے کہ لام نے اس کے مرکز کی طرف تین نقطے ملانے سے صورت پکڑی اور با ایک بچھایا ہوا خط ہے

کہ تا اور ثا اور یا نے ایک نقطہ یا دو نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے امتیاز کیا اور نون ایک قوس دار خط ہے کہ۔ صادُ ضادُ سینُ شینُ اور قاف اس کے مظاہر ہیں اور بعض محرف خطوط اور نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے ممتاز ہوئے ہیں۔

پس نون کو نبوت کے ساتھ مضبوط مناسبت حاصل ہے کہ قاف جناب حق سے بندوں کا قرب اور صاد ان کی معاد اور معاش کی صلاح و درستی اور سین سیاست الہیہ بطریق خلافت اور شین خیر اور شر کے اعمال پر شہادت اور ضاد باطل اور غلط کی ضدیت اس کے مظاہر اور آثار سے ہیں۔

نیز نون ان تین حروف دوائر میں سے ہے کہ جب ان کا تلفظ کریں تو حرف کا عین کلمہ اس کے آخر میں آئے جیسے واؤ، میم مگر یہ کہ واؤ کا اول مفتوح میم کا اول مکسور اور نون کا اول مضموم ہے اور اسی لیے ان تینوں حرفوں میں حروف مد یعنی الف یا اور واؤ اسی ترتیب کے ساتھ درمیان میں آئے ہیں پس یہ تینوں حروف اس چیز پر دلالت کرتے ہیں جس کی انتہا ابتدا کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور انتہا اور ابتدا کا درمیان عدم کا حکم رکھتا ہے کہ حروف مد گویا حروف نہیں ہیں صرف حرکات کا اشباع ہیں لیکن واؤ اس چیز پر جو کہ کشادہ اور کھلی نہ ہو دلالت کرتی ہے اور میم اس چیز پر جو کہ نچلی ہو اور نون اس چیز پر جو بلند و بالا ہو اور حروف ہجائیں سے نون کے سوا کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا اول مضموم ہو۔ پس اسے مرتبہ نبوت کے ساتھ کلی مناسبت پیدا ہوگئی کہ سلوک الہی کی راہ کا مبداء بھی ہے اور منتہا بھی، تمام ولایتیں اسی مرتبے سے شروع ہوتی ہیں اور آخر میں اسی مرتبے کی طرف رجوع کرتی ہیں بلکہ ہدایت کی ابتدا مطلقاً انبیاء علیہم السلام سے ہے اور ہدایت کی انتہا جو کہ جذب کی منزلوں کو پہنچنا ہے، بھی انبیاء علیہم السلام کے دست مقدس پر ہے۔

نیز ایسا حرف کہ لغت عرب میں اعراب کے وقت ہر اسم متمکن کے ساتھ مل جاتا ہے کہ جب تک یہ حرف اس کے ساتھ نہ ملے اس کا اعراب پورا نہیں ہے اور یہی حال ایک نبی علیہ السلام کا ہے کہ بنی آدم کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بادشاہ ولی، حکیم سے لے کر کناس، جاروب کش تک تا وقتیکہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کی طرف رجوع

نہ کرے اس کی دنیا و آخرت درست نہیں ہو سکتی اور ہر فرقے کا کمال پورا نہیں ہوتا۔ اور لغت عرب میں اس حرف کے عجیب خواص ہیں، فعل کے آخر میں تاکید کے لیے آتا ہے اور حرف کے آخر میں ترنم آواز کھینچنے اور اسے اچھا کرنے کے لیے جبکہ اسم کے آخر میں اظہارِ اعراب کے لیے اور انبیاء علیہم السلام کی مثال ان کی نبوت کی وجہ سے فرشتوں کے لیے جو کہ بمنزلہ افعالِ الہیہ کے ہیں، مراتبِ قرب کی تاکید حاصل ہو جاتی ہے اور جنوں اور انسانوں کو جو کہ منصرف اسموں کی طرح ہیں، اپنے کمال کے درجات جو کہ اعراب کا نمونہ ہیں، ہاتھ آتے ہیں جبکہ دوسری مخلوقات جیسے حیوانات، نباتات اور معدنیات جو کہ حروف ادواتی کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہیں، کے لیے انبیاء علیہم السلام کا وجود مسعود فخر اور زینت کا موجب ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توکل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور ان کا حکم مانتے ہیں اور انہیں سلام کرتے اور ان کی تعظیم کرنے پر قائم رہتے ہیں۔

نیز علم حروف کے علماء کے نزدیک جو کہ حروف کو افلاک اور عناصر پر تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افلاک کے کارکن اور حقائق کے عناصر حروف ہیں اور انہوں نے افلاک کو گیارہ شمار کیا ہے۔ سات سات ستاروں کے لیے اور فلک کرسی، فلک عرش، فلک لوح اور فلک قلم۔ یوں مقرر ہے کہ نون فلک قلم کا حرف ہے جو کہ وحی و تنزیل کے جہاں سے عبارت ہے اور اس کا سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے جیسا کہ فلک لوح کے لیے بھی جو کہ عالم حیات سے عبارت ہے، سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے اور باقی افلاک اور تیرہ عناصر کے لیے علویات میں بھی کوئی حرف نہیں اور نہ ہی سفلیات میں۔ پس نون کو اثبات نبوت کے مقام میں لانا انتہائی مناسبت رکھتا ہے کہ حقیقت نبوت وحی و تنزیل کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

وَالْقَلَمِ قَلَمِ كِي قَسْمِ اُثْهَاتَا هَوْنِ جَو كِه اِنْسَانُوْنِ كِه جِهَانِ غَيْبِ كِي چھپي هُوْنِي اَشْيَاءِ كُو
میدانِ ظہور میں جلوہ گر کرتا ہے تاکہ زمان و مکان کا ہر دور افتادہ آدمی اس پر مطلع ہو۔ یہی
معنی ہے نبوت اور رسالت کا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی بشریت کی پستیوں میں دور

پڑے لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کلام کو افراد انسانی کی سماعت پر لاتے ہیں۔
قلم کے اسرار اور بارگاہِ نبوت کے ساتھ مشابہت

نیز اگر کوئی شخص جو کہ قلم کی حرکت کی غرض سے آشنا نہ ہو اور اسے دوسرے کے ہاتھ میں بے اختیار دیکھے، مجنون اور دیوانہ خیال کرے کہ سفید کاغذ کو بلاوجہ سیاہ کرتا ہے اور خود بخود پیچ و تاب کھاتا ہے اور کبھی رجوع کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے حالانکہ اس کی حرکت اور اس کے ہر پیچ و تاب میں عجیب باریکیاں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ الخط هناسة روحانية ظہرت بالہ جسمانية یعنی لکھنا ایک روحانی ہندسہ ہے جو کہ جسمانی آلہ کے ساتھ ظاہر ہوا۔ نیز کہا ہے القلم لسان الیلو سفیر الضمیر و سودع الاسرار و مستبطن الاخبار و حافظ الآثار قلم ہاتھ کی زبان، ضمیر کا ترجمان، اسرار کی آماجگاہ، اخبار کو باہر لانے والا اور تاریخ کا محافظ ہے۔

اور قلم کے عجائب سے یہ ہے کہ دوات سے سیاہی کو باہر لاتا ہے اور کاغذ پر ثبت کرتا ہے اور آدمی کے باطن میں اسی سیاہی کو نور اور روشنائی کر کے پہنچاتا ہے۔

نیز قلم کو جس کی ہر حرکت و سکون بولنا اور چپ رہنا اس کے مالک کے ہاتھ میں ہے اور اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں کرتا اور دم نہیں مارتا، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کمال مشابہت ہے کہ ید اللہ فوق ایدیہم۔ ان هو الاوحی یوحی۔

نیز اسے اپنی حرکات میں رکوع، سجود، قیام، بار بار اپنے چہرے کو دوات کے چشمے میں دھونے اور طہارت کرنے اور پانچ انگلیوں میں ملازم ہونے سے پانچ وقت کے نمازیوں کی پوری حکایت حاصل ہے اسی لیے شاعروں میں سے بعض نے قلم کی سچیدگی کے بارے میں کہا ہے۔

وذی اصطبار راکع ساجد اخی نحول ومعہ جاری ملازم

الخمیس لاوقاتها معتکف فی خدعة الباری

یعنی صبر والا رکوع و سجود کرنے والا لاغر جس کے آنسو جاری پانچوں کا ان کے وقتوں

میں ملازم بنانے والے کی خدمت میں معتکف

نیز قلم کو چار مرتبہ تکلیف اٹھانے کی مجبوری ہے تاکہ اپنے مالک کا ہاتھ چومنے کے قابل ہو سکے اور اسے اس کی روح القدس کی ترجمانی کا منصب حاصل ہو اور ان چار مواقع کو لکھنے والوں کی اصطلاح میں فتح منحت، شق اور قطف کہتے ہیں اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار بار سینہ مبارک کے شق ہونے کی تکلیف دی گئی تھی کہ معراج کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور حضرت باری عزاسمہ کی مطلق ترجمانی کا منصب حاصل ہوا۔

نیز بنی آدم کی دنیا و آخرت کی درستی قلم کے ساتھ وابستہ ہے احکام دین قلم کے وسیلے سے محفوظ ہیں، حقوق اور کتابیں اسی کے واسطے سے لکھی اور محفوظ کی جاتی ہیں۔ گزشتہ صدیوں اور اُمّتوں کی خبریں اور واقعات اسی کے ساتھ دریافت ہوتے ہیں اسی لیے کہتے ہیں کہ دین و دنیا کے امور کا دروہہ دروہہ چیزوں پر ہے، قلم اور تلواریں اور تلواریں قلم کے حکم کے نیچے ہے اور اس مضمون کو عرب کے بعض شاعروں نے خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

ان ینحلم القلم السیف الذی خضعت

لہ الرقاب و دانت حنرہ الامم

اگر قلم کی خدمت کرے وہ تلواریں جس کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور اُمّتیں اس کے ڈر سے جھک گئیں۔

فالموت والموت لا یغالبہ

ما زال یتبع ما یجری بہ القلم

پس موت اور موت پر کوئی غالب نہیں، ہمیشہ اسی کی تابع رہی جیسے قلم چلتی ہے۔

لذا قضی اللہ للاقلام مذبرنت

ان السیوف لہا مذاہفت خلم

اسی لیے اللہ تعالیٰ قلموں کے لیے جب سے بنی ہیں، فیصلہ فرمادیا کہ تلواریں اس کی

خدمت گزار ہیں۔

اور اسی طرح آدمیوں کی دنیا و آخرت انبیاء علیہم السلام کے وجود مسعود کے ساتھ وابستہ ہے کہ دین کے احکام ان سے لیے جاتے ہیں اور حشر و نشر کی خبریں انہیں کی زبان مبارک سے سنتے ہیں اور اعمال کے اچھے بُرے ہونے کے درجات انہیں کے ظاہر کرنے پر معلوم ہوتے ہیں اور بنی آدم کے تمام بادشاہ اور گروہ انہیں کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔

وَمَا يَسْطُرُونَ اور میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی جو لکھنے والے قلم کے ساتھ لکھتے ہیں جو کہ بہت عجائب و غرائب رکھتا ہے اس لیے کہ قلم یا علموں کا قلم ہے یا حکموں کا قلم اور علم یا تکوین و ایجاد سے متعلق ہے یا تشریح و ارشاد سے متعلق اور قلم احکام بھی یا تکوین و ایجاد کے ساتھ متعلق ہے یا تشریح و ارشاد سے متعلق اور ہر قلم کے لیے لکھنے والے یا علوی یا سفلی، علوی فرشتے اور سفلی انسان اور جن۔ قلم علوی ہر باب میں اصل ہے جبکہ قلم سفلی ظل اور فرع ہے اگر سفلی علوی کے مطابق پڑے تو صحیح راہ چلا ورنہ غلطی کی اور یہ صواب اور خطا تین قسموں میں تصور ہے اور چوتھی قسم میں کہ تکوین و ایجاد کے متعلق احکام ہیں، تصور نہیں ہے اس قسم میں مطابقت کے سوا واقع نہیں ہوتا۔

اور اگر ان چار اقلام کی تفصیل یہاں پورے طور پر بیان کریں تو اس تفسیر کی طرز سے باہر نکلنا لازم آئے گا۔ مجبوراً بطور نمونہ کچھ حصہ بیان کرتے ہیں تاکہ ذہن میں قلم کی عظمت پختہ ہو جائے۔ قلم اعلام جو کہ ایجاد و تکوین کے ساتھ متعلق ہے، عالم علوی میں ایک ایسا قلم ہے جس نے خلق کی پیدائش سے پہلے ساری کائنات کو لکھ چھوڑا اور علم الہی کی حکایت کرنے والا ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جف القلم علی علم اللہ قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا اور عالم سفلی میں نجومیوں کا قلم ہے جو کہ ہر صدی یا ہر سال میں اس صدی یا اس سال کے احکام جنتریوں میں لکھتا ہے اور رمل والوں اور جفر والوں کا علم بھی اسی قلم میں داخل ہے اور واقعات لکھنے والوں، خفیہ نویسوں، مورخوں، انبیاء علیہم السلام کی سیرت نگاروں، گزشتہ بادشاہوں کے تذکرہ نگاروں، ممالک، مسالک، پہاڑ، سمندر، چشمے اور آباد اور غیر آباد زمین لکھنے والوں کے قلم اسی قلم کے شعبوں کا ایک شعبہ

ہے اور معدنیات، نباتات، حیوانات اور یہ کے مفردات اور قرابادین کے خواص کا علم رکھنے والے اسی قلم کے شعبوں سے مدد اور فیض لیتے ہیں بلکہ فضاؤں کی کائنات، طبقات عناصر، ہیات آسمانی، رصد افلاک اور ستاروں کی صورتوں کے علم کی بحث کرنے والے اسی قلم سے اپنے علوم لیتے ہیں اور آنے والوں کے لیے لکھتے ہیں۔

اور قلم اعلام جو کہ تشریح و ارشاد کے متعلق ہے، عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے کہ ہر قوم اور ہر زمانے کی استعداد کے مطابق ایک شریعت لکھ چھوڑی ہے اور پانچ شریعتوں کو اس شریعت کے منصوص تمام احکام اور اس شریعت کے مجتہدوں کے نکالے ہوئے احکام کے ساتھ ثبت کیا ہے اور عالم سفلی میں مذاہب اربعہ کے فقہاء اور اولیائے اللہ کے مختلف قسم کے اشغال اور ادراد کے طریقوں کی تدوین کرنے والوں کا قلم ہے اور قلم احکام جو کہ تکوین و ایجاد کے متعلق ہے، عالم علوی میں ارزاق اور روزیوں کا قلم ہے جو کہ میکائیلی دفتر ہے۔ نیز موت کے مقررہ اوقات اور مصیبتوں کا قلم ہے جو کہ عزرائیلی دفتر ہے اور عالم سفلی میں ان دونوں قلموں کے بے شمار شعبے ہیں، ان میں سے سپہ سالاری کا قلم ہے جس کے ساتھ لشکر کے سواروں اور پیادوں کے رزقوں کا تعین وابستہ ہے اور ان میں سے قلم صدارت کہ مستحقوں اور محتاجوں کے رزق اس کے ساتھ متعلق ہیں اور ان میں استیفاء کا قلم ہے کہ خراج اور محصولات لینا اس کے ساتھ وابستہ ہے اور ان میں سے طبیبوں کا قلم ہے کہ بیماریوں سے صحت و شفا حاصل کرنا اس سے وابستہ ہے اور ان میں سے کوتوالی کا قلم ہے جو کہ قانون کے مطابق مجرم کو سزا دینے والوں کا محکمہ ہے کہ ہر گناہ گار کی سزا کی مقدار قتل، قید، پٹائی اور گھونسا مارنا ان کے سپرد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور احکام کا قلم جو تشریح و ارشاد کے متعلق ہے، عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے جو کہ جبریلی دفتر ہے اور احکام الہی کو لکھ کر تازہ بہ تازہ بھیجتے ہیں اور یہی وہ قلم ہے جس کی آواز کو شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر سنا ہے۔ چنانچہ حدیث معراج میں واقع ہے کہ فظہرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام یعنی میں ایسے مستوی پر پہنچا جہاں میں قلموں کی آواز سن رہا تھا جبکہ عالم سفلی میں شرعی قبائے اور

حکم نامے لکھنے میں قاضیوں کے قلم، ہر واقعہ کی روایات نکالنے میں مفتیوں کے قلم اور وراثت کے حصے مقرر کرنے میں فرائض نویسوں کے قلم اس قلم کا شعبہ ہیں۔ پس جو شخص ان لکھنے والوں کی تمام تحریروں کو اجمالی طور پر نظر میں لائے تو یقین کے ساتھ جان لے کہ بارگاہِ خداوندی سے ہر وقت اور ہر لمحہ جہان والوں پر علوم و معارف کا فیض پہنچ رہا ہے اور قسم قسم کے احکام اس دربار عالی سے ذرات عالم میں ہر شخص کے بارے میں آنا فانا پہنچتے ہیں۔ پس اسے نبوت کے برحق ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور انبیاء علیہم السلام کے افعال اور اقوال کو جو کہ ان احکام کی نری تبلیغ اور ان علوم کا القاء ہیں جنوں پر محمول نہ کرے اسی لیے ان دو قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے بے عقلی اور جنون زدہ نہیں ہیں جس طرح کہ کافر کہتے ہیں اور اس سورۃ کے آخر میں ان کی زبان سے نقل فرمایا ہے۔

جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے حق میں کلام کفار کہ جس سے جنون کی نسبت سمجھی جاتی ہے سورۃ کے آخر میں مذکور ہے جبکہ جنون کی نفی جو کہ اس حکایت کا رد ہے یہاں سورۃ کی ابتدا میں ہے حالانکہ عرف یہ ہے کہ پہلے مخالف کی کلام کو نقل کرتے ہیں۔ ازاں بعد اس کا رد و ابطال کرتے ہیں اب معروف ترتیب کو یہاں بدلنے میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار سے یہ باتیں سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا تھا اس لیے پہلے آپ کے سامنے جنون کی نفی اس کے نقیضیں ثابت کر کے ضروری ہوئی تاکہ آپ کا قلب مقدس تسلی پکڑے اس کے بعد اس سورۃ میں اس گمان کا بھرپور رد واقع ہوا پھر اس مردود قول کو آخر میں نقل فرمایا تاکہ عقل والے اس کا مذاق اڑائیں اور دشمن نبی کو باطل کرنے میں یہ انداز بلغاء اور عقل مندوں کے نزدیک بہت دلچسپ اور فرض میں راسخ ہونے والا ہے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی میں ایک اجمالی دلیل کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے جس سے ہزاروں تفصیلی دلائل نکالے جاسکتے ہیں اور وہ اجمالی دلیل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آپ کی ذات پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو ملاحظہ کرنا ہے جیسے فصاحت، کمال عقل، خوبی ذہن، نبوت، ولایت، ہدایت عامہ اور اخلاق کریمہ پس گویا اس بات کا اشارہ فرمایا ہے کہ اس گمان کو باطل کرنے کے لیے آپ کی ذات میں اتنے دلائل موجود ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا مگر اس اجمالی دلیل کے ساتھ اور فی الواقع جو شخص حضور علیہ السلام کی سیرت میں کمال عقل اور عرب کے وحشیوں اور ان کے جنگلی ظالموں کو اپنی طرف مائل کرنے میں آپ کے حسن تدبیر پر غور کرے کہ آپ نے ان بے سرو پا لوگوں کو کس طرح اپنے مطیع فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کی حمایت میں اپنے رشتے داروں اور قبیلوں کے ساتھ جنگیں لڑیں، شہید ہوئے، قتل کیا اور آپ کے ساتھ بغیر کسی سابقہ شناسائی اور تعلق کے اپنے وطنوں اور اپنے دوستوں کو آپ کی محبت میں چھوڑ دیا تو یقین کے ساتھ اس حقیقت کو مان لے جو کہ وہب بن منبہہ نے بیان فرمائی ہے کہ میں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اکہتر (۱۷) کتابیں پڑھی ہیں، میں نے ان سب میں یہ لکھا پایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک عقل مندوں کو جتنی عقل گرانمایہ عطا فرمائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے مقابلے میں صرف ایسے ہے جیسے دنیا کے تمام ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ جیسا کہ اسے ابو نعیم نے حلیہ میں اور اس سے ابن عساکر نے روایت کیا۔

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کی وسعتوں کا بیان

اور عوارف المعارف میں ایک بزرگ سے روایت کی ہے کہ عقل کے سو حصے کیے گئے ہیں، ننانوے (۹۹) حصے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے جبکہ ایک حصہ باقی مخلوقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو معلوم کرنا چاہے اسے چاہیے کہ سیرت کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرے کیونکہ یہاں ان واقعات کی تفصیل ایک عظیم طوالت کا موجب ہے، نمونے کے طور پر ان میں سے دو تین واقعات

لکھے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں چار بُری عادتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بدکار ہوں دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں اور چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں ان چاروں چیزوں کو بیک وقت چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں آپ فرمائیں کہ میں آپ کی خاطر ایک چیز چھوڑ دوں۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جھوٹ مت بول“ جب وہ شخص اپنے گھر چلا گیا رات ہوئی اس نے چاہا کہ شراب نوشی اور بدکاری میں مصروف ہوں اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ مجھ سے پوچھیں کہ آج رات تو نے بدکاری کی یا نہیں اور تو نے شراب پی یا نہیں؟ تو میں کیا کہوں گا۔ اگر صحیح کہوں تو رسوا ہو جاؤں اور مجھ پر بدکاری اور شراب کی حد جاری فرمائیں ورنہ میں نے جھوٹ بولا ہوگا شراب نوشی اور بدکاری کا خیال چھوڑ دیا جب رات زیادہ ہوگئی اور لوگ سو گئے۔ اس نے چاہا کہ چوری کے لیے جائے لیکن اسی طرح کا خیال اسے چوری سے مانع ہوا کہ اگر کل کو مجھے اس چوری کی تہمت لگائیں اور مجھ سے پوچھیں تو میں کیا کہوں گا اگر اقرار کروں تو میرے ہاتھ کاٹ دیں گے اور رسوائی ہوگی ورنہ جھوٹا ہوں گا مجبوراً اس خیال کو بھی چھوڑ دیا۔ علی الصبح حضور علیہ السلام کی خدمت میں دوڑتا آیا اور عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ چھوڑنے نے مجھ میں موجود چار بُری عادتیں مجھ سے چھڑا دیں“ حضور علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ایک شخص کو پکڑے ہوئے حاضر آیا اس دعوے کے ساتھ کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ ”خون بہا لے لے“ اس نے کہا ”مجھے قبول نہیں“ پھر فرمایا ”معاف کر دے تاکہ تجھے آخرت میں بہت ثواب حاصل ہو“ اس نے کہا ”مجھے یہ بھی منظور نہیں“ فرمایا ”جا اسے قتل کر دے کیونکہ اقراری ہے“ جب وہ شخص اس مرد کو قتل کرنے کے لیے چلا گیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ”اگر یہ شخص اس

آدمی کو قتل کر دے گا تو اسی کی مانند ہو جائے گا“ انہوں نے دوڑ کر اسے خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اس نے فوراً معاف کر دیا اور اس آدمی کو چھوڑ دیا جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اسے قتل کر دے تو وہ جان کا قاتل ہونے میں اس کی مانند ہو گا نہ کہ گناہ میں۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک ہمسایہ ہے جو بہت ستاتا ہے“ آپ نے فرمایا ”جا اور اپنے گھر کا سامان باہر نکال کر راہ پر ڈال دے اور اگر لوگ پوچھیں کہ تو کیا کرتا ہے تو کہنا کہ میرا ہمسایہ ستاتا تھا“ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو آپ نے مجھے یونہی ارشاد فرمایا ہے ”وہ شخص چلا گیا اور اپنے گھر کا سامان نکال کر سر راہ ڈال دیا“ لوگوں نے ہجوم کر کے اسے پوچھنا شروع کر دیا کہ ”تجھے کیا ہوا؟“ اس نے وہی بات کہی اس ہمسایہ کو برا بھلا کہا جانے لگا اور ہر کوچہ و بازار میں یہ بات مشہور ہو گئی وہ ستانے والا ہمسایہ اس شخص کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ”خدارا! مجھے اس قدر رسوا نہ کر اور اپنا سامان اپنے گھر لے جا“ اور اس نے پختہ عہد و پیمان کیا کہ ”میں تجھے پھر نہیں ستاؤں گا۔“

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے مکہ معظمہ میں بہت بڑا سیلاب آیا جس سے حجر اسود اُکھڑ گیا اور کعبہ معظمہ کی بنیاد میں بھی کئی رخنے پڑ گئے اس سیلاب کے چلے جانے کے بعد تمام سردارانِ قریش نے اپنے ہاتھوں اس عظیم گھر کی مرمت شروع کر دی جب حجر اسود تک نوبت پہنچی تو ہر فرقے اور ہر قبیلے کے سردار نے چاہا کہ اس پتھر کو میں اپنے ہاتھ سے رکھوں دوسروں نے مزاحمت کی، جھگڑا کھڑا ہو گیا، آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے منصف مقرر کیا جبکہ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی اور انہوں نے کہا کہ ”اس نوجوان جیسا عقل مند قبیلہ قریش میں کبھی پیدا نہیں ہوا جو وہ کہے ہم اس کی پیروی کریں گے۔“ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ”حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھ کر اس کے ہر گوشے کو ایک ایک سردار اٹھائے اور اسے اٹھانے میں سب شریک ہوں جب پتھر اپنے مقام کے برابر پہنچے تو مجھے اپنی طرف سے سب وکیل قرار دیں تاکہ میں اپنے ہاتھ سے رکھوں کہ میرا ہاتھ وکالت کے حکم سے سب کا ہاتھ ہوگا۔“ تمام سردار اس فیصلے پر راضی ہو گئے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ غزوہ حدیبیہ میں جب کافروں کے ساتھ مغلوبانہ صلح قرار پائی کفار نے یہ شرط کی کہ مسلمانوں سے جو بھی بھاگ کر ہمارے پاس آئے ہم اسے واپس نہیں دیں گے اور ہم میں سے جو بھی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جائے ہم اسے واپس لے لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ ماجرا سن کر بہت پریشان ہوئے اور سب حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے کہ ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ شرط ہرگز قبول نہیں کریں گے اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں ہم پر ذلت عائد ہوگی اگر اپنے بھاگنے والے کو وہ واپس لیں گے ہم بھی اپنے بھاگنے ہوئے کو واپس لیں گے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تھوڑا سا غور کرو کہ جو شخص ہم سے بھاگ کر جائے گا وہ نہیں ہوگا مگر منافق کہ اس کے دل میں کفر اور کفار کی رفاقت کی محبت ہوگی اول تو وہ اسی قابل ہے کہ ہمارے پاس نہ رہے انہیں کے ساتھ رہے ہمیں چاہیے کہ اسے اپنے میں سے باہر نکال دیں حالانکہ وہ خود بخود چلا گیا ہم اسے واپس کیوں لیں؟“ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نکتے کو سمجھ گئے اور سب نے حضور علیہ السلام کے کمال عقل کی تحسین و آفریں کی۔

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ غزوہ احزاب میں طویل محاصرے کے بعد جب کافروں نے چاہا کہ علیؑ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں اور کافر بارہ ہزار کے قریب تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابتدا میں تین ہزار ساتھی تھے اور آخر میں محاصرہ کے طویل ہونے اور آب و دانہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت قلیل رہ گئے تھے اتنی بڑی فوج کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حذیفہ بن الیمان کو جاسوسی کے لیے ان کے لشکر میں بھیجا اور فرمایا کہ سردار ان قریش کو ڈھونڈ کر کہنا کہ کل حملے

کا دن ہے سب لوگ تمہارے ہی لشکر کو جو کہ اس ہنگامے کا مرکزی کردار ہے آگے کریں گے اور خود تمہارے پیچھے رہیں گے اور اس سمت سے تم پر ہر ممکن ضرب اور حملہ ہوگا تو ہر طرف بھی قبیلہ قریش والے ہی مقتول اور مجروح ہوں گے جبکہ دوسرے قبائل محفوظ رہیں گے اور فتح اور شکست دونوں صورتوں میں تمہیں ہی سستی اور ضعف لاحق ہوگا اور اس کے بعد دوسرے قبائل تم پر ظلم کا ہاتھ بڑھائیں گے اسے خوب سمجھ لو اور سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ وہ لوگ اسے سنتے ہی اپنے ارادے میں پھسل گئے اور انہوں نے حملہ ترک کر دیا یہاں تک کہ اس لشکر کے درمیان صریح نفاق ظاہر ہو گیا اور کسی ظاہری سبب کے بغیر کوچ کر گئے۔

مختصر یہ کہ ایسے عظیم عقل مند کے متعلق یہ گمان کہ سودائی اور مجنون ہو بعینہ اسی طرح ہے کہ کوئی سورج کو تاریک گمان کرے اور کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ مجنون ہوں؟

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ تحقیق آپ کے لیے وہ اجر و ثواب ہے کہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں سارے عالم کو ہدایت کلیہ پہنچے گی اور وہ ہدایت قیامت تک باقی رہے گی جبکہ مجنون کو اپنی حرکات و افعال کی خبر نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ کسی کو ہدایت کرنے اپنے کسی عمل میں ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اس لیے کہ بے عقلی کی وجہ سے اس کا عمل نیت سے خالی ہوتا ہے چہ جائیکہ اسے غیر منقطع ثواب حاصل ہو جب یہاں غیر منقطع ثواب کے معنی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدہ ہو چکا معلوم ہوا کہ اس سے مراد آپ کی امتوں کے اعمال کا ثواب ہے جو کہ قیامت تک منقطع نہ ہوگی تو جو اشکال یہاں وارد ہوتا تھا زائل ہو گیا۔

اور اس اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر ممنون اجر کا وعدہ ہر مومن کے لیے سورۃ انشاق اور سورۃ التین میں کیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں اس کا ذکر کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس اشکال کے زائل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مومنین کے حق میں جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے ثواب بہشت کا ہمیشہ ہونا ہے اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اعمال امت کے ثواب کا قیامت تک اور اس غیر منسوخ ہدایت عامہ کلیہ کے منشا کا غیر منقطع ہونا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں ہے اور دونوں کے

درمیان کافی فرق ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے 'کوئی نبی علیہ السلام نہیں ہے مگر اسے اس کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے جو اس پر ایمان لایا اور اس کے دین میں داخل ہوا اس لیے کہ وہ جو عمل کرتا ہے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی دلالت اور ارشاد کے ساتھ کرتا ہے اور کار خیر پر دلالت کرنے والا کار خیر کرنے والے کی طرح ہے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے دین منسوخ ہوتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ آخری دین جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین ہے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا اور منسوخ دین پر عمل اجر و ثواب کا موجب نہیں ہے تو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا اجر و ثواب لازماً منقطع ہو گیا اور قیام قیامت تک طویل نہ ہوا۔ بخلاف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر و ثواب کے کہ قیام قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان

نیز وہ آپ کو مجنون کس طرح گمان کرتے ہیں وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ تحقیق آپ بہت بڑے خلق پر جلوہ گر اور قائم ہیں جبکہ مجنون کا کوئی قابلِ اعتماد خلق نہیں ہوتا اس لیے کہ حالات کا عدم استحکام اوہام اور خیالات کی تبدیلی جنوں کے لوازمات میں سے ہے اور اسی عدم استحکام اور تبدیلی کے ساتھ خلق کا پختہ ہونا متصور نہیں ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضرت أم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور علیہ السلام کا خلق مبارک کیا تھا کہ اسے حق تعالیٰ نے مقام تعریف میں یاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا یعنی جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے آپ سے طبعی طور پر صادر ہوتی تھیں اور جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بُرا کہا ہے اس سے طبعی طور پر آپ نفرت فرماتے تھے۔

اور علماء میں سے بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم وہ تھا جس کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تعلیم فرمائی ہے کہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ اور واقع میں دعوت الی اللہ اور حق کی امداد کرنے کی صورت

میں اس سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق عظیم یہ تھا کہ ظاہری طور پر مخلوق کے ساتھ باہمی میل جول رکھتے تھے لیکن باطن میں حضرت حق کے ساتھ مشغول اور آرام فرماتے اور ہمیشہ ظاہر و باطن کو باہمی طور پر ملا کر زندگی بسر فرماتے تھے اور یہ کام بھی بہت سخت اور مشکل ہے اس لیے کہ جب ظاہر اور باطن ایک طرف متوجہ ہوں تو کام آسان ہو جاتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میری بعثت اس لیے ہوئی ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی بزرگیوں کو میں پورا کروں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت، حضرت اور لیس علیہ السلام کا فہم، نوح علیہ السلام کا لشکر، ہود علیہ السلام کی سخاوت، صالح علیہ السلام کی عبادت، خلیل علیہ السلام کی خلعت، موسیٰ علیہ السلام کا عزم، ایوب علیہ السلام کا صبر، داؤد علیہ السلام کا عدل، سلیمان علیہ السلام کا تمکن، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اور اسی وجہ سے آپ کو خلق عظیم کے ساتھ موصوف فرمایا گیا کہ ان تمام بزرگوں کے تمام اخلاق کے ساتھ موصوف تھے۔

۶ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب آیت خُذِ الْعَفْوَ نازل ہوئی، حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی تفسیر پوچھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آپ کو مکارم اخلاق عطا فرمائے گئے کہ آپ اس سے تعلق رکھیں جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے اور اسے عطا فرمائیں جو آپ کا حق نہیں دیتا اور اسے معاف فرمائیں جس نے آپ پر ظلم کیا ہے یعنی یہ آیت آپ کو تمام اچھے اخلاق سکھاتی ہے۔

اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آگاہ ہو وہ یقین سے جان لے کہ حضور علیہ السلام نے ان درجات کو انتہا تک پہنچایا کہ اس سے آگے انسان کی طاقت نہیں اور عناد کرنے والے کفار کے ساتھ آپ کے معاملات میں سے یہ تھا کہ جب جنگ احد میں حضور علیہ السلام کے چچا بزرگوار کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے عمدہ یاروں میں سے

بہتر افراد کو قتل کر دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچا کے جگر کو نکال کر چبا کر پھینک دیا گیا اور دوسرے شہداء کا مثلہ کر دیا گیا یعنی کان، ناک، کاٹ دیئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو گہرا زخم لگایا گیا اور دندان مبارک کو شہید کر دیا گیا حتیٰ کہ سر اور منہ مبارک سے خون جاری تھا اور لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ کفار ظلم و ستم اور بے ادبی میں حد سے گزر گئے ان کی ہلاکت کی دعا فرمانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا مجھے ہلاک کی دعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت اور ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اللھم اغفر لقومی و اھل قومی فانھم لا یعلمون اس واقعہ کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں معتبر سند کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

حلم کا بحر بیکراں

اور طبرانی، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور دیگر محدثین نے علمائے یہود میں سے زید بن ثعنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے آخر الزماں رسول علیہ السلام کے تمام اوصاف جو کہ میں نے پہلی کتابوں میں دیکھے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں نظر آ گئے مگر دو صفات مجھے معلوم نہ ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس کی بردباری اس کے غصے پر غالب ہوگی، دوسری یہ کہ تلخ نوائی کے مقابلے میں ان کی نرمی اور زیادہ ہوگی۔ میں نے چاہا کہ ان دونوں صفات کا امتحان کروں، میں وقت کے انتظار میں تھا کہ اچانک یوں اتفاق ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کافی مقدار میں کھجور قرض خرید کی اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر فرمائی، میں اس مدت سے دو تین دن پہلے چلا گیا اور تقاضا شروع کر دیا، میں نے دیکھا آپ بالکل بے جا نہیں ہوتے اور یہ نہیں فرماتے کہ ابھی وعدے کی مدت نہیں گزری تو کیوں تقاضا کرتا ہے؟ میں نے تقاضے کے ارادے سے بدکلامی شروع کر دی جب میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بہت سے صحابہ کرام جمع ہو گئے ہیں تو میں نے زیادہ سختی شروع کر دی تاکہ آپ کو ان یاروں کے حیا کی وجہ سے غصے کا غلبہ ہو اور مجھے کوئی سخت بات فرمائیں لیکن آپ بالکل بے ضبط نہ ہوئے یہاں

تک کہ میں نے یہ بات بھی کہی کہ آپ کے خاندان میں قرض کی ادائیگی میں اسی طرح کی لیت و لعل کرتے آئے ہیں کسی قرض خواہ نے تم لوگوں سے اپنا قرض آسانی کے ساتھ وصول نہ کیا۔ یہ بات سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے سے بھڑک اٹھے اور میں اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیرا، ہن مبارک اور چادر مبارک کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور میں نے تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ اٹھو اور ابھی میرا قرض ادا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے چین ہو کر تلوار اٹھائی اور میرے سر پر آ کھڑے ہوئے اور کہا اود ثمن خدا! تو باز نہیں آتا، میں ابھی تیرا سر قلم کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہمیں تم سے اس کی توقع نہ تھی، تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے نرمی کے ساتھ اچھی طرح قرض ادا کرنے اور اسے اچھی طرح تقاضا کرنے کی نصیحت کرتے، یہ کیا لفظ ہیں جو تم نے کہے ہیں؟ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نادم ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا اب آپ مجھے فرمائیں کہ میں اس کا قرض ادا کروں؟ فرمایا جاؤ اور اس کا سارا حق پورا کرو اور اس کے حق سے بیس صاع اور زیادہ دو تا کہ وہ بدسلوکی جو تم نے اس سے کی ہے اس کا بدلہ حاصل ہو جائے۔ میں یہ بات سنتے ہی مسلمان ہو گیا۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت میں آیا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ جلوہ افروز ہو کر باتیں فرما رہے تھے اور آپ وہاں سے اٹھے تاکہ دولت خانہ میں تشریف لے جائیں، ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے اچانک ایک جنگلی طاہر ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو سرانور سے زور سے کھینچا یہاں تک کہ گردن مبارک سرخ ہو گئی اور قریب تھا کہ سر مبارک دیوار کے ساتھ لگے اس جنگلی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تیرا کیا مقصد ہے؟ کہہ۔ اس نے کہا میرے یہ دونوں اونٹ غلے سے لاد کر دیں کیونکہ آپ کے پاس جو مال ہے خدا کا مال ہے، آپ کا یا آپ کے باپ کا مال نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو سچ کہتا ہے کہ یہ مال میرا یا

میرے باپ کا نہیں ہے لیکن یہ جو اتنی سختی تو نے مجھ پر کی ہے میرا حق ہے میں اس کا بدلا لوں گا۔ اس نے کہا کہ میں اس کا قصاص ہرگز نہیں دوں گا اور اس حالت میں آپ پوری بٹاشت کے ساتھ تبسم فرما رہے تھے جب کچھ وقت اس گفتگو میں گزر گیا تو ایک شخص کو بلا یا اور فرمایا کہ اس کے ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد کر دے دو۔ اس حدیث پاک کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔

اور تمام سیرت نگاہ متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے منافقین کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے تھے کہ کسی کو طاقت نہیں کہ اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے باوجودیکہ ارحم الراحمین ہے آپ کو سختی کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ حکم اتارا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں سے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ بن مریم و قولوا عبد اللہ ورسولہ یعنی میری وہ تعریف نہ کرو جو کہ پورے مبالغہ کے ساتھ نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کرتے تھے میری نعت میں یہی کہو اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول علیہ السلام ہیں کہ اس کی بندگی میرے لیے کافی عزت ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی کنیزوں، غلاموں اور خدمت گاروں میں سے کسی کو نہ پٹا اور ترمذی میں وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت گار کو کبھی بھی سخت آواز کے ساتھ ڈانٹ نہ پٹائی اور اپنا بدلہ لینے کے لیے کسی کو نہیں ستایا ہے۔ نیز صحاح میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس میں دوستوں کی موجودگی کبھی بھی پاؤں مبارک دراز نہ فرمائے اور اگر کوئی ملاقات کے لیے حاضر آتا جب تک وہ بیٹھا رہتا ہرگز نہیں اٹھتے تھے اور بیٹھنے میں آپ کے زانوئے مبارک کسی کے زانوؤں سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور آپ کے اہل بیت یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جب بھی کوئی آپ کو یا رسول اللہ! کہہ کر پکارتا تو

اس کے جواب میں لہیک فرمایا کرتے تھے۔

اور تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام سفر میں تھے کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج ہم چاہتے ہیں کہ ایک بکری کے کباب بنائیں۔ دوستوں نے عرض کی بہت بہتر ان میں سے ایک نے عرض کی کہ میں ذبح کرتا ہوں، دوسرے نے کہا میں کھال اتارتا ہوں، تیسرے نے کہا گوشت بنانا میرے ذمہ ہے اور چوتھے نے کہا اس کا پکانا میرے ذمے ہے۔ علی ہذا القیاس اس کام کے تمام لوازمات کو تقسیم کر لیا تا کہ جلدی تیار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور تمام دوست کام میں لگے ہوئے تھے، آپ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے اور جنگل سے ایندھن لائے، صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام بھی ہم کر لیتے، آپ کو بنفس نفیس تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اپنے دوستوں میں امتیاز کے ساتھ بیٹھے اور ان میں شامل نہ ہو۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مدینہ عالیہ کی کینروں میں سے کوئی کثیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی، آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں کچھ خلل واقع ہو گیا تھا، اسے فاسد سے خیالات آتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار کرتے حیا کرتی تھی۔ بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی اور تنہا بیٹھ کر وہ ساری باتیں کہہ دیتی جب بھی کوئی دور سے ظاہر ہوتا تو وہم کرتے ہوئے کہتی کہ یہاں سے اٹھئے کسی دوسری جگہ خلوت اختیار کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ سب تکلیفیں قبول فرماتے تھے۔

دست مبارک سے شفا طلب کرنا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب نماز فجر سے فارغ ہوتے تھے تو اہل مدینہ کے غلام اور لونڈیاں بانی سے بھرے ہوئے برتن لاتے تاکہ آپ ان برتنوں میں اپنا

دست مبارک ڈال دیں وہ پانی متبرک ہو جائے اور وہ سارا دن کھانے اور دوائی میں وہ پانی استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات کہ موسم سرما ہوتا اور برتن زیادہ اور پانی بہت ٹھنڈا ہر برتن میں ہاتھ ڈالنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود کسی برتن کو خالی نہ چھوڑتے ہر ایک میں ہاتھ مبارک ڈالتے۔

اور آپ کی خوش خلقی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ بھی خوش طبعی فرماتے تھے۔ ایک بچہ تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی اس کے پاس غیر نام کا ایک جانور تھا جسے ہندی زبان میں لال کہتے ہیں اس نے پالا تھا اتفاقاً وہ لال مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لال کی تعزیت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ابا عمیر ما فعل النغیر تاکہ یہ مقفی کلام سن کر اس کا دل خوش ہو جائے اور غم نہ کرے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے فرمایا ہے کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی آپ نے کبھی نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور یہ کام کیوں کیا؟ اور صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کے اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھا خلق ہوگا۔ نیز وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کچھ جانتے ہو کہ زیادہ تر کس وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا دو کھوکھلی چیزیں آدمی کے جسم میں جو کہ منہ اور مقام شرم ہے زیادہ تر آگ میں داخل ہونے کا موجب ہوں گے پھر فرمایا کچھ جانتے ہو کہ کوئی چیز زیادہ تر جنت میں داخل ہونے کا سبب ہوگی؟ عرض کی اللہ ورسولہ اعلم فرمایا تقویٰ اور حسن خلق۔

نیز وارد ہے کہ صاحب ایمان آدمی اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ روزے رکھنے والے اور ساری رات قیام کرنے والے کا مرتبہ پالیتا ہے اور جب یہ ثابت کرنے سے فراغت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باوجود ان اعمال خیر اور ہدایت

کلیہ کو دیکھنے کے جو کہ غیر منقطع اجر و ثواب کا سبب ہے اور باوجودیکہ ان اخلاقِ کریمہ پر مطلع ہونے کے جو کہ کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں جنوں کا گمان صریح طور پر غلط اور صاف باطل ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ

فَسْتَبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ عَنْ قَرِيبٍ اَنتُمْ لَيْسَ كَيْدُكُمْ اَنْ تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ
 میں آثارِ ہدایت اور آپ کے اخلاقِ کریمہ کی کشش انہیں راہ پر لے آئے گی اور آپ اکمال ان کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور موت کے بعد جب حقیقت سے پردہ اٹھائیں گے اور عقل و دانش سے ہر ایک کا مرتبہ ظاہر ہو جائے گا کہ بَايْكُمْ الْمَفْتُونُ کہ تم میں سے کسے جنوں اور دیوانگی ہے؟ آپ؟ جو کہ جامع کلمات کے ضمن میں انہیں عالم ملک و ملکوت کے مخفی اسرار کا پتہ دیتے ہیں یا یہ لوگ؟ جو کہ اپنی ذات کی حقیقت سے اور آیاتِ الہی سے جو کہ ان کے نفسوں میں روشن اور چمکتی ہیں حجاب میں رہے دیوانوں کی طرح تراشے ہوئے پتھروں اور ناتراشیدہ لکڑی کی عبادت کے فتنے میں گرفتار رہے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ تَحْتَقِقُ اَبْ كَا پُرُوْر دگا رہی زیادہ جاننے والا ہے اسے جو کہ حقیقی مجنون اور بالکل مفتون ہے کہ اس کی عقل تہ بہ تہ پردوں میں چھپی رہے گی یہاں تک کہ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ گمراہ ہو گیا اپنے مالک کی راہ سے اور جانور سے بھی کمتر ہو گیا کہ وہ اپنے مالک کے گھر کی راہ پہچانتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہی ہے زیادہ جاننے والا عقل صحیح والے عقل مندوں کو کہ جنہیں تعبیر کیا جاتا ہے۔ بِالْمُهْتَدِيْنَ راہ پانے والوں کے نام سے کہ انہوں نے اپنے مالک کا راستہ پہچان لیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے اور جب ان دونوں فرقوں کے درمیان بہت فرق اور کافی دُوری ہے تو چاہیے کہ آپ اپنے حسن خلق کی بناء پر بظاہر بھی ان سے موافقت نہ کریں جس طرح کہ آپ باطن میں بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتے اس لیے کہ ظاہر کی موافقت باطن کی موافقت کا اثر ہے اور اس کی علامت۔

فَلَا تَطِعِ الْمُكَذِبِيْنَ پس آپ انکار کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، ابو جہل، اسود بن عبد یغوث اور انھن میں شریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو خلط سودا دی ان حرکات اور ان کلمات کا موجب ہوتی ہے تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم آپ کے بھائی بند اور رشتے دار ہیں اور اگر عیش و عشرت کا خیال ہے تو فرمائیں ہم آپ کے لیے پسندیدہ عورتیں، نفیس لباس، لذیذ کھانے اور بے پناہ مال و دولت مہیا کریں اور اگر آپ سرداری اور مرتبہ چاہتے ہیں تو لیجیے ہم تمام سردار آپ کے مطیع اور تابع فرماں ہیں، سرداری کی مسند پر بیٹھے اور حکمرانی کیجیے کہ آپ حسب و نسبت اور عقل و دانش میں سب سے عمدہ اور زیادہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ان میں سے کچھ بھی منظور نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی فرماں برداری منظور ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو یہ کام منظور ہے تو بسر و چشم لیکن ہماری ایک بات سن لیں کہ ہمارے بتوں کو نہ کہیں اور لوگوں کو ان کی عبادت سے منع نہ کریں اور خود خدا کی عبادت میں مشغول رہیں، ہم آپ کو خدا کی عبادت سے نہیں روکیں گے اور آپ پر کوئی طعنہ اور طنز نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی اور یہ آیات نازل ہوئیں اور ارشاد ہوا کہ بتوں کی مذمت اور ان کی پوجا کی قباحت کے بیان کے بارے میں ان کی بات بالکل نہ سنیں۔

وَذُوَا لَوْ تَذٰہِنُ فَيٰذٰہِنُوْنَ وہ پسند کرتے ہیں کہ کاش آپ اپنے طریقے اور آئین میں کچھ سستی کریں۔ پس وہ خود ست اور بے غیرت ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مرد حقانی کو مخالفین کے کہنے کی بالکل پرواہ نہیں کرنا چاہیے اور ان کی رضا جوئی کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہیے کہ آخر یہ مقصد دین میں سستی تک لے جاتا ہے۔ ہاں نرمی اور خوش خلقی ہر کسی کے ساتھ قابل تعریف ہے لیکن اس کے بغیر کہ اپنے طریقے اور قانون میں کوئی کمزوری واقع ہو اور اپنے دین کے بارے میں کچھ سستی رونما ہو۔ اور یہ ایک ایسا مقام ہے جو بہت مشکل ہے اور یہاں امتیاز کرنے اور پہچاننے میں اکثر لوگوں نے لغزش کی ہے کچھ لوگوں نے خلق کو اچھا کرنے، دلوں کو مائل کرنے اور خاطر داری میں اس قدر کوشش کی کہ دینی معاملات صریح طور پر سستی کرنے لگے اور بعض دین کے تعصب و حمیت میں اتنا ڈور چلے گئے کہ انہوں نے تلخ نوائی اور بد خلقی کو عین عبادت سمجھا۔

مدارات اور مداہنت میں فرق

اور سیدھا راستہ مدارات اور مداہنت کے درمیان کے فرق پر موقوف ہے۔ مدارات اپنے حقوق سے درگزر کرتا ہے جیسے ہاتھ اور زبان کے ساتھ تعظیم اکرام اور احسان کرنا اور عیب پوشی اور خیر خواہی جبکہ مداہنت دین کے حقوق جیسے امر بالمعروف نہی عن المنکر، حدیں قائم کرنا اور حق کو بیان کرنا، حق کو پورا کرنے میں سستی کرتا ہے۔ بہر حال منکروں کی موافقت اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو ہدایت عامہ کلیہ میں خلل ڈالتی ہے اور غیر ممنون اجر کے استحقاق میں عیب لگاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذالقیۃ الفاجر فالقہ بوجہ خشن یعنی جب تجھے فاجر آدمی ملے تو اس ترش روئی سے مل اور حقائق المتزیل میں مذکور ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تسری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے من صحح ایمانہ واخلف توحیدہ فانہ لایانس الی مبتدع ولا یجالسہ ولا یواکلہ ولا یشاربہ ویظہر لہ من نفسہ العداوۃ ومن دامن بابتدع سلبہ اللہ تعالیٰ حلاوۃ الایمان ومن تحبب الی مبتدع نزع نور الایمان من قلبہ یعنی صحیح الایمان شخص کو چاہیے کہ بدعتیوں کے ساتھ انس نہ پکڑے اور ہم مجلس ہم کاسہ اور ہم نوالہ نہ ہو اور جس نے بدعتیوں کے ساتھ دوستی پیدا کی تو ایمان کا نور اور اس کی حلاوت اس سے لے لیتے ہیں۔

خصوصاً منکروں میں سے وہ شخص جو کہ رذیل النفس اور بد اخلاق ہو اس کے ساتھ موافقت کرنا اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو حسن اخلاق کے کمال کو نقصان پہنچانے کا سبب ہے تو جسے اللہ تعالیٰ نیک اخلاق پر ثابت قدم رکھے اسے ان کی موافقت سے پرہیز ضروری ہے تاکہ اس کی معاملات کی کثرت اور اس رذیل النفس کی صحبت کی وجہ سے اس کے اخلاق میں کمی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ فرمایا

وَلَا تَطْعُ اور ہرگز اطاعت نہ کر ان منکروں میں سے کُلَّ حَلَّافٍ ہر بہت قسمیں اٹھانے والے کی جو کہ ہر بات میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اس لیے کہ بہت قسمیں کھانا دو وجہ سے نفس کے کمینہ پن کی دلیل ہے۔

زیادہ قسمیں کھانے والے کے کمینے پن کا بیان

اول تو یہ کہ اپنے مالک کے مرتبے کی بزرگی اور عظمت کو نہیں جانتا کہ اس کے عظیم نام کو اس درجہ ہلکا کر دیتا ہے اور اس کی قباحت کے راز سے غافل ہے جبکہ عزت نفس اپنے بزرگوں کے حقوق دریافت کرنے کے ساتھ ہے اور اس کا کمینہ پن ان حقوق سے غفلت کی وجہ سے۔ اسی لیے کمینے اپنے والدین کا نام تعظیم کے ساتھ نہیں لیتے اور جہان میں کوئی شخص بھی بندے کی نسبت سے اتنے حقوق نہیں رکھتا جتنے کہ اس کا خالق و مالک رکھتا ہے جب اس نے اس طرح کے حقوق نہ پہچانے تو کمال کمینہ پن کی دلیل ہوئی۔

دوسری وجہ یہ کہ جو زیادہ قسمیں کھاتا ہے غالباً جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا لوگوں کی نظر میں کمال حقیر ہونے کا موجب ہے اور اس حقارت کو جان بوجھ کر ہر وقت اپنے آپ پر گوارا کرنا نفس کے کمینے پن کی دلیل ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک قوی اشکال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بہت قسمیں اٹھانا بُرا اور معیوب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ہر بات میں قسم کیوں زیادہ واقع ہوئی؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ فرمایا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں قسم کا کثرت سے استعمال چند وجہ سے آپ کی رفعت و شان کو زیادہ کرنے کا موجب تھا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہر بات میں یا واللہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور یہ کمال محبت کی علامت ہے من احب شينا اكثر ذكره۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن مضامین پر قسم فرماتے تھے غالب طور پر اس وجہ سے کہ عوام کی عقل اور حواس سے بالاتر ہوتے تھے تاکہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ پس قسم لانے میں تاکید اور دعوت الی اللہ حاصل ہوتی تھی اسی لیے دنیوی امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم کھانے کا اتفاق نہ ہوا۔ آپ نے جو قسم اٹھائی ہے احکام شرعیہ کے بیان یا عذاب الہی سے ڈرانے میں اٹھائی ہے۔ بخلاف زیادہ قسمیں کھانے کے جو کہ دوسروں سے واقع ہو کہ ان امور میں

سے ہر چیز وہاں معدوم ہے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں قسم کے کثرت سے استعمال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے غیر شرعی قسموں کا رواج بہت ہو چکا تھا۔ باپوں بیٹوں اپنی آنکھ اور کان بزرگوں مقتداؤں اور بتوں کی قسمیں کھاتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا کہ اپنے کلام میں بار بار قسم کا استعمال فرمائیں تاکہ لوگ آپ سے قسمیں کھانے کا طریقہ سیکھیں اور اپنی ان غیر شرعی قسموں کو چھوڑ دیں اور یہاں تبلیغِ قولی کافی نہ تھی اس لیے پکی عادتوں کا قلع قمع ایک دو بار کہنے سے میسر نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ اس شخص کا بہت قسمیں کھانا معیوب ہے کہ وہ وصفِ مہین کے ساتھ بھی موصوف ہوتا ہے یعنی پست ہمت اور رذیل الطبع کہ اپنی قسمیں غیر موزوں مقاصد اور ذلیل اغراض کو ثابت کرنے میں خرچ کرتا ہے اور سمجھتا نہیں ہے کہ کس عظیم نام کو کس نالائق امر کا وسیلہ بنانا ہوں بلکہ قسم کی یہ کثرت اس کے نفس کے کینے پن اور اس کے ذلیل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عزت والاعزت والے کی قدر جانتا ہے اور ہر صاحب عزت کی رعایت کرتا ہے جبکہ ذلیل شخص ہر چیز کو اپنے پر قیاس کرتا ہے اور ذلیل سمجھتا ہے۔

اور اگرچہ اس طرح کارذیل النفس جو کہ خدا تعالیٰ کے نام کی عزت کی رعایت نہیں رکھتا جو بھی ہو پرہیز اور کنارہ کشی کے لائق ہے لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ولید بن مغیرہ کے حال کا اشارہ مراد ہے جو کہ مال دار اور کثیر الاولاد آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے احوال اور اولاد کی کچھ تفصیل سورہ مدثر میں مذکور ہے اس کے باوجود یہ ذلتیں رکھتا تھا اور اپنے پروردگار کے نام کی عزت کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ کاش وہ اسی کینے پن پر اکتفا کرتا اس کینے پن کے ساتھ ساتھ یہ وصف بھی رکھتا تھا کہ

هَمَّازِ مَخْلُوقِ كُوَطْعَنِ كَرْنِ وَالَا اور بُرَا كَهْنِ وَالَا ہے کہ پیٹھ پیچھے بھی اور آمنے سامنے بھی لوگوں کو تعریض اور طعن کے ساتھ پیش آتا تھا اور ہر شخص کے نسب و حسب اور اخلاق

وعادات میں عیب نکالتا تھا۔ پس گویا وہ ایک کاٹنے والا کتا تھا کہ لوگ اس کی صورت سے بے زار تھے اور یہ بھی اس کے نفس کی رذالت کی دلیل ہے اس لیے کہ جو شخص دوسروں کی آبرو کا پاس نہیں کرتا پہلے اس نے اپنی آبرو کو چھوڑا ہوگا تو حقیقت میں اپنی آبرو کا پاس نہیں رکھتا اور عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کی آبروریزی میں اپنی طعن و تشنیع پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ

مَشَاءَ بَنِمِيمٍ اپنے پاؤں کے ساتھ چنچل خوری کے لیے چلنے والا ہے۔ ایک کی بات دوسرے کے بارے میں اس تک پہنچاتا ہے تاکہ باہمی کدورت ہونے کی صورت میں لڑیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کریں اور خود بھی اس حرکت میں ہلکا اور رسوا ہوتا ہے اس لیے کہ عقل مندوں کے نزدیک چنچل خوری بہت حقیر ہونے کا موجب ہے۔ جو دوسروں کے عیب تیرے پاس لائے اور شمار کرنے بلاشبہ وہ تیرے عیب دوسرے کے پاس لے جائے گا۔ یہ ہے وہ اذیت جو مخلوق کو ذلیل کرنے اور لوگوں کی حرمت اور آبرو کو ضائع کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو اذیت کہ اموال، حقوق اور دین و دنیا کے فوائد کو برباد کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ

مَنَاعَ لِّلْخَيْرِ نیکی کو بہت روکنے والا ہے اس بات کا ہرگز روادار نہیں ہے کہ کوئی کسی کی جگہ نیکی کرے یہاں تک کہ اپنے بیٹوں اور غلاموں اور نوکروں سے کہتا تھا کہ اگر تم محمد کے پاس گئے اور تم نے اس کی بات سنی تو تمہارے واجبات اور خوراک بند کردوں گا اور اس کے قریبوں میں سے جو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتا اس سے برادری کا سلوک منقطع کر دیتا تھا۔

مُعْتَدٍ ظلم و تعدی کرتا ہے اور مخلوق جیسے نوکر، مزدور اور لین دین کرنے والوں کے واجب حقوق ادا نہیں کرتا۔

اَيْسِمٍ سخت گناہ گار ہے کہ شراب بھی پیتا ہے اور بدکاری اور لواطت بھی کرتا ہے۔ پس اپنی جان پر بھی ظلم کرتا ہے کہ اسے ہلاکت ابدی کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور ان کے علاوہ ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ

عُتْلِيَّ سرکش، سخت طبع اور درشت خو ہے کہ نصیحت اور سمجھانے کی وجہ سے راہ پر نہیں آتا اور خود پسندی کے جال میں گرفتار رہتا ہے اگر کسی کی بات سنتا تو احتمال تھا کہ اس کی ان سخت بیماریوں کا علاج ہو جاتا جبکہ کسی کی بات نہیں سنتا اس کا علاج بھی ممکن نہ رہا۔

بَعْدَ ذَلِكَ ان تمام قباحتوں کے بعد جو کہ اس میں ہیں ذَنْبِمْ وَلِدِ الزَّانَا ہے کے اٹھارہ سال تک اس کا باپ معین نہ تھا اٹھارہ سال کے بعد مغیرہ نے کہا کہ یہ میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے میں نے اس کی ماں سے مقاربت مقارمت کی تھی اور بعد ذالک کے لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کی یہ صفت قباحت کے مرتبوں میں سب سے بلند ہے کہ ترقی کر کے ان تمام صفات کے بعد عقل وہاں تک منتقل ہوتی ہے ورنہ وجود خارجی میں اس کا ولد الزنا ہونا تمام صفات سے پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ جب خبیث ہوتا ہے اور حرام طریقے سے باہر آئے اور حرام جگہ میں آئے تو تمام خبیث اخلاق پیدا کرتا ہے۔ پس یہ صفت گویا تمام اخلاقی پستیوں کے جھاڑو کی رسی ہے کہ سب کی تعداد کے بعد دل میں بیٹھتی ہے اور کاش ان تمام جمع شدہ رذالتوں کے بعد جو کے برابر عقل رکھتا جو اس کی ان تمام ذلتوں کی پردہ پوش ہوتی، عقل سے اس قدر بے بہرہ ہے کہ

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ اس وجہ سے کہ وہ مال کثیر اور بیٹوں والا تھا مغرور اور نازاں ہو کر اس ذات کی آیات کے انکار اور تکذیب میں پڑ گیا جس نے یہ مال اور یہ بیٹے اسے عطا فرمائے ہیں اور اس کا مقابلہ اس حد تک شروع کر دیا کہ

إِذَا تُلِيَّ عَلَيْهِ آيَاتُنَا جس وقت اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ صریح طور پر جانتا ہے کہ یہ کلام مخلوقات کی طاقت سے باہر ہے۔ بلاشبہ خالق کا کلام ہے اور خالق وہی ذات ہے جس نے مجھے نسبت حسب اور اخلاق کی اس رذالت کے باوجود مال کثیر اور خوبصورت بیٹوں کی ان نعمتوں سے نوازا ہے مجھے چاہیے کہ اس کے شکر میں بے حد کوشش کروں۔ ایک طرف ہو جاتا ہے اور ناشکری کرتا ہے یہاں تک کہ

قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کے درد کے افسانے ہیں جو وہ لکھ گئے ہیں اور کلامِ الہی نہیں ہے لہذا اس کفرانِ نعمت کرنے والے سرکش کے بارے میں

قیامت کے دن کا انتظار نہیں کروں گا جو کہ اچھی بُری جزا کے وعدے کا وقت ہے بلکہ
 سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ عنقریب ہم اس کی ناک پر ایک داغ لگائیں گے کہ
 آدمی کے اعضاء میں سے زیادہ تر فخر اور غرور کا مقام وہی ہے اور آبرو عزت اور غیرت کا
 مظہر وہی ہے تاکہ اسے سخت مجرموں کی طرح ناک کاٹ کر چھوڑ دیں۔

حضرت امین عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جنگ بدر کے
 دن انصار میں سے ایک مجاہد کی تلوار اس کی ناک پر پہنچی اور اس کی ناک زخمی ہو گئی جب
 مکہ شریف میں پہنچا اس زخم کے علاج میں لگ گیا، افاقہ نہ ہوا اور پھوڑا بن گیا حتیٰ کہ اسی
 مرض میں مر گیا۔

علماء نے کہا ہے کہ ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طعن سے زبان کھولی تھی
 اور مجنون کا حرف زبان پر لایا، حق تعالیٰ نے اسے دس طعن کیے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ
 جب اللہ تعالیٰ نے مقام عدل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والوں کو ایک کا دس
 کر کے بدلا دیا تو جو لوگ کہ جب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی خدمت میں
 مصروف رہتے ہیں انہیں ایک کے بدلے دس انعام عطا فرمائے گا اسی لیے حدیث
 شریف میں وارد ہے کہ من صلی علی واحدہ صلی اللہ علیہ عشاء یعنی جو شخص مجھ
 پر ایک بار درود شریف بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔

اور خرطوم کے لفظ میں جو کہ لغت میں ہاتھی اور مور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی کمال
 حقارت ہے۔ گویا وہ شخص دائرۃ انسانیت سے نکل گیا اور اس نے بے شرمی میں خنزیر اور
 غرور و تکبر میں ہاتھی کا حکم حاصل کیا ہے۔ نیز اس نے اصحابِ نبیل کے واقعہ کو دیکھا سنا تھا
 اس واقعہ کا اشارہ بھی منظور تھا کہ ہم وہی ہیں جو ہاتھیوں کی ناک کاٹتے ہیں۔ اہل مدینت
 نے لکھا ہے کہ ہر جانور کی ناک بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے مگر ہاتھی اور خنزیر کی ناک جو
 کہ پستی کی طرف لٹکتی ہے۔ پس لفظ خرطوم کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی
 ساری بلند ہمتی پستی میں ترقی معکوس کرتی ہے اور جانور کی طرح جتنا بڑا ہو اس کی مقعد
 اسی قدر تنگ ہو جاتی ہے اور اس پست ہمت کو جتنا مال اور بیٹے زیادہ ہوتے ہیں بے شرمی

اور رذالت میں نیچے گرتا ہے اور یہ بے شرموں اور بدذاتوں کے خصائص میں سے بھی ہے۔

اور اگر کسی کو اس ولید پلید اور اس کے ہم مشربوں جنہوں نے مکہ معظمہ کی سرزمین کو اپنی ناپاک سرداری کے ساتھ آلودہ کیا تھا اور فرمائی روائی اور حکمرانی کا منصب حاصل کیا، کا واقعہ سننے سے دل میں یہ بات کھٹکے کہ اس قسم کے کافر منش کینہ نفس لوگوں سے کام کیوں لینا چاہیے اور انہیں سرداری کے منصب پر کیوں بٹھایا جائے تاکہ وہ اپنی ان خباثتوں اور قباحتوں کا اظہار کریں اور لوگ چاروناچار ان کے طریقے کی اتباع کی وجہ سے گمراہی اور ذلت میں گرفتار ہوں اور اس قسم کے عظیم رسول علیہ السلام کو ان کی طرف سے اذیت پہنچے اس کے جواب میں فرمایا کہ

إِنَّا بَلَوْنَاہُمْ تَحْقِیْقًا ہَمٌّ بَہِیْ آ زَمَانِشْ کَرْتِیْ ہِیْ شَہْرَ مَکَہِ کَہِ اِن لَوِ گُوں کِی بَد خَلْقُوں کُو
مال اور سرداری دے کر تاکہ دیکھیں کہ وہ لوگ مال اور مرتبے کی پیروی کرتے ہیں؟ اور
ان رذیلوں کے مشورہ اور احکام کے مطابق کام کرتے ہیں؟ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی تعظیم اور اطاعت کا حق ضائع کرتے ہیں؟ حتیٰ کہ آخر میں قحط سرداروں کے
مارے جانے اموال کے ضائع ہونے اور فوجوں کے خوف میں گرفتار ہوتے ہیں باحق کو
پہچانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی کو اپنے
مال داروں اور سرداروں کی پیروی سے مقدم کرتے ہیں اور اس حق شناسی کے وسیلے سے
سعادت دارین تمام ممالک اور شہروں پر قبضہ اور بے شمار خزانوں کی فتوح تک پہنچتے ہیں۔
کَمَا بَلَوْنَا جِس طَرَحْ کَہِ ہَمِّ نَہِ اِمْتِحَانْ کِیَا تَہَا اِس قَسْمِ کَہِ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ بَاغِ
والوں کا جو کہ باغ ضررواں کے نام سے مشہور تھا۔

اصحابِ جنت یعنی باغ ضررواں کا واقعہ

اور وہ ایک باغ یمن کے دارالحکومت صنعا کے متصل اس شہر سے چار کوس کے
فاصلے پر سرراہ واقع ہے اور اس کا مالک بنو ثقیف کا ایک شخص تھا جس نے اس باغ میں
میوہ دار درخت اور پیداواری فصلیں کاشت کر رکھی تھیں اور اسے اس باغ سے ہر فصل میں

کافی پیداوار حاصل ہوتی تھی اور اس نے اپنے اوپر یوں مقرر کر رکھا تھا کہ میوے چننے اور فصل کاٹنے کے وقت جو پیڑ میں باقی رہ جاتا، فقراء کو دے دیتا اور کھلو اڑا صاف کرنے کے وقت جو کچھ ہوا کی وجہ سے بکھر جاتا، وہ بھی فقراء کو دے دیتا اور میوے جھاڑنے کے وقت جو کچھ بچھے ہوئے کپڑے سے باہر گر جاتا، وہ بھی فقیروں کو دے دیتا اور اس باغ کی پیداوار گھر لانے کے بعد بھی فقیروں کا حصہ نکالتا تھا اور اپنے گھر میں اس نے پابندی لگا رکھی تھی کہ غلے کا آٹا پیتے وقت بھی دسواں حصہ جدا کریں اور فقیروں کو دیں اور روٹی پکانے کے وقت بھی دس روٹیوں میں سے ایک روٹی گداؤں کے لیے جدا کرے، سنبھال رکھتا جب وہ فوت ہو گیا اس کے سب اس کے تین بیٹے رہ گئے، انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک قبیلہ دار ہو گیا ہے اور ہمارے بیوی بچے ہیں جبکہ ہمارے باپ کا ایک گھر تھا اب ہمارے تین گھر ہیں جس قدر وہ فقیروں کو دیتا تھا، ہم سے نہیں ہو سکتا، کیا تدبیر کی جائے؟ ان کے درمیانے بھائی نے کہا کہ کوئی تدبیر نہ کرو اور اپنے باپ کے طریقے پر چلو، حق تعالیٰ برکت دے گا۔ دوسرے دو بھائیوں نے اس کی بات نہ مانی اور باہم اتفاق کیا کہ پھل اُتارتے اور فصل کاٹتے وقت فقیروں کو آنے نہ دیں اور بغیر اطلاع جا کر پھل اور فصل اُٹھالیں اور فقیروں کا حصہ نہ نکالیں۔ ہاں ہمارے کھانے کے وقت اگر کوئی فقیر سوالی بن کر آئے گا، اسے روٹی کا ٹکڑا دے دیں گے اور درمیانے بھائی کو بھی جھڑکی اور ملامت کے ساتھ خاموش کر دیا۔

إِذَا قَسَمُوا جبکہ ان تینوں نے باہم قسم اُٹھائی لَبِصْرٍ مُنْهًا اس بات کی کہ اس باغ کا پھل اور کھیتی ضرور کاٹیں گے۔ مُصْبِحِينَ صبح کرتے ہوئے تاکہ کسی منگتے اور مسکین کو خبر تک نہ ہو جبکہ ان کا باپ چاشت کے وقت میوہ اور فصل کاٹتا تھا تاکہ منگتے جمع ہوتے اور اپنا حق لے لیتے۔ وَلَا يَسْتَنْوْنَ اور انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہتے پھر تاکہ اس قسم کو توڑنے کا احتمال بھی نہ ہو اس لیے کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی قسم کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کہہ دے تو اس کے ذمے قسم لازم نہیں ہوتی اگر چاہے تو اس قسم کے مطابق عمل کرے اور اگر چاہے تو اس کے خلاف کرے۔ انہوں نے اس لیے کہ اس قسم کے خلاف درمیانے بھائی

کے کہنے پر جو کہ اس حرکت پر راضی نہ تھا، کرنے تصور نہ رہے، استثناء کو ترک کر دیا اور جس رات انہوں نے یہ نیت کی اور باہم عہد و پیمان باندھا، سو گئے، قضائے آسمانی ایک دوسرے پر نازل ہوئی۔

فَطَافَ عَلَيْهَا پس ان کے اس باغ اور کھیتی کے گرد گھوم گیا۔ طَائِفٌ مِّنْ رَبِّكَ گھومنے والا تیرے پروردگار کی طرف سے اور وہ ایک آگ تھی جو کہ آسمان کی طرف سے گری جس نے درخت، عمارتیں، نیل اور اس باغ کے مزارعے سب جلا دیئے۔

وَهُمْ نَائِمُونَ اور وہ خواب میں پڑے تھے جس طرح اہل مکہ قحط روزِ بدر اور دوسرے غزوات سے غافل ہیں اور آپ کا حق جو کہ تعظیم و اطاعت ہے اور آیاتِ الہی کا حق جو کہ ایمان و تصدیق ہے، بجا نہیں لاتے۔

فَاصْبَحَتْ پس صبح کے وقت ان کا وہ باغیچہ ہو گیا۔ كَالصَّرِيمِ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کہ اس میں فصل کا کوئی نام و نشان رہا اور وہ خوابِ غفلت سے اٹھے اور اپنے حال سے بے خبر

فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ان تینوں نے ایک دوسرے کو صبح کرتے ہوئے آواز دی۔ اَنْ اَعْدُوا عَلٰی حَرْثِكُمْ کہ اپنی کھیتی کی طرف علی الصبح چلو۔ اِنْ كُنْتُمْ صَادِرِينَ اگر تم آج اپنی فصل کو کاٹنے والے ہو اس لیے کہ اگر تم دیر کرو گے تو منکوں کے ہجوم کی وجہ سے فصل کاٹنا ممکن نہیں ہوگا اور کام دوسرے دن پر جا پڑے گا اور وہ یہ نہیں جانتے تم کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے فصل کٹ چکی اور سب کچھ سرکار کے حق میں پہنچ چکا۔

فَانطَلَقُوا پس وہ تینوں بھائی خدمت گاروں اور مزدوروں سمیت روانہ ہوئے۔ وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ اور وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور گلیوں میں سے چھپ چھپا کر باہر آ رہے تھے اور ان کے اشاروں کا مقصد اَنْ لَا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ یہ کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس کوئی گدا داخل نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر گداؤں میں سے کوئی اس باغیچے میں آئے گا تو مجبوراً اس کے حاضر ہونے کی شرم کرتے ہوئے کچھ دینا پڑے گا۔ پس تدبیر یہی ہے کہ دروازے پر لوگوں کو بٹھا دینا چاہیے تاکہ منکوں کو

شریف میں آیا ہے کہ البخیل بعید من اللہ وبعید من الناس وبعید من الجنة قریب من النار یعنی بخیل اللہ تعالیٰ سے دُور لوگوں سے دُور جنت سے دُور اور جہنم کے قریب ہے جبکہ نخی کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے وعدہ کی سچائی پر اعتماد لازم ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا ہے السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنة بعید من النار نخی اللہ تعالیٰ کے قریب لوگوں کے قریب جنت کے قریب جہنم سے دُور ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں تین چیزوں پر قسم اٹھاتا ہوں اس لیے کہ ظاہری طور پر عقل سے دُور معلوم ہوتی ہے۔ پہلی چیز یہ کہ ما نقصت صدقة من مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دینا، مال کو کم نہیں کرتا۔ گو بظاہر تمہاری سمجھ کے مطابق نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ما تواضع احد الله الرفعہ اللہ ہرگز کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے اور خدا تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے کی تفسیر اس طرح ارشاد فرمائی گئی کہ خدا تعالیٰ کے لیے تواضع تین شخصوں کی تعظیم ہے۔ پہلا حافظ قرآن یا اس کے معنوں کو سمجھنے والا یا اس کے مطابق عمل کرنے والا دوسرا عمر رسیدہ مسلمان مرد کی تعظیم کرنا، تیسرے والدین کی تعظیم کرنا۔

تیسری چیز یہ کہ ما ازدار عبد عفوا الا اعزه الله یعنی جو شخص کہ انتقام کی طاقت ہونے کے باوجود معاف کر دے اسے اللہ تعالیٰ ضرور عزت بخشتا ہے اگرچہ ظاہری عقل انتقام ترک کرنے کو ذلت کا سبب سمجھتی ہے۔

اور جب وہ دونوں بھائی اور ان کے مشیر درمیانے بھائی کی گفتگو کی وجہ سے خبردار ہوئے بربادی کے بعد قالوا کہنے لگے اب ہم معتقد ہو گئے کہ

سُبْحَانَ رَبِّنَا ہمارا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اپنے وعدے کے خلاف کرے اور ان جواں مردوں کو برکت نہ دے جو کہ اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ تحقیق ہم ستمگارتھے کہ گداؤں کے حق میں ہم نے بُری نیت کی اور اپنے

باپ کا طریقہ چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کے سچے وعدے پر بھروسہ اور اعتماد نہ کیا اور جب انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَامَنُونَ پس ان کے بعض بعض پر متوجہ ہوئے کہ ملامت کرتے تھے۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو کہا کہ پہلے تو نے مشورہ دیا کہ فقیروں کو اندر آنے نہیں دینا چاہیے اور علی الصبح چلنا چاہیے اور اس بھائی نے اس بھائی کی ملامت کی کہ پہلے تو نے مجھے فقیری سے ڈرایا اور تو نے کہا کہ ہم کثیر العیال ہیں اور تو نے مجھ سے اس کی تدبیر پوچھی اور دونوں بھائی اپنے مشیروں کو چمٹ گئے اور انہیں ملامت کرنے لگے۔ آخر کافی بدحواسی کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ واقعہ کے وقوع کے بعد ملامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اختیار گرفتار حسرت ہو کر قَالُوا سب نے متفقہ طور پر کہا يَا وَيْلَنَا اے افسوس ہم پر

اِنَّا كُنَّا طَاغِيْنَ تحقیق ہم سرکشی کرنے والے تھے اس لیے کہ ہمیں اس مسئلے میں مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ کار خیر مشورے کا مقام نہیں ہوتا اور ہمارے مشیروں کو کیا مناسب تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بالکل ختم کر دیا اور اب کہ ہم اپنی اس سرکشی اور ظلم پر نادم ہو گئے ہیں عَسَىٰ رَبُّنَا اپنے پروردگار سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا قِنَّهَا اس باغ کے بدلے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے اور کسی دوسری راہ سے اس سال ہم پر روزی فراخ فرمائے اس لیے کہ اگرچہ ابتدا میں ہم نے اس کے کرم پر اعتماد نہ کیا لیکن اس وقت مصیبت دیکھنے کے باوجود کہ ہم اس کے لطف سے ناامید نہیں ہیں۔

اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ تحقیق ہم اپنے پروردگار کی طرف قوی رغبت رکھتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس بات میں ان کے اخلاص کو پسند فرمایا جب حسرت کرتے ہوئے شہر پہنچے تو اس شہر کے بادشاہ نے یہ ماجرا سنا اور انہیں اپنے سرسبز باغات میں ایک باغ جس کا نام حیوان تھا عطا فرمایا اور اس باغ میں انگور اس نشوونما کے ساتھ ہوتے تھے کہ اس کا ایک ایک گچھا ایک اونٹ کا بوجھ بنتا تھا۔

اسی طرح اہل مکہ نے اپنے بھائیوں، باپوں اور بیٹوں کے قتل ہونے، جنگوں میں اموال ضائع ہونے، سات سالہ قحط جس میں مردوں کی ہڈیاں پس کر کھاتے تھے اور مردوں کی کھال بھون کر کھاتے تھے اور اونٹ کے معدے کا پانی پیتے تھے کے بعد نادم اور پشیمان ہو کر بامر مجبوری رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور قرآن مجید پر ایمان کی نعمت کی قدر کو پہچانا اور سیدھی راہ کا رخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چھ سو چھپن (۶۵۶) سال کی مدت تک انہیں روئے زمین کی خلافت سے نوازا اور انہیں بے پناہ فتوحات، بے شمار خزانے، ہر فضا شہر اور دلکش باغات عطا فرمائے یہاں تک کہ چنگیز خاں کے ہاتھوں ان کی بادشاہی برباد ہوئی اور پھر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کے حال کو باغ ضرواں کے مالکوں کے حال کے ساتھ مطابقت دینے کے بعد فرماتا ہے۔

كَذَلِكَ الْعَذَابُ اٰهْلِ مَكَّةَ وَبَاغِ ضُرُوٰٓءِ كَالْحُلُوۡمِ كِي اَزْمَٰشِ كِي طَرَحِ هِر دِنُوۡۤى عَذَابِ هُو تَا هِي كِه اَس كِه بَعْدِ هِي خِي رِ كِي تَوَقُّعِ بَاقِي رِهْتِي هِي اَوْر تَوْبَةُ نَدَامَتِ اَوْر بِي گَنَا هُوۡن كَا اَقْرَارِ اَس عَذَابِ كِه دُوْر كَرْنِي مِيں كَار كَر هُو جَا تَا هِي۔

وَلَعَذَابُ الْآٰخِرَةِ اَكْبَرُ اَلْبَتَّةِ اٰخِرَتِ كَا عَذَابِ زِيَادَه سَخْتِ اَوْر بِزَا هِي اَسِي دُنْيَا كِه عَذَابِ پَر قِيَاسِ نِهِيں كَرْنَا چَا هِي اَس لِيے كِه اَس وَقْتِ غَضَبِ اَلّٰهِي اَس حَد تَك شَدِيدِ هُو گَا كِه اَس عَذَابِ كِه بَعْدِ تَوَقُّعِ مَنقَطَعِ هُو جَا ئِي كِي اَوْر تَوْبَةُ اسْتِغْفَارِ نَدَامَتِ اَوْر گَنَا هُوۡن كَا اَقْرَارِ عَذَابِ دُوْر كَرْنِي مِيں هِر كَز مَفِيدِ نِهِيں هُو گَا۔ هَاں اِيْمَانِ دَا لِيے گَنَا هِ گَارُوۡن كُو خَشْمِ نَمَائِي لِيَعْنِي اَطْهَارِ غَضَبِ كِه بَعْدِ جَنَّتِ مِيں دَاخِلِ كَر دِيں گِي لِيَكِنِ وَه خَشْمِ نَمَائِي حَقِيْقَتِ مِيں عَذَابِ نِهِيں هِي بَلَكِه اُنِهِيں گَنَا هُوۡن كِي آ لَآشِ سِي پَاك كَرْنِي كِه لِيے هِي تَا كِه جَنَّتِ مِيں دَاخِلِ هُو نِي كِه قَابِلِ هُو جَا ئِيں جِس طَرَحِ كِه چِيْتَهْرِي پِنِي هُو ئِي، كَر دَا لُو دِ مَسَا فِر كُو جَبِ بَادِشَا هِ كِه دَر بَارِ مِيں لِيے جَانَا چَا هِي هِيں تُو پَهْلِي اَسِي حَمَامِ مِيں لِيے جَا تِي هِيں اَوْر اَسِي مَآشِ كَرْنِي وَالُوۡنِ بَالِ مَوْنِدْنِي وَالُوۡنِ اَوْر مِل مِل كَر دِهُو نِي وَالُوۡنِ كِه سِر دِ كَرْتِي هِيں اَوْر كَرْمِ پَانِي اَوْر حَمَامِ كِي كَرْمِ هُو اَكِه سَا تَه اَس كِه بَدَنِ كِي مِيَلِ اَوْر بَد بُو دُوْر كَرْتِي هِيں تَا كِه بَادِشَا هِي مَجْلِسِ مِيں حَاضِرِ هُو نِي كِه قَابِلِ هُو جَا ئِي لِيَكِنِ اِچْهَائِيُوۡن كُو وَه لُو كِ بَجْهَتِي هِيں جُو كِه

امور کی حقیقتوں کو پہچانتے ہیں اور دنیا کی حقیقت کو آخرت کی حقیقت سے جدا سمجھتے ہیں اور یہ کافران چیزوں کو بھی نہیں سمجھتے۔

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر وہ اشیاء کی حقیقتوں کو جانتے اور آخرت کو دنیا پر قیاس نہ کرتے لیکن یہ لوگ امتیاز سے اس قدر خالی ہیں کہ کہتے ہیں کہ جس طرح باغ ضررواں کے واقعہ میں درمیانے بھائی کو بھی آفت پہنچی اور باغ سے اس کی پیداوار کا حصہ ضائع ہو گیا اور اسی طرح مکہ کے مومنین ہمارے ساتھ قحط میں شریک ہوئے اور پیاس اور بھوک میں گرفتار ہوئے اس پر قیاس کرتے ہوئے عذاب آخرت میں بھی سب نیک و بد شریک ہوں گے حالانکہ ان کا یہ قیاس بالکل غلط اور قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ تَحْقِيقَ مَتَى لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کے لیے اگرچہ دنیا میں ان کے باغ ضائع ہو جائیں اور ان کے مال برباد ہوں اور وہ بہت رنج اور تکلیف اٹھائیں لیکن ان کے لیے عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے نزدیک اس کے عوض جو انہیں دنیوی مصیبتیں پہنچی ہیں۔ جَنَّاتِ النَّعِيمِ نعمتوں سے پُر باغات ہیں۔ پس کافروں اور مُؤْمِنُوں کا دنیوی مصائب میں ان کے ساتھ شریک ہونا عبادت اور ریاضت کے قبیلے سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے درجات کی ترقی کا موجب ہوتا ہے اور یہ فرق بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ متقی ہمیشہ اپنے مالک کے تابع فرمان ہوتے ہیں جبکہ مُرے ہمیشہ فرمان ہوتے ہیں۔

أَفَجَعَلَ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ کیا ہم کر دیں گے مسلمانوں کو جو کہ ہر باب میں ہمارے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں ان مجرموں اور بدکاروں کی طرح جو کہ ہمیشہ نافرمانی میں کوشش کرتے ہیں۔

مَا لَكُمْ تَمَّهِیں کیا ہے عقل و دانش کے باوجود كَيْفَ تَحْكُمُونَ کس قسم کا فیصلہ کرتے ہو کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ تم میں سے کوئی غلام، لونڈیاں اور خدمت گار رکھتا ہے اطاعت کرنے والوں اور تعمیل حکم کرنے والوں کو سرکشوں اور نافرمانوں کے برابر نہیں کرتا بلکہ تم لاف زنی کے طور پر کہتے ہو کہ اگر مسلمانوں پر کوئی عطا اور نوازش ہوگی تو ہمارے لیے اس سے بہتر اور زیادہ ہوگی۔ چنانچہ

مقاتل نے روایت کی ہے کہ مکہ کے کافروں نے اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں تم پر بزرگی دی ہے تو لازماً آخرت میں بھی ہمیں تم پر بزرگی دے گا۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس فاسد خیال کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مسلم اور مجرم کے درمیان برابری کرنا انسان کے فطری علوم کے خلاف ہے چہ جائیکہ مجرم کو مسلم پر ترجیح دی جائے جو کہ عقل سے زیادہ دُور ہے۔

اور اگر تم کہو کہ امورِ آخرت عقلی قیاس کے ساتھ درست نہیں آتے وہ امورِ نرے توقیفی ہیں کہ ان کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ كِیَا تَمہارے کوئی آسمانی کتاب ہے کہ فِيہ تَدْرُسُونَ اس کتاب میں نص جلی پڑھتے ہو اس لیے کہ نص خفی پڑھنے میں نہیں آتی صرف استنباطی ہوتی ہے اس نص جلی کا مضمون یہ ہے کہ

اِنَّ لَكُمْ فِيہ لَمَا تَخَيَّرُونَ تحقیق تمہارے لیے اس کتاب میں وعدہ دیا گیا ہے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جسے تم بہتر اور اچھا سمجھ کر اپنے لیے منتخب کر کے چاہو گے اور اگر تم کہو کہ اگرچہ اس قسم کی کوئی کتاب تو ہمارے پاس نہیں ہے لیکن ابتدائے پیدائش سے لے کر اس وقت تک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اسی طرح رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خلاف معمول نہیں کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ

اَمْ لَكُمْ اٰیْمَانٌ عَلٰیْنَا کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسمیں ہیں جو ہم نے اٹھائی ہوں اور وہ قسمیں بِاللَّغَةِ الٰی یَوْمِ الْقِيَامَةِ روزِ قیامت تک پہنچنے والی ہیں کہ تمہاری پیدائش کی ابتدا سے لے کر قیامت واقع ہونے تک ہم ایک سا معاملہ کریں گے اور معاملہ میں کوئی تغیر و تبدل بالکل نہیں ہوگا اس لیے کہ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ان قسموں کا مضمون یہ ہے کہ تحقیق تمہارے لیے ہم وہی کریں گے جو تم حکم دو گے اور ظاہر ہے کہ چند روز کا معمول کسی عہد و پیمانے کے بغیر محل اعتماد نہیں ہوتا اور یہ کفار اگر طعنے کے طور پر کہیں کہ ہاں خدا کے ساتھ ہمارا اس قسم کا عہد و پیمانہ ہے۔

سَلُّهُمْ اَيْھُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ آپ ان سے پوچھیں کہ ان میں سے اس قسم کے

ثبوت کا کون ذمہ دار ہے اور ضامن ہوتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ ہمارا اعتماد خدا کے کرم پر نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس کی طرف سے کوئی عہد یا قسم رکھتے ہیں لیکن ہمارا تمام اعتماد ان پر ہے جن کی عبادت میں ہم ساری عمر مصروف رہے ہیں اور وہ خدا کے نزدیک اس حد تک مقرب ہیں کہ وہ ان کی شرکت اور شمولیت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اگر وہ ہم پر کبھی غصہ بھی کرتا ہے تو ہمارے وہ معبود عرض معذرت کر کے اصلاح کر دیتے ہیں اور ہمارے ساتھ اس کا معاملہ برقرار رکھتے ہیں اس میں کسی قسم کا فتور یا کمی واقع نہیں ہونے دیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان سے پوچھنا چاہیے کہ

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ كَمَا لَكُمْ آلِهَةٌ كَمَا اتَّخَذَ الْبَشَرُ لِقَائِهِمْ ذُرِيًا يَتَذَكَّرُ لَهَا كَمَا ذَكَرْتُمْ لَكُمْ يَوْمَ الْتَمَتُمْ يَوْمَ السَّمِيعِ الْبَصِيرِ
 چاہیے کہ اپنے شریکوں کو خدا کے مقابلے میں لائیں اس وقت جبکہ ہم ان پر قحط مسلط کرتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کے غزوات پے در پے ڈالتے ہیں۔ اِنْ كَانُوا صَادِقِينَ
 اگر وہ سچ بولنے والے ہیں اس امر میں کہ ان کے مشورے کے بغیر جہان میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اور صاحب کشاف نے اس آیت کے عجیب معنی نکالے جو کہ لطافت سے خالی نہیں اس نے کہا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ یعنی ناس لشار کو نہم فی ہذا القول یعنی کیا کوئی ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ اس بات میں ان کے ساتھ شریک ہوں اور اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر ان کافروں کو مسلم و مجرم میں برابری یا مجرم کو مسلم پر فضیلت دینے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل میسر نہیں آتی تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ جہان کے عقل مندوں کی جنس میں سے کوئی بھی اس قول اور اس مذہب میں ان کے ساتھ شریک ہے اس لیے عقل مندوں کے ساتھ متفق ہونا بھی ایک دلیل ہے اگر ان کے ساتھ اس بات میں کوئی شریک ہو تو چاہیے کہ اپنے اس شریک کو میدان مناظرہ میں لائیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس قول کا عقل والوں میں سے کوئی بھی قائل نہ ہو اور کسی نے بھی اس بے ہودہ مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہ لوگ ذوی العقول میں سے اس سلسلے میں جدا ہیں اور جب انہیں نقلی اور عقلی دلیل اور اس مسئلے میں عقل مندوں کا اتفاق میسر نہ ہو تو یہ قول نرا باطل اور بے اصل ہوا لیکن

قرآن پاک کے عرف میں شرکاء کے لفظ کا معنائے متعارف معبودان باطلہ ہیں اور قرآن کے اسلوب متعارف کے خلاف اس کے الفاظ کی تفسیر اچھی نہیں۔

اور اگر کفار کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے مظہر ہیں اور اس کے ساتھ ایسا اتحاد رکھتے جیسا کہ مظہر کو ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ غیریت اور مقابلہ تاکہ ہم انہیں بارگاہِ خداوندی میں مناظرہ کرنے اور غلبہ دینے کے لیے لائیں اور ہمارا اپنے معبودوں کو پوجنا بھی عبادتِ خداوندی ہے اور اپنے معبودوں کی طرف ہماری نظر عینِ خدا تعالیٰ کی طرف نظر ہے، ہم انہیں عبادت میں ایک واسطہ کے سوا کچھ نہیں جانتے اور نظر میں عینک کے سوا کوئی مقام نہیں دیتے اس لیے کہ نری تزیہہ کے مرتبہ کی عبادت اور اس مرتبے کو دیکھنے سے ہم سر کی آنکھوں کے ساتھ بھی اور عقل کی نظر سے بھی عاجز ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی تمہارا باطل خیال ہے اس لیے کہ اگر تمہارے معبود عبادت میں واسطہ اور نظر میں عینک ہوتے تو تمہاری ساری عبادت اور نظر حق کی ذات منزہ تک پہنچتی اور اس عبادت اور توجہ کا اثر اعمال کے آثار ظاہر ہونے کے دن ظاہر ہوتا لیکن تمہیں یہ عبادت قطعاً فائدہ نہ دے گی اور اس توجہ اور نظر کا ظہور نہیں ہوگا۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن کہ ظاہر کر دی جائے گی اور پردہ اٹھا دیا جائے اس حقیقت سے کہ اس حقیقت کا نام ساق ہے اور اسے تمام حقائقِ الہیہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ ساق یعنی پنڈلی کو تمام اعضائے انسانی کے ساتھ ہے اور اسی وجہ سے تشبیہ و استعارہ کی بناء پر اس حقیقت کو یہ نام دیا گیا ہے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حقائقِ الہیہ کمالِ الہی کی ان جہتوں سے عبارت ہیں جو کہ عالم میں ظہور کرتی ہیں اور یہ حقائقِ صفات سے ماوراء ہیں اس لیے کہ تمام صفات کمال ان حقائق میں جمع ہیں اس لیے کہ ہر کمالِ الہی تمام صفات کمال کو پیچھے لگانا چاہتا ہے اور صفات کا جدا جدا ظہور عالم میں نہیں ہے۔ مثلاً علم قدرت کے بغیر قدرت ارادے کے بغیر اور یہ تینوں صفات حیات کے بغیر ظہور نہیں کر سکتیں۔ بخلاف جہالت کمال کے کہ ظہور میں ہر جہت جدا اور مستقل ہے اور یہ حقائق ان صفات کے درمیان جو کہ کوئی استقلال

نہیں رکھتیں اور نری تابع ہیں اور اس ذات کے درمیان جو کہ ان کی اصل الاصول ہے اور ہر وجہ سے ایک استقلال رکھتی ہے برزخ واقع ہوئی ہیں تو ان حقائق کو تشبیہ و استعارہ کی بناء پر اعضاء کے نام سے عنوان دیا گیا ہے اور فی الواقع عالم میں نسبت جو کہ حقائق الہیہ کی ذات کے ساتھ نسبت سے کمال مشابہت رکھتی ہے اعضاء کی ذات کے ساتھ نسبت کے سوا ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اعضاء کمال ذات کی جہتوں کے مظاہر ہیں نہ کہ صفات کی طرح تابع اور غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح نری وحدت اور مستقل۔ پس شریعت مطہرہ میں ان حقائق کی تفصیل سے جو کچھ وارد ہوا ہے چند چیزیں ہیں۔ وجہ عین ید یمین اصابع حقو یعنی کمر ساق اور قدم اور دو اور صفات ان حقائق کے ساتھ ملحق ہیں اس جہت سے کہ اجتماع صفات کے سبب وحدانی ہیت حاصل کر کے ظہور کرتی ہیں اگرچہ اصل میں اعضاء کا حکم نہیں رکھتیں اور وہ دو صفات ردا اور ازار ہیں۔

اور ان حقائق کو سمجھنے میں لوگوں کو بہت کمی بیشی پیش آئی۔ ایک جماعت نے بے عقلی کی وجہ سے حقیقت تک رسائی حاصل نہ کی حد سے زیادہ تشبیہ کے کھڈے میں گر گئے اور ان حقائق کو اپنے اعضاء اور جوارح پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کی صورت اور شکل کے معتقد ہو گئے تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عَلُوًّا كَبِيرًا جبکہ دوسری جماعت نے تزیہہ کے قاعدے کو مضبوط پکڑا اور ان حقائق کو اس قاعدے کے خلاف جان کر بے فائدہ تاویل کے ساتھ پیش آئے جو کہ نفی اور انکار کا حکم رکھتی ہے۔ پس درحقیقت ان حقائق کو سمجھنے میں اہل تشبیہ کے ساتھ شریک ہو گئے فرق صرف اسی قدر رہا کہ انہوں نے اثبات کیا اور انہوں نے نفی۔ ان کے پاس موجود معنوں کے علاوہ انہیں ان لفظوں میں سے کچھ بھی حاضر نہ ہوا۔

اور اہل سنت کے محققین جزا ہم اللہ خیرا حقیقت کا رنگ پہنچے اور انہوں نے کہا کہ شے کے اعضاء اس شے کی معرفت کے بعد واضح ہوتے ہیں جیسا کہ صفات میں بھی یہی حال ہے۔ مثلاً حیوان کے علم کا رنگ اور ہے جبکہ انسان کے علم کا رنگ جدا اور اڑنے والے کی قدرت دوڑنے والے کی قدرت کا غیر ہے تو جس طرح ذات پاک کے اس

بات سے منزہ ہونے کی وجہ سے کہ ہماری عقلیں اور وہم اس کے تصور تک پہنچیں، باری تعالیٰ کی صفات کے تصور میں ہم عاجز ہیں اسی طرح ان اعضاء کے تصور سے بھی ہم عاجز ہیں اس لیے کہ ان اعضاء کا حقیقت پر مبنی ادراک ہمیں اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم اعضاء والی ذات کو جیسا کہ چاہیے جان لیں۔ اور فی الواقع ہاتھ میں غور کرنا چاہیے کہ اس میں کس قدر فرق اور اختلاف ہے۔ آدمی کا ہاتھ جدا ہے اور گھوڑے اور گائے کا ہاتھ جدا جن اور پری کا ہاتھ اور ہے اور فرشتے کا ہاتھ اور ہے پھر اگر آئینہ پانی اور اس قسم کی چیزوں میں نقش ہونے والی صورت میں ہم اچھی طرح غور کریں اس کے بھی اعضاء اور آلات ہیں اور آدمی کے جسم میں جو دایاں ہیں اس میں بائیاں ہو جاتا ہے اور بائیاں دایاں ہو جاتا ہے حالانکہ اس صورت کے اعضاء اور آلات جو ہریت میں اس آدمی کے اعضاء و آلات کے ساتھ شریک نہیں ہیں، سفلی اجناس کا کیا مقام؟

قصہ مختصر ان حقائق کو سمجھنا کہ ذات سمجھنے کی طرح محالات کے قبیل سے ہے ہاں خصوصیتوں، وجوہ عرضیہ اور سلبی اور ثبوتی لوازمات کے ساتھ ان کا نشان دیا جاسکتا ہے جس طرح کہ ان سب حقائق کی شرح ان علوم میں بیان کی گئی اور تفصیلاً بیان کی گئی جو کہ ان کے بیان کے لیے موضوع ہیں اور وہ جو اشاعرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ان حقائق میں سے بعض کو صفات میں سے شمار کیا ہے جیسے وجہ، عین تو وہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے صفت کا معنی ماسوائے ذات لیا ہے اور اصطلاح میں کوئی تنگی نہیں لیکن شارع کی اصطلاح کا اعتبار زیادہ بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ ان حقائق الہیہ سے قیامت کے دن جہنیوں پر درحقیقتیں بھی کھلیں گی، موقف میں ساق اور دوزخ میں قدم لیکن یہ لوگ پورے طور پر صلاحیت کے باطل ہونے کی وجہ سے ان حقائق کا ادراک بالکل نہیں کر سکیں گے کہ انہیں گہری نظر ڈال کر پالیں اور ان حقائق کا حق بجالائیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کشف ساق کے بعد جو کہ وجہ اور یمین کی طرح اتنی اونچی حقیقت نہیں ہے، انہیں ان عبادات اور ان کی توجہات جو کہ انہوں نے مظاہر کے پردے میں اس حقیقت پر کی تھیں، کے امتحان کے لیے آگے لائیں گے۔

وَيُذْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تاکہ اگر ان کی عبادت مقام تزییہ تک پہنچی اور مقبول ہوئی تو اس وقت بھی اسی کے مطابق ان سے سجدہ ممکن ہو جائے گا اور اگر وہ مظاہر کی قید میں گرفتار رہے اور تزییہ کے مقام تک نہ پہنچے تو اس وقت ان سے اس مقام کی طرف توجہ ممکن نہ ہوگی کہ وہ جدید کمائی کا وقت نہیں ہے گزشتہ کمائیوں کے اثرات کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور بس۔

اور حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ کسی چیز کی ساق اس کی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے اس کی استواری ہے جس طرح درخت کا تنا اور انسان کی پنڈلی تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس دن اشیاء کے حقائق اور ان کے وہ اصول ظاہر ہوں گے جن پر اشیاء مبنی تھیں تو ان کی وہ عبادت جو کہ بغیر بنیاد کے تھی ایمان والوں کی عبادت سے جدا ہو جائے گی جس کی عبادت صحیح بنیاد پر قائم تھی۔

اور جب بلائے جانے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ امتحان ہے نہ کہ تکلیف شرعی تو ابو مسلم اصفہانی کا اسے بعید سمجھنا زائل ہو گیا جہاں کہ اس نے کہا ہے کہ شک نہیں کہ قیامت کے دن کوئی عبادت کرنا اور تکلیف شرعی کو نبھانا نہیں ہے تو مراد بڑھاپے کا وقت ہے۔ بہر حال وہ بھی سجدے کا قصد کریں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تو ہرگز طاقت نہیں ہوگی کہ سجدہ کریں اس لیے کہ ان کی پشت ایک تختہ بن جائے گی اور جھکنا اور سر جھکانا انہیں ممکن نہ ہوگا۔

قیامت کے دن بلا حجات پروردگار کی زیارت کا بیان

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ایک ساق ظاہر فرمائے گا ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدہ میں پڑ جائیں گے اور جو دنیا میں دکھاوے اور سنانے کے لیے سجدہ کرتا تھا سجدہ میں جانے کا قصد کرے گا لیکن ان کی پشت تانبے کے تخت کی طرح ہو جائے گی جس کا پیشنا ممکن نہیں رہے گا۔

اور صحیح مسلم میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ کسی پر دے کے بغیر مطلع صاف ہونے کے دن سورج اور چودھویں کے چاند کی طرح کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے بغیر دیکھو گے۔ پہلے فرشتہ آواز دے گا کہ دنیا میں جو جسے پوجتا تھا چاہیے کہ اس کے ہمراہ چلا جائے اور بت درخت اور دوسری چیزوں کو جنہیں دنیا میں پوجا جاتا تھا حاضر کریں گے۔ بت پرست بتوں کے ہمراہ درختوں کو پوجنے والے درختوں کے ہمراہ سورج اور چاند کی پوجا کرنے والے سورج اور چاند کے ہمراہ چلے جائیں گے اور جو لوگ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے رہ جائیں گے اس کے بعد ندا ہوگی کہ یہودی کس چیز کو پوجتے تھے؟ کہیں گے کہ ہم عزیز علیہ السلام کو جو کہ خدا کا بیٹا تھا پوجتے تھے۔ فرمایا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے پھر کہا جائے گا کہ اس وقت تمہاری کیا عرض ہے؟ عرض کریں گے کہ ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی کا قطرہ دیا جائے۔ فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور پانی پیو ان کے سامنے جہنم بہتی ہوئی ریت کی طرح ظاہر کی جائے گی اور انہیں فرشتوں کے ہمراہ کر کے جو کہ حضرت عزیز علیہ السلام کی شکل اختیار کریں گے روانہ کریں گے جو انہیں جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے اور یہی سلوک فرقہ انصاری کے ساتھ کیا جائے گا اور انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شکل والے فرشتے کے ہمراہ کر دیا جائے گا اور وہ انہیں ان کی منزل تک پہنچائے گا۔

جب صرف توحید کو ماننے والے رہ جائیں گے تو نداء ہوگی کہ تم ابھی تک کس کا انتظار کرتے ہو اور تم کس کے ہمراہ جاتے ہو؟ عرض کریں گے کہ بارخدا یا! ہم نے گونا گوں ضرورتوں اور قسم قسم کے تعلقات کے باوجود مشرکین کے ساتھ موافقت نہ کی اور ہم نے ان کی صحبت اختیار نہ کی۔ اب ہمیں اس گروہ کے ہمراہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ اس طرف ایک شکل ظاہر کریں گے اور وہ شکل کہے گی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ہرگز شریک نہیں کرتے اس شکل سے ہمیں

کیا کام۔ ہمارا پروردگار جب پردہ اٹھائے گا ہم اسے پہچان لیں گے۔ حکم ہوگا کہ تمہارے پاس اپنے پروردگار کی کوئی علامت ہے کہ اس علامت کے ساتھ اسے پہچان سکو؟ عرض کریں گے جی ہاں! پس اس وقت ایک ساق کا ظہور ہوگا اور توحید کو ماننے والے مسلمان سب کے سب سجدے میں گر جائیں گے اور کہیں گے اب ہم راضی ہو گئے۔ تو ہی ہے ہمارا پروردگار۔ اور جن کے دلوں میں ایمان نہیں تھا سجدے کا قصد کریں گے لیکن ان کی پشت تانے کی سختی کی طرح سخت ہو جائے گی اور سجدہ کرنا ان سے ممکن نہ ہوگا اور اس کا حدیث کا باقی حصہ بہت کچھ ہے لیکن جس قدر اس مقام کے مناسب ہے یہی ہے۔

اور باوجودیکہ ان سے سجدہ ممکن نہیں ہوگا اور یہ ان کی عبادات کے باطل ہونے کی دلیل ہو جائے گا اس نورانی شعاعیں مارنے والی ساق کی طرف نظر اٹھانے کی قدرت نہیں رکھیں گے اس لیے کہ ان کی عقلی نظر مظاہر کی قید میں رہ گئی تھی اور وہ نری بتزیہہ کے مقام تک نہ پہنچ پائے۔

اسی لیے خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں اس سے چندھیا جائیں گی کہ اس تجلی کی طرف دیکھ سکیں بلکہ

تَسْرَفُهُمْ ذِلَّةً ان کے تمام جسم کو سر سے لے کر قدم تک ایک ذلت اور رسوائی ڈھانپ لے گی اس لیے کہ انہوں نے بھی مظاہر کی پوجا میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عزت کا خیال نہ رکھا اور اپنے خود ساختہ شرکاء میں اس کے ظہور کو اس کا کمال حقیقی سمجھا اس لیے کہ مظاہر خلقیہ جیسے بھی ہوں ناقص اور ذلیل ہیں اور اس وقت ان سے سجدے کا ممکن نہ ہونا ان کی فطری استعداد کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے اور اس سے منہ موڑ کر انہوں نے اس استعداد کو برباد کر دیا۔

وَقَدْ كَانُوا اور تحقیق تھے وہ دنیا میں يَدْعُونَ إِلَى الشُّجُودِ حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے لیے بکلائے جاتے تھے۔ وَهُمْ سَالِمُونَ جبکہ وہ اس وقت سالم الاستعداد اور صحیح الفطرت تھے اگر اس وقت حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے عادی ہو

جاتے تو اس وقت انہیں یہ تنگی اور رکاوٹ رونمانہ ہوتی۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کفار آپ کو اس لیے جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے عذابِ قیامت کی بات کرتے ہیں اور وہ اس بات کو اپنی ناقص عقل سے دُور خیال کرتے ہیں۔ نیز آپ انہیں اپنی تبلیغ میں قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی ذات منزہ کی عبادت اور سجدے کی طرف بلا تے ہیں اور مظاہر کی شکلوں کی پوجا اور سجدے سے منع فرماتے ہیں اور یہ بات انہیں ایک موہوم شے کے لیے موجود شے کو چھوڑنے پر ابھارتی ہے جو کہ جنون کے آثار سے ہے۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ بِهِذَا الْحَدِيثِ پس مجھے اور اسے چھوڑ دیں جو کہ اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ میری بات ہے نہ کہ آپ کی اور آپ نے ان کے عذاب جلد طلب کرنے کی دعا نہ فرمائیں اور تنگ دل نہ ہوں۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ قَرِيبَ هِيَ کہ ہم انہیں درجہ بدرجہ کھینچتے ہیں گمراہی کے اونچے درجے میں تاکہ ان کی فاسد استعداد کا پیمانہ پُر ہو جائے اور شدید سزا کے مستحق ہوں۔ مَن حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ اس راہ سے کہ وہ نہیں جانتے کہ گمراہی کی راہ ہے اور شدید سزا کی سرحد تک پہنچاتی ہے بلکہ اپنے خیال میں اس راہ کو رشد و ہدایت کی راہ خیال کرتے ہیں اور اجر و ثواب کا سبب سمجھتے ہیں۔

وَأَمَلِي لَهُمْ اور میں انہیں مہلت دوں گا اور فوری مواخذہ نہیں کروں گا تاکہ وہ دھوکا کھائیں کہ اگر ہم گمراہی اور بُرائی پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت نہ دیتا اور فی الفور مواخذہ کرتا اس لیے کہ ان کے ساتھ کید و مکر مجھے منظور ہے۔

إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ تحقیق میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے اس کا سراغ کوئی نہیں لگا سکتا اس لیے کہ دوسروں کے مکر کا کھوج لگانا اس سے ہو سکتا ہے جو کہ اپنے مکر سے ایک قوت ادراک کو فریب دیتا ہے جبکہ دوسری قوت بحال ہوتی ہے جو کہ اس مکر کے انجام کو پہنچاتی ہے اور میری خفیہ تدبیر تمام ادراکی قوتوں کو گھیرنے والی ہوتی ہے اور بے داری اور خبرداری بالکل سلب ہو جاتی ہے اور کسی قوت کے ساتھ بھی وہ اس تدبیر کے انجام کو پہچان

نہیں سکتے اور اگر میری خفیہ تدبیر اس قدر قوی اور مضبوط نہ ہوتی تو انہیں آپ کی خوبی اور ان نفع بخش علوم کی تبلیغ میں ان پر آپ کا احسان کیوں واضح نہ ہوتا اور آپ کی تکذیب اور انکار میں وہ دم بدم کیوں آگے بڑھتے۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا كَمَا آتَىٰ ان سَ ان علوم نافعہ کے پہنچانے کی مزدوری چاہتے ہیں۔ فَهَمْ مِمَّنْ مَعْلُومٍ مُّثْقَلُونَ پس وہ اس مزدوری کے تاوان سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ آپ کی شاگردی اور آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ كَمَا ان ان کے پاس موجود ہیں الْغَيْبُ احكام الہیہ اور آخرت کے نفع و نقصان سے متعلق امور غیبیہ کے علوم کشف صریح کے طریقے سے فَهَمْ يَكْتُبُونَ پس وہ اپنے ان مشکوفات کو لکھتے ہیں اور ان کشفی علوم کو واضح عبادات کے ساتھ تعبیر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور اپنے متوسلین اور پسماندگان کو بھی ان علوم کا کچھ حصہ پہنچاتے ہیں اور آپ سے مستغنی اور لا پرواہ ہیں آپ کے احسان کا بوجہ یوں اٹھائیں اور جب ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے تو آپ معلوم کر لیں کہ ان کا تکذیب اور انکار پر یہ سب اصرار صرف تدبیر الہی کے آثار سے ہے کہ انہیں بات کی اطراف میں غور و فکر کی طاقت نہیں دیتی اور کسی راہ سے بھی ان کے ذہنوں میں حق کے متعلق غور و فکر کا گزر نہیں ہونے دیتی۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس آپ ان کی ایذا پر صبر کریں اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے اور ان میں سے کسے اس تاخیر عذاب کی وجہ سے توبہ ندامت اور حق کی طرف رجوع کے ساتھ بہرہ ور فرماتا ہے اور کسے اس تاخیر کی وجہ سے نافرمانیوں اور گناہوں میں زیادتی، گمراہی کے مرتبوں میں ترقی اور حرماں نصیبی دیتا ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْاُخُوْتِ اور اس کی طرح نہ ہوں جو کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا اور حکم الہی کا انتظار نہ کیا اور غیرت الہی کے غلبے کی وجہ سے اپنی قوم کے لیے عذاب طلب کرنے میں جلدی کی اور وہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ جو حکم الہی سے مچھلی کے پیٹ میں بند رہے تھے اور ان کا واقعہ یہ تھا کہ آپ کے زمانے میں بنی اسرائیل میں صاحب الامر پیغمبر حضرت شعیا علیہ السلام ہوئے ہیں اور اس وقت کا بادشاہ جس کا نام حدقیان تھا، ان کا مطیع اور تابع فرمان تھا اور اس وقت بنی اسرائیل کا مسکن ملک فلسطین اور اردن قرار پائے تھے جو کہ شام کے بہترین علاقے ہیں۔ اچانک نینوی اور موصل کے لوگوں نے جو کہ عراق اور شام کے درمیان واقع ہیں بنی اسرائیل کے فرتے پر حملہ کر دیا اور ان کے اموال لوٹ لیے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قید کر کے لے گئے۔ حدقیان نے یہ سارا ماجرا حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا کہ قیدیوں کو چھڑانے کی کیا تدبیر کی جائے جب تک ہمارے قیدی ان کے ہاتھوں سے رہا نہ ہو جائیں ہم ان کی اس حرکت کا بدلہ اور تدارک فوج کے زور سے نہیں کر سکتے کہ ہمارے یرغمال کو لے گئے ہیں۔ حضرت شعیا نے فرمایا کہ تیری مملکت میں انبیاء علیہم السلام میں سے پانچ افراد ہیں ان میں سے ایک کو ان لوگوں کے پاس بھیجنا کہ ان کے سمجھانے سے وہ اصلاح پائیں اور قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ حدقیان نے عرض کی کہ اس شخصیت کا تعین بھی آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس بن متی کو اس کام کے لیے مقرر کر دے کہ سختی اور امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا قرب اور مرتبہ عظیم ہے اور اس وقت کے انبیاء علیہم السلام سے عبادت اور ریاضت کی کثرت میں ممتاز ہیں اگر وہ لوگ ان کی بات نہیں سنیں گے تو وہ قوی معجزات اور غیبی کرشموں کے اظہار کے ساتھ انہیں راہ پر لاسکتے ہیں۔

بادشاہ اس محفل سے اٹھا اور اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے گھر سے طلب کیا اور انہیں اس کام پر مامور کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر حضرت شعیا علیہ السلام نے میرا نام امر ربانی اور امر الہی کی وجہ سے معین فرمایا ہے تو مجبوری ہے ابھی جاتا ہوں ورنہ اس جانے میں میرے اوقات میں پورا خلل واقع ہو جائے گا اور میں بے مزہ ہو جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ کے نام کا تعین وحی الہی کی وجہ سے نہیں ہے لیکن حضرت شعیا علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے مجبوراً جانا چاہیے۔ آپ کی گرانی

کے ساتھ غنوی کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے اور پہلے اس علاقے کے بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہا کر دے اور بنی اسرائیل کا بدخواہ ہرگز نہ ہو۔ اس نے کہا کہ اگر تو اس بات میں سچا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اتنی طاقت کیوں دیتا کہ ہم نے تمہارے ملک پر چڑھائی کی اور تمہارے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ کیا اس وقت خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی حمایت اور ہمیں روکنے کی طاقت نہ تھی کہ اب تجھے بھیجا ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے تین دن تک اس بادشاہ کے دربار میں آمد و رفت رکھی اور اس نے آپ کی بات بالکل نہ سنی۔ آپ غصے میں آ گئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ بارخدا یا! یہ لوگ میری بات قبول نہیں کرتے اور قیدیوں کو رہا نہیں کرتے۔ وحی خداوندی آئی کہ انہیں ہمارے عذاب سے ڈرائیں اگر آپ کی بات پر ایمان نہ لائیں تو ان پر ہمارا عذاب آئے گا۔ آپ کوچہ اور بازار میں گھومے اور فرمایا کہ خبر شرط ہے اپنے بادشاہ کو یہ بات پہنچا دو کہ اگر وہ میری بات پر ایمان نہیں لائے گا تو عذاب الہی آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی میعاد مقرر کر۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان چالیس دن کا قول و قرار ہے اگر ان چالیس دنوں میں تم ایمان لے آئے تو بہتر ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہو گئی اور بادشاہ اور اس کے دوسرے ارکان نے مذاق اور تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ فقیر (معاذ اللہ) مجنون ہے اس کے سر میں ایک خیال مستحکم ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جناب الہی میں عرض کی کہ بارخدا یا! میں نے ان کے ساتھ چالیس دن کا وعدہ کیا ہے یہ وعدہ سچا کر دے ورنہ میں ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی عادت یہی تھی کہ جو شخص اس قسم کا جھوٹ باندھے اسے مار ڈالتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے جلدی کیوں کی اور چالیس دن کا وعدہ درمیان میں لے آئے اب صبر کرنا چاہیے کہ آخر میں ان کا ایمان

مقدر ہے راہِ راست پر آ جائیں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام اس بات سے بہت تنگ دل ہوئے اور جب وعدے کا ایک مہینہ گزر گیا، آپ قبائل کے ہمراہ اس شہر سے باہر نکل آئے اور وہاں سے دس بارہ کوس پر ڈیرہ لگا دیا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اور ہر وقت اسی دعا میں مصروف تھے کہ بار خدایا! اس وعدے کو سچا کر دے ورنہ میں خفیف ہو جاؤں گا۔

جب ۳۵واں دن ہوا اور علی الصبح اٹھے تو دیکھا کہ عذاب کے آثار شروع ہو گئے اور آگ کا دُھواں آسمان کی طرف سے برستا ہے اور اس دُھوئیں اور آگ کا اثر گھروں کی چھتوں تک پہنچ گیا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکانِ سلطنت بے قرار ہو کر باہر نکل آئے اور کہنے لگے اس گودڑی پوش فقیر کو تلاش کرو کہ کہاں گیا اور اسے جلدی لاؤ تاکہ ہم اس کے ہاتھ پر توبہ کریں اور قیدیوں کو اس کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ہر گھر اور کوچہ میں تلاش کیا، ان کا کوئی سراغ نہ ملا، مجبوراً سب کے سب ننگے سر اور ننگے پاؤں جنگل میں نکل آئے، بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا، گائیوں اور بکریوں کے بچوں کو بھی ان سے جدا کر دیا اور سب گریبان چاک کر کے سر سجدہ میں رکھ کر آہ و فریاد اور گریہ زاری کرنے لگے اور عرض کی کہ بار خدایا! ہم نے کفر سے توبہ کی اور یونس علیہ السلام کی بات پر جو کہ تیرے بھیجے ہوئے تھے، ہم ایمان لائے اور ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ان کے ہاتھ سپرد کر دیں۔ حق تعالیٰ نے عصر کے وقت ان سے عذاب اٹھا لیا اور مطلع صاف ہو گیا اور یہ دسویں محرم کے یومِ عاشور کا واقعہ تھا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکانِ خوش ہو کر شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اب جاسوسوں اور ہرکاروں کو مختلف سمتوں میں جلد دوڑانا چاہیے تاکہ حضرت یونس علیہ السلام کی خبر لائیں بلکہ بادشاہ نے اپنی زبان سے کہا کہ جو شخص حضرت یونس علیہ السلام کی خبر مجھ تک پہنچائے، میں اسے ایک دن کے لیے بادشاہی کے تخت پر بٹھاؤں گا تاکہ وہ جو چاہے اس دن میرے مال اور کارخانوں سے لے لے۔ لوگ اس طمع میں ہر طرف دوڑے، حضرت یونس علیہ السلام کو بھی دیہاتیوں کی زبان سے خبر پہنچ چکی تھی کہ تمہاری قوم سے عذاب اٹل گیا ہے اور وہ آپ کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ آپ عذاب کے ٹلنے کا سن کر بہت تنگ

دل ہوئے اور جان لیا کہ میں اپنی قوم کے نزدیک جھوٹ کہنے والا ہو گیا اور اب اگر ان کے پاس جاؤں تو کس منہ سے؟ کہ میرا وعدہ تو سچا نہ ہوا اگر حضرت شعیا علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو بھی بے وزن ہوتا ہوں کہ میں نے کوئی کام نہ کیا۔

وحی کا انتظار کیے بغیر بہت تنگ دلی کی وجہ سے دونوں طرفوں کو چھوڑ کر ملک روم کی طرف متوجہ ہوئے 'عتاب الہی کا مورد ہو گئے اب آپ کا معاملہ دگرگوں ہو گیا پہلے آپ کے ساتھی اور نوکر آپ سے جدا ہو گئے اور ایک بیوی اور دو بچوں کے سوا ان کے ہمراہ کوئی نہ رہا۔ ایک بچے کو اپنے کندھے پر لے لیا اور ایک بچے کو اپنی بیوی کے کندھے پر بٹھا دیا اور اسی طرح منزل منزل طے کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک دن راستے میں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے رُکے اور خود قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف نکل گئے اس وقت ایک سوار بادشاہ زادہ جو کہ سواری پر شکار کے لیے نکلا تھا اس درخت کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک کمال حسن و جمال والی عورت دو بچوں سمیت بیٹھی ہے اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اس عورت کو اٹھا لاؤ۔ خاتون نے گرچہ بہت آہ و زاری کی کہ میں ایک ایسے شخص کی منکوحہ ہوں جو کہ صالح اور پختہ ہے اس بادشاہ زادے نے شراب اور جوانی کی مستی میں ایک نہ سنی اور ان کی بیوی کو اپنے ہمراہ گھر لے گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جو کہ قضائے حاجت سے واپس آئے عورت کے بارے میں پوچھا کہ کہاں گئی؟ بچوں نے کہا کہ یہ واقعہ گزرا آپ سمجھ گئے کہ جناب الہی کی طرف سے عتاب کا معاملہ شروع ہو گیا دونوں بچوں کو باری باری اپنے کندھے پر اٹھاتے تھے اور راستہ طے کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ندی کے کنارے پہنچے ایک بچے کو اس ندی کے کنارے کھڑا کر کے چاہا کہ دوسرے بچے کو اس سے پار کریں جب درمیان میں پہنچے اچانک ایک بھیڑیا اس ندی کے کنارے پر پہنچ گیا اور کنارے پر کھڑے آپ کے بچے کو منہ میں دبا کر لے گیا آپ بے قرار ہو کر پیچھے مڑے تاکہ بچے کو بھیڑیے کے منہ سے چھڑائیں کہ دوسرا بچہ جو کہ آپ کے کندھے پر تھا پانی کی رو میں گر گیا اور پانی اسے بہا لے گیا جتنی بھاگ دوڑ کی نہ اس بچے کا سراغ ملا نہ اس کا۔

مایوس ہو کر تنہا دریائے روم کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ ایک جہاز روانگی کے لیے تیار کھڑا ہے اور تاجر اپنے سامان لاد کر لنگر اٹھانے کو ہیں، آپ نے بھی وہاں پہنچ کر فرمایا کہ میں درویش آدمی ہوں اگر کرایہ مانگے بغیر مجھے سوار کر لیں تو اس جہاز میں بھی بیٹھ جاؤں؟ ملاح اور تاجروں نے کہا کہ ہمارے آنکھوں پر آپ کے قدموں کے طفیل ہماری یہ کشتی سلامتی کے ساتھ پہنچے گی کہ آپ مرد صالح اور نورانی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو سوار کر کے روانہ ہوئے جب سمندر کے درمیان پہنچے تو اچانک ایک تیز خطرناک ہوا اٹھی اور سخت موجیں آنے لگیں اور کشتی چلنے سے رُک گئی جتنے بادبان اور کشتی کو چلانے کے آلات نصب کیے کچھ بھی کارگر نہ ہوتا تھا۔ ملاح اور تاجروں نے باہمی مشورہ کیا کہ کشتی کے رُک جانے کا باعث کیا ہے کہ ہم نے اپنی پوری زندگی ایسی صورتِ حال نہیں دیکھی۔ ملاح نے کہا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک سے حکم کے بغیر بھاگا ہو اور کشتی میں بیٹھ جائے تو اسی قسم کی صورتِ حال رونما ہوتی ہے۔ کشتی میں آواز دو کہ جو شخص اپنے مالک سے بھاگا ہو واضح طور پر کہے کیونکہ تمام کشتی والوں کی تباہی ایک جان کی ہلاکت سے زیادہ ناگوار ہے، اسے باندھ کر دریا میں ڈالنا چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بھاگا ہو غلام میں ہوں کہ حکم الہی کے بغیر جا رہا ہوں۔ آپ نے کشتی والوں سے کہا کہ میں ایک شخصیت کا غلام تھا اس کے حکم کے بغیر جا رہا ہوں مجھے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیں تاکہ تمام کشتی والے نجات پالیں۔ ملاح اور کشتی والے تاجروں نے کہا کہ سبحان اللہ ہم آپ کی نسبت یہ بُرا گمان نہیں رکھتے، آپ اپنی بزرگی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ ہم سب کے عوض اپنے آپ کو ہلاک فرمائیں، ہم اس حرکت کے کب روادار ہیں، ہم ایک اور تدبیر کرتے ہیں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ کس کے نام پر نکلتا ہے۔ قرعہ ڈالا گیا، حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا، سب نے کہا کہ یہ قرعہ غلط ہوا، یہ بزرگ آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے متعلق یہ بُرا گمان کیا جائے۔ دوسری بار قرعہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام نکلا۔ تیسری مرتبہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام پر نکلا، مجبور ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا گیا اور کشتی روانہ ہوئی۔

اتفاقاً دریا میں ایک بہت بڑی مچھلی لقمے کے انتظار میں بیٹھی تھی جیسے ہی آپ کو دریا میں ڈالا گیا اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا لیکن اس مچھلی کو حکم الہی پہنچا کہ خبردار رہ! میں نے اس شخصیت کو تیرے پیٹ میں غذا کے طور پر داخل نہیں کیا ہے بلکہ تیرا شکم اس کے لیے قید خانہ بنایا گیا ہے۔ چاہیے کہ اس کے وجود کے ایک بال کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ مچھلی آپ کو اپنے پیٹ میں لے کر سیر کرتی تھی یہاں تک کہ بحیرہ روم سے بطاح میں پہنچی اور وہاں سے دجلہ میں آ پڑی۔ اسے حکم ہوا کہ اب اس شخصیت کو دجلہ کے شامی کنارے پر ڈال دے اس مچھلی نے چالیس دنوں کے بعد آپ کو کنارے پر ڈال دیا اور اس خلاصی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہوئے آپ کا سانس رکنے لگا۔ آپ نے معلوم کیا کہ آخری وقت ہے خدا تعالیٰ کی یاد میں گزارنا چاہیے۔ آپ نے یہ تسبیح شروع کر دی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ حق تعالیٰ نے آپ کے اس اقرار کو پسند فرمایا اور رحمت فرمائی اور چونکہ آپ کا بدن شکم ماہی کی گرمی کی وجہ سے نرم ہو گیا تھا اس کی طاقت نہ تھی کہ پھیر یا مکھی آپ کے جسم پر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کدو کا درخت اگایا اور اس درخت کے ریٹھے آپ کے سارے جسم پر اسی طرح چپک گئے کہ کدو کے پتے آپ کے لباس کی جگہ ہو گئے اور آپ حفاظت اور پردے میں رہے اور چونکہ اتنی طاقت نہ تھی کہ اٹھ کر چلے جائیں اور روزی کی تلاش کریں ایک ہرنی کو حکم ملا کہ اپنے تھن کو آپ کے منہ میں دے کر کھڑی رہے یہاں تک کہ آپ سیر ہو جائیں۔ وہ ہرنی ہر صبح و شام آتی تھی اور اپنا تھن آپ کے منہ میں ڈال دیتی تھی یہاں تک کہ چالیس دن کے بعد آپ کا جسم قوی ہو گیا اور حرکت کی طاقت پیدا ہو گئی اور ہرنی کا دودھ پینے کی وجہ سے آپ کی کمزوری طاقت سے بدل گئی۔

اس ہرنی کو حکم ہوا کہ آج آپ کے پاس مت جائے اور دودھ نہ دے جب ہرنی نہ آئی آپ نے بارگاہ الوہیت میں عرض کی کہ بار خدایا! آج ہرنی نہیں آئی؟ حکم ہوا کہ تو اپنے آپ پر عادت کی اتنی سی تبدیلی پسند نہیں کرتا جبکہ تو مجھ سے بہت بڑی عادت کی تبدیلی مانگتا تھا کہ ہم تمام مخلوق کو ایک قلم نیست و نابود کر دیں۔ آپ نے پھر توبہ ندامت

اور استغفار کی اور عرض کی کہ اب جو حکم ہو۔

راستے میں ایک شہر میں پہنچے اس شہر میں ایک کمہار کو دیکھا کہ آوہ پکا کر اور درست کر کے برتن نکالنے کے لیے تیار ہے۔ حکم ہوا کہ اس کمہار کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وزنی سی لکڑی لے کر ان سب برتنوں کو توڑ دے اور وہ جو جواب دے ہماری بارگاہ میں عرض کرنا۔ آپ گئے اور کمہار سے وہی بات کہی، وہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیسی بات ہے جو مجھے ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے؟ میں نے ان برتنوں کو بنانے اور پکانے میں اتنی محنت اسی لیے کی تھی کہ انہیں لکڑی کے ساتھ توڑ دوں، مجھے خود ان برتنوں سے بہت نفع حاصل کرنا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کی بار خدایا! کمہار نے یوں کہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ دیکھو کہ مٹی ہماری طرف سے، پانی ہماری طرف سے اور کمہار کا ہاتھ ہماری طرف سے، اس شکل و صورت کی وجہ سے جو کمہار نے بنائی ہے، برتنوں کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے کہ انہیں توڑنا دشوار سمجھتا ہے اور تو چاہتا تھا کہ اپنی مخلوقات میں سے ایک لاکھ انسانوں کو تباہ کر دوں۔

پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک سرسبز باغ دیکھا۔ ارشاد خداوندی کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس باغ کے مالک کو پہنچایا، تلخ جواب سنا پھر ایک اور شہر میں پہنچے، ایک محل پر گزر رہا کہ اسے خوب بنایا گیا تھا۔ ارشاد کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس محل کے مالک کو پہنچایا پہلے سے بھی زیادہ تلخ جواب سنا جب عتاب بہت ہو گیا تو عاجزی اور زاری شروع کر دی اور اپنے کے لیے بخشش چاہی۔ حق تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور آپ کو رسالت کے لیے چن لیا اور اپنی طرف انہیں رسول بنایا اور ہر طرف سے رحمت اور لطف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ آپ اسی ندی کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ بستی کے لوگ کھڑے ہیں اور آپ کے دونوں بیٹے ان کے ہمراہ ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کے بیٹے ہیں؟ بستی کے لوگوں نے کہا کہ ایک بزرگ یہاں سے گزر رہے تھے ان کے ایک بچے کو پانی کی رو بہا لے گئی تھی، ہماری بستی کے دھویوں نے اسے پانی کی رو سے نکال لیا اور ان کے دوسرے بچے کو بھیڑیا لے گیا تھا، بستی کے چرواہوں نے

اسے زخمی حالت میں اس کے منہ سے چھڑا لیا۔ ہم ان دونوں کی تیمارداری اور پرورش کرتے ہیں تاکہ ان کے باپ تک پہنچا دیں۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ان بچوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ ہمارے والد بزرگوار یہی ہیں انہوں نے دونوں بچے آپ کے حوالے کر دیئے اور اس ندی سے گزار دیا جب اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک جماعت چوکی کی شکل میں اس درخت کے نیچے بیٹھی ہے آپ نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے بادشاہ کا لڑکا یہاں سے گزر رہا تھا وہ ایک درویش کی عورت زبردستی چھین کر لے گیا اسی دن سے پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔ بادشاہ نے یہ ماجرا سُن کر اس درخت کے نیچے چوکی بٹھادی ہے کہ اگر وہ درویش کہیں سے آنکے تو اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے اپنے اس بیٹے کی تقصیر معاف کراؤں اور اس کی عورت اسے واپس دے دوں جس تک کسی کا ہاتھ ہرگز نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا وہ درویش میں ہوں وہ آپ کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آپ کی دعا سے بادشاہ کے بیٹے کو شفا ہوگئی اور آپ کی اہلیہ کو آپ کے سپرد کیا۔ علاوہ ازیں نذریں اور وافر مقدار میں مال دے کر آپ کو رخصت کیا یہاں تک کہ آپ نینوی اور موصل کے ملک کی سرحد پر پہنچے آپ نے ایک شخص کو نینوی کے لوگوں کے پاس بھیجا تاکہ انہیں خبر دے کہ حضرت یونس علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔

بادشاہ اور وہاں کے ارکان نے بہت خوشی کی اور چند منزل تک آپ کا استقبال کیا اور آپ کو پوری تعظیم و احترام کے ساتھ شہر میں لے گئے اور مدت دراز تک آپ کی اتباع اور فرماں برداری میں گزر بسر کی حتیٰ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی وہیں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے اور اب آپ کا مزار پر انوار ان علاقوں کے مشہور مزارات میں سے ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کا عذاب طلب کرنے میں جلدی اور شتابی جو کہ حضرت یونس علیہ السلام سے واقع ہوئی سے روکا جا رہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ یہ کام نہ کریں کیونکہ اس کام کا نتیجہ درست نہیں ہے اور اس محفل والے کا حال یاد

کریں۔

اِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ جبکہ اس نے بارگاہِ خداوندی میں ندا کی اپنی قوم پر عذاب طلب کرنے کے لیے اور وہ غصے سے بھرا ہوا تھا اور غصے کی وجہ سے یہ جلدی کی کہ حکم الہی کا انتظار نہ کیا اور آخر اس کی وجہ سے تکلیف اُٹھائی کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا پھر ایک اور ندا اپنی فروگزاشت کے اظہار اور اپنی تقصیروں سے معافی مانگنے کے لیے کی اور اس وقت بھی مکظوم تھا یعنی ان کا سانس بند ہو رہا تھا لغت عرب میں مکظوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بے حد غم زیادہ غصے کی وجہ سے دم گھٹنے لگے اس کی وہ مکظومیت یہ مکظومیت پھر لائی۔ تو چاہیے کہ آپ میں نفس کا کچھ حصہ باقی نہ رہے تاکہ آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ ہو اس لیے کہ اس جلد بازی کی وجہ سے قریب تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام بلندی اور کمال کے مرتبے سے فروتر ہو جائیں اور ہمیشہ کے عتاب کا مورد ہو جائیں یہاں تک کہ

لَوْلَا اَنْ تَلَدَرَ كَعَنْ نِعْمَةٍ مِّنْ رَبِّهِ اِذْ يَدْعُوكَ كَتْمًا لِّكُلِّ لُجَّةٍ وَكَانَ لِيَوْمِئِذٍ لَّعْنَةُ الْكٰفِرِيْنَ

پروردگار کی طرف سے ایک نعمت نے اس کے کمالات کو باقی رکھ کر تدارک کیا اس پر پریشانی میں

لَنبِذَ بِالْعَرَاءِ اَلْبَتَّةِ اَسَ اذْ اَلْبَتَّةِ اَسَ ڈال دیا جاتا سبزہ گھاٹ سا یہ اور پانی سے خالی صحرا میں وَهُوَ مَكْظُومٌ اور وہ پریشان حال اور پریشان روزگار ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں کدو کا درخت اُگا کر اور نہ ہی ہرنی کو مسخر کر کے کسی قسم کی کرامت کا اظہار نہ فرماتا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ شکم مامی میں ان کی تسبیح کا اثر اسی قدر تھا کہ مچھلی کے پیٹ سے خلاصی مل گئی جیسا کہ سورہ صافات میں مذکور ہے فَلَوْلَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهَا اِلٰی يَوْمٍ يُّعْتَدُوْنَ اور مچھلی کے پیٹ سے باہر لانے کے بعد یہ کرامت جو کدو کا درخت اُگانے اور ہرنی کو ان کے لیے مقرر کرنے کی صورت میں آپ کے بارے میں ظاہر ہوئی یہ صرف ازلی عنایتِ خداوندی کے ساتھ وابستہ تھی کہ عطا فرمودہ کمالات کو باقی رکھا گیا اور اس پریشانی کی وجہ سے سلب نہ فرمایا۔

نیز جاننا چاہیے کہ اس شرط و جزا کا مدار یعنی لَوْلَا اَنْ تَلَدَرَ كَعَنْ اِلٰی اِسْمٰئِيْلَ عَلٰی رُءُوسِهِمْ لَوْلَا اَنْ تَلَدَرَ كَعَنْ اِلٰی اِسْمٰئِيْلَ عَلٰی رُءُوسِهِمْ ہے

یعنی مذموم اس میں لَنْبِذًا بِالْعَرَاءِ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ پس یہ دوسری آیت کے معانی نہیں ہوتی جو کہ سورہ صافات میں ہے کہ فَبِذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۔

آیت کریمہ کی برکات اور اسے پڑھنے کے دو طریقے

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی مصیبت زدہ اور تکلیف میں مبتلا اس تسبیح کو نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس غم سے جو کہ اسے لاحق ہے نجات عطا فرماتا ہے اور معتبر مشائخ سے اس بات کی سند ہے کہ ہر غم اور پریشانی کے لیے اس آیت کا پڑھنا تریاق مجرب ہے اور اسے پڑھنے کے طریقے دو طرح ہیں۔ پہلا یہ کہ اجتماعی طور پر ایک مجلس یا تین مجالس میں ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھی جائے دوسرا یہ کہ ایک شخص تنہا عشا کی نماز کے بعد تاریک گھر میں طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنے کی شرائط کے ساتھ تین سو بار پڑھے اور پانی سے بھرا ہوا پیالہ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور لمحہ بہ لمحہ اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے اور جسم پر وہ پانی ملے۔ تین دن سات دن یا چالیس دن تک اسی ترتیب کے ساتھ پڑھے۔

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کے شوربے میں کدو بہت پسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ہی شجرة اخی یونس یہ میرے برادر یونس علیہ السلام کا درخت ہے اور جب نعمت الہی نے حضرت یونس علیہ السلام کے حال کا تذکرہ کیا تو اس بے اطمینانی اور پریشانی کے بعد آپ کا درجہ بلند ہو گیا۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ پس اسے اس کے پروردگار نے بلا واسطہ برگزیدہ فرمایا اپنی رسالت کے لیے جس طرح کہ پہلے حضرت شعبا علیہ السلام نے آپ کو رسالت کے لیے چنا تھا۔ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ پس اسے اس منصب کے لائق لوگوں میں سے کر دیا جنہوں نے اسے خوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ایک لاکھ چند ہزار افراد نے آپ کے ہاتھوں ایمان اور تقویٰ کا فیض پایا اور اس سے پہلے آپ میں منصب رسالت کی شانستگی نہ تھی بلکہ آپ عبادت گزار نبی تھے اور اس عتاب کے بعد اس منصب کی لیاقت کے خطاب کو استعداد کی کمین گاہ سے میدانِ فعلیت میں ظاہر فرمایا۔

اور جب آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم کیا کہ کفار اپنے مکرو فریب کی وجہ سے انبیاء مرسلین علیہم السلام کو جلد بازی میں لا کر پریشانی میں ڈال دیتے ہیں اور عتاب الہی کا مورد بنا دیتے ہیں اور ان کی شان میں طعنہ زنی اور بُرائی بیان کرنے کو ایک بات گھڑ لیتے ہیں کہ حکم بشریت کی وجہ سے انبیاء کو غصے میں لاتی ہے اور وہ حکم الہی کا انتظار نہیں کرتے اور اپنے درجہ کمال سے نیچے آ جاتے ہیں۔ پس آپ کو چاہیے کہ اپنی قوم کے اس قسم کے مکرو فریب سے بے توجہی نہ کریں کیونکہ یہ لوگ بھی اس معاملہ میں بہت فن کار ہیں۔

وَإِنَّ يَكَاذُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور تحقیق یہ کفار قریب ہیں لَيْسَ لِقَوْلِكَ بِأَبْصَارِهِمْ اس سے کہ آپ کو صبر و ضبط کے مقام سے پھسلا دیں اپنی تیز تیز نگاہوں سے تاکہ آپ غصہ میں آئیں اور بے چین ہوں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے قبل از وقت مقدر عذاب کی درخواست کریں اور وہ یہ مکرو فریب نہیں کرتے مگر

لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ اس وقت کہ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کی کوئی آیت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہے اور اسی بنیاد پر اس کلام کا نام ذکر رکھا گیا تاکہ آپ کا غصہ بڑھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر کی وجہ سے ان کے ساتھ جھگڑا کریں کیونکہ آدمی اپنے عیب کی بات سن سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کا عیب نہیں سن سکتا ہے اپنی تحقیر گوارا کر لیتا ہے مگر اپنے محبوب کی تحقیر گوارا نہیں کر سکتا اور صرف اس تیز نگاہی اور آنکھ مارنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی تکلیف دیتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٍ اور کہتے ہیں کہ تحقیق یہ شخص مجنون ہے اس لیے کہ ہر بات میں ایک ہی چیز کو یاد کرتا ہے اور یہ جنون کی علامت ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر بات میں ایک چیز کو یاد کرنا اس وقت جنون کی علامت ہوتا ہے جب وہ بات کسی اور چیز کے لیے کی جائے اور اگر وہ بات صرف اسی چیز کو یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہے تو اس ایک چیز کا ذکر اس سارے کلام کے واجبات میں سے ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام سے

ماثور اذکار اور اوراد۔

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ اور یہ کلام نہیں ہے مگر ذکر الہی جو کہ تم جہان والوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، بخلاف انبیاء و اولیاء کے اذکار و اوراد کے کہ صرف اپنی امتوں یا اپنے سلسلے سے وابستہ اہل طریقت اور مریدوں کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس فرشتے اس ذکر کو لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور حلاوت لیتے ہیں جبکہ جن اور انسان ثواب حجابات کو اٹھانے اور قرب الہی حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور اس کے معانی سمجھنے اور اس کے احکام نکالنے کے لیے بھی۔ پرندے اپنی آوازوں کو اس کے کلمات پر ڈالتے ہیں تاکہ ممکن حد تک اس کی حکایت اور مشابہت کریں۔ پس اس کلام میں خدا تعالیٰ کا بار بار ذکر کرنا عین مقصود مطلوب ہے، اسے جنون پر کیسے محمول کیا جائے؟

اکثر مفسرین نے اس آیت کے نزول کے سبب میں یوں روایت کی ہے کہ جب کفار قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو روکنے میں ہر ممکن حیلہ کر کے فارغ ہو گئے اور عاجز ہو گئے تو انہوں نے بنی اسد میں سے ایک شخص کو بلایا کہ پہلے تو وہ قبیلہ پورے ملک عرب میں آنکھ سے زخم پہنچانے میں مشہور و معروف اور مثالی تھا پھر وہ شخص ان میں سے ممتاز اور سربر آوردہ تھا، اس کی عادت یوں تھی کہ پہلے وہ تین دن کچھ نہیں کھاتا تھا اس کے بعد جس شخص کے متعلق اسے منظور ہوتا تھا، اسے آنکھ کے ساتھ زخم لگاتا اور اسے ہلاک کر دیتا، اسے بہت طمع دی گئی کہ اگر تو فلاں کو آنکھ کے زخم سے ہلاک کر دے تو تجھے یہ کچھ دیں گے اس نے اپنی عادت کے مطابق تین دن فاقہ کیا، تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے، گھڑی بھر اس نے تیز تیز دیکھا اور کہنے لگا کہ میں نے اس خوب صورتی اور خوش آوازی کے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا ہے اور اس گفتگو کی بار بار تکرار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرما رہے تھے مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ حَقَّ تَعَالَى نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

بد نظری سے بچاؤ کا طریقہ

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی کو زخم لگانے والی آنکھ کا خوف ہو یا اپنے آپ پر یا اپنے اولاد اور مال پر اس کا اثر دیکھے اس کا علاج یہی ہے کہ یہ آیت پڑھے، تکلیف رفع ہو جائے گی اور اس آیت کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر یا اپنے لڑکے یا اپنے مال پر دم کرے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے العین حق زخم والی آنکھ کی تاثیر برحق ہے لو کان شیء سابق القدر لسبقه العین یعنی اگر جہان میں کوئی ایسی چیز ہوتی جو کہ تقدیر الہی سے سبقت کرے تو زخم لگانے والی آنکھ ہوتی کیونکہ اس کی تاثیر بہت قوی ہے اور جو چیز نظر میں اچھی لگے چاہیے کہ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہے تاکہ زخم والی آنکھ کا اثر نہ ہو۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس طریقے سے دم فرماتے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو بھی انہیں کلمات کے ساتھ دم فرماتے تھے۔ اَعِيذُكُمْ بِاللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَائِبَةٍ لَاتِيَةٍ اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں دن کے ابتدائی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ درد کی وجہ سے بے قرار ہیں پھر میں پچھلے پہر عیادت کے لیے حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا اس فوری صحت کی وجہ کیا ہوئی؟ فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے ان کلمات کے ساتھ دم کیا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيكَ .

نیز حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے ایک چھوٹی بچی کو دیکھا کہ بیمار ہے۔ فرمایا کہ اس کے لیے بد نظری کا دم کرو کیونکہ اس کے چہرے پر چشم زخم کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اگر کسی پر نظر لگ جانے کا اثر ہو تو چاہے کہ جس کی نظر لگی ہے اسے

حکم دو کہ اپنے وضو اور استنجاء کے اعضاء کو پانی کے ساتھ دھو کر دے اور نظر رسیدہ اس پانی سے غسل کرے شفا پائے۔ اور ایسی نظر والے کو چاہئے کہ ان اعضاء کو دھو دینے میں توقف نہ کرے اور شرم و عار نہ سمجھے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ اس تاثیر کی حقیقت میں جسے چشم زخم کہتے ہیں علماء کا بہت اختلاف ہے اور ابھی تک تاثیر کی وجہ صاف واضح نہیں ہوئی۔ جاہظ نے کہا ہے کہ اس قسم کی نظر والے کی آنکھ سے شعاع کی طرح زہریلے اجزا باہر نکلتے ہیں اور نظر رسیدہ کی آنکھ میں پہنچتے ہیں اور اس کے مسام میں جاری ہو کر زہریلے اثر کو پیدا کرتے ہیں جیسے سانپ کا زہر اور بھڑ اور بچھو کے ڈنگ کا اثر اور جبائی اور دوسرے معتزلی علماء نے اس بات پر گرفت کی ہے کہ اگر زخم والی آنکھ کی تاثیر کی وجہ یہ ہوتی تو لازم آتا کہ بُری نظر والے کا یہ اثر ہر کسی کی نسبت سے ہوتا اور پسند آنے والے کام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ ہوتی اور جاہظ کی طرف سے دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ پسندیدہ امر کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ پسندیدہ شخص بُری نظر والے کا دوست ہے تو نظر والے کو پسند آنے کے وقت اس نعمت کے زائل ہونے کا ایک عظیم خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس کا دشمن ہے تو بُری نظر والے کو اپنے دشمن کو اس نعمت کے حاصل ہونے پر بے حد غم ہو جاتا ہے اور غم اور خوف دونوں دل کے اندر اپنی روح کو بند کر دیتے ہیں اور گرمی دینے کا باعث ہوتے ہیں اور قوتِ باصرہ کی روح میں بھی گرم زہریلی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور پسند نہ ہونے کی صورت میں ان دونوں امروں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس تاثیر بھی نہیں ہوتی۔

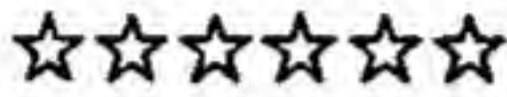
لیکن جاہظ کے قول کی اصل میں یہ خلل ہے کہ بُری نظر والے کی تاثیر جیسے سامنے حاضر ہونے کے وقت ہوتی ہے غائب ہونے کے وقت بھی ہو جاتی ہے اور جس طرح بُری نظر والے کی تاثیر حیوانی اور انسانی جسموں میں ہوتی ہے اس طرح نباتی اور معدنی جسموں میں بھی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ تاثیر زہریلے اجزا کے سرایت کرنے کی بناء پر نہیں ہے اور جو بُری نظر والے کے اعضاء دھلانے کے ساتھ جاہظ کے مذہب کی تائید

کی جاتی ہے یہ بھی بے جا ہے اس لیے کہ اس پانی کی جو کہ اس کے بدن کو لگتا ہے ان اجزا کے زہریلے پن کو دور کرنے میں کیا تاثیر ہوگی؟

اور ابوالہاشم اور ابوالقاسم نے یوں کہا ہے کہ بُری نظر والا جب کسی چیز کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا فریفتہ ہو جاتا ہے اور علم الہی میں اس شخص کے حال کے لیے زیادہ بہتر یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو بدل دیں تاکہ اس کا دل اس چیز پر فریفتہ نہ رہے اس وجہ سے وہ چیز خلل میں پڑ جاتی ہے اور دگرگوں ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے پسند کرنے کی تاثیر سے دگرگوئی ہوئی اور اس قول میں بھی خلل ہے اس لیے کہ اگر اس قسم کی مصلحتوں کی رعایت اور لوگوں کے دلوں کی فریفتگی سے بچانے کے لیے یہ تبدیلی پیش نظر ہوتی تو بے ریش لڑکوں اور حسین عورتوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تاکہ عشاق کے دلوں کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہتا۔ نیز مرغوب چیزوں کے ساتھ ہر دلی تعلق ان چیزوں کے زائل ہونے کا سبب ہوتا اور یہ سب کچھ خلاف واقع ہے۔

اور حکماء ایک اور راستے پر گئے ہیں جو کہ حق سے کچھ قریب ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ نفوس کی تاثیر دو قسم کی ہے ایک یہ کہ محسوس کیفیتوں کے واسطے سے ہو اور دوسری یہ کیفیات محسوسہ کے واسطے سے بغیر ہو جیسے وہی تاثیر کہ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہونے یا باریک راستے پر چلنے کے وقت وہم غلبہ کرتا ہے اور گرنے اور جسم کے کانپنے کا موجب ہوتا ہے حالانکہ اس راستے کی مانند ہموار جگہ پر ہمیشہ چلتا ہے اور بالکل متاثر نہیں ہوتا اور جیسے تصویری تاثیر جیسا کہ نفسانی عوارض میں ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے رنگ زرد ہو جاتا ہے اور بدن سر اور آنکھ سُن ہو جاتے ہیں اور غصے کے وقت اس کے برعکس اور جس طرح نفوس کی اس طرح کی تاثیر اپنے بدنوں میں ہوتی ہے اپنے بدنوں کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔ پس رخم والی آنکھ کی تاثیر بھی اسی طرح سے ہے اور جادو کی ایک قسم جسے تعلیق ہمت و وہم کہتے ہیں اور ہندوستان کے جوگیوں کا معمول ہے بھی اسی قسم سے ہے اور جب نفوس اس تاثیر میں مختلف ہیں بعض طاقت ور اور بعض کمزور اس وجہ سے یہ تاثیرات بھی اختلاف اور فرق کے ساتھ ظہور کرتی ہیں اور بعض اوقات اس قسم کی تاثیرات وراثت میں

آتی ہیں جبکہ غذا کم کرنے، گوشہ نشین ہونے اور مرغوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ کر بھی اس تاثیر کو حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ جو نفوس اس تاثیر میں کمال کے درجے پر پہنچتے ہیں وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ یہ ملکہ ڈال کر دوسروں کو بھی اپنی طرح کا کر لیں جیسا کہ ڈائن کے واقعات میں کہ جسے اہل عزیمت کی اصطلاح میں گفتار کہتے ہیں، تو اتر کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم



سورة الحاقة

مکی ہے اس کی باون (۵۲) آیات ہیں۔

سورة نون کے ساتھ رابطے کی وجہ سے متعلق مقدمہ

اور اس سورة کے سورة نون کے ساتھ رابطے کی وجہ کا بیان ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جہان میں خدائی عذاب دو قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو ابتلا کہتے ہیں جو کہ بندوں کے امتحان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ متنبہ ہوتے اور راہِ حق پکڑتے ہیں اسے عذاب کی ایک قسم فرماتے ہیں اور اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ ایک مدت کے بعد عذاب منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ سورة الانعام اور سورة الاعراف میں اس کا تفصیلی بیان واقع ہوا کہ ولقد ارسلنا الی امم من قبلك فاخذناهم بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون الخ وما ارسلنا فی قرية من نبي الاخذنا اهلها بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون۔ ولقد اخذنا آل فرعون بالسنين ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون اور دوسری سورتوں میں بھی اس قسم کا ذکر کافی ہے اور اس قسم سے متعلق چند واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کے معاملات میں یہ جنس بہت زیادہ واقع ہے اور اس امت میں بھی کثرت سے واقع ہے۔

نیز اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ نیک اور بد اس میں شامل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا اس لیے کہ نیکوں کے حق میں ترقی درجاتِ سنیات کا کفارہ اور ان کے صبر و شکر کا امتحان منظور ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حق کا ظہور جیسا کہ چاہیے اس انداز سے کہ بالکل شہ نہ رہے، نہیں ہوتا اور اس عذاب میں ظاہری طور پر اہل

حق اور اہل باطل کے شامل ہونے کی وجہ سے اس قسم کے واقعات کے ساتھ واضح طور پر الزامِ حجت میسر نہیں ہوتا اور آخرت میں گناہ گار مسلمانوں کا عذاب بھی محققین کے نزدیک اسی قسم سے ہے کہ اس سے مقصود انہیں گناہوں سے پاک کرنا ہے اسی لیے منقطع ہو جائے گا۔

دوسری قسم کو حاقہ کہتے ہیں کہ حق کے اظہار اور باطل سے اس کے امتیاز کے لیے اہل باطل کو عذاب دیتے ہیں اور اس میں انتقام منظور ہوتا ہے نہ کہ امتحان اور اس قسم کا عذاب ہرگز منقطع نہیں ہوتا اگر دنیا میں واقع ہو تو برزخی عذاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اگر آخرت میں واقع ہو تو ہمیشہ اور دائمی ہونا اسے لازم ہوتا ہے۔ ہاں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو بظاہر اس قسم کا عذاب آ کر گزر گیا جیسا کہ سورہ یونس میں اس کا ذکر واقع ہے لیکن حقیقت میں وہ عذاب بھی حاقہ نہ تھا بلکہ ابتلا کی جنس سے تھا جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ (یہاں سے اشارہ ملتا ہے کہ مفسر علام نے باقی سورتوں کی بھی تفسیر لکھی ہے)

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ سورہ نون میں مذکور ہے کہ ہم نے اہل مکہ کو بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی بے ادبی کرنے کی وجہ سے کہ وہ مجنون کا لفظ زبان پر لائے سات سالہ قحط میں مبتلا کیا ہے جیسا کہ ہم نے باغِ ضرّواں کے مالکوں کو فقراء اور مساکین کے حق کو روکنے کی وجہ سے اس باغ کے جلانے کی ابتلا میں ڈالا تھا تا کہ وہ جان لیں کہ حقیقی عذاب بھی اسی طرح آتا ہے اور متنبہ ہو جائیں اور جب وہ متنبہ نہ ہوئے اور انہوں نے اس قحط سے جو کہ مسلمانوں اور ان میں مشترک تھا اور اس کی تکلیف اور دکھ دونوں گروہوں کو شامل تھا، عبرت نہ پکڑی، انہیں اس قدر خبردار کرنا ضروری ہوا کہ یہ قحط ایک ابتلا سے زیادہ نہ تھا جبکہ حاقہ کے عذابوں کا رنگ اور ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس قسم کا عذاب صور پھونکنے کے دن پر موقوف ہے اور اس دن سے پہلے صرف آزمائشیں پیش آتی ہیں اور منقطع ہو جاتی ہیں۔ پس اس صورت میں اس طرح کے وعدے کیے گئے عذاب کو پوری

شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا اور اس کی مثل دنیوی حاقہ کے عذابوں کو بھی سابقہ اُمتوں کے واقعات نقل کر کے ذکر فرمایا تاکہ ان کے نزدیک وہ آخرت کے حاقہ کا عذاب آزمائشوں میں سے اس کی مثل واقعات کے تصور سے ممتاز ہو جائے اور وہ اسے ان آزمائشوں پر قیاس کر کے دلی طور پر مطمئن نہ ہوں۔

اور اس کے علاوہ مختلف مضامین کے اعتبار سے بھی ان دونوں سورتوں کے درمیان پوری مناسبت ہے اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی ابتدا میں اور جنون کی نسبت جو کہ کافر کرتے تھے کی نفی آخر میں مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں شاعری اور کہانت کی نفی ہے اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ دنیا میں کفار اپنے مال اور اولاد پر مغرور ہو کر قرآن پاک کے بارے میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسے پہلوں کے افسانے قرار دیتے ہیں جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا کہ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ یعنی وہ مال میرے کسی کام نہ آیا جسے میں نے جمع کیا تھا اس سورۃ میں مذکور ہے کہ باغ ضرورں کے مالکوں کو مساکین کا حق نہ دینے کی وجہ سے آفت پہنچی جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر کو آتشیں زنجیریں طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی اس لیے کہ مساکین کو کھانا نہیں کھلاتا اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کی حاقہ کے ساتھ وجہ تسمیہ بھی اسی تمہیدی مقدمہ سے واضح ہوئی اس لیے کہ حاقہ ایک واقعہ کا نام ہے جو کہ حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اس انداز کے ساتھ کہ کوئی شبہ اور الجھاؤ باقی نہیں رہتا اور اس سورۃ میں اسی جنس سے چند واقعات کو دنیا و آخرت میں بیان فرمایا ہے اور اس بیان سے رسالت وحی اور نزول قرآن کو ثابت کرنے کی طرف انتقال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا لِحَاقَّةٍ وَه حَادِثَةٌ جُو كَحَقَّ كُو بَاطِلٍ سَ اَسْ طَرَحَ جَدَا كَرَّ كَحَقَّ اَوْر بَاطِلٍ كَح
درمیان اشتباہ ہرگز نہ رہے نہایت عجیب ہوتا ہے اور بہت عظمت رکھتا ہے کہ اس کے

متعلق اسے عظیم سمجھتے اور تعجب کرتے ہوئے پوچھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

الْحَقَّاءُ وَهَاقُ كَرْنِ وَالْاَحَادِثِ كَيْفَ هِيَ؟ اور اس کی عظمت اس قدر ہے کہ علم المخلوقات کو بھی اس کی حقیقت کے علم سے قاصر ہونے میں لوگوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا یہ تمام علوم حضور علیہ السلام کے سینہ پاک میں رکھے گئے جہاں نفی کی گئی ہے یا تو یہ علوم عطا فرمانے سے پہلے کی بات ہے یا عطاءے خداوندی کے بغیر علم کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا أَوْحَىٰ مِنْهُ أَثَّيَا گیا تو علوم نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو ترازو پر کیسے رکھا جاسکتا ہے؟ امام بو صیری رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ومن علومك علم اللوح والقلم یعنی لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے تو جب لوح محفوظ میں سب کچھ ہے تو حضور علیہ السلام کے علم پاک کا کیا کہنا جس کے بعض حصے لوح محفوظ میں سب کچھ ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ اور تو کیا جانے کہ وہ حق نما حادثہ کیا ہے۔ ہاں جب اس حادثے کا بیان حقیقت کی حد بندی اور اس کی کنہ کی شرح کے ساتھ دشوار ہے اس میں نظیر اور مثال کے ساتھ پہچان کرانا منظور ہے اور اس جیسے واقعات عذاب کے زمانے کی کمی بیشی اور اس کی شدت اور زیادتی میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور اس کا سب سے کامل فرد جس کا اس اُمت کے لیے وعدہ کیا گیا، حق کو ثابت کرنے اور باطل کو باطل کرنے کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر اس طرح ہوا کہ گویا حادثہ اسی فرد کا نام ہوا، ذہن میں اس کی سمجھ اور تصویر لانے کے لیے دوسرے حواق کو بطور تمہید ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِفِرْقَانِهِ فَمَدَّنْهُمُ لِقَاءِ رَبِّهِمْ وَأَكْبَرُوا كُفْرًا فَخَافَ رَبَّهُمْ لَوْلَا رِجْسُ الْوَاحِشِ لَخَبَلَتْهَا سَبْعُونَ نَجْمًا فَغَوَّاهَا فَأَسَافَتْهَا فَمَدَّ اللَّهُ بِمُوسَىٰ رُجْسًا فَأَنْجَاهُ

بنانے، کھیتی باڑی اور باغ لگانے میں بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان وادی القریٰ سے لے کر حجر تک انہوں نے شہروں، قصبوں اور بستیوں کی صورت میں سات سو آبادیاں آباد کیں اور ہر جگہ جشمے جاری کیے اور کھیتیاں سرسبز کیں، باغ لگائے اور عیش اور چین کے ساتھ رہتے تھے اور بت پرستی کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کہ ان سے نہایت اچھے تھے، نشوونما کی ابتدا اور بچنے کے وقت سے لے کر امانت، دیانت، صلاحیت اور تقویٰ کے ساتھ موصوف اور مشہور تھے، اللہ تعالیٰ نے رسالت اور پیغمبری کے عنوان کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اور انہیں بت پرستی، سنگ تراشی کے شغل اور عمارات اور کھیتوں میں زیادہ طمع کرنے سے منع فرمایا۔

وَعَادُ اور فرقہ عادی جو کہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور احقاف یمن یعنی وہاں کے ریگستان میں جو کہ ایک وسیع ملک تھا، سکونت رکھتے تھے ان کے جسموں میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت فراخی اور قوت تھی، ان کے قد لمبے تھے اور اعضاء بہت قوی اور جہان والوں پر لوٹ کھسوٹ میں غالب آ جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہیں اپنی قوت اور زور پر تکبر اور پورا اعتماد حاصل ہو چکا تھا اور خدا تعالیٰ کی عبادت سے بالکل غافل ہو چکے تھے اور اپنے گرد و نواح کے لوگوں پر اپنے زور بازو سے دست درازیاں اور طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور انہیں بھی عمارتیں، حوض اور تالاب بنانے میں پوری رغبت تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو جو کہ انہیں کے زمرے میں سے تھے رسالت اور پیغمبری کے منصب کے ساتھ ان کے پاس بھیجا، آپ نے انہیں غفلت، تکبر اور اپنی طاقت پر اعتماد کرنے سے منع فرمایا اور خدا تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا لیکن ان فرقوں نے اپنے رسل علیہم السلام کی گفتگو پر یقین نہ کیا بلکہ انکار کے ساتھ پیش آئے۔

بِالْقَارِعَةِ صدمہ پہنچانے والے حادثے کا جو کہ ان کے جسموں کو بھی پاش پاش کر دے اور ان کی ارواح کو بھی برزخ کے عذاب میں پہنچائے اور انہوں نے کہا کہ اس طرح کا حادثہ کبھی نہیں آیا کہ تمام فرقے کو کسی ظاہری سبب فوج اور دشمن کے بغیر ہلاک کر

دے اور بالکل ان کا نام و نشان نہ چھوڑے۔ پس یہ تو نرا فریب دینا، مکر کے ساتھ ڈرانا اور ہم پر سرداری حاصل کرنا ہے اور اگرچہ ان دونوں فرقوں کے گناہ کی ابتدا یہی انکار اور انبیاء علیہم السلام اور وعدہ دیئے گئے عذاب کی تکذیب تھی اور بت پرستی کا مکروہ و ہندا۔ دنیا کی عمارات کو نہ چھوڑنا اور خدا تعالیٰ کی عبادت پر توجہ نہ کرنا اور دونوں اس کام میں شریک تھے لیکن آخر میں ان دونوں میں سے ہر فرقے کی استعداد نے ان حاصل شدہ خصوصیتوں کی وجہ سے ایک علیحدہ عذاب کا تقاضا کیا اور اسی عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔

فَأَمَّا الْمُؤَذَّرُ بِشَمُودٍ تَوَّابُونَ نَبِيُّهُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَفَرَ وَأُوتِيَ كِتَابًا فِيهِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
 کائنات کے کئے والے کئے کا حکم پیدا کیا اور پوری جرأت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اونٹنی کی کوچیوں کاٹ دیں اور حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کے درپے ہو گئے اور ناقۃ اللہ کا گوشت کتوں کی طرح کاٹ کر کھا گئے اور اس کی ہڈیاں توڑ دیں اور اس اونٹنی کی آواز پر جو کہ اس کی کوچیوں کاٹنے کے وقت آہ و فغاں کرتی تھی، انہیں رقت نہ ہوئی اور اس اونٹنی کے بچے کو ڈرایا یہاں تک کہ وہ بھاگ کر پتھروں میں داخل ہو گیا اور تین آوازیں کر کے غائب ہو گیا جس طرح ان واقعات کی تفصیل سورۃ الشمس میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ پس حکمت الہی نے تقاضا کیا کہ انہیں کتوں کی جھڑکی اور ڈانٹ کی قسم کا عذاب دینا چاہیے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم پہنچا حتیٰ کہ آپ نے آسمان کی بلندی سے سخت آواز کی۔

فَأَهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس تیز آواز کے ساتھ جو کہ آوازوں کی حد سے تجاوز کر گئی تھی اس لیے کہ تیز آواز جیسے شیر، بجلی اور بڑی توپوں کا گرجنا جوڑ اور اعصاب ڈھیلے کرنے کا موجب ہوتا ہے اور مکانات، عمارات کے ڈھ جانے اور عورتوں کے حمل گرانے کا باعث ہوتی ہے اور بعض اوقات جانور کا پتلا پھاڑ دیتی ہے اور مہلک بھی ہو جاتی ہے لیکن آواز کی اس قدر تیزی کہ ہزاروں کو ایک لمحے میں بے جان کر دے اور کان کے سوراخ بند کرنا اور گہرے تہ خانوں میں گھس جانا اس تیز آواز سے کارگر نہ ہو، آواز کی معمول کی حد سے خارج ہے۔

اور جب اس حادثے میں فرقہ شمود کے سوا کسی کو کوئی اذیت نہ پہنچی اور اس فرقے میں سے کوئی شخص باقی نہ بچا اور ایمان والے سب کے سب حضرت صالح علیہ السلام کی رفاقت کی برکت سے نجات پا گئے اس بات پر صریح دلیل ہو گئی کہ یہ حادثہ حاقہ تھا نہ کہ ابتلاء ورنہ کفر اور ایمان پر جامع اور مانع نہ ہوتا اور گردش نہ کرتا اور عذاب برزخ کے ساتھ متصل نہ ہوتا۔

ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس کلام معجز نظام کی عادت یہ ہے کہ عاد کے واقعہ کو ہر جگہ شمود کے واقعہ سے پہلے رکھتے ہیں اور زمانے کی ترتیب کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ عاد کا فرقہ شمود کے فرقہ سے پہلے ہو گزرا ہے اور شمود سے پہلے ہلاک ہوا یہاں اس ترتیب کا عکس کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان واقعات کے بیان میں ترتیب زمانی پیش نظر نہیں ہے اس لیے یہ مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ ان حوادث کے وقت کی کمی بیشی شدت اور عدم شدت اور زیادتی اور عدم زیادتی کے اختلاف کی ترتیب منظور ہے۔ پس وہ حادثہ جو کہ مدت میں بھی کم تھا کہ ایک دن میں ختم ہو گیا اور شدت میں بھی نسبتاً کم تھا کہ صرف ایک تیز آواز کے ساتھ کام تمام ہوا ارکان اور آلات کی زیادتی کا بھی محتاج نہ ہوا۔ بیان میں اس حادثے سے پہلے کر دیا گیا جو کہ مدت میں بھی طویل تھا اور اس میں سات راتیں اور آٹھ دن گزر گئے اور شدت میں بھی ترقی پر تھا کہ عاد کے جسموں کو فضا میں اٹھالے گیا اور وہاں سے انہیں زمین پر دے مارا اور ارکان اور آلات بھی زیادہ کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ہوا کے عنصر کے خازنوں کو مختلف اطراف اور سمتوں سے مسخر کرنا ضروری ہوا۔

اور اگر کسی کا ترتیب تفصیلی طور پر معلوم کرنے کی رغبت ہو جس کی اس واقعہ کے بیان کرنے میں رعایت کی گئی ہے تو وہ سنے کہ شمود کو صرف کیفیت ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ آواز سے عبارت ہے اور جب کیفیت ہوا جبر ہوا کے تابع ہے اور صفت کا مرتبہ ذات کے مرتبے سے کمتر ہوتا ہے اور ترقی کا مقام کمتر کو بزرگ تر سے پہلے لانے کا تقاضا

کرتا ہے۔ نمود کے واقعہ کے بیان کو عاد کے واقعہ کے بیان سے پہلے لانا ضروری ہوا جبکہ فرقہ عاد کو ہوائے متحرک کی ذات کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ رخ سے عبارت ہے اور ہوا اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر ہے اور پانی اور خاک سے زیادہ لطیف ہے اور فعل و تاثیر میں آگ سے زیادہ ضعیف ہے۔ پس عاد کے واقعہ کا بیان ان دوسرے واقعات کے بیان سے پہلے کرنا چاہیے کہ جن میں چند عناصر جمع ہوئے اور پانی، آگ اور مٹی سے مدد لینے کی ضرورت پڑی اس لیے کہ بسیط مرکب سے اور آسان مشکل سے پہلے ہوتا ہے۔

اور فرعون اور اس کی فوجوں کو بحیرہ قلزم میں غرق کر کے عذاب واقع ہوا اور اس پر موقوف تھا کہ اس دریا کے کنارے پر فرعون کے پہنچنے سے پہلے بنی اسرائیل کی نجات کے لیے دریا کو چیرنا واقع ہوتا کہ حاقہ ہونے کا معنی صورت پکڑے۔ نیز تا کہ فرعون اور اس کے ساتھی جرأت کر کے اپنے آپ کو اس میں ڈال دیں اور دریا کو پھاڑنے کا تصور تیز قوی اور سنبھالے رکھنے والی آندھیوں کی حرکت دیئے بغیر تا کہ دیر تک دریا کی سطح کے اتصال کو جدا رکھیں اور پھٹی ہوئی شکل پر رکھیں نہیں ہوتا تھا۔ پس اس کے عذاب میں ان دو عناصر کی جو کہ ہوا اور پانی ہیں ضرورت پڑی اور دو تجاوز کرنے والے عناصر کی ترکیب در غیر متجاوز عناصر کی ترکیب سے مقدم ہے جو کہ قوم لوط علیہ السلام میں ہے۔ پس فرعون کے واقعہ کو قوم لوط علیہ السلام کے واقعہ سے پہلے لانا ضروری ہوا لیکن اس کے واقعہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعہ سے پہلے اس وجہ سے لایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین کو دو عذابوں کے ساتھ سزا دی گئی۔ تیز آواز کے ساتھ جو کہ شدید زلزلے کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اور زلزلہ کی حقیقت شدید تیز ہوا کا زمین کے مسام میں داخل ہونا اور اس کا زمین کے مسام کے علاوہ دوسری جگہ سے نکلنا ہے۔ پس ہوا اور مٹی میں ترکیب لازم آئی اور یہ دونوں باہم تجاوز کرنے میں تاخیر نہیں کرتے اور دو غیر متجاوز کی ترکیب دو متجاوز اجزا کی ترکیب سے مؤخر ہے۔

اور اصحاب ایکہ ایک آتشی سائبان کے ساتھ ہلاک ہوئے اور اگرچہ اس عذاب میں بھی دو متجاوز اجزا کی ترکیب متحقق ہوئی لیکن ہوا اور پانی موافقت میں طبع انسانی بلکہ

حیوانی اور نباتی طبیعت کے ساتھ بھی پوری شرکت رکھتے ہیں۔ بخلاف آگ کے کہ موالید (حیوانات، نباتات اور جمادات) کی طبیعت کی ضد ہونے میں عنصر ہوا سے پوری جدائی رکھتی ہے، جزو کے دور ہونے سے بھی زیادہ۔ پس یہ ترکیب بہت عجیب اور غیر مانوس ہوئی اور غیر مانوس کام عادت کے مطابق کام سے بعد ہے اور جب لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب آتشی اور زمینی اجزا سے مرکب تھا کہ ارضیت کے غلبہ کی وجہ سے پتھر ہو کر گرے اور ان اجزا کو ہوانے اوپر لے جانے اور نیچے اتارنے میں خدمت کی۔ نیز زمین کے اجزا کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر الٹ پلٹ کر نا ان کی عمارات کی بنیادوں میں زبردست ہوا کے داخل کیے بغیر ممکن نہ تھا۔ پس حقیقت میں یہ عذاب ان تینوں عناصر کے ساتھ مرکب ہوا بلکہ معدنی صورت کی حد کو پہنچ گیا اور نرا بسیط ہونے سے نکل گیا اور اس نے موالید ثلاثہ میں سے ایک کا لباس پہن لیا اور مرکب کا مرتبہ بسیط سے بعد ہے اور تین چیزوں سے مرکب اس سے مؤخر ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے۔

اور نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں تمام عناصر نے خدمت کی پانی کو حاکم بنا دیا گیا اور ہوا کو ایک صورت سے دوسری میں لے جانے کے لیے اس کا تابع فرمایا اور زمین کو چیر کر پانی کا مدد و معاون بنایا اور آگ کو اس کی پیوست اور حرارت کی قوت کو روک کر اور اس کائنات میں اس کی کیفیات کو مخفی کر کے مامور کیا گیا تاکہ محال کرنے اور محال ہونے کا معارضہ نہ کریں پھر اس عذاب کے حاقہ ہونے کے معنوں میں کشتی بنانے اور وحشی اور پالتو جانوروں کو ایمان والوں کے لیے ان کے منافع باقی رکھنے میں انہیں مسخر کرنے میں معدنیات اور نباتات کی خدمت کی بھی ضرورت پڑی لہذا یہ عذاب تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے لیے عام ہوا اور اس نے حاقہ حقیقی جو کہ قیامت ہے کے ساتھ پوری مشابہت حاصل کی۔ پس اس کا بیان سب سے آخر میں زیادہ مناسب ہوا تاکہ حاقہ حقیقی کے بیان کے ساتھ متصل ہو اور حواق کے پیدا ہونے کی کیفیت آہستہ آہستہ پوری وضاحت کے ساتھ بشری ادراک میں جلوہ گر ہو اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر جہاں ان واقعات کی زمانی ترتیب کا تقاضا ہوا، حضرت نوح علیہ

السلام کے واقعہ کو تمام واقعات پر مقدم کیا گیا ہے اس کے بعد عاد کا واقعہ پھر ثمود کا واقعہ پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ اس کے بعد فرعون کا واقعہ جیسا کہ سورہ اعراف، سورہ ہود، سورہ شعرا، سورہ قمر اور دوسری سورتوں میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فرقہ ثمود کو اس وجہ سے کہ انہوں نے انکار کی حد سے گزر کر آیات الہی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناقہ اور حضرت صالح علیہ السلام تھے کے مٹانے میں کوشش کرنے لگے تھے کتوں کو ڈانٹنے کی طرح ایک نہایت سخت آواز سے ڈانٹ پلائی گئی اور اسی ڈانٹ کی وجہ سے ان کے جسم بے جان ہو گئے اور ان کی روح کے کتے نے اپنے گھر کی راہ لی۔

عاد کے لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ

وَأَمَّا عَادُ اور رہے عاد تو انہوں نے اپنے وقت کے پیغمبر علیہ السلام کے انکار اور تکذیب میں اس کشتی لڑنے والے پہلوان کی صورت پیدا کر لی تھی جو کہ اکھاڑے میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو جائے اور کہتے تھے مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے قوت میں زیادہ سخت کون ہے؟ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان پر تین سال تک قحط مسلط فرمایا۔ انہوں نے مجبور ہو کر ستر (۷۰) آدمیوں کو مکہ معظمہ بھیجا تا کہ وہاں دعا کریں اور بارش طلب کریں اور ان کے تکبر نے یہ قبول نہ کیا کہ حضرت ہود علیہ السلام کے حضور التجا کریں اور آپ سے بارش کی دعا کی درخواست کریں اس زمانے میں مکہ شریف میں عمالقہ مسلط تھے جب وہ عمالقہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے یہ ماجرا بیان کیا ان میں سے مرشد نامی ایک شخص نے کہا کہ تمہیں اس مقام کی دعا فائدہ نہ دے گی، تمہیں چاہیے کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کی بات قبول کر لو اور دین حق پر یقین کر لو تا کہ تم اس مصیبت سے نجات پاؤ کیونکہ تمہاری گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قحط عذاب الہی ہے دوسرے قحطوں جیسا نہیں ہے کہ استقاء اور دعا اس کا علاج ہو سکے۔

جب انہوں نے مرشد کی یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ اگر ہم یہاں سے مقصد حاصل

کیے بغیر جائیں تو ہماری قوم ہمیں ذلیل کرے گی یہاں سے جیسے بھی ممکن ہو کام کر کے جانا چاہیے۔ مرشد سے اس کی تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ تم سب کے سب سر اور پاؤں سے ننگے ہو کر اپنے آپ کو حاجیوں کی شکل میں کر کے کوہ صفا پر آؤ جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ہے اور جب خانہ کعبہ تمہاری نظر میں آجائے تو اس طرح دعا کرو کہ اے ہود علیہ السلام کے خدا! اگر ہود اس بات میں سچے ہیں کہ تیرے رسول علیہ السلام ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما کہ ہم صرف بارش کی خاطر آئے ہیں۔ انہوں نے اسی طریقے پر عمل کیا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کے تین ٹکڑے بھیجے۔ ایک سفید ایک سرخ اور ایک سیاہ اور انہوں نے ایک آواز سنی کہ ان تین ٹکڑوں میں سے اپنے لیے ایک کو قبول کرو انہوں نے مشورہ کر کے سیاہ بادل قبول کر لیا کہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ وہ سیاہ بادل بھی ان کے سروں کے اوپر چل رہا تھا جب اپنے ملک کے قریب پہنچے تو چند آدمیوں کو جلدی سے آگے بھیجا کہ ہم بادل لائے ہیں تم اپنے حوض اور تالاب صاف اور پاک کر چھوڑو اور خوش رہو اور کاشت کاری کے اسباب بیج اور ہل تیار کرو کہ یہ بادل تمہاری خواہش کے اندازے کے مطابق برسے گا۔ وہ یہ خوش خبری سن کر سب کے سب خوش ہو گئے کہ ہمارے بھیجے ہوؤں کی دعا قبول ہوئی اور بہت گہرا بادل آ گیا اور حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق طعن و تشنیع کی زبان کھول دی کہ یہ ہے ہماری دعا قبول ہوئی اور بارش آگئی تو نے کہا تھا کہ عذاب آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بادل نہیں ہے خدائی عذاب ہے خوف کرو ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے مجھ پر ایمان لاؤ اور بت پرستی چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا کہ اس بادل میں کیا عذاب آئے گا؟ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا سخت آندھی چلے گی جو تمہیں اور تمہاری عمارات کو تباہ کر دے گی۔ انہوں نے کہا کہ تو ہماری قوت بازو کو جانتا ہے پھر ہمیں ہوا کی تیزی سے ڈراتا ہے؟ وہ اسی گفتگو میں تھے کہ وہ بادل ان کے ملک کی حد میں پہنچ گیا اور سخت تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بادِ عقیم کے متعلق حکم بھیجا جس کا خزانہ زمین کا چوتھا طبقہ ہے کہ بیل کی ناک سے کے سوراخ کے برابر چھوڑ دو اور قوم

عاد پر مسلط کر دو۔ فرشتے جو کہ ہوا پر مقرر ہیں اگرچہ اس ملاحظہ کی بناء پر کہ کہیں یہ ہوا بے گناہوں کو ہلاک نہ کر دے اس کی نگہبانی کرتے تھے ہوا ان کے قبضے سے نکل گئی تھی اور قوم عاد نے ہوا کی تیزی دیکھ کر مضبوط اور قلعہ بند مکانات میں پناہ لے لی تھی اور اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں کے ساتھ باندھ لیا اور اپنے جانوروں کو وزنی زنجیروں میں مقید کر دیا اور اپنے اہل و عیال کو محفوظ جگہ میں سنبھال کر اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق کے ساتھ کشتی کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس کمزور ترین مخلوق نے ان کے ساتھ اس طرح کشتی لڑی کہ ان کی عورتوں کو جنہیں بھاری جشہ والی اونٹنیوں پر لوہے کے کچاؤں میں سوار کر کے لوہے کی زنجیروں کے ساتھ اونٹنیوں کی پشتوں پر مضبوطی سے باندھا ہوا تھا زمین سے اڑتی تھی یہاں تک کہ اوہ اونٹنی اس کچاؤے اور عورت سمیت نظر میں مکڑی کی طرح نمودار ہوتی تھی اور وہاں سے زمین پر دے مارتی تھی یہاں تک کہ ان سب کو ہلاک کر دیا جبکہ حضرت ہود علیہ السلام نے ایمان والوں کے ساتھ ایک جزیرے میں داخل ہو کر اپنے ارد گرد ایک خط کھینچ لیا تھا اور وہ ہوا جب اس خط کے اندر پہنچتی تھی تو نرم خوش گوار ہو جاتی تھی جبکہ اس خط سے باہر جس طرح بھی پہنچتی تھی جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب کے ساتھ جو کہ ان کی پہلوانی کے مناسب تھا بتلا کر دیا اور ہوا کو جو کہ منہ کے ساتھ پھونک مارنے کی وجہ سے چیزوں کو بکھیر دیتی ہے ان کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے بھیج دیا تاکہ اس پہلوان کی قوت کا مشاہدہ کریں۔

فَأَهْلِكُوا بَرِيحٍ صَرْصَرٍ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس ہوا کے ساتھ جس کے چلنے کے وقت سخت آواز نکلتی تھی۔ عَسَائِيَّةٍ نہایت تیز چلنے والی جو کہ محافظوں اور موکلوں کے قبضے اختیار سے باہر ہو گئی تھی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر کبھی ہوا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانے کے مطابق اور بارش کا کوئی قطرہ نازل نہیں فرماتا مگر اندازے کے مطابق مگر طوفانِ نوح کے دن اور قوم عاد کے عذاب کے دن کہ طوفان کے دن بارش کا پانی بارش کے موکل فرشتوں کے قبضے سے نکل گیا تھا اور عاد کے عذاب کے دن ہوا اپنے موکلوں کے قبضے سے نکل گئی۔

اور یہ ہوا کا اس قدر تیز چلنا فلکی اتصالات کے آثار سے نہ تھا اور نہ عاد کے کفار کے ساتھ تخصیص نہ رہتی اور ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام کو بھی تکلیف پہنچتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے

مَسَخَرَهَا كَمَالِ غَضَبٍ اور انتقام کے ارادے کے ساتھ مسلط کر دیا تھا۔ عَلَيْهِمْ
صرف فرقہ عاد پر نہ کہ ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام پر اور یہ مسلط کرنا بھی ایک
دو گھڑی کے لیے نہ تھا بلکہ

سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ سات رات اور آٹھ دن تھا۔ ۲۲ شوال بدھ کی صبح سے ہوا
کا تسلط شروع ہوا اور ۲۹ ماہ مذکور بدھ کی شام کو پورا ہوا اس لیے کہ عاد کے لوگ لاف زنی
اور تکبر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ قحط کیا ہے ہم میں اتنی قوت ہے کہ اگر سات سال
تک اسی طرح کا قحط رہے تو ہم برداشت کر سکتے ہیں۔ پس ہر سال کے مقابلے میں ان پر
ایک رات اور دن کے دورے کے برابر ہوا کا عذاب مسلط فرمایا گیا اور ایک دن بڑھا دیا
گیا تاکہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی کمزوری کو دیکھیں اور ایک دوسرے کی
ہلاکت کی وجہ سے غم اور پریشانی اٹھائیں۔ چنانچہ ابن جریج اور دوسرے مفسرین نے
روایت کی ہے کہ یہ لوگ ہوا کے اس قدر تھپڑوں کے باوجود اتنی مدت زندہ رہے اور
آخری بدھ کو سب بے جان ہو گئے اور ہوانے ان کے جسم اٹھا کر دریائے شور میں پھینک
دیئے اور ان آٹھ دنوں اور سات راتوں میں کوئی فاصلہ نہ تھا تاکہ درمیان میں کچھ سستا کر
پھر عذاب اٹھانے کی قوت پیدا کریں بلکہ

حُسُومًا جو کہ پے در پے تھے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور عرب ان دنوں کو (ایام عجوز)
یعنی بڑھیا کے ایام کہتے ہیں جو کہ سردیوں کے موسم کے آخر میں مشہور و معروف ہیں اور
بردا لعموز کی ضرب المثل ہے اور عربوں کے نزدیک ان دنوں کے نام مقرر ہیں۔ پہلے دن
کو صن، دوسرے دن کو صبر، تیسرے دن کو دبڑ چوتھے دن کو آمزپانچویں دن کو موثر، چھٹے
دن کو مطفی الجمر، ساتویں دن کو مکفی الظعن کہتے ہیں اور عوام الناس ان دنوں کو عجوز یعنی
بڑھیا کی طرف منسوب کرنے کی وجہ میں کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بڑھیا ان دنوں میں

ایک تہہ خانہ میں گھس کر چھپ گئی تھی، آٹھویں دن ہوانے اسے بھی تہہ خانے سے باہر کھینچ لیا اور زمین پر پٹخ کر ہلاک کر دیا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ لفظ عجوز عوام کا ایک غلط استعمال ہے۔ اصل میں عجز ہے اور عجز جانور کے اس نچلے حصے کو کہتے ہیں جو کہ ذم کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور ان دنوں کو ایام عجز اس لیے کہتے ہیں کہ موسم سرما کے آخر میں واقع ہوتے ہیں۔

بہر حال فرقہ عادی قوت اور زور آوری ہوا کے نقصان کو روکنے میں کارآمد نہ ہوئی اور اس ہوا کے ہاتھوں اس طرح پامال اور عاجز ہوئے کہ جس طرح بازی گر پہلوان کے ہاتھ میں لکڑی کا جالا۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ پس اے دیکھنے والے! تو دیکھتا اگر تو اس وقت حاضر ہوتا اس قوی ہیکل زور آور قوم کو ان تھوڑی سی راتوں اور دنوں میں کہ بے جان پڑے تھے ہوانے ان کی روئیں نکال کر مردہ کر کے پھینک دیا تھا۔

كَانَهُمْ اَعْجَازٌ نَّخْلٍ خَاوِيَةٍ گویا کہ وہ کھجور کے درخت کے تنے تھے قد کی لمبائی اور بدن کی گندگی میں کہ کھوکھلے ہو کر گر پڑے ہوں یہاں تک کہ ہوا ان کے مساموں اور سوراخوں میں آتی اور جاتی تھی اور آواز کرتی تھی۔ گویا ان کے بدن میں کوئی رطوبت باقی نہ رہی تھی ان سب کو جلا کر خشک کر دیا تھا۔

فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ؟ پس کیا تو ان دونوں فرقوں کا بقیہ دیکھتا ہے جو اپنے آپ کو ان کی نسل کہے اور ان سے منسوب کرے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ حاق نامی عذاب اس عذاب پانے والی قوم کا نام و نشان نہیں چھوڑتا اور آدمی کی نسل ختم کر دیتا ہے۔ بخلاف ابتلا و امتحان کے کہ وہ اتنا عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا۔

فرعون، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت شعیب اور حضرت لوط نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ اور فرعون آیا وجود اور تسلط کے میدان میں فرعون دراصل بادشاہ مصر کا لقب ہے جو کہ قبطیوں سے ہوتا تھا جیسا کہ قیصر بادشاہ روم کا لقب کسریٰ بادشاہ

فارس کا لقب، خاقان بادشاہ ترک کا لقب، تیج بادشاہ یمن کا لقب اور راجہ بادشاہ ہند کا لقب ہے اور اس فرعون سے ایک معین شخص مراد ہے جو کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ اس کا نام قابوس تھا، قبطیوں کی قوم سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام مصعب بن ریان تھا اور اس کا باپ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی بادشاہی کرتا تھا۔

وَمَنْ قَبْلَهُ اور نیز عرصہ وجود میں آئے وہ لوگ جو کہ فرعون سے پہلے تھے اور ان سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے اور وہ دو گروہ تھے۔ ایک اصحاب مدین جو کہ عین شہر میں سکونت رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد سے تھے۔ دوسرے اصحاب ایک جو کہ شہر سے باہر جنگل میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو رسالت کے عنوان سے دونوں گروہوں کی طرف بھیجا اور مذہب اور بت پرستی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتُ اور اُلٹے ہوئے شہر اور وہ چھ شہر یا پانچ شہر تھے اور ان میں سے سب سے بڑا شہر سدوم تھا کہ اس میں چار لاکھ انسان تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے تھے ان کے پاس رسالت کے طریقے سے بھیجا اور آپ ان کے درمیان بیس سال تک رہے اور انہیں دعوت دی اور وہ ایمان نہ لائے۔

بِالْخَاطِئَةِ جان بوجھ کر کیے گئے گناہوں کے ساتھ کہ ان کا خطا ہونا ہر شخص کے نزدیک ظاہر تھا۔

لیکن فرعون کے گناہ تو ابتدا میں پینچمبر زادوں کی دشمنی تھی جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اس دشمنی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں جو کہ ریان کی طرف سے ممالک مصر کے مختار ہو گئے تھے بنی اسرائیل شام سے مصر میں چلے گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار اور شان کی وجہ سے مصر کے لوگ ان کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ فرعون بادشاہ بنا بنی

اسرائیل کی عزت اور احترام اسے بہت ناگوار گزرا اور اس نے چاہا کہ انہیں مصر کے لوگوں کی نظر میں ذلیل و حقیر کر دے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرداری کا خیال بنی اسرائیل کے دل میں کھٹکے تک نہیں اور وہ امور ریاست میں مداخلت کے طلب گار نہ ہوں اور رفتہ رفتہ ان پر اس قدر ظلم کیے کہ وہ چماروں کی طرح اس کی بے گار کرتے تھے۔ بعض کے ذمہ اپنی عمارات کی تعمیر لگا دی تھی اور بعض کے ذمہ زراعت اور باغبانی اور بعض کے ذمہ اینٹیں بنانا اور اینٹیں پکانا مقرر کر دیا تھا اور ان پر سخت پیادے مقرر کر دیئے اور اپنے آپ کو اہل مصر کا معبود قرار دے کر خود کو سجدہ کراتا تھا۔

اور جب بنی اسرائیل اس کام کو قبول نہیں کرتے تھے تو ان پر زیادہ بگڑتا اور انہیں سزائیں دیتا یہاں تک کہ اسے کاہنوں اور نجومیوں نے خبر دی کہ بنی اسرائیل کے گروہ سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری بادشاہی کا زوال ہے اس خطرے کے پیش نظر اس نے یہ حکم نافذ کیا کہ بنی اسرائیل کے گھر گھر کی جستجو کریں ان کی عورتوں میں سے جسے حاملہ پائیں ان کا شمار کر کے ان کے نام کو توال کے دفتر میں درج کرائیں پھر جب ولادت کا وقت قریب ہو تو کو توال کے کارندے دروازے پر کھڑے رہیں اور دائیاں پیدا شدہ بچے کا ان کارندوں کو پتہ دیں اگر لڑکا ہو تو اسے اسی وقت قتل کر دیں اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دیں اس کا یہ ظلم ساہا سال تک جاری رہا اور اس کے علاوہ جو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا عام لوگوں کے نزدیک ضرب المثل ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بت پرستی اور شرک پر مجبور کرتا تھا اور لوگوں کو جو میخا کر کے عذاب دینا اسی بد بخت کی ایجاد ہے اور ہوتے ہوتے اس کا کفر اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ بلند آواز کے ساتھ انا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی کہتا تھا۔

رہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو جو چیز اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کے درمیان مشترک تھی بت پرستی اور ماپ تول میں بددیانتی تھی کہ یہ دونوں کام ان کے درمیان بہت زیادہ رائج ہو چکے تھے اور جو اصحاب مدین کے ساتھ مخصوص ہے رہزنی اور ڈکیتی ہے کہ شام اور مضر کے راستہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر ان میں چھپ کر بیٹھ

جاتے تھے اور قافلوں پر حملے کرتے اور بے شمار مال لاتے تھے۔

رہے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو ان میں سب سے بڑا گناہ لواطت تھی کہ مرد مردوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس نہایت برے فعل کے علاوہ اور بدعتیں بھی ان میں رواج پا چکی تھیں۔ ان میں سے کبوتر بازی، مینڈھے لڑانا، کتے لڑانا ہے اور ان میں سے ایک یہ کہ مہمان کو گھر میں جگہ نہ دینا اور کسی دُور کے علاقے سے کوئی شخص غلہ خریدنے کے لیے ان کے ملک میں آتا تو اسے خریدنے نہ دینا اور مذاق میں ایک دوسرے کو گالی دینا، فحش کلامی کرنا اور جو راہ سے گزرتا اسے مذاق کرنا اور ان میں بے شرمی اور بے حیائی اس قدر رواج پا چکی تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے جسم سے چادر اتار دیتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے لواطت کرتے تھے اور عورتوں کی طرح دانتوں پر مسی ملتے تھے اور عورتوں کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں کو مہندی کے ساتھ رنگین کرتے تھے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علی نبینا وعلیہما السلام کو فرعون کی طرف، حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین اور اصحابِ ایکہ کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام کو اہل سدوم وغیرہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے انہیں ان انتہائی بُرے کاموں سے منع فرمایا۔

فَعَصُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ پس یہ سب کے سب اپنے پروردگار کے ہر ایک رسول کے نافرمان ہو گئے اور اپنی خطاؤں پر متنبہ نہ ہوئے بلکہ اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کے مقابلے میں لڑائی جھگڑا اور فساد شروع کر دیا۔

فَاخَذَهُمْ آخِذَةٌ رَّابِيَةٌ پس انہیں ان کے پروردگار نے ایسی گرفت سے پکڑا جو کہ اس سے زائد تھی جس کے صرف پیغمبروں کے انکار کی وجہ سے مستحق ہوتے تاکہ جو زیادہ ہے وہ ان کے ان گناہوں کے مقابلے میں واقع ہو۔ پس فرعون کو اس کے کہنے کے مطابق غرق کر کے ہلاک فرمایا اس لیے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک داد طلب کرنے والے کی شکل میں برسر دربار آ کر پوچھا کہ اگر کسی شخص کا غلام بندگی کا انکار کرے اور اپنے مالک کے مقابلے میں مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق

بادشاہ کا کیا حکم ہے؟ اسے کس قسم کی سزا دی جائے؟ فرعون نے کہا کہ اس قسم کے نعمت کے ناشکر غلام کو دریا میں غرق کرنا چاہیے۔ نیز فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے فخر اور بلندی مرتبت کے مقام میں بار بار اس چیز کا ذکر کرتا تھا کہ میں نے ملک مصر میں نہریں جاری کی ہیں اور میں نے ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کیا ہے تو چونکہ وہ زیادہ تر جاری نہروں کے ساتھ لذت اور فخر حاصل کرتا تھا اس لیے اسے دریا میں غرق کرنا زیادہ مناسب تھا کہ ان چھوٹی نہروں سے کیا کھلتا ہے۔ تو جو مصر کا بادشاہ ہوتا ہے چاہیے کہ اس وسیع سمندر کا تماشا کرے اور جس طرح تو ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کر کے عیش کرتا تھا، میں اس وسیع سمندر کے تیرے سر اور پورے بدن پر جاری کروں گا تا کہ تیری لذت کے اسباب ہر طرف سے محیط اور شامل ہوں۔

اور فرعون کے عذاب کی زیادتی اس طرح ہوئی کہ ایک لمحے میں تمام بادشاہی عمارات باغات، نفیس فرشوں والے محلات اور بے شمار خزانے اس کے قبضے سے نکال کر اس کے دشمنوں کو عطا فرمادیئے جو کہ اس کی نظر میں نہایت حقیر اور ناچیز تھے اور بادشاہوں پر اس قسم کا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو جو کہ دو گروہ تھے مختلف طریقوں سے عذاب دیا گیا۔ اصحاب مدین کو شموذ کی چیخ کی مثل چیخ بھی پہنچی اور زلزلے نے بھی ہلاک کیا تو ایک قسم کا دوسری قسموں کے ساتھ ملنا زیادتی کا باعث ہوا۔ ان کی چیخ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب اور آپ کو حقیر سمجھنے کے مقابلے میں تھی اور ان کا زلزلہ اس کے مقابلے میں جو وہ پیمانے اور ترازو کو ماپنے اور تولنے کے وقت ہلاتے اور لرزاتے تھے تاکہ ماپ اور تول برابر نہ رہے اور موافقات کو پہلے نیچے سے اوپر لے گئے پھر اُلٹے کر کے گرائے گئے اس لیے کہ ان کا کام لواطت اور بے حیائی تھا کہ اس میں حقیقت کا بدلنا ہے۔ مرد کو زن تبدیلی نے اس ذلت اور رسوائی کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس لئے عورت پر سوار ہو۔ اور اس کے بعد آسمان کی طرف سے جلے ہوئے پتھر برسائے اس لیے لواطت میں بدکاری کی لذتیں حاصل کرتے تھے اور بدکاری کی حد سنگ ساری ہے۔

اور یہاں بعض لوگوں کے دلوں میں ایک شبہ گزرتا ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو اُلٹ دیا گیا اس دوران وہ لوگ ہلاک ہو گئے ہوں گے اور ان کے جسم زمین کے نیچے کافی فاصلے پر چھپ گئے پھر ان پر پتھر برسائے گا کیا فائدہ؟ کہ وہ پتھر تو اُلٹی ہوئی مٹی کے ڈھیروں پر گرے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پتھر اپنے مادے کی گرمی کی وجہ سے جس نے گندھک کی خاصیت پیدا کر لی تھی اور اُترنے والی حرکت کی قوت کہ طبیعت بھی اور حرکت کسری بھی اس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے کی وجہ سے اس قدر اثر کرتے تھے کہ زمین کی اوپر کی سطح کو پھاڑ کر اس قوم کے جسموں میں داخل ہو جاتے تھے اور جلا دیتے تھے اور اگرچہ اُلٹا ہونے کی حالت میں اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ ان کی روہیں جسموں سے جدا ہو گئی ہوں گی لیکن روح کو بدن کے ساتھ جو تعلق جدا ہونے کے بعد بھی رہتا ہے روح کے عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اسی لیے میت کی ہڈی توڑنے اور اس کے جسم کو سختی کے ساتھ حرکت دینے سے روکا گیا ہے۔ پس شہروں کو اُلٹا کرنا ان کا دنیوی عذاب تھا اور جہیل کے پتھروں کا جلانا ان کا برزخی عذاب تھا۔

اور احتمال ہے کہ اُلٹنے کی صورت میں کہ ابھی زمین کے نیچے نہ پہنچے ہوں انہیں پتھر برسا دیکھایا گیا ہو تو یہ بھی دنیوی عذاب کے قبیلے ہو۔ بہر حال یہ پانچ واقعات حاقہ حقیقی کی نظیر ہیں کہ کفار کو کفر اور نافرمانی کے مقابلے میں مسلمانوں کی شمولیت کے بغیر اور فلکی اور عنصری اسباب طلب کیے بغیر مختلف قسموں کے عذابوں کے ساتھ بالکل نیست و نابود کر دیا گیا۔

اور اگر ان دلائل اور مثالوں کے باوجود بھی کسی کا شبہ زائل نہ ہو اور وہ کہے کہ ان واقعات میں کہ ایمان والوں کو محفوظ رکھا اور کافروں کو نیست و نابود کر دیا گیا، پہلے مسلمانوں کو جدا کر دیا گیا تاکہ عذاب کے مقام میں نہ آئیں اور وہاں سے دُور چلے جائیں۔ گو ایمان والوں کو عذاب آنے سے خبردار کرنا اور انہیں مقام عذاب سے دُور کرنا ایک امتیاز کا موجب ہوا ہو لیکن قیامت کے دن کہ ایمان والے اور کفار ایک مقام پر جمع

ہوں اور وہاں سے جانے کا تصور نہ ہو اور عذاب کے اسباب عام ہوں تو حاقہ کے معنی کا تصور کس طرح کیا جاسکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی دلیل اور مثال بھی سن لو۔

إِنَّا لَمَّا طَفَا الْمَاءُ تَحْقِيقًا ہم نے جب آسمان کے پانی نے بارش کی کثرت اور زمین کے پانی نے جوش مارتے ہوئے چشموں کے جاری ہونے کی وجہ سے طغیانی کی یہاں تک کہ تمام سطح زمین کو ڈھانپ لیا اور اونچے پہاڑوں سے بھی چالیس چالیس گز پانی اونچا ہو گیا اور آسمان اور زمین کے درمیان بھی چالیس روز تک بارش کی وجہ سے پانی غالب رہا اور یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے قوم کے حاقہ کا تھا اور طوفان اسی واقعہ سے عبارت ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے طوفان کے پورے روئے زمین اور زمین و آسمان کے درمیان کو شامل اور عام ہونے کی وجہ سے جائے فرار بالکل نہ رہی تھی جہاں جاتے تھے اس طوفان میں شریک ہوتے تھے اور تم بھی جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری میں مشغول ہو حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے فوت ہونے کی صورت میں ہلاک ہوتے تھے اس لیے کہ تم حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی نسل سے ہو۔ پس تمہارا اس وقت وجود تمہارے آباؤ اجداد کے وجود کی اس وقت حفاظت کے بغیر ممکن نہ تھا اس بناء پر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک اور تدبیر سکھائی کہ عین طوفان میں شریک بھی ہوں اور عذاب سے ہر طرح محفوظ بھی رہیں۔

اور اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی طبعی طور پر ثقیل ہے تقاضا کرتا ہے کہ روئے زمین پر کھڑا رہے اگر کسی چیز کو جو کہ زمین کے غالب اجزاء سے مرکب ہے اس میں پھینکیں تو اسے اپنی تہ میں بٹھالے اور خود اس چیز کے اوپر ہو جاتا ہے۔ پس کوئی ایسا لطیف جو ہر چاہیے جو کہ پانی کے اوپر گردش کرے اور اس کی تہ میں نہ بیٹھے اور اس قسم کا جو ہر لطیف دو عناصر میں منحصر ہے آگ اور ہوا۔ آگ طبعی طور پر جلانے والی ہے آدمی کو آگ پر سوار کرنا اسے فی الفور ہلاکت کے سپرد کرنا ہے اور ہوا اگرچہ طبعی طور پر آدمی کے موافق ہے اور اس کی بنیاد کو خراب نہیں کرتی لیکن اس میں پائی جانے والی لطافت کی وجہ

نے اس قابل نہیں ہے کہ اس پر آدمی کا ثقیل جسم سوار ہو اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس چیز کے مرکبات اختیار کریں جو کہ درمیان میں مسام اور سوراخ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر ہوا کا ظرف ہو اور کافی ہو اس میں رُکی رہتی ہے اور وہ لکڑی کا جسم ہے کہ ہوا اس کے مساموں اور سوراخوں میں ہمیشہ داخل ہوتی ہے اور اسے اٹھائے رکھتی ہے۔ بخلاف معدنیات اور حیوانات کے اور یہی وجہ ہے کہ لکڑی اور درختوں کے پتے اگرچہ کافی مقدار اور بڑے حجم میں ہوں پانی کی سطح پر رہتے ہیں اور اس کی تہ میں نہیں بیٹھتے۔

جبکہ معدنی جسم جیسے لوہا وغیرہ اور حیوانی جسم تھوڑا سا بھی اور تھوڑے جسم والا بھی پانی کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے اس لیے کہ وہ یعنی لکڑی ہوا کا ظرف ہے اور ہوا لطیف اور پانی کے اوپر رہنے اور ظرف کو اس مسئلہ میں مظروف کا حکم حاصل ہے جبکہ معدنی اور حیوانی اجسام حجم کی کثرت اور مساموں کے کثیف ہونے کی وجہ سے ہوا کا ظرف نہیں ہو سکتے ان کے زمینی اجزاء غالب ہوتے ہیں اور مٹی کا جو ہر ثقیل اور تہ نشین ہے۔

اور اس نباتی جسم سے ایک مختصر سا شہر بنائیں جس میں آدمیوں، حیوانوں اور چھ ماہ کی خوراک کی گنجائش ہو سکے اور اس شہر کو تہ بہ تہ بنائیں۔ ایک تہ میں درندے اور چار پایوں کو رکھیں اور دوسرے تہ میں آدمیوں اور جنوں کو اور اوپر کی تہ میں پرندوں کو رکھیں۔ سب جانوروں کو مسخر اور پابند کر دیا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان جانوروں سے ایک ایک جوڑا پکڑ لیں اور قدرت الہی نے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ کو اسی جوڑے پر ڈالا جس سے کہ قیامت تک اس کی نسل کی بقاء مقدر تھی پھر چلنے اور اڑنے والے درندوں کے درمیان اور موذی حشرات الارض کے درمیان اور دوسرے جانوروں میں جو عداوت اور تعدی ہے اسے ختم کر دیا گیا تاکہ چھ ماہ کی مدت تک ان کا ایک اکٹھے رہنا صورت پکڑ سکے اور جب زمان کی بارش کے پانی سے سر ڈھانپنے والی شے کے بغیر حفاظت ممکن نہ تھی آپ کے دل میں القاء فرمایا کہ اس جاری شہر کے لیے ایک سرپوش بھی لکڑی سے بنائیں کہ اس میں

سوار ہونے کے بعد اس کے اوپر سے سرپوش کو کھینچ لیں اور روشنی کے لیے اس میں اس طرح جھرو کے بھی رکھیں کہ ان میں بارش کا پانی نہ جائے اور اس جاری شہر کا نام سفینہ جہاز اور کشتی رکھا گیا۔

اور جب اس خود ساختہ وجود کو مدت دراز تک پانی کی سطح کو چیرتا اور اس کی موجوں کے صدمے برداشت کرنا درپیش تھا، حکم ہوا کہ اس کا سر مرغے کے سر کی طرح اس کا سینہ بطخ کے سینے کی طرح اور اس کی ذم کو تر کی ذم کی طرح بنائیں تاکہ موجوں کے صدمے کی وجہ سے اُلٹنے نہ پائے اور چونکہ طوفان آنے کا وقت واضح نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک علامت مقرر کر کے نشان دے دیا کہ جب بھی تمہارے گھر کے تنور سے پانی جوش مارنے لگے تو جان لینا کہ پانی کے عنصر کی طغیانی قریب پہنچ گئی اور عالم آب کی روح تمام عناصر پر اس درجہ غالب ہوئی کہ تنور کی آگ اس کے مقابلے میں کالعدم ہوگئی۔ چنانچہ اس علامت کے تحقق کے وقت

حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ہم نے تمہیں چلنے والی کشتی میں اٹھالیا جو کہ طوفان کے پانی میں بھی تھی اور غرق بھی نہیں ہوتی تھی۔ پس عذاب میں شریک ہونے کے باوجود ہم نے تمہیں اس وجہ سے محفوظ رکھا کہ تم ایمان والوں کی پشتوں میں تھے اور تمہاری کشتی عذاب کے مارے ہر جو کہ طوفان کا پانی تھا پوری آہستگی کے ساتھ چل نکلی جس طرح کہ ایمان والے قیامت کے دن پہل صراط پر جو کہ جہنم کی پشت پر ہوگی چلیں گے اور اس تدبیر کی تعلیم میں ہم نے تمہارے لیے ایک اور منفعت کا ارادہ فرمایا کہ

اہل بیت کے ساتھ توکل

لَنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذِكْرًا تاکہ ہم اس کشتی کو تمہارے لیے یادگار کر دیں اور جہاں بھی تمہیں غرق ہونے کا خطرہ ہو اور تم چاہو کہ پانی کی سطح کو عبور کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک منتقل ہو جاؤ تو نباتی اور لکڑی کے جسموں سے اسی قسم کا چلنے والا گھر بنا کر کام میں لاؤ اور عقلی غور و فکر سے کھوج لگاؤ کہ طبعی گناہوں کے بوجھ سے نہایت چم کہ پانی کی طرح غرق کرنے والے ہیں اور ہادیہ کی

گہرائی میں ڈال دیتے ہیں، بغیر اس کے ان لوگوں سے تو سل کیا جائے جنہوں نے اپنے آپ کو نہایت لطیف کا ظرف بنا دیا ہو جیسے لکڑی جس نے خود کو ہوائے لطیف کا ظرف کر دیا ہے، ممکن نہیں ہے۔ پس جس طرح بھی ممکن ہو اپنے آپ کو ان ظروفِ لطیفہ کے دل میں جگہ دینا چاہیے تاکہ اس لطیف کی برکت ہمارے بھی شامل حال ہو جو کہ ان ظروف کا مظروف ہے اور اس حکم سے کہ ہم ان ظروف کے مظروف ہیں اور وہ لطیف بھی ان ظروف کا مظروف ہے اس لطیف کے ساتھ ہم ظرف ہونے کا شرف حاصل کریں اور اپنے آپ کو گناہوں کے بوجھ سے چھڑالیں اور وہ ظروفِ لطیفہ ہر دور میں کیاب اور ان کا پایا جانا نادر ہوتا ہے ان کی طلب اور تفتیش میں لازمی طور پر لگ جانا چاہیے اور ان کی پیروی اور محبت میں دل و جان کے ساتھ کوشش کرنا چاہیے تاکہ ہم ان کے دلوں میں جگہ پیدا کر لیں اور اس اُمت کے لیے وہ ظروفِ لطیفہ اہل بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کی محبت اور ان کی پیروی اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اس شخص کے لیے جگہ پیدا ہو جائے اور چونکہ وہ دل حضرت باری جل اسمہ کے نورِ لطیف سے معمور اور بھرپور ہیں تو مشارکتِ ظرف اور مجاورتِ مکان کی وجہ سے اس دربارِ عالی سے کوئی مناسبت پیدا ہو جائے جو کہ طبعی گناہوں کو دور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے اور کیا ہی اچھا ہے جو کہا گیا بیت

بے چاری چیونٹی نے کعبہ پہنچنے کی خواہش کی اس نے کبوتر کے پاؤں میں ہاتھ ڈالا اور اچانک پہنچ گئی۔

اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مثل اہلِ بیتِ فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق یعنی میرے اہلِ بیت تم میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثل ہیں جو اس کشتی میں سوار ہوا، طوفان سے نجات پائے اور جو اس کشتی سے پیچھے رہ گیا، طوفان میں غرق ہو گیا۔

اور بارگاہِ اہلِ بیت کو ان مراتب اور فضیلت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے عملی کمالات کی صورت ہے جبکہ حضراتِ اہلِ بیت

کو بھی حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے کمال کی صورت بنا دیا تھا جو کہ طریقت سے عبارت ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے کمال عملی کا کسی شخص کی آپ کے ساتھ قوائے روحیہ عصمت، حفظ، فتوت اور سماعت میں مناسبت کے بغیر تصور نہیں ہے کہ کسی میں جلوہ گر ہو اور اس مناسبت کا ولادت اور اصل اور فرع ہونے کے تعلق کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ پس اس کمال کو اس کے سارے شعبوں سمیت کہ یہ مختلف ولایات کا معدن ہے اس مقام پر جاری فرما دیا گیا اور اسی پر نالہ سے ڈالا گیا اور یہی امامت کا معنی ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو اس کا وصی بنایا اور یہی اس بات کا راز ہے کہ یہ بزرگوار اولیائے امت کے تمام سلاسل کا مرجع قرار پائے اور جو شخص جبل اللہ کو پکڑتا ہے چاروں چار اس کی سند استفاضہ ان بزرگوں تک پہنچتی ہے اور وہ اس کشتی میں بیٹھتا ہے۔ بخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمال علمی کے جو کہ زیادہ تر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں جلوہ گر رہا اس لیے کہ اس کمال کے نقش ہونے کے لیے مدت دراز تک استاذ کے ساتھ شاگردی کی صحبت ان کی پسندیدگیوں کو سمجھنا اور ان سے مشکلات کے حل اور نامعلوم مسائل کو نکالنے میں آئین سیکھنا ضروری ہے۔

صحابہ کرام کا مقتدائے کائنات ہونے کا بیان

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کا ثبوت

اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بَابِهِمْ** **اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ** دریائے حقیقت علمی بازو اور عملی بازو کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو ان دونوں بازوؤں کو حاصل کرنا ضروری ہوا جس طرح دریا عبور کرنا کشتی کی سواری اور ستاروں کے حال کی رعایت تاکہ توجہ والی سمت کا دوسری سمت سے امتیاز ہو سکے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اسی لیے فرمایا ہے۔

وَتَعِيَهَا اور یاد رکھے اس کشتی کے واقعہ کو اور طوفان میں غرق ہونے سے نجات پانے کی کیفیت کو جو کہ اس تدبیر سے ایمان والوں کو حاصل ہوئی۔ **أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ** وہ کان جو

اس قسم کے امور کو یاد رکھنے والا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: سألت اللہ ان يجعلها اذنك. میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرا کان ہو۔ اور حضرت امیر المومنین کو اس شرف اور مرتبے کے ساتھ مخصوص کرنا اسی نکتہ کے لیے ہے کہ اہل بیت کے کشتی ہونے کا معنی حضرت امیر کے واسطے کے بغیر متصور نہ تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت جو کہ اس طریقے کی امامت کے قابل تھے اس وقت کم عمر تھے اور ان کی تربیت کو کسی اور کے حوالے کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کمال کے منافی تھا تو ناچار گناہوں کے ثقل سے نجات کے قواعد کا حضرت امیر المومنین پر القاء کرنا انہیں امام بنانا اور اپنے کمال عملی کو ان کی صورت میں متصور کرنا ضروری ہوا کہ آپ باپ ہونے کے حکم سے اس کمال کو تازہ بہ تازہ صاحب زادوں تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ قیام قیامت تک ان کے واسطے سے جاری رہے اور اسی لیے حضرت امیر المومنین کو یعسوب المومنین کا خطاب دیا گیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ جناب حضرت امیر المومنین نے اس وجہ سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوشِ رحمت میں پرورش پائی تھی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ دامادی کا تعلق بھی رکھتے تھے اور بچپن سے ہی ہر کام میں حضور کے رفیق اور ساتھی تھے بیٹے کا حکم پالیا تھا اور قریبی رشتے داری کی وجہ سے جو کہ آپ کو حاصل تھی روحانی قوتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو پوری مناسبت حاصل تھی۔ تو گویا حضرت امیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عملی کا سایہ اور صورت تھے جو کہ ولایت اور طریقت سے عبارت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کی وہ استعداد کئی گنا بڑھ گئی اور مرتبہ کمال کی انتہا کو پہنچ گئی جیسا کہ ہر طریقے اور ہر سلسلے کے اولیائے اللہ کے ظاہر و باطن میں اس کے آثار ظاہر ہیں۔ والحمد للہ

اور جب خاص و عام حواق جو کہ دنیا میں واقع ہوئے ہیں معلوم ہو گئے تو حاقہ اشرفی کا تصور آسان ہو گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حاقہ اخروی میں عموم اور شمول زیادہ

اور وافر ہوگا۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ تَوَجَّهَ فِيهَا كُلُّ غُفَّةٍ إِلَىٰ مَلِكٍ مَّا رُفِعَ فِيهَا مِنْهَا لِيُرَىٰ مَا كَانُوا عَمَلُوا لِيَوْمَ هُمْ كَانُوا فِيهَا سَوَاءً مِّنْ صَفْوَةٍ وَفَجْرَةٍ لِّمَن يَخَافُ الْعَذَابَ وَأَسْفَلًا لِّمَن يَكْفُرُ ۚ

طرح جو کہ حقیقت جبرئیلی کے آثار سے تھی اور یہ پھونک مارنا حقیقت اسرائیلی کے آثار سے ہوگا اور روح نکالنے کے لیے حقیقت عزرائیلی اس کی خادم ہوگی جیسا کہ شمود کی چیخ سے بھی اس فرقہ کی ارواح نکالنے کے لیے یہ اس کی خادم ہوئی تھی، دونوں آوازوں میں فرق یہ ہے کہ یہ نچے نہ ہوگا مگر

نَفْحَةٌ وَاحِدَةٌ ایسا پھونک مارنا کہ تنہا ایک شخص جہان کے تمام جان داروں کی ارواح کھینچنے میں کافی ہوگا۔ بخلاف صحیح شمود کے کہ صرف فرقہ شمود کی ارواح کھینچنے کے ساتھ خاص تھا اور بس تو اگر اس صحیح کو تمام ذوی الارواح کے لیے فرض کیا جاتا تو کئی متعدد صحاحات چاہیے تھیں اور اس نفع سے پہلے نچے مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اس لیے کہ کائنات کی خرابی اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے کی ابتدا وہی ہے۔

اور وہ جو بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے دوسرا نچے مراد ہے تاکہ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ كَمَا مَضَىٰ قَوْمُ لُوطٍ ۚ لَمَّا جَاءَهُمْ نَجْمٌ كَأَنَّهَا كَلْبٌ أَصْبَرُ ۖ كَانُوا فِيهَا سَوَاءً مِّنْ صَفْوَةٍ وَفَجْرَةٍ لِّمَن يَخَافُ الْعَذَابَ وَأَسْفَلًا لِّمَن يَكْفُرُ ۚ

ہے کہ پہلے نچے کی ابتدا سے لے کر لوگوں کے جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک ایک دن ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے نچے کے دن پیشی واقع ہوگی گرچہ فاصلے کے ساتھ ہوگی۔

اور صور بیل کے سینگ کی شکل پر ہے اور ضعیف روایات میں اس کی لمبائی ہزار سال کی راہ وارد ہوئی اور اس ایک سینگ میں سات گرہیں واقع ہیں اور ہر دو گرہ کے درمیان گنے کی پوریاں کی طرح ہیں اور ہر پوری میں بھڑوں کے چھتہ کی طرح سوراخ ہیں اور ہر سوراخ ارواح میں سے کسی روح کا ٹھکانہ ہوگا۔ پہلے پوری میں فرشتوں کی ارواح قرار پکڑیں گی، دوسری پوری میں ارواح انبیاء علیہم السلام، تیسری پوری میں صدیقیوں کی روہیں، چوتھی پوری میں شہیدوں کی روہیں، پانچویں پوری میں ایمان والوں کی روہیں، چھٹی پوری میں انسانوں اور جنوں کے کفار اور شیطان کی روہیں اور ساتویں پوری

میں باقی مخلوقات کی روہیں ہوں گی اور صور پھونکنے کی ڈیوٹی حضرت اسرافیل علیہ السلام کے لیے معین ہے۔ پہلے نچے میں فرمائیں گے اے ارواح! اپنے جسموں کو چھوڑ کر میری طرف آؤ جبکہ دوسرے نچے میں فرمائیں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اے منقطع رگو! اور اے منتشر گوشت کے ٹکڑو! جمع ہو جاؤ اور اے ارواح! سب کی اپنے جسموں میں داخل ہو جاؤ۔

اور بعض مفسرین نے روایت کی ہے کہ پہلے نچے میں تمام ارواح اپنے جسموں کو خالی کر دیں گی سوائے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت نذرائیل، حضرت اسرافیل اور حاملین عرش کے علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اپنی قدرت کے ہاتھ سے قبض فرمائے گا اور جو سب سے پہلے زندہ ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے تاکہ دوسرے نچے کی ڈیوٹی سرانجام دے سکیں۔ قصہ مختصر جہان کی خرابی پہلے نچے سے شروع ہوگی اور تمام عناصر کی روہیں کھینچ لی جائیں گی اور ہوا کی اس سخت آواز کی وجہ سے حرکت میں آئیں گے۔

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ اور زمین اور پہاڑ ہوا میں اٹھالیے جائیں گے، ہوا کی تحریک کی قوت زمین اور پہاڑوں کے اجزا کی سستی اور زلزلہ آنے کی وجہ سے جو کہ پہاڑوں کی میخوں کو کمزور کر دے گا اور یہ واقعہ عادی ہوا، اصحاب مدین کے زلزلے اور موافقات کے زیرِ زبر ہونے پر مشتمل ہوگا لیکن فرق یہ ہوگا کہ وہ حادثے خاص ایک قطعہ زمین اور ایک ملک کے تھے جبکہ یہ حادثہ تمام روئے زمین اور دنیا کے سارے پہاڑوں کو شامل ہوگا۔

فَدُكَّتَا پس زمین اور پہاڑ کو نے جائیں گے مختلف سمتوں کی حرکات کے بکرا نے کی وجہ سے تاکہ وہ ریزہ ریزہ ہوں اور ہموار ہو جائیں۔ دَكَّةٌ وَاحِدَةٌ یکساں کو ہٹنا کہ تمام روئے زمین اور پہاڑوں کو شامل ہو اور اس کو ٹٹنے میں کوئی فرق، اختلاف اور امتیاز نہ

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ تو اس دن واقعہ حاقہ واقع ہو جائے گا جس کا کائنات کو

مٹانے اور فنا کرنے کے لیے وعدہ ہو چکا ہے اور اس واقعہ کا اثر جس طرح عالم سفلی کو عام اور شامل ہوگا اسی طرح عالم بالا کو بھی عام اور شامل ہوگا۔

وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ اور آسمان پھٹ جائے گا اس لیے آسمان کی پیدائش عالم سفلی کے بننے اور بگڑنے کے لیے ہے اور جب عالم سفلی نہ رہا تو آسمان کو باقی رکھنے میں بھی کوئی حکمت باقی نہ رہی، ناچار اسے بھی فنا کر دیا گیا اور وہ آسمان کی قوت اور اس کا خرق و التیام کو قبول نہ کرنا جو کہ صدیوں سے مشاہدے میں ہے اور محسوس ہوتا ہے پھٹنے کو روکنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ یہ سب کچھ اسے ارواح کے ساتھ متعلق ہونے اور ان کی محافظت کی وجہ سے تھا جب ارواح نے قبض ہو کر آسمان کے جسم کو خالی کر دیا تو اس کی بنیاد کا کوئی محافظ نہ رہا۔

فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَاهِیَةٌ پس وہ آسمان اس دن نہایت ست اور کمزور ہو جائے گا جیسا کہ روح جدا ہوتے کے بعد مردے کا بدن۔ وَالْمَلٰٓئِکَةُ اور فرشتے جو کہ آسمان کو گردش دیتے تھے اور وہ گردش اسے پھٹنے اور چرنے سے روکتی تھی اس لیے کہ پھٹنا اور چرنا اس کے بعض کی سیدھی حرکت پر موقوف ہے اس دن آسمان کو حرکت دینے سے دست بردار ہو کر بھاگ کر

عَلٰی اَرْجَائِهَا آسمان کے کناروں اور طرفوں پر چلے جائیں گے اور جب آسمان کی گردش جو کہ پھٹنے سے روکنے والی تھی، منقطع ہو گئی تو اس کے اجزاء پر سیدھی حرکت وارد کرنے میں نغہ کی تاثیر واجب ہو گئی کیونکہ رکاوٹ نہ ہونے کے وقت موثر کا پایا جانا معلول کے وجود کو واجب کرتا ہے اور جس طرح اس نغہ کا اور واقعہ کا اثر زمین اور آسمان پر پہنچے گا اور عالم سفلی اور عالم بالا بدل جائیں گے اسی طرح عرشِ اعظم کو جو کہ تمام علوی اور سفلی اجسام کو محیط ہے، بھی ایک تغیر اور انقلاب پہنچے گا لیکن عالم علوی اور عالم سفلی کے تغیر و انقلاب کا انجام خفت، ہلکے پن، سستی اور کمزوری تک پہنچے گا جبکہ عرشِ مجید کا تغیر و انقلاب ثقل اور گرانی لائے گا۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ اور تیرے پروردگار کے عرش کو اٹھائیں گے۔ فَوْقَهُمْ

اپنے سر اور کندھے پر نہ کہ اپنے ہاتھوں پر اس لیے کہ ہاتھوں پر اٹھانے میں بوجھ برداشت کرنا نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور جس چیز کو ایک آدمی سر پر اٹھا سکتا ہے اسے دو آدمی ہاتھوں پر نہیں اٹھا سکتے اور اس دن عرش مجید کا وزن اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اپنے پہلے وزن سے کئی گنا ہوگا اس لیے کہ اسے اپنے سروں پر اٹھائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ ثَمِينَةٌ اِس دن آٹھ عظیم فرشتے جبکہ دنیا میں چار اٹھاتے تھے اور اس دن عرش مجید کا وزن کئی گنا بڑھ جانے کی وجہ یہ ہوگی کہ عرش مجید حضرت حق تعالیٰ کی بادشاہی کی صورت ہے اور دنیا کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی چار صفات کے ساتھ ہے کہ اس کی موجودات کے ذروں میں سے ہر ذرے میں چاروں صفات نے ظہور فرمایا اور سب کو محیط ہیں۔ پہلی صفت علم، دوسری صفت قدرت، تیسری صفت ارادہ اور چوتھی صفت حکمت اور عالم آخرت میں ان چار صفات کے ساتھ چار دوسری صفات بھی درکار ہوں گی تاکہ عالم آخرت جہان دنیا سے جدا اور ممتاز ہو۔ پہلی صفت نری حقیقت کا ظہور و انکشاف کہ اس عالم میں جو کچھ ہے ہر کسی پر ظاہر و باہر ہوگا اور کسی وجہ سے وہاں شبہ دھوکا اور دغا نہیں رہے گا یہاں تک کہ کفار اور جاہل لوگ بھی مخفی اور چھپی ہوئی حقیقتوں کو پالیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ وَاَسْمِعُ بِهِمْ وَاَبْصُرُ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ، وَغَيْرَ ذَالِكَ اور اس جہان میں خطا اور صواب کا نام نہیں رہے گا۔

دوسری صفت عام کامل اور پورا ہونا کہ اس جہان کی ہر شے نقصان اور آفت سے محفوظ ہوگی حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں کے اجسام بھی غذا اور دوا کے محتاج نہیں ہوں گے اور ان کا احساس اور تمام قوتیں جیسے تخیل، توہم، ادراک اور تحریک دینے والی قوتیں پیدائش کے تقاضے کے مطابق ٹھیک کمال کی بلندی پر ہوں گی۔ چنانچہ فرمایا ہے وَإِنَّ السَّادَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اور خلود دوام ابدیت اور لامتناہی بقاء اسی صفت کے آثار سے ہیں۔

تیسری صفت قدس و طہارت کہ پیدائش کی صفائی کے مطابق کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہوں گے حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں میں بھی بول و براز اور دوسری

ناپاک چیزیں اور نجس فضلے نہیں رہیں گے اور قبح، ضدید، غسلسین اور بدکار عورتوں اور مردوں کے مقامات شرم کی بدبو ان پر عذاب کے طور پر مسلط کی جائے گی، تعفن اور نجاست کے طور پر نہیں۔

چوتھی صفت عدل اور ہر چیز کا حق اس کے ساتھ باقی رکھنا کہ دنیا میں اس کا تصور ہرگز نہیں ہے اور اس جہان میں کسی وجہ سے بھی ظلم و ستم درمیان میں نہیں آئے گا اور چونکہ یہ چاروں صفات بھی شمول اور عموم کے طریقے سے اس جہان میں درکار ہوئیں، عرش معنوی جو کہ بادشاہی سے عبارت ہے، کا وزن بھی بڑھ گیا اور صورت کے معنی کے مطابق ہونے کی جہت سے عرش صوری بھی ثقیل اور وزنی ہو گیا اور چار ملائکہ جو کہ پہلے ان چار اسماء کے مظاہر ہو کر عرش اٹھاتے تھے اس بڑھنے والے وزن کو برداشت کرنے سے عاجز ہو گئے، ناچار ان کی امداد چار دوسرے فرشتوں کے ساتھ ضروری ہوئی جو کہ ان چار اسماء کے مظاہر ہوں۔

اور بعض باریک بینیوں نے یوں کہا ہے کہ عرش اعظم فَلْكَ الْاَفْلَاكِ سے عبارت ہے اور اس کی قسری تحریکوں کو دنیا میں آٹھ دوسرے افلاک جو کہ اس کے نیچے اٹھاتے ہیں اور عرش کی روح اور اس کے خیال کی تاثیر کے ساتھ ان آٹھ آسمانوں کے ستاروں کی مختلف حرکتیں رونما ہوتی ہیں اور اس کے مطابق اس عالم سفلی میں کائنات اور فاسدات ظاہر ہوتے ہیں اور تدبیر الہی جلوہ گر ہوتی ہے اور اس دن کہ یہ آٹھوں آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور وہ فرشتے جو کہ ان آٹھ آسمانوں کے امور کی تدبیر پر مامور تھے بھاگ کر کناروں اور طرفوں میں چلے جائیں تو عرش سے نیچے جگہ خالی ہو جائے گی اور تدبیرات عرش کے فیض دینے کا مقام اور اس طرف سے فائض ہونے والے اسباب کا تحمل درمیان میں نہ رہے، ناچار آٹھ دوسرے گروہوں کو اس کام کے لیے عرش کے نیچے جگہ دیں گے اور وہ ان منصبوں کو اٹھانے والے ہوں گے اور جس طرح عرش صوری دنیا میں ان آٹھ آسمانوں پر اعتماد کرنے والا تھا اس روز ان آٹھ گروہوں پر اعتماد کرے گا اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ اب

فرماتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ آٹھ اشخاص ہیں یا آٹھ ہزار یا آٹھ صفیں ہیں یا آٹھ ہزار صفیں اور امام ضحاک سے وہ آٹھ صفیں ہیں ان کی گنتی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ آج چار ہیں تو جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ چار دوسروں کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا اور ایک اور روایت میں ہے کہ حاملین عرش کے پاؤں ساتویں زمین کے نیچے ہیں اور عرش ان کے سروں کے اوپر ہے۔

حاملین عرش کی تسبیح کا ذکر

اور وہ سرنگوں ہو کر تسبیح میں مشغول ہیں قیامت کے دن ان میں سے چار یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانک اللہم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدر تک جبکہ چار دوسرے یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانک اللہم وبحمدک لک الحمد علی حبلک بعد علمک۔

حاملین عرش کی شکل کا بیان

اور وہ جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حاملین عرش پہاڑی بکری کی صورت میں ہیں کہ ان کے سم سے لے کر سر تک ایک لاکھ سال کی راہ ہے تو یہ ان کے جسموں کے بڑا ہونے کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ پہاڑی بکری کی شکل بوجھ اٹھانے کے مناسب ہے۔ بعید نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں یہی شکل دی ہو اور وہ جو بعض دوسری روایت میں وارد ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کی شکل میں ہے دوسرا بتل کی شکل میں تیسرا شیر کی شکل میں اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے تو اس روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان چاروں میں سے ہر ایک کا بدن پہاڑی بکری کی صورت میں ہو اور ان کے چہروں میں ان صورتوں کا فرق رکھا گیا ہوتا کہ ان کے حقائق کے جدا جدا ہونے کا جملانا مراد ہو کیونکہ مختلف اسماء کے مظاہر ہیں جیسے پانی کے حیوانات کہ باوجودیکہ بدن میں یکساں ہوتے ہیں لیکن ان کے چہروں میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے بعض گھوڑے کی شکل

میں 'بعض پانی کے کتے کی شکل میں وَغَيْرُ ذَٰلِكَ

اور فضائل و کمالات والے برادر شیخ محمد رفیع الدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں یوں لکھا ہے کہ عرش اٹھانے والے ایک گروہ ہوں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے چار کمالات کے حامل ہوں گے یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی پہلا فرشتہ جو کہ کمال ابداع کا حامل ہے اسم قیوم سے متحقق ہے اور ظاہری اور مثالی صورت، زمانوں، مکانوں، جہتوں اور حرکتوں پر موکل ہے اور اسے استعدادات کا علم اور ان کی خبر ہے اور خبروں کی تقسیم، مقادیر اور جہات کی تجدید اور اوقات اور جو چیز اس سے ملتی ہیں اس کے سپرد ہیں اور دوسرا فرشتہ جو کہ کمال خلق کا حامل ہے اسم مصور سے متحقق ہے اور فلکی و عنصری بساط و مرکبات کے نفوس اور صورتوں کے سپرد ہیں اور صورتوں کے خواص کو باقی رکھنے، شرح اور اس کے آثار کا فیض دینے، صورتوں اور ان کی قوتوں کی تشخیص اور ہر ایک کے رفیق اور اس سے جو کچھ متعلق ہے، کا علم اسی کو ہے اور تیسرا فرشتہ جو کہ کمال تدبیر کا حامل ہے اسم عدل کے ساتھ متحقق ہے اور وہ صورتوں کے ہجوم اور آثار کے باہم ایک دوسرے میں داخل ہونے کے وقت خیز مطلق کے ساتھ نظام کے مشابہ ہونے پر موکل ہے اور مختلف اشیاء میں ترجیح، اسباب کے قبض و بسط اور عنایات کے ساتھ ان کے موازنہ اور اس کے مناسبات کا علم اسی کو ہے اور چوتھا فرشتہ جو کہ کمال تدلی کا حامل ہے اسم قدوس کے ساتھ متحقق ہے اور تجلیات اور شعائر الہیہ کا موکل ہے اور مختلف اقسام کی تجلیات کے مظاہر شریعتوں کو مقرر کرنے، عتائد و اعمال کے موازنہ، اہل اللہ کے درجات، حق و باطل ادیان اور ان کے ظاہری مماثلات کا علم اسی کو ہے۔

وہ جو حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہوا کہ مجھے اذن دیا گیا کہ میں تمہارے لیے حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک کا حال بیان کروں اور اس کی خلقت کی عظمت کے ذکر کے بعد فرمایا اس کی تسبیح یہ کلمہ ہے سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ اس عظیم القدر فرشتے کی طرف اشارہ ہے اس رمز کی شرح یہ ہے کہ اس فرشتے کی حقیقت کمالات الہیہ ایک خاصی جہت ہے کہ جہاں بھی مظاہر جمال میں کسی صفت کا ظہور ہوتا

ہے اس لباس میں حقیقی جہت کا منشا اور اس ظہور کا حامل بھی فرشتہ ہوتا ہے۔ گویا جہاں بھی تجلی ہوگی، نہیں ہوتی مگر اس فرشتے کے دل پر اور یہی وہ فرشتہ ہے جو کہ تجلی کی صورت کے ہم شکل ہوتا ہے اور وہ وہی ہے جو کہ اِنْسِی اِنَّا اللّٰهُ کے کلمہ کی زبان بنتا ہے اور ذاتِ حق کا شیشہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی فرشتہ تھا جو کہ آگ کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ظاہر ہوا اور ان یورک من فی النار کا مصداق ہوا اور بارگاہِ خداوندی سے اِنْسِی اِنَّا اللّٰهُ کا کلمہ بے کیف کلام کے ساتھ اسی فرشتے کے سینے میں سرزد ہوتا ہے اور آگ کے شیشے میں سنا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

قصہ مختصر یہ چار فرشتے اصل میں تکوین کے عرش کے حامل ہیں اور ان کی طرف تشریح کے فیض کی نسبت تشریح کے تکوین میں درج ہونے کی حیثیت سے ہے اور چونکہ اس جہان دنیا کے نظام کا جاری ہونا فیض تکوین کے مطابق ہے اور اس جہان میں فیض تشریح تبعی اور ضمنی ہے اور کما حقہ حق کی باطل سے تمیز شک کے پردے میں ہے یا چار وزن برداشت کرنا انہیں چار فرشتوں کا کام ہے یہاں تک کہ مَسْفَرُغُ لَكُمْ اِيَّهَا الثَّقَلَانِ کے تقاضے کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت روضہ تشریح کی تعمیر میں مصروف ہو اور ہر نفس کا نَجْوَانِ الدَّارِ الْاٰخِرَةِ لِيَهِيَ الْحَيَوَانِ کی زمین میں جو کہ کمال اور حقوق پورے کرنے کا مقام ہے ڈال دے اور ہر نفس کی فطری اور کسی صلاحیتیں ظاہر ہوں اور ہر ایک ایک جہان کا حکم پیدا کرے اور ان ہزار ہا صورتوں اور اچھے بُرے اعمال کا منبع ہو جائے اور فیض تشریح کے خدام فیض مطلق کا عرش اٹھانے میں شریک ہوں۔

پہلے ایک فرشتہ ہوگا جو کہ پہلے فرشتے کا رفیق ہے اور نفوس بشری و جنی کی صلاحیتوں ان میں مندرج باریکیوں ان کے کمالات کے درجات اور ان میں چھپائی ہوئی قوتوں کا علم اسی کو ہے اور دوسرا وہ فرشتہ ہے جو کہ دوسرے فرشتے کا رفیق ہے اور حقائق اعمال ان کے قسم قسم کی صورتوں کے ساتھ مثالِ راسخ کے شیشے میں ظہور کی کیفیت ان اعمال کی جہتوں اطاعت اور نافرمانی کی شرح کیونکہ ہر ایک علیحدہ حقیقت شرعیہ ہے۔ سعادت و شقاوت کے ترازو احوال و اقوال و اعمال کی جزاؤں اور اعتقادات اور صلاحیتوں کی

صورتوں کا علم اسی کو ہے۔

اور تیسرا فرشتہ تیسرے فرشتے کا رفیق ہے اور لوگوں کی ضروریات، معاملات، حقوق العباد، جھگڑوں کے فیصوں، کفارات و سنیات کی وجوہات، ایک دوسرے کے ساتھ دلوں کے رنگوں کے محو و اثبات، نجات و ہلاکت پانے والوں کے درجات کی تشخیص اور مصلحتوں، خرابیوں اور عذروں کے ضابطوں کا علم اسی کو ہے اور چوتھا ایک فرشتہ ہے جو کہ چوتھے فرشتے کا رفیق ہے اور احوال و مشاہدات کے نتائج، رؤیت باری تعالیٰ کے اہل لوگوں کے درجات، اسمائے الہیہ کے ساتھ احوال کا رابطہ جو کہ ان کے مبادی ہیں، ہر اسم کے اپنے ہم شکل میں قوت اور ضعف کے طریقے سے ظہور کے اندازے، منازلِ حجت کی تجدید، انکشاف ذات جہان والوں کے اخلاص اس جہان کے مابعد کے تخلق اور تحقق اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، کا علم اسی کو ہے۔ رفیع الدین صاحب کی کلام ختم ہوئی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب تک کہ عرش اپنی جگہ ثابت ہے، اسے چار عظیم القدر اٹھا سکتے ہیں اور جب اپنی جگہ سے حرکت کرے اور منتقل ہو تو چار دوسرے فرشتوں کی ضرورت ہوگی اس لیے کہ بڑی مقدار والی چیزوں کو منتقل کرنے اور بدلنے میں بہت قوت چاہیے، بخلاف اس کے کہ اپنی جگہ پر قائم ہوں اور جو کچھ روایات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ ان کے عرف اور جو کچھ ان کے ذہنوں میں راسخ ہے، کے مطابق دنیا و آخرت میں معاملہ فرماتا ہے۔ مثلاً باوجودیکہ مکان سے منزہ ہے اس نے دنیا میں اپنے لیے ایک مکان مقرر فرمایا تاکہ بندے اسے دیکھیں اور صاحب خانہ کی تعظیم کا حق بجلائیں اور اس عظیم گھر کو دیکھے بغیر ممکن نہ تھا ان کی باطنی تعظیم ان کے ظاہر پر ظہور کرے اور اس گھر میں ایک سیاہ پتھر کو اپنا دایاں ہاتھ قرار دیا کیونکہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ ملاقات کی ابتدا میں اپنے سرداروں کی دست بوسی اور مصافحہ کرتے ہیں اور حفاظت اور بندوں کے اعمال لکھنے کے لیے فرشتوں کو اخبار نویس اور ڈائری رپورٹر بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس لکھنے کا محتاج نہیں ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے اور نہ اسے بھولنے کا خطرہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تمام

اور شریعہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو معقول کی محسوس کے تشبیہ کی رعایت اور اعتبار کیا گیا ہے۔

اسی طرح آخرت میں بنی آدم کے ذہنوں میں راسخ شدہ عرف کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا اور بادشاہوں کی شان یہی ہے کہ جب وہ عدالت اور انتقام پر آتے ہیں پہلے پردے اور حجاب دور کرتے ہیں اور رعایا کو نثارے، توپ اور منادی کی آواز کے ساتھ آگاہ کرتے اور بلاتے ہیں پھر خود ایک تخت پر بیٹھ کر دربار لگاتے ہیں اور ہر دفتر کے پیش کار حاضر ہو جاتے ہیں اور فوج، نوکر چاکر اور پیارے اردگرد صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ لڑائی میں حکم کے وقت حاضر ہوں اور انعام کا کمرہ اور سزا کا مکان دونوں گرم ہوتے ہیں اسی خطرناک صورت کو آیات قرآنی اور احادیث شریفہ میں مختلف قسم کی تقریروں سے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

پس اس گھر میں عرش سے مراد وہ عرشِ عظیم ہے جو کہ تمام اجسام کو محیط ہے اور اس دن اسے اپنے مکان سے منتقل سمجھا جائے گا بلکہ ایک اور عرش ہے کہ عدالتِ الہی کی تجلی اس جسمِ عظیم پر اس قدر مستوی ہو کر عرصہ قیامت میں ظہور فرمائے گی جیسا کہ سورہ زمر میں ایک دیگر آیت میں مذکور ہے وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَجِيئَ بِالنَّبِيِّنَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ یہاں تک کہ فرمایا ہے وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَاقِّقِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ .

لیکن یہاں جاننا چاہیے کہ یہ معقول کی محسوس کے ساتھ تشبیہ جو کہ شرائع میں وارد ہے صرف تصور قائم کرانا یا خیال دلانا نہیں ہے کہ عوام کو رغبت دلانے اور ڈرانے کے لیے اسے کام میں لایا جائے بغیر اس کے کہ اس کی کوئی حقیقت ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلسفی مزاج لوگ سمجھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں بلکہ یہ تشبیہ مجاز کے بغیر حقیقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ظہور، تجلی، دنو اور تدلی کی صفت ثابت ہے اس کے باوجود کہ تنزیہ اعلیٰ کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے کہ وہ ہر رنگ میں اپنا جلوہ دے اور ظہور

فرمائے جیسا کہ طور کی آگ کے واقعہ اور لن ترانی کے قصے میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس ان مقامات میں جو کہ بندوں کا مرجع ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات متجلی ہے اور اس کے احکام جاری اور نافذ ہیں اور اہل شرع اور اہل فلسفہ کے عقیدے میں فرق تجلیات کے اثبات میں ہے اور بس۔ بلکہ اگر پورے طور پر غور و فکر سے کام لیا جائے اور اخبارِ شرعیہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو تشبیہ اور تزیہ دونوں عقیدے موافقت پیدا کرتے ہیں۔ تشبیہ تجلیات اور ظہورات میں ہے جبکہ تزیہ حقیقت اور ذات میں۔

قصہ مختصر آسمانی حجابات اٹھانے اور عرش کے ظہور کو بیان کرنے کے بعد فرمایا جا رہا ہے۔ **يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ** اس دن حاضر کیے جاؤ گے اپنے پروردگار کے حضور اور لوح محفوظ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے جو کہ حاطین عرش کے نزدیک ہے اور اس کے مطابق کرانا کاتبین کے نسخے بھی اس مقام پر حاضر کیے جائیں گے۔ **لَا تَخْفَىٰ** پوشیدہ نہیں رہے گا اگلوں پچھلوں میں سے کسی پر کسی کے احوال سے **مِنْكُمْ** تم سے **خِافِيَةً** کوئی پوشیدہ حال۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ پیشی تین بار ہوگی پہلی بار کفار اور گناہ گار اپنے بُرے اعمال کا انکار کر دیں گے اور دوسری بار میں کہ ان کے اعمال پر دن رات آسمان زمین کھال اور اعضاء کے گواہ گزریں گے عذروں اور بہانوں کا سہارا لیں گے اور تیسری بار میں کہ عذر بھی باطل کر دیئے جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ اعمال نامہ کو اڑائیں، بعض کو دائیں ہاتھ میں سامنے سے دیں گے اور بعض کو بائیں ہاتھ میں کچھلی سمت سے اور اس طریقے پر اعمال نامے دینے کے ساتھ ہی لوگ اپنا انجام جان لیں گے اس سے پہلے کہ اس نامہ اعمال کو پڑھیں۔

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ تو جسے اس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ سمجھ جائے گا سیدھا ہاتھ میری قوی سمت تھی مجھے جو یہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا خواہش نفس حرص اور غضب پر میری قوت اور غلبہ ثابت ہو گیا۔

فَيَقُولُ پس وہ فرشتوں سے کہے گا کہ هَاؤُمْ اَقْرَأْ وَا كَتَبِيْهٖ پکڑو اور میری کتاب کو پڑھو کیونکہ اس کتاب میں سب میری خوش حالی ہے جو چیز مجھے پریشان کرے اس کتاب میں قطعاً نہیں ہوگی اس لیے کہ میں نے دنیا میں حق کی سمت کو قوی کیا تھا اور باطل کی سمت کو ضعیف کیا تھا۔

اِنِّيْ ظَنَنْتُ تحقیق میں دنیا میں ظن غالب کے طریقے سے جانتا تھا کہ اِنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَّةٍ کہ میں اپنے آخرت میں اپنا حساب پاؤں گا اور اسی بناء پر دنیا میں ہمیشہ اپنے نفس کے محابے میں مشغول رہتا اس سے پہلے کہ اس حساب میں گرفتار ہو جاؤں اور جو کتابیہ اور حسابیہ میں ہے وہ سکتے کی ہا ہے، ضمیر نہیں ہے کہ لغت عرب میں وقف کے لیے بڑھادیتے ہیں۔

فَهُوَ پس وہ آزمائش کے عام اور تکلیف اور دکھ کے وسیع ہونے کے باوجود فِئِيْ عَيْشِيَّةٍ رَاضِيَةً پسندیدہ زندگی میں ہوگا اس لیے کہ اسے کوئی غم اور پریشانی نہ ہوگی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والوں کی طرح جو کہ عین طوفان کے دوران دلی اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اسے صرف اس بے غمی پر ہی کفایت نہیں کریں گے بلکہ وہ داخل ہوگا۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ اس جنت میں جو بہت عالی قدر ہے، مکانات، فرشوں، سونے اور چاندی کے برتنوں، جاری نہروں، جوش مارتے ہوئے فواروں، میوہ دار درختوں اور چمکتے ہوئے سبزوں کے اعتبار سے اور اس کے باوجود اس جنت میں ایک اور صفت بھی ہے کہ دنیوی باغات میں اس صفت کی توقع ہرگز نہیں ہے اور یہ ہے

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اس جنت کے چنے ہوئے میوے نزدیک ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور پہلو پر لیٹے ہوئے بھی، انہیں کھایا جاسکتا ہے۔ یہی کہ جنتی نے اس میوے کی طرف اشارہ کیا اس میوے کے درخت کی شاخ اس کے منہ کے ساتھ پہنچ جائے گی اور یہ سب کچھ وہاں کے درختوں کی حیات کی قوت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے شعور و ادراک حاصل کر لیا ہے اور اس سے پہلے کہ جنتیوں کو اس جنت میں داخل کریں، انہیں حکم ہوگا

كُلُوا وَاشْرَبُوا كَمَا وَاور پو جنت كے میووں اور مشروبات سے۔ هِنَا تَمَّ پر خوشگوار ہوگا اور ہیضہ بد ہضمی اور بیماریاں پیدا ہونے کا سبب نہیں ہوگا۔

بِمَا اسَلَفْتُمْ اس کے عوض جو کہ تم نے اس سے پہلے دنیا میں کیا ہے۔ عبادات کی مشقتوں، حرام خواہشات سے صبر اور راہِ حق کی طلب میں تکلیف اٹھانے سے۔ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزرے ہوئے دنوں میں یا ان دنوں میں جو کہ کھانے اور پینے سے خالی تھے اور وہ ماہ مبارک رمضان کے روزوں کے دن ہیں اور دوسرے مسنون روزوں کے ایام جیسے ایام بیض، ذوالحجہ کا یومِ عرفہ، روزِ عاشوراء، پیر کا دن، جمعرات کا دن اور شپ برأت کا دن وغیرہ۔

فضیلت روزہ کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنت کے دروازوں سے ایک کا نام ریان ہے جو اس دروازے سے داخل ہوگا، ہرگز پیاسا نہیں ہوگا اور وہ دروازہ روزہ داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ندا فرمائے گا اے میرے دوستو! دنیا میں بہت دفعہ ایسا تھا کہ میں تمہیں پیاس کی وجہ سے خشک لب دیکھتا تھا اور بھوک کی وجہ سے تمہارے پیٹ پشت کے ساتھ لگے ہوئے اور آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے گڑھے میں گری ہوئی، آج میری ہمیشہ کی نعمت میں آؤ اور جنت کا خوشگوار مشروب پو اور کشاف میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر اس دستاویز کے ساتھ جو کہ دربار رب العالمین سے لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیں گے اور اس دستاویز کی صورت یہ ہوگی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ اللّٰهِ تَعَالٰی لِفُلَانِ بْنِ فُلَانٍ اَدْخَلُوْهُ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَہِ قُطُوْفُہَا دَابِیۡۃٌ۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهُ بِشَمَالِہِ اور جسے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

پس وہ سمجھ جائے گا کہ میرا بایاں ہاتھ میری کمزور طرف تھی، مجھے جو میرا نامہ اعمال اس ہاتھ میں دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ میرے عمل کمزور ہیں، عذاب سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے، چہ جائیکہ جنت کے درجات تک پہنچائیں۔ پس وہ واویلا کرے گا۔

فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَةَ يَسْ كَبِهَ كَاشِ مَجْهٍ مِيرَانَمَةُ اَعْمَالِ نَهْ دِيَا
جَاتَا كِيُونَكِهْ دَائِيں بَائِيں سَهْ مَجْهٍ لُوگِ اِسْ كِتَابِ كُو پڑھنِي كِي زَحْمَتِ دِيں گَهْ اُور اِسْ كِهْ
پڑھنِي مِيں مِيرِي رِسْوَائِي هُوگِي۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَةَ اُور اِهْ كَاشِ مِيں نَهْ جَانَتَا كِهْ مِيرَا حِسَابِ كِيَا هِي اِسْ لِيَهْ كِهْ
جُو حِسَابِ وِبَالِ اُور مَوَاخِذِهْ تَكْ لَهْ جَائِي اِسْ كَا نَهْ جَانِنَا جَانِنِي سَهْ بَهْتَرِي هِي۔ نِيَز حِسَابِ
جَانِنِي كِي صُورَتِ مِيں مَجْهٍ مِيرِي سَارِي اَعْمَالِ يَادِ آئِيں گَهْ اُور اِنِهِيں يَادِ كَرْنِي كِي وَجْهْ
سَهْ مِيں عَذَابِ حَسِي سَهْ پَهْلِي عَذَابِ رُوْحَانِي چَكْھُوں گَا اُور اِگْرَا سَهْ كُوئِي كِهْ گَا كِهْ تُو يِهْ بِي
جَا آ رِزُو كِيُونِ كَرْتَا هِي؟ كِهْ مَجْهٍ نَامَةُ اَعْمَالِ نَهْ دِيَتِي اُور اِنِهِيں اَعْمَالِ كِهْ حِسَابِ پَر مَجْهٍ
اِطْلَاعِ نَهْ هُوْتِي اِسْ لِيَهْ كِهْ اِسْ مِيْدَانِ قِيَامَتِ مِيں جُو بَهِي حَاضِرِ هُوَا هِي اِسَهْ نَامَةُ اَعْمَالِ
پَانَا اُور اَعْمَالِ كِهْ حِسَابِ پَر مَطْلَعِ هُونَا ضَرُورِي هِي۔ وَهْ بَدِ بَخْتِ اِسْ كِهْ جَوَابِ مِيں اِيكِ اُور
آ رِزُو كَرِي گَا۔

يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اِهْ كَاشِ يِهْ قِيَامَتِ مَجْهٍ پَر كَامِ تَمَامِ كَر دِيَتِي اُور مَجْهٍ مَارِ
دِيَتِي تَا كِهْ مِيں اِسْ رِسْوَائِي اُور اِسْ عَذَابِ سَهْ چَهْئَكَارَا پَانَا اُور اِگْر فَرِشْتِي اِسَهْ كِهِيں گَهْ كِهْ تُو
نَهْ اِنِ بُرِي اَعْمَالِ كِهْ كَفَارِي كِهْ لِيَهْ رَاهِ خُدَا مِيں صَدَقَاتِ اُور خَيْرَاتِ كِيُونِ نَهْ دِيَتِي
كِيُونَكِهْ صَدَقَهْ خَطَا كُو اِسْ طَرَحِ خَتْمِ كَر دِيَتَا هِي جِسْ طَرَحِ آگِ كُو پَانِي بَجْهَادِ دِيَتَا هِي وَهْ بَدِ بَخْتِ
جَوَابِ مِيں كِهِي گَا۔

مَا اَغْنِي عَنِّي مَالِيَةَ مِيرَا مَالِ مِيرِي كَامِ نَهْ آيَا اِسْ لِيَهْ كِهْ مِيں نَهْ اِسْ مَالِ كُو اِيَسِي
جُكْھُوں پَر صَرَفِ كِيَا جُو بَالِكُلِ بِي جَاتَا اُور اَبِ مِيرِي هَاتْھِ كَجْھِ هِي نِهِيں جُو گَنَا هُوں كِهْ
عَوْضِ دِي دُوں اُور چَهْئَكَارَا حَاصِلِ كَرُوں اِسْ لِيَهْ كِهْ

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَةَ مَجْهٍ سَهْ مِيرِي سُلْطَنَتِ هَلَاكِ هُوگِي كِهْ اِنِي وَسْعَتِ كِهْ
مَطَابِقِ مِيں اِيكِ سُلْطَنَتِ رَكْھَتَا تَهَا اِيكِ گُھَرِ پَر يَا اِيكِ بَسْتِي پَر يَا اِيكِ شَهْرِ پَر يَا اِيكِ مَلِكِ پَر اُور
كَمِ اَزْ كَمِ مِيں اِنِهِيں مَالِ غَلَامُوں كِنِيروں اُور هَاتْھِ پَاؤں پَر مَسْلُطِ تَهَا مِيں جُو چَاهَتَا تَهَا اِنِهِيں
حَكْمِ دِيَتَا تَهَا اُور وَهْ بَجَالَاتِي تَهِي اَبِ كُوئِي بَهِي اُور كَجْھِ بَهِي مِيرِي قَبْضِي مِيں نِهِيں هِي اُور جَبِ

اسے کوئی معقول جواب میسر نہ ہوگا سوائے حسرتِ ندامت اور باطل آرزوؤں کے حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا۔

خُذُوهُ پکڑو اسے قبر اور سختی کے ساتھ فَغْلُوهُ پس اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کا طوق کر دو اس لیے کہ اس نے فراخ دستی کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور ہمارے پسندیدہ کاموں میں اس نے ہاتھ نہ کھولا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ سنتے ہی ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں گے پھر حکم ہوگا۔

ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلَّوْهُ پھر اسے جلانے والی آگ میں لاؤ اس لیے کہ اس نے حرام لذتوں اور نعمتوں میں سے کسی چیز کو بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک نہ کیا تھا اس کے عوض اسے آزمائش کے ساتھ جلاؤ اور اسے جہنم کی آگ میں لانے سے پہلے اس کے ہاتھ اس لیے باندھے گئے تاکہ جہنم میں لاتے وقت ہاتھ نہ مارے اور حرکت اور بے قراری نہ کرے تاکہ اس کے عذاب میں کچھ تو تخفیف ہو۔

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ پھر اس زنجیر میں جس کا ایک حلقہ دوسرے حلقے کو ملا ہوا ہے اور اسی طرح آخر تک ذُرْعُهَا جس کی پیمائش سَبْعُونَ ذِرَاعًا ستر گز ہے اس گز کے ساتھ جو کہ فرشتوں کے عرف میں رانج ہے جس میں سے ہر گز ستر باع ہے اور ہر باع اس مسافت کی طرح ہے جو کہ مکہ اور کوفہ کے درمیان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

فَأَسْلُكُوهُ پس اسے لپیٹو تاکہ وہ اس زنجیر کے حلقوں میں بند ہو جائے اور پاؤں اور دوسرے اعضاء بھی حرکت نہ کر سکیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ زنجیر گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کے مقعد میں داخل ہوگی اور اس کے حلق سے باہر نکل آئے گی اور پیشانی سے اس قدم تک چپک جائے گی اور میں نے اسے اس زنجیر کے ساتھ اس لیے عذاب دیا کہ

إِنَّهُ كَانَ بے شک وہ حوادث کے لامتناہی تسلسل کا قائل تھا اور اسباب اور مسببات

کے سلسلوں کے ملاحظہ میں لپٹا رہتا تھا اور ہر چیز کو کسی سبب کی طرف منسوب کرتا تھا اور اس سبب کو دوسرے سبب کے ساتھ اور اسی طرح آگے اور مسبب الاسباب کا سراغ نہیں لگاتا تھا اور اسی لیے تھا کہ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ایمان نہیں لاتا تھا باعظمت خدا تعالیٰ پر جس کی عظمت ہر سبب کو نظر سے گرا دیتی ہے اور اعتبار کے مقام سے باہر کر دیتی ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔

اس کے اسباب بنانے سے میں سودائی ہوں

اور اس کے اسباب جلانے سے میں سو فسطائی ہوں

اور کفر کی اس شدت کے ساتھ عذاب کو کم کرنے والی کوئی چیز نہیں رکھتا تھا اس لیے کہ بدنی عبادت کا اس سے تصور نہ تھا جبکہ وہ مسبب کا قائل نہ تھا۔ پس اگر کوئی چیز اس معیار کی ہوتی جو عذاب کم کرنے میں اس کے کام آتی، یہی عبادت مالی تھی اور اسے بھی اس نے ضائع کر دیا تھا بلکہ اپنی طرف سے دینے کا کیا امکان اسے تو اپنے غیر کی طرف سے محتاجوں کو دینا بھی گوارا نہ تھا۔

وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ اور اپنے اہل و عیال اور خادموں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا تاکید حکم نہیں دیتا تھا اور اسی وجہ سے کہ مال دینے میں بخلی کرتا تھا ہم نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کا طوق کر دیا۔

اور حضرت ابو برداء انصاری رضی اللہ عنہ سے جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معتمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے حق میں فرمایا کہ میری امت کا حکیم ابو برداء ہے۔ منقول ہے کہ آپ اپنی اہلیہ کو حکم دیتے تھے کہ منکوں کے لیے شوربا زیادہ پکا کر رکھنا۔ اہلیہ پوچھتیں کہ شوربا زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے کھانے کی لذت کم ہو جاتی ہے؟ آپ فرماتے کہ تو نے سنا نہیں کافر کو ایمان ترک کرنے اور منکوں کو کھانا نہ دینے کی وجہ سے آتش زنجیر میں عذاب دیں گے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی وجہ سے اس زنجیر کا نصف اپنے سے کاٹ دیا اور دوسرا نصف جو کہ باقی ہے مساکین کو کھانا کھلا کر اپنے سے دُور کرتے ہیں۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ کفار عبادات کے بھی مکلف اور مخاطب ہیں جس طرح وہ ایمان اور معرفت کے ساتھ مکلفہ ہیں ورنہ کافر کو اس دن گداؤں کا کھانا نہ دینے پر عذاب نہ ہوتا جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کافر کو عذاب ترک ایمان کی وجہ سے ہوگا لیکن اگر وہ محتاجوں کو کھانا کھلاتا تو اسے عذاب میں کچھ تخفیف ہوتی اور اس زنجیر میں گرفتار نہ ہوتا، محتاجوں کو کھلانا چھوڑنے کی وجہ سے اسے عذاب کی تخفیف حاصل نہ ہوئی، ناچار اس زنجیر میں گرفتار ہوا۔ پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کو مخلوق خدا پر احسان کرنے کی وجہ سے عذاب میں قدرے تخفیف ہوگی نہ یہ کہ اس پر بدنی یا مالی عبادت فرض اور واجب ہے۔

تو جب کافر کے عذاب کی شدت کے بیان سے فراغت ہوئی اور اس سے تخفیف کے اسباب کی نئی فرمادی اب بیان فرمایا ہے کہ عذاب اور رنج کی شدت کے باوجود دنیا میں اس کے ہلکے ہونے کا موجب دو چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک یار غمگسار جو کہ تکلیف کی شدت کے اوقات میں دلاسا، تسلی اور تعزیت کے ساتھ اس تکلیف کے باہر اس کو دل سے کچھ ہلکا کرتا ہے اور دوسری چیز لذیذ غذا جو کہ قوت بخشتی ہے اور اسے تناول کرنے کی وجہ سے طبیعت کی تازگی لوٹ آتی ہے اور اس رنج اور دکھ کو برداشت کرنے کی طاقت کو نئے سرے سے تازہ کرتی ہے اسی لیے مصیبت زدوں اور صدمہ پہنچنے والوں کی انہیں دو طریقوں کے ساتھ امداد کرنے کا رواج ہے، ان دو چیزوں کی بھی نئی فرمادی ہے کہ

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ بِسِ اس کافر کے لیے اس روز نہیں ہے جس روز کی شان میں یَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ وارد ہے اگرچہ اس دن کے علاوہ دنیوی دنوں میں بہت ہوں گے۔ ہنہنا میدان حشر میں جبکہ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار اور اپنے انجام کی فکر میں بے قرار ہوگا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہونے اور اپنی طرف سے اطمینان اور امن حاصل ہونے کے بعد اور اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے حال احوال پوچھے گا اور یاد کرے گا اور اگر شفاعت کے قابل پائے گا تو شفاعت کے ساتھ

ہمدردی کرے گا۔

حَمِيمٌ کوئی رشتے دار جو کہ اس کی ہمدردی کرے اور اس کے حال سے اس کا خون گرم ہو اور اس کی غم خواری کی وجہ سے اس کا فر کو قدرے راحت اور تخفیف میسر ہو۔ وَلَا طَعَامٌ اور نہ ہی کھاتا جو کہ اس کی تازگی اور قوت کو واپس لوٹائے تاکہ اس عذاب کہ برداشت کرنے کی طاقت لائے۔

إِلَّا مِنْ غَسِيلِينَ مگر جہنمیوں کے جلے ہوئے زخموں کا دھوون جو کہ پیپ اور زرد پانی کی صورت میں ان کے جسموں سے بہ کر جسم کے گڑھوں میں جمع ہو گیا ہے اور بدبو اور ذائقے کی خرابی میں اس حد تک ہے کہ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ اسے کوئی نہیں کھا سکے گا مگر یہی خطا کار لوگ جن کا ایمان درست ہے نہ مخلوق خدا کے بارے میں کوئی احسان صادر ہوا اور وہ اس بدبودار اور بد مزہ کھانے کو بھوک کی مجبوری سے بڑی مشکل سے نگلیں گے لیکن آخر زہریلی کیفیت کی وجہ سے زیادہ بے قرار اور بے تاب ہو جائیں گے۔ پس اسے کھانے میں بھی وہ غلطی کریں گے اور اسے قوت کا موجب جان کر کھائیں گے پھر وہ عذاب کی تکلیف میں شدت پائیں گے۔ پس ان کا حال اس شخص کا سا ہے جس نے زہر ہلاہل کو خوراک کی جگہ یا یا قوت اور مفرح دوائی کے بدلے استعمال کر لیا جو کہ صریح غلطی ہے۔

اہل لغت یہاں ایک اعتراض رکھتے ہیں کہ لغت عرب میں غسلین دھوون کو کہتے ہیں حالانکہ جہنم میں دھوون نہیں ہوگا اور وہ مراد بھی نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں غسلین کی تفسیر زرد پانی، پیپ اور خون کے ساتھ کی گئی ہے تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ زرد پانی، پیپ اور خون کو غسل فرمایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیپ، زرد پانی اور خون جب جہنمیوں کے اعضاء کو ڈبلا کرنے میں تاثیر نہیں کرے گا اس لیے کہ تازہ کھال اور گوشت ان کے جسم پر دم بدم پیدا ہوگا اس زرد پانی، پیپ اور خون نے غسل یعنی دھوون کا حکم پیدا کیا گویا تازہ کھال کو اس کے ساتھ دھو کر اور صاف کر کے ڈالا گیا ہے اور پہلے کھال کے گلنے کے بعد جو کہ زرد پانی بن کر ختم ہوگئی اور اس کی جگہ اس کھال کا آنا یوں

ظاہر ہوا کہ وہ جلی ہوئی کھال جسم پر ایک میل تھی جو کہ دُور ہو گئی اور اس بار یکی کی رعایت بلاغت کے اعجاز کے مرتبوں سے ہے اس بار یکی کا فائدہ دینے کے لیے غسلین کے لفظ کو زرد پانی اور میل کچیل کے لیے استعارہ کے طور پر لایا گیا۔

اور چونکہ سورت میں ابتدا سے لے کر اس مقام تک انہوں نے حواق کی تفصیل کو روشن گواہوں اور قطعی دلائل کے ساتھ سنا اور ظاہر ہے کہ یہ علم دنیا کے حکماء اور عقل مندوں کی سوچ سے خارج ہے اور وہ اس کا سراغ بالکل نہیں لگا سکتے تو ثابت ہوا کہ یہ کلام خدا تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق کا کلام نہیں ہے۔

فَلَا أَقْبِسُمْ پس میں قسم نہیں اٹھاتا اس لیے کہ قسم کی ضرورت نہیں اور خود یہ کلام اپنے حال پر عادل گواہ اور سچا شاہد ہوئی جس طرح کے کتاب الشفاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حکیم کا کلام ہے اور کتاب قانون اس پر دلالت کرتی ہے کہ طبیب کا کلام ہے اور اگر تمہیں قسم کے بغیر یقین نہیں آتا تو میری قسم۔

بِمَا تُبْصِرُونَ اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کلام سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت کرتے ہو لطائف اور ظاہری فوائد سے وَمَا لَا تُبْصِرُونَ اور اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کے لطائف اور باطنی فوائد سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت نہیں کرتے ہو بلکہ تعلیم اور تنبیہ کے محتاج ہوتے ہو اور ابھی بھی تمہاری نگاہ عقل اسے دیکھنے میں خیرہ ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُونَ سے مراد عالم شہادت ہے اور مَا لَا تُبْصِرُونَ سے عالم مغیبات اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُونَ سے مراد وہ جو روئے زمین پر ہے اور مَا لَا تُبْصِرُونَ وہ جو زیر زمین ہے یا مَا تُبْصِرُونَ سے مراد عالم اجسام ہے اور مَا لَا تُبْصِرُونَ سے عالم ارواح۔ بعض نے عالم ارواح یا انسان اور جن اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُونَ سے مراد کعبہ معظمہ ہے جہاں تجلی الہی حس بصر کے ساتھ محسوس ہوتی ہے اور مَا لَا تُبْصِرُونَ سے مراد بیت المعمور اور بعض نے خشکی کی مخلوق اور تری کی مخلوق پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پر موزوں کیا ہے اور اکثر صوفیہ قدس اللہ اسہ ارحم نے مَا تَبْصُرُونَ کو حضور علیہ السلام کی رسالت کے ان نشانات پر محمول کیا ہے جو کہ ظاہری معجزات سے واضح اور روشن تھے اور مَا لَا تَبْصُرُونَ کو آپ کی دلایت کے انوار پر محمول کیا جو کہ کسی مخلوق کی بصر اور بصیرت میں نہیں سمائے اور ہر صورت میں قسم اس مضمون پر ہے کہ

إِنَّهُ تَحْقِيقُ يَهْ اِعْجَازُ وَالْاِقْرَآنُ جُوهُ كَ چِزْوِوُنْ كِ حَقِيقَتِیْنِ كُھولتا ہے اور ان چیزوں پر آگاہ کرتا ہے جس کی دریافت سے عقل، خیال، وہم اور حس عاجز ہو۔ لَقَوْلِ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ اَلْبَتَّ كَسِیْ شَبَهْ كَ بَغِيْرُ خِدا كِ باْتْ هَ عَالِیْ مَرْتَبَتِ اَمِيْنِ رَسُوْلِ كِ لَائِیْ هُوْنِیْ اِسْ لِيْے كَ اَسَ خِدا تَعَالٰی سَ جَبْرئِيْلَ عَلِيْهِ السَّلَامُ لَاتَے هِيْنَ اُورِ حَضْرَتِ جَبْرئِيْلَ عَلِيْهِ السَّلَامُ سَ حَضْرَتِ مُحَمَّدِ مِصْطَفٰی صَلٰی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَّ تَكْ پَهِنچَاتَے هِيْنَ اُورِ دُوْنُوْنِ هِيْ كَرَمٌ بَزْرُكِیْ عِدَالَتِ دِيَانَتِ اُورِ اَمَانَتِ كَ كَمَالِ كَ سَاْتَهْ مُوْصُوْفِ هِيْنَ اُورِ دُنْيُوِي رَدِیْ اِعْرَاضِ اُورِ اِسْ جِهَانِ كِ رَذِيْلِ طَمَعِ سَ پَاكِ aُورِ صَافِ هِيْنَ جِيسَا كَ تَمَّ اِسْ اَخْرٰی رَسُوْلِ عَلِيْهِ السَّلَامُ كَ حَالَاتِ كُو اِپْنِیْ اَنْكُھُوْنِ سَ دِيكُھْتَے هُو aُورِ جَانْتَے هُو aُورِ اِسْ دُوسْرَے رَسُوْلِ كِ حَالَتِ پَر خُودِ اِنِ كَا فَرِشْتَهْ هُونا بَھِيْ گُواہِ هَے۔ پَسْ اِنِ كَرِيْمُوْنِ سَ خِدا تَعَالٰی پَر بَهْتَانِ بَانْدَهْنَا مَحَالِ aُورِ بَاْطِلِ هَے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اُورِ يَهْ قِرْآنُ كِ سِیْ شَاعِرِ كَا كَھَا هُونا هِيْسِ اِسْ لِيْے كَ شَعْرِ كَا وَزْنِ aُورِ مَحْرُ لَازِمِ هُونا هَے جَبَكِ يَهْ كَلَامِ وَزْنِ aُورِ مَحْرُ بَاكُلِّ نَهِيْسِ رُكُھْتَا۔ نِيْزِ شَاعِرِ كَ كَلَامِ كِ بِنْيَادِ بَے اَصْلِ تَخِيْلَاتِ aُورِ عَالَمِ خِيَالِ كِ سِيْرِ پَر هُوتِیْ هَے جَبَكِ اِسْ كَلَامِ مِيْنِ حَقَائِقِ وُ مَعَارِفِ كَ اَصُوْلِ كُو بَرْهَانِیْ aُورِ قَطْعِيْ دَلَائِلِ كَ سَاْتَهْ بِيَانِ فَرْمَا يَا گِيَا هَے۔ نِيْزِ شَاعِرُوْنِ كَا تَخِيْلِ اَوْقَاتِ كِ خُصُوْصِيْتُوْنِ گَنْتِیْ aُورِ اَوْقَاتِ كَ تَعِيْنِ aُورِ وَاَقْعَاتِ كُو نَفْسِ اَلْاَمْرِي حَقِيقَتِ كَ مَطَابِقِ بِيَانِ كَرْنِے تَكْ نَهِيْسِ پَهِنچْتَا جَبَكِ اِسْ كَلَامِ مِيْنِ تَمَّ اِنِ مَضَامِيْنِ كُو ہر جگہ سُنْتَے هُو جس طَرَحِ كَ تَمَّ نَے اِسْ سُوْرَةِ مِيْنِ سَنَا كَ سَبْعَ لَيَالٍ وُ ثَمَانِيَّةَ اَيَّامٍ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَّةً aُورِ اِسْ كَ عِلَادَهْ شَمُوْدُ عَاذُ فِرْعَوْنَ اِسْ سَ پَهْلُوْنِ aُورِ اُلْثِيْ هُوْنِیْ بَسْتِيُوْنِ كَ حَالَاتِ

میں

پس وہ جو جاہل ابو جہل بکتا ہے کہ یہ کسی ماہر فن شاعر کا مقولہ ہے جس نے اپنی بلاغت کے زور سے عاجز کر دیا، بالکل بے ہودہ گفتگو اور بکواس ہے۔

قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ تم بہت کم یقین کرتے ہو اس لیے کہ بالکل ظاہر سچائی والے امور کا بھی جہالت اور تعصب کی وجہ سے انکار کرتے ہو کیونکہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس کلام کا شعر نہ ہونا نہایت ظاہر اور محسوس ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ اور یہ قرآن کا ہن کا کہا ہوا بھی نہیں کہ اس میں جنات مسبح اور مقفی عبارت جو کہ آنے والے واقعات اور غیبی خبروں پر مشتمل ہو، کا القاء کرتے ہیں جیسے چور کو معین کرنا، نسب کو معین کرنا، دعویٰ میں مدعی کی تصدیق کرنا اور تعبیر خواب وغیرہ جیسا کہ عقبہ بن معیط کہتا تھا اس لیے کہ پہلے تو وہ کلام اعجاز پر مبنی نہیں ہوتا، جنوں میں ایک شخص جو کچھ کسی کا ہن پر القاء کرتا ہے دوسرا جن بھی اسی کی مانند دوسرے کا ہن پر القاء کرتا ہے جبکہ یہ کلام معجز ہے کہ کسی جن کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کاہنوں کی مسبح عبارتوں میں اکثر الفاظ صرف جمع اور قافیہ کی حفاظت کے لیے بغیر ضرورت اور بغیر فائدہ کے وارد ہوتے ہیں جبکہ اس مبنی براعجاز کلام میں کوئی لفظ بے کار نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جنوں کو مستقبل کے واقعات پر آگاہی اور انسانی علم سے وراء چیزوں کو معین کرنا، جسمانی لطافت، جہان ملائکہ سے ان کے جہان کے قرب، مختلف شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت اور ملائکہ کی گفتگو کو سن کر چرانے کی وجہ سے ممکن الحصول ہوا جبکہ علوم حقیقیہ، شریعتوں کے اور دنیوی قواعد کلیہ، ملک اور ملکوت کے پوشیدہ اسرار اور گزشتہ اُمّتوں کے طویل واقعات پر اطلاع جنوں کے لیے حاصل کرنا کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس کلام میں جگہ جگہ شیطانوں کی مذمت، ان کے طریقے اور سیرت سے بچنے کی تاکید، ان جنوں کی پوجا کی بُرائی جو کہ بتوں کے اندر اپنا ٹھکانہ بنا لیتے تھے اور اپنے کو معبود ظاہر کرتے تھے اور شیطانوں کے بھائیوں کی جو کہ کاہن ہیں، مذمت

مذکور ہے اگر یہ جنوں کا کلام ہو تو لازم آئے کہ جنوں نے اپنی قباحتوں کا خود اظہار کیا ہو اور لوگوں کو اپنے سے متنفر کیا اور یہ عادتاً محال ہے۔

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ بہت کم یاد کرتے ہو ان مقدمات کو جو تمہیں خود معلوم ہیں اور ان میں بہت کم غور کرتے ہو۔

سوال

اور یہاں تفسیر والوں کا ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ شاعریت کی نفی میں قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ کیوں فرمایا گیا ہے اور کہانت کی نفی میں قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ کیوں ارشاد ہوا؟ اس سوال کا جواب دوران تفسیر دے دیا گیا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت و تبلیغ قرآن مجید میں شاعریت کی نفی ایک بالکل ظاہر اور محسوس امر تھا اس کا انکار نہیں ہو سکتا مگر تصدیق کی کمی کی وجہ سے حتیٰ کہ بدیہیات میں بھی۔ جبکہ آپ سے اس کلام کے معنی میں کہانت کی نفی قدرے غور و فکر پر موقوف تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ کہانت کے لوازمات اور اس کے اصل و فرع میں غور کرے اس وجہ سے اس کے انکار کو غور اور یادداشت کی قلت کے ساتھ بیان فرمایا۔ قصہ مختصر جب اعجاز والا قرآن پاک کلام شاعر اور کلام کاہن نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ نازل کیا گیا ہے جہانوں کے پروردگار کی طرف کہ اس کی عام ربوبیت اس کلام کو اتارنے کی متقاضی ہوئی تاکہ اس کے ساتھ تمام جہان والوں کو دینی اور دنیوی امور میں تربیت فرمائے۔

اور اگر کہیں کہ اس کلام کی اصل تو یقینی طور پر بشر اور جن کا کلام نہیں ہے اور اور پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے لیکن رسول نے اگر ایک دو کلمے بڑھا دیئے ہوں تو بعید نہیں اس لیے کہ دنیا کے پیغام پہنچانے والے بھی پیغام پہنچانے میں اسی قدر سے پرہیز نہیں کرتے اور اتنی مقدار پوری کلام میں ممتاز اور جدا معلوم نہیں ہوتی تاکہ سارے کلام کے اعجاز کی وجہ سے اس احتمال سے امن حاصل ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ دنیا کے قاصدوں کو ان کے بھیجنے

والے پیغام پہنچاتے وقت دیکھتے نہیں اور پیغام پہنچانے تک اپنے کلام کو ان کے ذہن میں باقی نہیں رکھ سکتے اس لیے زبان حال سے انہیں اتنے سے تصرف کی اجازت دے دیتے ہیں جبکہ یہاں رسول اور اس کا حافظہ سب بھیجنے والے کے ہاتھ میں ہے اور اس کی نگاہ کرم میں ہے تو کیا امکان ہے کہ اسے اپنی طرف سے تصرف کی اجازت دیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَاٰ اور اگر بفرض محال وہ رسول اپنی فصاحت و بلاغت کی قوت سے ہم پر گھڑ کر کہے۔

بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ بعض باتیں جو کہ آیات کا بعض ہو اس لیے کہ اگر تمام باتوں کو یا پوری طویل آیات کو گھڑتا تو اس پر اتنی کلام میں فصیح و بلیغ لوگ معارضہ کر کے اسے ہلکا اور لاجواب کر دیتے۔

لَا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ البتہ ہم اسے فی الفور اس طریقے سے ہلاک فرمائیں کہ ہم اس کا دایاں ہاتھ لے لیں۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ پھر ہم تیز تلوار کے ساتھ اس کی رگِ دل کاٹ دیں کہ اس کی زندگی اسی رگ کے ساتھ ہے اور ہم اسے مہلت نہ دیں اور یہ واجب القتل شخص کی حالت کی تصویر کا طریقہ ہے کہ بادشاہ اسے اپنے سامنے سزا دیتے ہیں اور جلاد کو حکم دیتے ہیں کہ اسے قتل کرے اور دایاں ہاتھ پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کے وقت تلوار جلاد کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر مقتول کا بائیں ہاتھ پکڑ کر تلوار چلائے تو تلوار مقتول کی گدی پر تر چھی پڑے گی اور جب دایاں ہاتھ پکڑا ہوگا اور تلوار چلائے تو تلوار مقتول کے دل کی طرف پہنچے گی جو کہ بدن کی بائیں سمت ہے اور قتل کی مقرر جگہ ہے۔ نیز قتل کے وقت مقتول کا ہاتھ پکڑنا اس لیے ہے کہ اپنے ہاتھ کی ڈھال نہ بنائے اور دوسری ضرب کی ضرورت نہ پڑے اور اس مقصد میں دایاں ہاتھ زیادہ تر اور قوت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تو دائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہیے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ لَا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کے دائیں ہاتھ کو شل کر دیں تاکہ حرکت نہ کرے اور اشارے کے ساتھ افتراء اور تقول نہ کرے اور لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کی نیاط قلب کو قطع

کریں اور کاٹ دیں جو کہ زبان کے متصل ایک رگ ہے اور ارادہ ولی کے مطابق زبان کا حرکت کرنا اس رگ کی وجہ سے ہے اور اسی لیے خفقان کے وقت جبکہ دل کو اضطراب اور بے قراری ہوتی ہے تو زبان بھی بولنے میں کانپتی ہے تاکہ افتراء اور من گھڑت بات نہ کر سکے بلکہ بولنے کی طاقت ہی نہ ہو۔

اور یہاں ایک مشکل سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ شرط و جزا درست ہو اور مقدم اور تالی کے درمیان باہم لازم ہونا سچا ہو تو لازم آئے کہ خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے بعد زندہ نہ رہے حالانکہ مسلمہ کذاب اور اسود غنسی اور دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت جیسے بے شمار بہتان باندھتے گزرے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ پر دفتروں کے دفتر بہتان باندھے ہیں حالانکہ یہ مواخذہ ان پر جاری نہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقول کی ضمیر رسول کی طرف لوثی ہے نہ کہ ہر فرد انسانی کی طرف اور اگر بقرض محال رسول (معاذ اللہ) افتراء باندھے اس کے لیے یہ دنیوی تکلیف واقع ہونا لازم ہے اس لیے کہ اس کی تصدیق معجزات کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ پس اگر اسے دنیا میں تکلیف نہ دیں تو ایک ایسا شبہ لازم آتا ہے جس کا رفع کرنا ممکن نہ ہو اور وہ حکمت کے منافی ہے۔ بخلاف غیر رسول کے کہ معجزہ کی تصدیق کے بغیر اس کا کلام خرافات سے زیادہ کچھ نہیں اور شک و شبہ کا مقام بالکل نہیں۔ ہاں اس کے لیے معجزہ کے ساتھ تصدیق محالات سے ہے اس شخص کی طرح جسے بادشاہ کسی خدمت پر مامور کر کے اور اپنا نشان دے کر کسی طرف بھیجتے ہیں اور وہ خدمت میں خیانت کرتا ہے یا بہتان باندھتا ہے تو اس کا فی الفور تدارک کیا جاتا ہے اور جو کوئی کسی سند کے بغیر اپنی طرف سے بہتان باندھتا ہے اس کے حال پر بالکل متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ عقل مند لوگ اس کے فریب میں بالکل نہیں آتے اسی طرح یہاں ہے۔ قصہ مختصر اگر معجزات کے ساتھ تصدیق شدہ رسول اس قسم کا بہتان باندھے تو لازمی طور پر اس تکلیف میں گرفتار ہو۔

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ پس تم میں سے کوئی فرقہ اور کوئی جماعت رسول سے اس تکلیف کو روکنے والا نہ ہو کہ اسے کسی حیلے اور تدبیر کے ساتھ اس مواخذے

سے بچالیں اور ہلاک نہ ہونے دیں اور لفظ احد یہاں جمع کے معنی میں ہے اسی لیے اس کی خبر میں حاجزین جمع کے صیغے کے ساتھ لائے۔ گویا ارشاد ہوتا ہے کہ جب سب کے سب مجموعی طور پر اسے ہماری سزا سے بچا نہیں سکتے تو ہر ایک علیحدہ علیحدہ اس رکاوٹ پر بطریق اولیٰ قادر نہ ہوگا۔

اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید اپنے تمام الفاظ اور حروف کے ساتھ رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ پس اس کا ایک فائدہ ظاہر ہوا کہ اس کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور اس کی ہمیشہ تلاوت کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ذکر کرنے کی طرح دربارِ خداوندی کے ساتھ مضبوط تواسل حاصل ہوتا ہے اب اس میں جو ایک اور فائدہ ہے بیان فرمایا جا رہا ہے۔

وَأَنَّهُ أَوْرَ تَحْقِيقِ يَه قرآن مجید لَتَذِكْرَةَ لِّلْمُتَّقِينَ البتہ پند نصیحت اور یاد دلانا ہے متقین کو یعنی انہیں جو تقویٰ کی راہ چلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے مالک کی خوشنودی کے مطابق کام کریں اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کریں اور یہ قرآن پاک قانون اور دستور العمل ہے اور قرآن پاک کے یہ دونوں فائدے ایمان والوں اور تقویٰ کی راہ کا ارادہ کرنے والوں کے ساتھ خاص ہیں تکذیب اور انکار کرنے والوں کو ان دونوں فوائد سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

وَأَنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مَّكَذِبِينَ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس قرآن پاک کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس قرآن پاک نازل کرنے میں ان دونوں فوائد کا ہم نے صرف ان کے لیے ارادہ نہیں فرمایا ہے ہاں کافروں اور قرآن کے منکروں کے بارے میں ہم نے ایک اور فائدہ منظور نظر رکھا ہے۔ وَأَنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ اور تحقیق یہ قرآن پاک کافروں پر بہت بڑی حسرت کا سبب ہوگا دنیا میں بھی اس وقت جب قرآن کے تابعین کو پے در پے امداد پہنچے اور ان کا رعب اور غلبہ روز بروز زیادہ ہو اور آخرت میں بھی اس وقت جبکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں وہ سرخ زد ہوں اور قرآن کے منکر ذلیل خوار اور رسوا ہوں۔

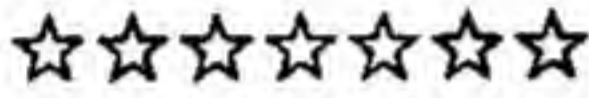
وَأَنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ اور تحقیق یہ قرآن نرا یقین ہے کہ اس میں باطل اور غلط بالکل مخلوط نہیں ہے تاکہ شک اور تردد کی جگہ ہو اور اس کے مضامین کی تصدیق نہ کرنے میں دنیا و آخرت میں کسی کا عذر سنا جائے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پس پاکیزگی کے ساتھ اپنے پروردگار کا نام یاد کریں جو کہ نہایت با عظمت ہے تاکہ آپ کو پورا تصفیہ حاصل ہو اور قرآن کا حق الیقین آپ کے صیقل شدہ قلب مقدس میں نقش ہو جائے اور یہ قرآن پاک کا تیسرا فائدہ ہے جس کے ساتھ اہل تصفیہ کو خصوصیت کے ساتھ بہرہ ور فرمایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجعلوها فی رکوعکم یعنی اس تسبیح کو اپنے رکوع میں مقرر کرو۔ اور کہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور جب آیت سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا: اجعلوها فی سجودکم۔ یعنی اس تسبیح کو اپنے سجدے میں رکھو اور کہو کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اور اسی حدیث سے فراء نخوی نے استنباط کیا ہے کہ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ کا معنی اور سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ کا معنی ایک دوسرے کو لازم ہیں اس لیے کہ اس حدیث میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہنے کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ کے حکم کی تعمیل کا موجب قرار دیا گیا جس طرح کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہنے کو سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ بنایا گیا تو معلوم ہوا کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ میں حرف "ب" "لَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" کی طرح زائد ہے۔ جبکہ بعض باریک بین حضرات کو اس حدیث پاک کے مضمون میں ایک مشکل درپیش ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تسبیح کو اسم رب پر واقع فرمایا ہے جبکہ حدیث شریف میں ذات رب کی تسبیح ہے نہ کہ اسم رب کی۔ پس یہ دو کلمات کہنے سے ان دو حکموں کی تعمیل کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ذات رب کی تسبیح اس کے اسماء کی تسبیح کے ضمن میں صورت پکڑتی ہے۔ پس آیت میں صورت تسبیح کا حکم ہے جو کہ مافی الضمیر کی حکایت اور مقصود کی تعبیر ہے جبکہ حدیث پاک میں اس تسبیح کی انہیں دو اسماء کے ساتھ جو کہ عظیم اور اعلیٰ ہیں

صورت کی تعلیم ہے اور ان دونوں اسماء کے ساتھ ایک اور اسم کو موصوف فرمایا ہے جو کہ رب ہے اسے اختیار فرمایا تا کہ ممکن حد تک دونوں آیات کے الفاظ کی رعایت واقع ہو۔

اور احتمال ہے کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ کا معنی یہ ہو کہ فَسَبِّحْ ذات ربك بهذا الاسم المركب من الصفة والموصوف یعنی اپنے رب کی ذات کی اس صفت اور موصوف سے مرکب نام کے ساتھ پاکیزگی بیان کرو اور سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کا معنی بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے یوں ہوگا ارقم التسييح على هذا الاسم المركب من الموصوف والصفة پس حدیث شریف کے آیت کے مطابق ہونے میں کوئی مشکل نہیں رہی۔



سورة المعارج

مکی ہے اس کی چالیس آیات ہیں اور سورة الحاقة کے ساتھ اس کے ربط کی وجہ یہ ہے کہ اس سورة میں اول سے لے کر آخر تک قیامت اور دنیا و آخرت میں کافروں کے عذاب کی کیفیت کا ذکر ہے جبکہ اس سورة میں کفار مکہ کا اس موعود عذاب کو جلد مانگنا اور اس خوف ناک اور ہولناک امر کی طلب پر ان کی جرأت کا بیان ہے۔ حالانکہ ایک تغیر عادت اور ایک آسان سی مشقت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس گویا اس سورة میں ان لوگوں کو احمق اور جاہل ثابت کیا ہے جو کہ اس قسم کے واقعہ کو آسان سمجھ کر استہزاء کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ نیز اس سورة میں مذکور ہے کہ کافر خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور فقیروں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے پر پابندی نہیں کرتا اور کافر کا کوئی قریبی رشتے دار قیامت کے دن اس کے کام نہیں آئے گا اور اسی مضمون کو اس سورة میں تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ یودالمجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ الخ اور مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ والذین یصدقون یوم الدین والذین فی اموالہم حق معلوم للسائل والمحروم نیز فرمایا ہے کہ وَلَا یَسْئَلُ حَیْمًا حَیْمًا۔

نیز اس سورة میں آسمان کا پھٹنا پہاڑوں اور زمین کا ریزہ ریزہ ہونا مذکور ہے جبکہ یہاں آسمان کا پگھلنا اور پہاڑوں کا ہوا میں اڑنا بیان فرمایا ہے۔ نیز اس سورة میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن کافر کا مال اس کے کوئی کام نہیں آئے گا اور وہ حسرت کے ساتھ کہے گا مَّا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةٌ جبکہ یہاں مذکور ہے کہ کفار کے اہل و عیال اور خویش و

اقارب اس دن ان کے بدلے کسی کام نہیں آئیں گے کہ یود المجرم لو یفتدی
 من عذاب یومئذ بنیہ الخ نیز اس سورۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کے عذاب
 کا پروگرام تقدیر میں شروع سے مختلف ہے۔ بعض کے عذاب کا سامان تین دن کی مدت
 میں انجام کو پہنچا جیسے قوم ثمود اور ایک فرشتے کے فعل کے ساتھ جو کہ جبرئیل علیہ السلام تھے
 اور ایک روح کی تسخیر کے ساتھ جو کہ آواز اور چیخ کی روح تھی اور وہ حقیقت میں عنصر ہوا
 کی روح کلی کا ایک شعبہ ہے، انجام پذیر ہوا اور بعض کا عذاب آٹھ دن کی مدت میں بے
 شمار فرشتوں کی تدبیر کے ساتھ جو کہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور آپ کے معاونین تھے
 اور ہوا کے عنصر کی روح کلی کے ساتھ اہتمام پذیر ہوا جیسے قوم عاد اور بعض کو مختلف
 جماعتوں، فرشتوں، عناصر کی مختلف روحوں اور فضائی اور حیوانی مرکبات نے چالیس سال
 کی مدت میں یا ایک رات کی مدت میں یا چھ ماہ کی مدت میں عذاب دیا جیسے فرعون اور
 اس سے پہلے لوگ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور موقوفات یعنی حضرت لوط علیہ
 السلام کی قوم اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہ ان کے مختلف عذابوں میں مختلف افعال
 کی ترکیب تھی اور فرعون کو غرق کرنے میں حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل علیہما السلام
 اپنے لشکروں اور معاونین سمیت شریک تھے۔

اور کبھی قحط اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ اور کبھی طوفان، ٹنڈی، ول، چھڑی، مینڈک
 اور خون کے ساتھ اسے عذاب دیتے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو عذاب
 دینے میں آواز دینے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور آواز کی روح کی تسخیر واقع
 ہوئی اور صاحب ظلہ حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے لشکر اور ہوا اور آگ کی روح کی کی
 تسخیر واقع ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں حضرت جبرئیل علیہ
 السلام سولہ (۱۶) دوسرے افراد کے ساتھ شریک تھے اور گندھک کی کان کی روح، ہوا کی
 روح اور زمین کی روح سب درکار ہوئیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے
 میں حضرت میکائیل علیہ السلام نے اپنے لشکر اور معاونین کے ساتھ شریک ہو کر پانی کی
 روح کی تسخیر اثر کرنے کو فرمائی اور ہوا کی روح کی تسخیر اثر قبول کرنے کو اور فضا کی

کائنات کو پانی کے استحالہ کے لیے مسخر فرمایا اور زمین کی روح کو چشمے جاری کرنے کے لیے اور خشکی کے وحشی جانوروں، درندوں اور کیڑوں، مکوڑوں کو کشتی میں سوار کرنے کے لیے اور اس لیے کہ اپنے طبعی تقاضوں سے رُک جائیں اور کسی کو تکلیف نہ دیں، مسخر فرمایا اسی لیے ان اقوام کے بارے میں فرمایا ہے کہ **فَاخَذَهُمْ آخِذَةً رَّابِيَةً**

جبکہ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے موعود عذاب میں تمام فرشتوں اور عالم بالا و پست کے گونا گوں جہانوں کی تمام ارواح کی خدمت کی ضرورت ہے اور اس عذاب کا کام سرانجام دینے کی ابتدا صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جہنمیوں کے جہنم میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال کی مدت میں ہوگی۔ پس اس عذاب کو فی الفور مانگنا انتہائی بے وقوفی اور اس عذاب کی حقیقت سے ناواقفیت کے باعث ہے۔ نیز معارج الہیہ سے جہالت کی علامت ہے جو کہ مخلوقات اور زمانوں میں عمدہ تدبیرات کو پورا کرنے سے عبارت ہے۔

سورة المعارج کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا سورۃ المعارج نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت حق جل جلالہ کو ذی المعارج کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے معارج میں سے ایک کو ذکر فرمایا کہ **تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ** اور اس صفت کی حقیقت جیسا کہ چاہیے ایک تفصیل کے بغیر جو کہ کچھ طوالت رکھتی ہے، دل میں جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ پس پہلے تو جاننا چاہیے کہ ہر چیز کے عروج کا معنی یہ ہے کہ اپنے مقام کی انتہا تک پہنچ جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ سب غایتوں کی غایت ہے۔ پس ہر چیز کا اپنے مقام کی انتہا کو پہنچنا بالکل اس کی طرف عروج ہے۔

افعال و تاثرات الہیہ کے وسائط ظہور

پھر جاننا چاہیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور تاثرات تین چیزوں کے واسطے سے ظہور پذیر ہیں۔ پہلی چیز ملائکہ، دوسری چیز ارواح جو کہ ہر مخلوق کو خوب جاننے

والے جوہر سے عبارت ہے اور اس مخلوق کی نوعی صورت اس کی محکوم ہے، تیسری چیز ارادہ والی مخلوق انسان، حیوان، شیاطین اور جن کے نفوس ہیں۔ پس جو کچھ فرشتوں اور ارواح کے واسطے سے ہے، حضرت حق جل مجدہ کی طرف بلا واسطہ منسوب ہے اس لیے کہ ان دونوں قسموں میں وہم، شہوت اور غضب پیدا نہیں کیا گیا جو کچھ ہے، نری عقل ہے جو کہ کسی مقابلہ کرنے والے اور روکنے والے کے بغیر عالم بالا کے تقاضوں کو برداشت کرتی ہے اور اس کے مطابق چلتی ہے اور جو کچھ ارادہ والی مخلوق حیوان، انسان، جن اور شیاطین کے نفوس کے واسطے سے ہے، حضرت حق کے ساتھ بلا واسطہ منسوب نہیں ہے اس لیے کہ اس میں وہم، شہوت اور غضب کا دخل ہے ہاں افراد انسانی میں سے بعض جیسے حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے اسباب الہیہ جو کہ صریحاً احکام خداوندی کو برداشت کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کا حال فرشتوں اور روحوں کے حال کی طرح ہے۔

پھر جاننا چاہیے کہ جب بھی جہان میں کوئی امر واقع ہوتا ہے، فرشتے اور روحیں اس کام کو پورا کرنے اور اس مہم کی تدبیر میں جدا جدا یا اجتماعی ترکیبی صورت میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے مقدمات اور اہامات سے لے کر مقصود حاصل ہونے تک اس میں مصروف رہتے ہیں اور جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے انہیں اپنے مبدد کی طرف عروج کی شکل میں رجوع حاصل ہوتا ہے اس جہت سے کہ انہوں نے اپنی بعض چھپی ہوئی صلاحیتوں کو عمل میں بدل دیا اور انہیں کمال کی ایک قسم نصیب ہوئی اور یہ عروج کی شکل میں رجوع بالکل انسانی حواس اور قوتوں کے رجوع کی طرح ہے جو کہ عمدہ مقاصد میں سے کسی مقصد کو حاصل کرنے کی لذت کو پورے طور پر حاصل کرنے کے بعد ہوتا ہے تاکہ اپنی استعداد کی وسعت کو اپنے مالک کے حضور پیش کریں اور دوسرے تقاضا کو برداشت کرنے کے مستحق ہوں۔

اور جب یہ تینوں چیزیں معلوم ہو گئیں تو معارج الہیہ جہان میں اس کی تدبیروں کو پورا کرنے کا نام ہے اور وہ تدبیریں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ایک آن کے اندازے میں انجام پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ قطعہ زمین کے متعلق پوچھا اور وہ فی الفور عروج کر کے جواب لائے کہ احب البقاع الی اللہ مساجدھا یعنی سب سے پسندیدہ قطعہ زمین مسجدیں ہیں اور ان میں سے بعض ایک دن کے اندازے میں صورت پکڑتی ہیں جیسا کہ افراد بشر کے پاس باری باری آنے والے فرشتوں کا صبح سے عصر اور عصر سے دوسری صبح تک ان کی حفاظت پورا کرنے کے بعد عروج ہمیشہ واقع ہے اور ان میں سے بعض تین دن اور چار دن کے عرصے میں پوری ہوتی ہیں جیسے پیر اور جمعرات کے دن اعمال کا پیش کرنا اور ان میں سے بعض ایک ہفتے کی مدت میں ایک ماہ کی مدت میں اور ایک سال کی مدت میں انجام پاتی ہیں ان فرشتوں کی طرح جنہیں ایک سال کی روزی اموات اور واقعات سپرد کیے جاتے ہیں جو کہ لیلۃ السراءت میں عروج کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

یہاں تک کہ بعض عمدہ تدبیرات جو کہ طویل حکومتوں نے گزرنے اور باقی ملتوں کے منقطع ہونے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ایک ہزار سال کی مدت میں عروج کرتی ہیں جیسا کہ سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے اور اس عروج میں انسان کی معلومات میں سب سے زیادہ طویل مدت قیامت کے واقعات کی تدبیر کی مدت ہے جو کہ پہلے صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام ملائکہ اور مخلوقات کی تمام اقسام کی روہیں اس میں شریک ہوں گی اور اس قدر مدت کے گزر جانے کے بعد یہ عظیم کام سرانجام دے کر عروج کریں گی۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قیام قیامت کی ابتدا سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنے مکانات میں جاگزیں ہونے تک پچاس واقعات رونما ہوں گے اور ہر واقعہ اپنی ابتدا سے انتہا تک دنیا کے ہزار سال کے اندازے کے مطابق رہے گا۔ پس قیامت کا پورا دن پچاس ہزار سال ہے اور صحیح مرفوع احادیث میں اس دن کا اندازہ اس مدت کے ساتھ مشہور و متواتر ہے اور وہ جو سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے

کہ امر کی تدبیر اس کی ابتدا سے اس کے کارخانہ خدائی میں عروج تک ایک ہزار سال کی مدت میں ہے تو اس سے اور تدبیرات مراد ہیں جو کہ دنیا میں واقع ہوتی ہیں جسے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم کو طوفان سے ڈرانے کے لیے یہاں تک کہ طوفان سے فارغ ہوئے کہ یہ ایک ہزار سال مدت تھی اور جیسے سلطنت اسلام کی قوت اور شوکت جو کہ پانچ سو سال تک عربوں کے ہاتھوں میں رہی اور دوسرے پانچ سو سال تک ترکوں کے ہاتھوں میں رہی اور اس کے بعد دونوں کے ہاتھوں سے نکل گئی اور ہندوؤں اور فرنگیوں نے مداخلت کی اور اسلام کو کمزور کیا۔

قصہ مختصر تدبیرات الہیہ کا عروج ایک سال اور ایک مدت میں منحصر نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے کارخانوں کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ ہزار سال کی مدت میں پوری ہوں گی اور کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ پچاس ہزار سال کی مدت میں انجام پذیر ہوتی ہیں۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جہان کی خلقت سے لے کر قیامت آنے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہے کہ اس جہان سے متعلق فرشتے اور ارواح اس کے بعد اپنے کاموں سے فارغ ہو کر عروج کریں گے جبکہ دوسرے فرشتے اور ارواح ان کی جگہ مقرر ہو کر آخرت کے کاموں میں مشغول ہوں گے اور جب کسی کو معلوم نہیں کہ خلقت عالم کی ابتدا سے لے کر کس قدر وقت گزر چکا اور کس قدر باقی ہے قیامت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن فی یومٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ میں تفسیر سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں مناسب یوں تھا کہ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ بَعْدَ خَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ فرمایا جاتا۔ نیز تخلیق کی ابتدا سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کی اس مدت کے تعین میں کوئی صحیح سند چاہیے اور وہ نہیں ملتی۔

اور صوفیاء میں سے بعض نے لکھا ہے کہ معارج سے مراد ترقی کے درجات ہیں مقام طبیعت سے مقام معدنیات تک کہ اعتدال کے ساتھ نزدیک ہوتا ہے اور وہاں سے مقام نبات تک اور وہاں سے حیوان اور انسان کے مقام تک پھر تریب دیئے گئے انسانی

مقامات میں پھر منازل سلوک میں جو کہ انتباہ اور بے داری ہے سلوک کی آخری منزل اور دل کے آخری چشمے تک۔ پھر فنا کے درجات میں ترقی یہاں تک کہ فنا فی الصفات تک نوبت پہنچے اور کثرت میں اس کی انتہا نہیں ہے اور ہر ترقی میں فرشتوں اور انسانی خدمت کے ساتھ متعلق ارواح کو انسان کے تابع ہو کر ایک عروج حاصل ہوتا ہے۔ پس فی یوم كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ کا معنی یہ ہے کہ اگر اس عروج کو ظاہر میں اپنی حرکت پر قیاس کریں تو اس کے لیے اتنی مدت کا اندازہ چاہیے تاکہ انتہا کو پہنچے۔

اور وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ جہان کے سب سے نچلے حصے سے لے کر عرش عظیم کے کنگرے کی اوپر کی سطح تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور آسمان دنیا کی اوپر کی سطح سے زمین تک ایک ہزار سال کی مسافت ہے اس لیے کہ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور آسمان دنیا کا حجم پانچ سو سال کی مسافت ہے تو سورۃ الم السجدہ میں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ آسمان دنیا سے زمین تک پہنچتی ہے جبکہ یہاں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ عرش سے اس جہان کے نچلے حصے تک پہنچتی ہے اور سورۃ الم السجدہ میں نزول اور عروج کے مجموعی زمانے کا اعتبار کریں جیسا کلام کے انداز سے ظاہر یہی ہے تو آسمان دنیا کی نچلی سطح سے زمین تک اترتے چڑھتے ایک ہزار سال کی مسافت حاصل ہوتی ہے۔

قصہ مختصر خواہ حسی درجات مراد ہوں خواہ معنوی دونوں میں اس قدر مدت انسانی ذہنوں میں سما سکتی ہے لہذا یہاں اس مدت کو یاد فرمایا ہے اور غرض یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر نزول و عروج کے طور پر اسی قدر مدت میں منحصر ہوتی ہے تاکہ کوئی اعتراض پیش آئے اور اس سے جو سورۃ الم السجدہ میں ہے کوئی ٹکراؤ پیدا ہو۔

اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے روایت فرمائی ہے کہ نصر بن الحارث ابو جہل اور دوسرے کافر سرداران قریش خانہ کعبہ کے قریب آئے اور ملائکہ کی آماجگاہ اس گھر کے پردوں کو پکڑ کر ان میں سے بعض نے کہا کہ بار خدایا! اگر محمد (علیہ السلام) کا دین برحق ہے تو ہم پر پتھر برسایا کوئی اور عذاب نازل کر

اور بعض نے کہا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا تا کہ ہمیں قیامت کے عذاب کا یقین حاصل ہو جائے۔ حضور علیہ السلام ان کے اس مذاق کو سن کر بہت دل تنگ ہوئے اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سَأَلْتُ سَائِلٌ
دَرْخَوَاسْتَ كَرْنِ وَاَلِی نِ دَرْخَوَاسْتَ كِی

یہاں جاننا چاہیے کہ لغت عرب میں سوال دو معنوں میں آتا ہے ایک استفسار اور پوچھنے کے معنی میں اور اس کے صلے میں حرف عن لاتے ہیں دوسرا درخواست اور طلب کے معنی میں اور اس کے ضمن میں دعا اور اہتمام کا مفہوم دیکھتے ہوئے اس کے صلے میں کبھی حرف ب لاتے ہیں اور یہاں اسی معنی میں ہے اسی لیے

بَعْدَ ابِ اِهْتِمَامِ كَر كِی بَعْدَ ابِ فَرَمَا یَا هِی نَه كِه عِن عَذَابِ اَوْرِ فَنِ بِلَاغَتِ سِی بَعْضِ نَاوَاقِفِ لَوِ كُوْنِ نِی اِس تَرْكِیْبِ مِی اِیْكَ اِعْتِرَاضِ كِیَا هِی كِه دَرْخَوَاسْتَ نِهْیَسِ كَر تَا مَكْرِ دَرْخَوَاسْتَ كَرْنِ وَاَلِی تَوَسَّلِ كِی بَعْدَ سَأَلِ كَا ذِكْرِ فَائِدَه سِی خَالِی هِی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سائل لفظ سئل سے التزاماً سمجھ آتا ہے اور لفظ سائل سے مطابقت کے طور پر سمجھ میں آتا ہے تو اس ترکیب میں ابہام جمع بین المتكلمین ہے جو کہ بلاغت کے عمدہ فنون میں سے ہے پھر اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ سائل متعین نہیں ہے لفظ سائل میں ایک ابہام ہے اور اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ فاعل موجود ہے ایک تعین ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین المتكلمین بھی ہوا۔ نیز سائل کو نگرہ لانے میں بزرگی اور عظمت کی رعایت بھی ہے کہ کفر عناد اور استہزاء میں اونچے مرتبے کو پہنچا ہوا اور تحقیر بھی ہے کہ عقل اور بصیرت سے کوئی حصہ نہیں رکھتا کہ اس قسم کا سوال کرتا ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین الضدین بھی ہوا اور ہر صورت میں فاعل کو اس طریقے سے ذکر کرنا کہ تعین کا فائدہ نہ دے اور فعل کے لفظ سے جو کچھ التزاماً سمجھ آتا ہے اس سے بطریق صراحت سمجھ آئے ایک نکتے کی بناء پر ہے جو کہ بلغاء کے نزدیک بہت معتبر ہے اور وہ نکتہ اس بات کو بتلانا ہے کہ یہ سوال ایک ایسے شخص کی طرف سے واقع ہوا

ہے کہ سوال کرنے کے بغیر اس میں کوئی اچھی صفت نہیں ہے تاکہ اس کے تعین کی وجہ میں بات کی جائے۔ پس گویا وہ انسانیت اور خطاب کے لائق ہونے اور دوسرے امور میں سے کچھ حصہ نہیں رکھتا اور اس ترکیب میں سوال کے پہلے مفعول کو کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اور اس مقام پر حضرت حق تعالیٰ کی ذات ہے حذف فرمایا گیا ہے اس لیے کہ جب سوال کرنے والے نے اس دربار کا ادب ملحوظ نہیں رکھا اور بے ادبی کے طور پر اس قسم کی درخواست کی گویا اسے درجہ اعتبار سے گرا دیا۔ پس اس کے سوال کو نقل کرنے میں لفظ سے بھی گرا دینا چاہیے تاکہ اس کی اس گستاخی کا اشارہ ہو۔ اور عذاب کو نکرہ لانے میں اس کے کمال استہزاء کا اشارہ ہے اس لیے کہ نکرہ لانا یا تعظیم پر دلالت کرتا ہے یا تحقیر پر۔ پہلی صورت میں اس کی انتہائی جرأت ثابت ہوئی کہ اس نے اس عذاب کو عظیم جانتے ہوئے درخواست کی اور دوسری صورت میں اس کی انتہائی حماقت کہ اس نے اسی طرح کی عظیم چیز کو تحقیر جانا اور اس تمام بے ادبی کے ساتھ ساتھ سوال میں اس کی بے وقوفی بھی ثابت ہوئی اس لیے کہ وہ اس درخواست میں تحصیل حاصل کرتا ہے کیونکہ ایسے عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ

وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَىٰ سَبِيلٍ مَّبْرُورًا ۚ
وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَىٰ سَبِيلٍ مَّبْرُورًا ۚ
وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَىٰ سَبِيلٍ مَّبْرُورًا ۚ

لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۚ اس عذاب کو ہٹانے والا کوئی نہیں اس لیے کہ وہ عذاب مقدر ہے۔
مِنَ اللَّهِ ۚ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کہ ذِي الْمَعَارِجِ کی صفت سے موصوف ہے یعنی
عروج کے درجات اور مرتبوں والا کہ اس کے بندے اس کے احکام کو ادا کرنے اور فرماں
برداری کرنے کی وجہ سے ان مرتبوں اور درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ
درجات اور مرتبے مدت کے طویل ہونے اور کم ہونے میں مختلف اور جدا جدا ہوتے
ہیں۔ بعض درجات اور مرتبے ایسے ہیں کہ ایک لمحہ میں ان تک ترقی ممکن ہے جیسا کہ
زبان پر کلمہ اسلام جاری کرنا کہ اس کی وجہ سے ایک شخص ایک لمحے میں ابدی ہلاکت

سے ہمیشہ کی نجات کے درجے میں ترقی کرتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت کی مدت میں ان میں ترقی حاصل ہو جاتی ہے جیسے نماز کی ادائیگی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پورے دن کی مدت میں وہاں تک ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے روزہ ادا کرنا اور ایک مہینے میں جیسے پورے رمضان پاک کے روزے رکھنا اور ایک سال میں جیسے حج کی ادائیگی علیٰ ہذا القیاس۔

اور فرشتوں اور ارواح کو اس مہم کی تدبیر سے فارغ ہونے کے بعد جس پر وہ مامور ہوئے تھے حاصل ہونے والا عروج بھی اسی قسم کا اختلاف رکھتا ہے۔ بنی آدم کی حفاظت کرنے والے صبح سے عصر تک حفاظت کرنے کی مہم میں مشغول رہتے ہیں اور عصر کے بعد عروج کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے آتے ہیں اور صبح کے بعد وہ عروج کرتے ہیں اور ہر سال کے رزق اور موت کے اوقات مقرر کرنے والے شب برأت میں عروج کرتے ہیں اور دوسرا دفتر لاتے ہیں اور اسی قیاس پر درختوں، کانوں، بادل اور بارش کی ارواح مختلف مدتوں تک اپنے ساتھ متعلق مہمات کی تدبیریں کر کے عروج کرتی ہیں حتیٰ کہ وہ فرشتے اور وہ ارواح جو کہ کسی ملت کو قائم رکھنے یا کسی حکومت کو باقی رکھنے پر مقرر ہیں ہزار ہزار سال کی مدت تک تدبیر میں مصروف رہ کر اس امر کو پورا کرنے کے بعد عروج کرتے ہیں اور ان سب سے زیادہ لمبی ایک اور مدت ہے کہ

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ
اس کی طرف فرشتے اور آسمانی اور زمینی ارواح جو کہ نوع آدم کی تدبیر کے ساتھ متعلق تھے اس دن میں عروج کریں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور وہ قیامت کا دن ہے کہ اس دن پہلے تو صور پھونکنے کی وجہ سے وہ فرشتے اور ارواح جن کو آسمان، زمین، پہاڑ، دریا اور ستاروں کی حفاظت سپرد تھی اپنے کام چھوڑ کر عروج کریں گے پھر وہ فرشتے اور ارواح جنہیں بنی آدم کے اعمال کی حفاظت اور ان اعمال پر گواہی سپرد تھی عروج کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس

اعمال تو لے سیدھے اور اُلٹے ہاتھوں میں اعمال نامے دینے، جنتیوں کو بل صراط

سے گزارنے، دوزخیوں کو دوزخ کی طرف ہانکنے، جنت کی منزلوں اور درجات کی تقسیم، عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے، لوگوں میں جہنم کے طبقات کی تقسیم اور عذاب، رنج اور عدل کے اسباب مہیا کرنے کے لیے علویات اور سفلیات کے تمام فرشتے اور تمام آسمانی، زمینی، عنصری، معدنی، نباتی اور حیوانی ارواح، جوق در جوق یکے بعد دیگرے عروج کریں گی اور اپنی دنیوی ذمہ داریوں سے جو ان سے متعلق تھیں، فارغ ہو کر دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ مامور ہوں گی جو کہ آخرت میں مقرر ہیں تاکہ پھر ایک نظام قائم ہو اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جگہ پکڑیں اور وہ فرشتے اور ارواح اس جہان کو قائم رکھنے میں ابد تک مصروف ہوں کہ اس وقت عروج منقطع ہو جائے اور سکون و قرار کی حالت پیدا ہو جائے اور عروج کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک پچاس ہزار کی مدت ہوگی جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحتاً بیان ہوا اور اس سب کچھ کو ایک دن کا نام دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اس ساری مدت میں ایک کام کی تدبیر منظور ہے اور وہ جزا دینا ہے۔

اور صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت سننے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ دن بہت لمبا ہوگا، اتنی مدت تک خوف اور بے چینی برداشت کرنا، بے قرار رہنا بہت دشوار ہوگا؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم! وہ دن مومن پر اس قدر ہلکا معلوم ہوگا جیسا کہ دنیا میں ایک فرض نماز ادا کرتا تھا۔

اور جب آپ نے حق تعالیٰ کو ذی المعارج کی صفت کے ساتھ موصوف جان لیا اور اس کے بعض معارج کو سن لیا کہ پچاس ہزار سال کی مدت ہے۔ پس ان کفار کے استہزاء اور اس وعدہ شدہ عذاب کو جلدی طلب کرنے سے دل تنگ نہ ہوں۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا پس آپ اچھا صبر کریں کہ اس میں جلد طلب کرنا، تنگ دلی اور دل کی بے قراری نہ ہو اور ہم آپ کو صبر کا اس وجہ سے حکم دے رہے ہیں کہ ان کفار کا استہزاء اور جلد طلب کرنا نری غلط فہمی کی بناء پر ہے۔

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا تحقیق یہ کفار اس دن کو دُور دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ابھی

آسمان اور زمین کے خراب ہونے میں مدتیں باقی ہیں ہمیں اس دن سے کیوں ڈرنا چاہیے کہ ہماری زندگی کے ایام میں نہیں آئے گا۔

وَنَرَاهُ قَرِيبًا اور ہم اس دن کو بالکل نزدیک دیکھتے ہیں اس لیے کہ اس دن کے آنے کی ابتدا موت کے وقت سے ہے اور صرف بدن سے روح کے جدا ہونے سے ہی اس دن کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور فرشتے اور ارواح عروج کرتے ہیں لیکن وہ فرشتے اور وہ ارواح جو کہ خاص ہر انسانی فرد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور موت کا وقت بالکل نزدیک ہے اگر اس بناء پر اس دن کی حقیقت کو دور سمجھتے ہیں کہ دنیا کا ختم ہونا مہلت چاہتا ہے تو بھی بے جا ہے اس لیے کہ دنیا کا ختم ہونا بھی ان واقعات کی نسبت سے جو کہ اس دن میں رونما ہوں گے اور ان واقعات میں سے ہر واقعہ ہزار ہزار سال تک دراز رہے گا بالکل قریب ہے اس لیے کہ یہ ختم ہونا نہیں ہوگا مگر اس دن کی ابتدا میں۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ جَسَدًا مِّنْ عَدَسٍ أَوْ كَالرَّغِيمِ جس دن کے آسمان آگ کے شعلہ کے بلند ہونے اور صور کی آواز کے صدے سے ہوگا۔ كَالرَّغِيمِ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ اور پہاڑ ہو جائیں گے سخت تیز ہواؤں کے غلبے کی وجہ سے جنہوں نے ان کی جڑوں کے نیچے آ کر زمین کو کھوکھلا کر دیا ہوگا اور صور پھونکنا ان پہاڑوں کی جسمانییت کو کمزور کرنے میں ان ہواؤں کی پے در پے مدد کرے گا۔ كَالْعِهْنِ رنگین پشم کی طرح کہ جسے روئی دھکنے والا کمان پر مار کر اڑاتا ہے اور پشم کی رنگینی کا اعتبار اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بعض پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعض سفید اور بعض سیاہ اور جب ان سب کے اجزاء ہوا میں اڑیں گے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رنگین پشم کی طرح نمودار ہوں گے اور اسی وقت اس دن کی شدت لوگوں پر اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اپنے قریبوں کے حال سے غافل ہو جائیں گے۔

وَلَا يُسْئَلُ حَیْمًا حَیْمًا اور کوئی رشتے دار اپنے رشتے دار کو نہیں پوچھے گا کہ تیرا کیا حال ہے اور یہ نہ پوچھنا غائب ہونے اور دور ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ يُبْصِرُونَہُمْ لوگوں کو ان کے قریبوں کے احوال دکھائے جائیں گے اور ان کے مکروہ

حالات دیکھنے کے باوجود اپنی شدید پریشانی اور اپنے افکار میں گرفتاری کی وجہ سے ان کی پرواہ نہیں کریں گے اور مہربانی نہیں کریں گے بلکہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہمارے بدلے انہیں کو ہی عذاب دیں۔

يَوْمَذَلِكَبِئْسَ الْمَكْرُومُ
گنہگار آرزو کرے گا لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ كَاشَ کہ اس دن کے عذاب کے عوض میں دے دے۔ بَيْنِيهِ اپنے بیٹوں کو جیسا کہ دنیا میں اپنے عوض یرغمال دے کر قید سے خلاصی پاتا تھا۔

وَصَاحِبِئِهِ اور اپنی عورت کو جو کہ اس کا ناموس ہے اور یرغمال میں اس کا دینا بہت ناگوار اور بھاری ہے۔ وَأَخِيهِ اور اپنے بھائی کو جو کہ اس کے برابر ہے اور اس کا اتنا محکوم نہیں ہے۔

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّدُہ اور اپنے سارے خاندان کو جو اسے اپنے پاس اس وقت جگہ دیتا تھا جب کہ وہ کوئی گناہ کر کے بھاگ کر ان کے پاس آتا تھا۔ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اور ان سب کو جو کہ زمین میں ہیں۔

لَمَّا يُنْجِيهِ پھر اپنے آپ کو نجات دے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں بیٹوں کو عورت پر عورت کو بھائی پر بھائی کو باقی قریبوں پر اور قریبوں کو اجنبیوں پر مقدم فرمایا ہے جبکہ سورۃ عبس میں بھائی کو ماں باپ پر ماں باپ کو عورت پر اور عورت کو بیٹے پر مقدم کیا گیا اس طرز کو بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ سورۃ عبس میں فرار ہونے کا ذکر ہے اور آدمی فرار کے وقت پہلے اسے چھوڑتا ہے جس کی محبت قدرے کم رکھتا ہو۔ پس اس سورۃ میں ترتیب مذکور مناسب ہے جبکہ اس سورۃ میں اپنا فدیہ اور عوض دینا مذکور ہے اور آدمی یرغمال دینے کے وقت اس شخص کو مقدم کرتا ہے جو کہ اس کے حکم اور فرمان میں ہے۔ پس اس باب میں بیٹا عورت پر مقدم ہے اور عورت بھائی پر بھائی دوسرے قریبوں پر اور قریبی اجنبیوں پر۔

كَلَّا يَهْتَدِي السُّبُلُ آرزو نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ إِنَّهَا تَحْقِقُ وہ عذاب جو کہ اس دن ہے اور ضمیر کو خبر کی تائید کی رعایت کرتے ہوئے مؤنث لایا گیا ہے۔ لَطْفِي ایک آگ ہے جلانے والی اور شعلہ بار اور فدیہ قبول نہیں کرتی کیونکہ فدیہ قبول کرنا ذی شعور کا خاصہ

ہے اور وہ آگ اس عوض اور بدل لینے کا شعور نہیں رکھتی۔ ہاں اس سے عقل والوں کے کام صادر ہوتے ہیں اس حالت میں کہ

نَزَاعَةُ لَلشَّوٰی جسم کے چمڑے کو جلا کر کھینچ لیتی ہے اور چمڑے سے اندرونی حصہ کو پوری طرح نہیں جلاتی تاکہ ہلاکت تک نہ پہنچائے اور چمڑے کے بدلنے سے جلن کی تکلیف دم بدم بڑھے اور زیادہ ہو۔ نیز ایک اور عقل والا کام یہ کرتی ہے۔

تَذَعُّوْا بِلنْدَاوِاز اور فصیح زبان کے ساتھ بکاتی ہے کہ الٰہی یا کافر الٰہی یا منافق الٰہی یا جامع المال اے کافر! اے منافق! اے مال جمع کرنے والے! میری طرف آ۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور وہ اس بکالنے اور نام لینے میں خاص کرتی ہے۔

مَنْ اَدْبَرَ اَسے جس نے راہِ حق کو پشت کی تھی، حضرت رسول کریم علیہ السلام کی نافرمانی اور مخالفت کر کے۔ وَتَوَلّٰی اور ایمان سے روگردانی کی تھی۔ وَجَمَعَ اور مال جمع کیا تھا ہر حلال، حرام، شبہ، مکروہ کی جگہ کی تمیز اور فرق کیے بغیر۔ پس اس مال کو حاصل کرنے کے وقت دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو گیا تھا۔ فَاذْعٰی پس اس مال کو جمع کرنے کے بعد برتن میں ڈال کر سنبھال رکھا اور اپنے اوپر واجب حقوق خواہ خدا کا حق تھا، خواہ قرض خواہ نوکر، مزدور، غلام، لونڈی، مہمان، گدا، عورت، بیٹا، بھائی، بہن، باپ اور ماں کا حق اس مال سے ادا نہ کیا۔ پس اس مال کو خرچ کرنے میں بھی دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوا۔

تو جب معلوم ہو گیا کہ اس آگ کو دو کاموں کی طلب ہے، ایک بدن کے چمڑوں کو جلانا نہ کہ باپ، بیٹا، عورت اور بھائی کی گرفتاری کے ساتھ دلوں کو جلانا، دوسرا چن کر اور منتخب کر کے روگردانی کرنے والوں، پیٹھ پھیرنے والوں، مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کو بکاتی ہے اور چاہتی ہے پس اس سے فدیہ قبول کرنے کی آرزو کیسے کی جا سکتی ہے اس لیے کہ اگر اس شخص کے بدلے کسی اور کو قبول کرے تو اس شخص کے بدن کو جلانا جو کہ اس کا مطلوب ہے، کیسے حاصل ہو؟ گو اس شخص کا دل اپنے قریبوں کے عذاب کی وجہ سے جلے۔ نیز اس گناہگار آدمی کے قریبی اگر روگردانی کرنے والوں، پیٹھ پھیرنے

والوں مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کے گروہ میں سے ہیں تو وہ آگ خود ان کی طالب ہے، انہیں نہیں چھوڑے گی اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینے کا تصور ہی نہیں ہے کہ یہ گناہگار کو گناہگار کے بدلے میں دینا ہے اور اگر وہ اس گروہ میں سے نہیں ہیں تو وہ آگ انہیں قبول نہیں کرتی کہ اس کی غرض اسی گروہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینا گھوڑے کو چارے اور جو کے عوض بیش قیمت جواہرات دینے کے قبیلے سے ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب دوزخ کی آگ کافروں اور منافقوں کو نام لے لے کر پکارے گی، وہ بھاگ جائیں گے۔ ایک لمبی گردن آگ سے باہر آئے گی اور دو سو سال کے فاصلے تک کافروں اور منافقوں کو چن کر اٹھائے گی جس طرح جانور اپنی چونچ سے دانہ چتا ہے اور اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اس صورت میں دوزخ کی آگ اکثر لوگوں کے درپے نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ چاروں صفات جو کہ دوزخ کی آگ کو مطلوب ہیں، کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ عبادت بدنی کو پس پشت ڈالنا، رسل علیہم السلام اور قرآن پاک کے احکام سے روگردانی اگرچہ کم ہے اور فطرت سلیمہ کے خلاف ہے لیکن مال جمع کرنا اور حقوق کو روکنا بہت زیادہ ہے اس لیے کہ

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا تَحْقِيقَ إِنْسَانٍ أَجْنِبِ الْجَبَلِ كَمَا مَطَابِقِ بَعْصِرٍ أَوْ حَرِيصٍ پيدا کیا گیا ہے اور لغت عرب میں ہلوع اس شخص کو کہتے ہیں جو بے صبر بھی ہو اور شدید الحرص بھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس لفظ کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ فرمایا ہے

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا جب اسے فقر، بیماری اور دوسری تکالیف کی قسم کی بدی پہنچتی ہے تو حد درجہ بے چینی اور بے قراری کرتا ہے، بخلاف دوسرے حیوانات کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ادراک قوی ہے اور اس کی فکر دُور دُور تک پہنچتی ہے اور ہر بدی کی مکروہ اور دردناک وجوہات کو گہرے غور و فکر سے دریافت کرتا ہے اور اس کے دُور کے

لوازمات اور بعد کے نتائج کو دُور سے دیکھ لیتا ہے اور وہم کے غلبے کی وجہ سے ان سب کو واقع سمجھتا ہے اور بے قراری کی کیفیت سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیز اس بدی کو دُور کرنے کے لیے قسم قسم کے حیلے اور تدبیریں اس کے دل میں آتی ہیں اور ان میں سے کسی پر پختگی نہیں کرتا۔ پس ایک تدبیر سے دوسری تدبیر کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس منتقل ہونے میں اسے شدید بے قراری پیش آتی ہے کہ ابھی پہلی تدبیر کو پورا نہیں کر پایا کہ دوسری تدبیر کی فکر لگ جاتی ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا اور جب اسے دولت مرتبہ اور دیگر منفعتوں کی قسم کی اچھائی پہنچتی ہے تو انتہائی بخیل ہو جاتا ہے اور اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ دوسرے تک پہنچے اور جب اللہ تعالیٰ مختلف سمتوں سے اس پر ترقی کے دروازے کھول دیتا ہے اسے ہر نعمت اور ہر ترقی کی حفاظت پیش نظر ہو جاتی ہے تا کہ دوسرے تک نہ پہنچے اور میری نسل اور خاندان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے اور اس وجہ سے اس کا روکنا اور بخل کرنا ہر روز بڑھتا ہے اور یہ بھی اس کی عقل مندی اور ذہانت کے کمال سے ہے کہ ہر نعمت کی منفعت کی وجوہات پورے غور سے دریافت کرتا ہے اور دُور کے لوازمات اور مخفی خاصیتوں کو دُور سے سمجھ لیتا ہے اور ان میں پوری رغبت بہم پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو وہم کے غلبے کی وجہ سے واقع سمجھتا ہے اور اس نعمت کے ساتھ اپنی انفرادیت کے حیلوں اور تدبیروں کو بھی غور و فکر کے ساتھ دُور دُور سے لاتا ہے اور ان سب کے درپے رہتا ہے اور یہ دونوں صفات جو کہ بے صبری اور حرص کی شدت ہے زیادہ تر عبادات اور طاعات کو پس پشت ڈالنے اور رسل علیہم السلام اور قرآن پاک سے روگردانی کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔

دوزخ آٹھ گروہوں کے سوا سب لوگوں کو بُلّاتی ہے

پس دوزخ کے بِلّادے کے لائق سبھی لوگ ہیں کہ اس کی دعوت کی استعداد ان کی اصل جبلت میں موجود ہے مگر آٹھ گروہوں کو دوزخ نہیں بُلّاتی اس لیے ان آٹھ گروہوں کو جنت اپنے آٹھ دروازوں سے بُلّاتی ہے اگر انہیں دوزخ بھی بُلّائے تو جنت کے

ساتھ باہمی جھگڑا اور اختلاف لازم آئے جبکہ دوزخ اور جنت ایک مالک کے غلام اور باہم صلح و سلامتی کے ساتھ ہیں ان کے درمیان جھگڑے اور اختلاف کا تصور نہیں ہے اور ان آٹھ گروہوں کی تفصیل یہ ہے:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ مگر وہ نمازی حضرات جو کہ اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے صبر اور شدید الحرص پیدا نہیں ہوئے ہیں ورنہ پانچ اوقات میں نماز ادا کرنے پر صبر نہ کرتے اور چونکہ وہ دن رات میں اپنے مالک کے حضور پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں تو ان سے اس بات کا امکان کیسے ہے کہ اپنے مال کو اس کی نذر سے اور اسے پیش کرنے سے روکیں یا انہیں نہ دیں جن کا خرچ اللہ تعالیٰ نے ان پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں حرص کی شدت حقوق کو روکنے کے مقام تک پہنچا دے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ نماز ادا کرنے والوں کو ان آیات میں ان آٹھ گروہوں میں سب سے پہلے ذکر فرمایا گیا جبکہ کلام کو ختم بھی اس گروہ پر فرمایا گیا۔ بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت چند وجوہ کی بناء پر تکرار نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو کہ معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں پوچھا تھا کہ نماز پر دوام سے کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ آدمی کی طاقت سے باہر ہے کہ ہمیشہ نماز میں رہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز پر ہمیشگی سے مراد یہ ہے کہ اس میں آنکھ کی توجہ دائیں بائیں نہ ہو اور اس میں یاد خدا کے بغیر دل کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ نماز کی حفاظت جو کہ آیات کے آخر میں ہے سے مراد نماز کی عظمت کا اہتمام، شرائط و آداب کی رعایت، وقت سے پہلے وضو، ستر عورت اور طلب قبلہ کا مہیا ہونا ہے تاکہ جب نماز کا وقت آئے تو دل ان شرائط کو حاصل کرنے کے ساتھ متعلق نہ رہے اور حالت نماز میں خشوع کی رعایت کرنا، دنیوی امور کو یاد کرنے سے پرہیز کرنا اور نماز کو تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ بجالانا ہے اور نماز کے بعد لغویات اور نماز کے منافی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے اور یہ چیزیں متوجہ نہ ہونے کے علاوہ ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مداومت یعنی ہمیشگی سے مراد پانچ وقت کی نماز کو پابندی سے پڑھنا ہے اور ایک وقت کا بھی ناغہ نہ کرنا جبکہ محافظت سے مراد دوسرے امور ہیں جن کا ذکر ہو چکا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس نماز سے مراد فرضی نماز ہے اور آخری آیت میں مذکور نماز سے مراد نقلی نمازیں ہیں جیسے مؤکدہ سنتیں، چاشت، اشراق، زوال کے بعد اور تہجد کے نوافل جیسا کہ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ أَرْوَاهُ لُوكَ جَنَ كَ اَمَوَالِ كِ سَبِ اَقْصَامِ نَقْدِي زَرْعَاتٍ
سے حاصل شدہ پیداوار، موکشی، مال تجارت اور غلاموں میں حَقِّ مَعْلُومٍ ایک مقرر اور
معین کیا ہوا حق ہے جو کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور واجب اخراجات ہیں یا دوسرا حق جو کہ
انہوں نے اپنی طرف سے مال کی ہر جنس پر مقرر کیا ہے۔

يَلْتَأَنِلُ سَوَالِ كَرْنِ وَاَلِ كَ لِيْ كَ جَسَ شَرْعِي طُورِ پَرْمَانِ كَنَ كَ اَحْقَ هَ جِيْسَ بِيْوِيْ
بیٹا، غلام، کنیز، دوسرے قریبی رشتے دار، قرض خواہ اور مہمان جو کہ لوگوں کے سامنے اور
کچھریوں میں بے جھجک اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وَالْمَعْرُومُ اَوْر اَسْ شَخْصِ كَ لِيْ كَ مَحْرُومِ هَ اَوْر اَسَ مَانِ كُنَا شَرْعِي طُورِ پَرْمَنْعِ هَوَا
جیسے مساکین، یتیم اور محتاج جو کہ مطالبہ نہیں رکھتے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سائل وہ
آدمی ہے جو کہ اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور محروم ہر بے زبان جانور ہے اور بعض نے
کہا ہے کہ سائل گلی کو چوں میں پھرنے والا منگتا ہے جبکہ محروم وہ مفلس خانہ نشین آدمی جو
کہ کسی کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار نہیں کرتا اور لوگ اسے امیر سمجھتے ہیں اور اس وجہ
سے خیرات ملنے سے محروم رہتا ہے اور بعض نے کہا کہ محروم وہ بدنصیب ہے جس کی روزی
کے اسباب برباد ہو گئے، کسی طرح سے بھی روزی نہیں کما سکتا یا وہ تاجر جس کے سرمایہ
میں بہت سا نقصان ہو گیا یا اس کا مال لٹ گیا اور اگرچہ محروم صدقہ دینے میں سائل سے
پہلے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لَيْسَ الْمَسْكِينُ الَّذِي يَرُدُّهُ الْاَكْلَةُ وَالْاِ
كَلْتَانِ وَالْثَمْرَةُ وَالْثَمْرَتَانِ وَلَكِنِ الْمَسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غَنًا يَغْنِيهِ وَلَا يَسْتَلُ

الناس فیتصدق علیہ یعنی وہ منگتا جسے دینا بہت ثواب رکھتا ہے، وہ منگتا نہیں جو کہ ایک لقمہ یا دو لقمہ کی خاطر در بدر پھرتا ہے بلکہ یہ وہ ہے جو کہ ضروریات نہیں رکھتا اور کسی کے سامنے سوال نہیں کرتا تا کہ کوئی اس کی ضرورت معلوم کر کے اسے کوئی چیز عطا کرے۔ پس اس قسم کے منگتے کو دینا ثواب کا زیادہ موجب ہے لیکن اس آیت میں سائل کو محروم پر اس بناء پر مقدم فرمایا گیا ہے کہ واقع میں ہوتا یہی ہے اس لیے کہ صدقات کی تقسیم کے وقت انسان اس منگتے کو جو بلند آواز سے اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور دروازے پر کھڑا رہتا ہے، مقدم کرتا ہے اور جب ان صدقات میں سے کچھ بچ جاتا ہے تو اسے خرچ کرنے کے لیے محروموں اور خانہ نشینوں کے حال کی تفتیش کی جاتی ہے اور اس عمل کی وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ گروہ بہت قوی صبر رکھتا ہے کہ مال دینے اور منگتوں اور سائلوں کی جفا سے پریشان نہیں ہوتے اور حرص نہیں رکھتے ورنہ اپنا مال جس سے بہت سے کاموں کی توقع رکھتے ہیں، دوسروں کو کس طرح دیتے لیکن ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے نیچا ہے کیونکہ انہیں مال کے نکلنے سے گھبراہٹ اور مال جمع کرنے کی حرص کبھی کبھی پیش آتی ہے اگرچہ اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ بخلاف پہلے گروہ کے کہ نماز میں استغراق کی وجہ سے ان دونوں چیزوں سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ اور وہ لوگ جو کہ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور تکلیف آنے پر گھبراتے نہیں اور نیکی پہنچنے پر خیر سے روکنے والے نہیں ہوتے اس لیے کہ ہر مصیبت اور ہر راحت کی جزا کو جانتے ہیں۔ پس وہ بھی صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں رکھتے لیکن ان کا مرتبہ نماز ادا کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں سے نیچا ہے اس لیے کہ انہیں منفعت دنیا کے غیر میں اپنے اوقات کو مصروف کرنے یا زیادہ مال حاصل کرنے اور پھل دینے کے مقام کے غیر میں مال خرچ کرنے پر تکالیف برداشت کرنے پر گھبراہٹ اور اپنے اوقات کو دنیوی منفعتوں میں مصروف کرنے یا غم و فکر کے اسباب کو ختم کرنے یا ضرورت کے وقت کے لیے مال جمع کرنے کی حرص پیش آتی ہے لیکن وہ اس علم کے تقاضا کے مطابق جو کہ جزا کے متعلق رکھتے ہیں، صبر کو گھبراہٹ پر اور قناعت کو حرص پر

ترجیح دیتے ہیں۔ پس گویا وہ معاوضہ اور تبادلہ کرتے ہیں، تھوڑا دیتے ہیں اور بہت چاہتے ہیں اور ان کی گھبراہٹ اور حرص بالکل بے تاثیر نہیں ہے بلکہ دنیوی قسم سے اخروی قسم کی طرف اور فانی سے باقی کی طرف منتقل ہوگئی اور اس نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔

وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابٍ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ اور وہ لوگ جو کہ دنیا و آخرت میں اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر تکلیف میں صبر نہ کریں اور جو دو عطا نہ کریں تو عذاب خداوندی میں گرفتار ہوں گے اور واقع میں مقدمہ یوں ہی ہے کہ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اس لیے کہ

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ تَحْتِيقٌ ان کے رب کے عذاب سے تکلیف میں صبر اور سخاوت میں خرچ کرنے کے باوجود غَيْرُ مَأْمُونٍ بے خوفی نہیں ہے اس لیے اعتبار تو خاتمے کا ہے اور ہر شخص کا خاتمہ مخفی ہے کہ کس حال میں ہوگا اور صبر و عطا میں ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے کم ہے اس لیے کہ ان کا عمل عذاب کے خوف کی وجہ سے ہے جبکہ پہلے گروہ کا عمل طمع ثواب کی وجہ سے ہے اور ثواب کی طمع امید کی راہ ہے اور امید محبت کا وسیلہ ہے اور محبت کے ساتھ خدمت اور اطاعت اس خدمت اور اطاعت سے بہتر ہے جو خوف کی وجہ سے ہو جس طرح مزدور کی خدمت غلام اور لونڈی کی خدمت سے۔ اور یہ دونوں گروہ اپنے سے پہلے دو گروہوں سے بہت کم ہیں اس لیے کہ ان کا عمل امید اور خوف کی ملاوٹ کے بغیر صرف محبت کی وجہ سے ہے۔ پس ان کی خدمت اور اطاعت عاشق کی اپنے معشوق کی خدمت اور اطاعت کی مانند ہے اور یہ چار گروہ جن کا ذکر ہوا وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدنی یا مالی طاعات پر یا مصیبت پر اور طاعات کے مخالف امور پر حرص کو زائل کرنے پر اور نافرمانیوں اور خواہشات سے مطلقاً صبر کیا۔

جزوی امور میں صبر کرنے والے

اب ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو جزوی امور میں صبر و قناعت اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی چار گروہ ہیں۔ پہلا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ شرم گاہ کی خواہش اور جماع کی لذت کے سلسلے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے کہ یہ دونوں زیادہ تر مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں

دوسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ مخلوق کے حقوق یعنی امانتوں اور معاہدوں کو ادا کرنے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے، تیسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ ان حقوق کے اظہار میں صبر نہیں کرتے اور حرص نہیں کرتے جو کہ مخلوق کے ایک دوسرے پر ہیں، چوتھا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ لازم ہونے والی طاعات کے نوافل خصوصاً اپنی مقررہ نمازوں پر صبر کرتے ہیں اور اپنے اوقات کو لذتوں اور آرام طلبی میں صرف کرنے میں حرص نہیں کرتے۔

اور ان گروہوں کے بیان کو آگے پیچھے لانے کی ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ بدنی عبادتوں میں صبر اور عدم حرص جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوئی ہے جیسے پابندی کے ساتھ نماز پنج گانہ ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال قرب اور واصل ہونے کا ذریعہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ میرن بارگاہ میں میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ قرب حاصل نہیں کرتا جو کہ مجھے فرائض سے زیادہ پسند ہو اور نماز کو جو کہ ایک جامع عبادت ہے اور بندے کو بلا واسطہ بارگاہ خداوندی میں مناجات، ہم کلامی حاضری اور قرب کی سرحد تک پہنچاتی ہے، مزید خصوصیت حاصل ہے پھر فرض زکوٰۃ ادا کرنے اور واجب اخراجات پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی منفعت اور اس کے بندوں کی پرورش ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال خوشنودی اور رضامندی کا سبب ہے پھر تکلیف اور مصیبت پہنچنے کے وقت حصول ثواب کی امید سے گھبراہٹ اور بے چینی اور نہ ملنے والے مقاصد پر حرص کو چھوڑنا انہیں عذاب کے ڈر سے چھوڑنے سے زیادہ بلند اور قابل قدر ہے۔

پھر شرم گاہ کی خواہش کے مسئلے میں ناجائز کی حرص چھوڑنا اور جائز حد تک صبر کرنا، صبر و قناعت کی دشوار ترین صورت ہے اور یہ سب کچھ پروردگار کے حق کے ساتھ متعلق تھا۔

پھر وہ جو بندوں کے حقوق کے ساتھ متعلق ہے۔ پس یا تو ان حقوق کی ادائیگی ہے جو کہ اپنے ذمہ ہیں جیسے امانتیں اور معاہدے یا ایک دوسرے پر ان کے حقوق کا اظہار ان کے اموال کو زندہ کرنا ہے اگرچہ اپنی طرف سے کچھ دینا لازم نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ

کے ان تمام واجبات کو صبر اور ترکِ حرص کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کچھ باقی نہ رہا سوائے اس کے جسے انہوں نے اپنے اوپر نذر والتزام کے طریقے سے واجب کیا ہے جیسے نقلی عبادات خصوصاً نمازیں۔ پس آخر میں ان کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْيُنِنَا جَوْزُونَ نَسْتَكْفُرُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْيُنِنَا جَوْزُونَ نَسْتَكْفُرُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 کرنے والے ہیں اس سے کہ ان پر کسی کی نظر پڑے یا کسی کا بدن ان تک پہنچے اور اس نگاہبانی میں ان کی قوتِ صبر بھی ثابت ہوگئی اور ان کی بے حرصی بھی۔

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ مِمَّا يَتَوَلَّوْنَ مِنْهُنَّ بِمَا يَكْفُرُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 گھر کا کاروبار عورت اور مرد کے باہم شامل ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا اس وجہ سے عورت کو مرد کا جوڑا اور مرد کو عورت کا جوڑا کہتے ہیں جیسے موزے کا جوڑا اور جوتے کا جوڑا۔

اور جفت یعنی جوڑا ہونے میں چند چیزیں شرط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ایک خصوصیت پیدا ہو جائے اسی لیے ہر عورت کو ہر مرد کا جوڑا نہیں کہا جاسکتا اور یہ خصوصیت شرعی ایجاب و قبول کے بغیر جو کہ عقد نکاح سے عبارت ہے حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ خصوصیت خانہ داری اور معاش کی ضرورتوں کی تدبیر کے لیے ہو صرف قضائے شہوت کے لئے نہیں۔ اس لیے کہ گھر میں دونوں کے اشتراک کے بغیر دونوں کے نفع و نقصان مشترک نہیں ہوتے۔ پس جوڑا ہونے کا معنی صورت نہیں پکڑتا۔ اسی لیے خرچی کی عورت (جو قیمت لے کر جماع کرائے) اور متعہ کی عورت کو جفت یعنی جوڑا نہیں کہا جاسکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے نسل لینا ممکن ہو اور اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو۔ پس کسی دوسرے کی مملو کہ عورت کو جس کے ساتھ اس نے مقاربت کرنے کی اجازت دے دی ہو جفت نہیں کہا جاسکتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس تعلق کے سوا ان دونوں کے درمیان اس سے زیادہ قوی اور قرب والا تعلق نہ ہو اسی لیے ماں بیٹی اور بہن کو آدمی کا جفت نہیں کہا جاسکتا۔

متعہ وغیرہ کی حرمت کا بیان

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ متعہ والی عورت جفت نہیں ہے اور اسی لیے اگر وہ متعہ کی مدت کے اندر مر جائے تو مرد اس کا وارث نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عورت مرد کی وارث ہوتی ہے نہ اس کی خوراک اور پوشاک واجب ہوتی ہے نہ ہی گھریلو معاملات میں دخل ہوتی ہے نہ نفع و نقصان میں شریک ہوتی ہے نہ ہی اس سے نسب اور نسل کی حفاظت ممکن ہے اس لیے کہ متعہ کی مدت گزرنے کے بعد ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے ہیں یہ مشرق میں جاتا ہے اور وہ مغرب میں اور یہ عورت متعہ کے لیے کسی اور کو چاہتی ہے اور وہ مرد کسی اور کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اگر متعہ کی مدت میں اس سے حمل ظاہر ہو اور اس سے کوئی بچہ پیدا ہو جائے نہ وہ باپ پہچان سکتا ہے اور نہ اسے باپ پہچان سکتا ہے اور نہ وہ باپ تک پہنچ سکتا ہے تاکہ اس سے حق فرزندگی کا مطالبہ کرے اور نہ باپ اس تک پہنچ سکے تاکہ تربیت پداری بجالا سکے اور جب بیٹے کا نسب مجہول رہا تو باپ کے محارم کے ساتھ اس کی حرمت بھی معلوم نہ ہو سکی اور محارم کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ممکن ہو گیا کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ لڑکا باپ کی لڑکی سے نکاح یا متعہ کرے اور باپ کا بھائی اس لڑکی سے نکاح کا متعہ کرے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری رشتے داریوں میں بھی یہ داخل متصور ہے اور اس اولاد کے نکاح میں کفو کا مسئلہ بھی درگروں ہو گیا اور لوگوں کی میراث کی تقسیم کا دروازہ بالکل بند ہو گیا اس لیے کہ اس کے ورثاء جہان میں منتشر ہو گئے اور ان کی گنتی ناموں اور مکانات کی تفصیلات کو جاننا مشکل ہو گیا تاکہ ہر شخص کی میراث اس تک پہنچائی جائے۔

اور اسی لیے متعہ کا عقیدہ رکھنے والوں کے مطابق بھی زوجیت کے احکام عدت، طلاق، ایلاء، لعان، ظہار، شبہ، باشی کی باری وغیرہ متعہ والی عورت کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے اور کسی چیز کے احکام کا نہ ہونا اس چیز کے نہ ہونے پر صریح دلیل ہے اور

اور متعہ کو حلال سمجھنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ احکام زوجیت کے لیے لازم نہیں ہیں تاکہ ان کی نفی ہونے سے ملزوم کی نفی کی دلیل ہو اس لیے کہ منکوحہ بیوی کی خوراک اور پوشاک شوہر کی نافرمانی اور اس کے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں سکونت اختیار

کرنے کی وجہ سے گر جاتی ہے اور اس عورت کو جس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہو یا کسی کی کنیز ہو یا فرنگی مذہب ہو میراث نہیں پہنچتی اور لعان بھی مملوکہ عورت اور اس کے شوہر کے درمیان نہیں ہے اور شبِ باشی کی نوبت سفر میں ساقط ہو جاتی ہے نہایت بے معنی بات ہے اس لیے گھر زوجہ منکوحہ میں ان احکام کا زائل ہو جانا درمیان میں پیدا ہونے والے عوارض کی وجہ سے ہے حتیٰ کہ اگر وہ عارضے اٹھ جائیں تو وہ احکام لوٹ آئیں مثلاً اگر نافرمان عورت اپنے شوہر کے گھر کو لوٹ آئے تو خرچہ خوراک اور پوشاک کی مستحق ہو جائے گی اور اگر کنیز آزاد ہو جائے یا کافرہ مسلمان ہو جائے تو میراث کی مستحق قرار پائے گی اور اگر مرد سفر سے واپس آ گیا تو عورت شبِ باشی کی نوبت کی طلب کرے گی۔ پس وہ عوارض احکام زوجیت کی نفی کا موجب ہو گئے نہ کہ نفس عقد نکاح۔ بخلاف متعہ والی عورت کے نفس عقد متعہ کسی عارضے اور پیدا ہونے والی رکاوٹ کے بغیر ان احکام کے منافی ہے جیسا کہ پانی طبعی طور پر سیلان رکھتا ہے اور پتھر طبعی طور پر جمود اور اگر کوئی از روئے حماقت یہ کہنا شروع کر دے کہ منجمد پتھر بھی پانی کی قسم سے ہے اس لیے کہ پانی بھی برف بننے کے بعد منجمد ہو جاتا ہے یا بننے کی صلاحیت والا پانی بھی پتھر کی قسم سے ہے اس لیے کہ پتھر بھی تیزاب ڈالنے کی مدد سے پانی ہو جاتا ہے عقل مند اس کی اس بکواس پر کبھی کان نہیں دھریں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے منکوحہ بیویوں کو چار کی تعداد میں بند رکھا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی ابتدا میں مذکور ہے اگر متعہ والی عورت بیویوں میں داخل ہوتی تو وہ بھی اس عدد میں منحصر ہوتی حالانکہ متعہ کرنے والے ایک رات میں دس دس عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور ایک شخص کے عقد نکاح میں چار عورتیں ہونے کے باوجود دوسری عورتوں کے ساتھ متعہ جائز قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ شرعیہ

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت کی تو محسن ہو گیا۔ اس کے بعد اگر زنا کرے تو اسے سنگ سار کرنا چاہیے اور اگر

اس نے منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت سے پہلے یہ بُرا فعل کیا تو سو کوڑے مارنا چاہئیں جبکہ متعہ کرنے والے متعہ والی عورت کی مقاربت کو احسان کا سبب نہیں جانتے۔ پس متعہ والی عورت کسی صورت میں بیوی میں داخل نہیں ہوتی اور متعہ والی عورت کو زوجہ میں داخل کرنا اسی قسم سے ہے کہ جو شخص کالچ کے روغنی تھال میں گوشت بھوننا چاہے اس نے ایک امر محال کی طلب میں عمر میں ضائع کر دی۔

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ یا وہ چیز جس کے ان کے ہاتھ مالک ہوئے ہیں اور وہ چیز لونڈیوں کا مقام مخصوص ہے اس لیے کہ وہ چیز چاہیے جو کہ محل نجاست نہ ہو اور نسل لینے کے قابل ہو اور غلام اس قسم کی چیز نہیں رکھتے اور کنیریں دونوں چیزیں رکھتی ہیں لیکن نجاست کی جگہ جو کہ کھیتی اور نسل کا مقام نہیں ہے ان سے بھی حرام ہے اور چونکہ 'ما' سے مراد وہ مقام مخصوص ہے۔ پس ما کا لفظ وارد کرنے میں کوئی اشکال نہیں اور اس صورت میں بھی عورت کی مرد کے ساتھ خصوصیت، نفع و نقصان کی شراکت، نسب و نسل کی حفاظت اور گھریلو امور کی خدمت ثابت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بیوی میں اس مقام مخصوص کی منفعتوں کے سوا شوہر کی ملک میں کچھ نہیں آتا جبکہ مملوکہ عورت اس کے سر سے لے کر قدم تک تمام منفعتوں کے ساتھ مالک کی مملوک ہے اور لغت عرب میں ملک یمین ذات اور گردن کی ملک سے عبارت ہے اسی لیے کسی مانگی ہوئی چیز کے متعلق یوں نہیں کہا جاسکتا کہ میری ملک یمین ہے۔ پس وہ کنیر جسے اس کا مالک دوسرے کو جماع کرنے کے لیے عاریتہ دے دے اس عاریتہ لینے والے کی ملک یمین میں داخل نہیں ہے کہ اس کی ملک یمین میں داخل ہو اور اس کے ساتھ جماع حلال ہو جیسا کہ اسے حلال قرار دینے والوں کا عقیدہ ہے اور اس عاریتہ کو دوسری منفعتوں کی عاریتہ پر قیاس کرنا نص قطعی کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو کہ قطعاً درست نہیں اور قیاس مع الفارق بھی ہے اس لیے کہ اگر اس منفعت کے لیے کسی لونڈی کو عاریتہ لیں، گمان غالب ہے کہ وہ حاملہ ہو جائے گی جبکہ عاریتہ لینے والے کے لیے اس چیز کو اپنے حق کے ساتھ مصروف کرنا جائز نہیں ہے اسی لیے عاریتہ کی زمین میں درخت لگانا اور کنواں کھودنا جائز نہیں ہے۔

فَانَّهُمْ پس تحقیق وہ لوگ اگر اپنی بیویوں اور کنیزوں کی مقاربت سے بے صبری کریں اور مقاربت اور لذت لینے کی حرص کریں۔ غَيْرُ مَلُومِينَ ملامت کیے گئے نہیں ہیں کہ انہیں جزع و فزع اور حرص کرنے والوں میں داخل سمجھا جائے۔

فَمِنْ ابْتغَى وِرَاءَ ذَالِكَ فَأَوْلِيكَ هُمُ الْعُدُونَ تو جو ان دو قسم کی عورتوں جو کہ بیوی اور لونڈی ہیں کے سوا طلب کرے تو وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں کہ حد عفت سے آگے نکل گئے اور بے صبروں اور حرصوں میں داخل ہو گئے۔

لواطت متعہ اور جلق وغیرہ کی حرمت کا بیان

یہاں جانتا چاہیے کہ جماع کی شہوت کے چند مصرف ہیں اور وہ تمام مصارف شرعاً حرام ہیں مگر یہ دو مصرف جن کا ذکر ہو چکا بلاشبہ حلال ہیں اور اس کے حرام مصارف کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک لواطت ہے اور وہ مقام نجاست میں جماع کرنے سے عبارت ہے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے اور عورت خواہ بیوی اور کنیز ہو یا اجنبی اور ان میں سے اجرت کا معاملہ کرنے والی عورت ہے جسے عرف میں زن خرجی کہتے ہیں (یعنی اس فعل شنیع کے عوض خرچ لینے والی) اور ان میں سے دوستی والی عورت ہے جسے عرف میں خانگی کہتے ہیں اور یار دوست اور آشنا نام رکھتے ہیں کہ اجرت مقرر کیے بغیر صرف دوستی اور یارانے کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ مُدِ اَمَل کرے اور ان میں سے وہ عورت ہے جسے مجبور کیا گیا کہ جبراً اس کے ساتھ یہ کام کریں جیسا کہ شہروں کو لوٹنے کے وقت دشمن کے فوجی عورتوں کے ساتھ جبراً دست درازی کرتے ہیں اور ان میں سے متعہ والی عورت ہے کہ اس کے ساتھ مدت اور اجرت مقرر کر کے یہ کام کرتے ہیں اور ان میں سے عاریتہ لی ہوئی کنیز جسے اس کے مالک سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس عمل کے لیے لیتے ہیں اور ان میں سے مساحقہ والی عورت ہے کہ لواطت کے برعکس عورت عورت کے ساتھ تکمیل خواہش کرے اور ان میں ہاتھ کا عمل ہے جسے جلق کہتے ہیں اور ان میں سے محارم کے ساتھ نکاح ہے خواہ وہ محارم نسبی ہوں جیسے ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور خواہ سبھی محارم ہوں جیسے ساس، سالی، بیوی کی پھوپھی اور خالہ وغیرہ اور خواہ

رضاعی محارم ہوں جیسے دودھ پلانے والی اور اس کے اصول و فروع اور ان میں وہ عورت ہے جو کہ کسی اور کے نکاح میں ہو کہ اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں ہے اور ان میں سے مشرک عورت ہے اور ان میں سے فاحشہ عورت ہے کہ اس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے اور یہ تمام اقسام ماوراء ذالک میں داخل ہیں اور بالکل حرام۔

امانتوں کی حفاظت کا بیان

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْنَتِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں یعنی لوگوں کی امانتیں جو اپنے پاس رکھتے ہیں اور امانت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ امانت جو کہ خدا تعالیٰ کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے وضو، غسل، جنابت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ اس لیے کہ ان چیزوں پر دوسرے لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور ان میں اس شخص کا کہا ہوا مقبول ہے اور امانت کی حقیقت یہی ہے کہ اس میں امانت والے کے کہے ہوئے کا اعتبار کیا جائے۔ دوسری امانت وہ ہے جو کہ مخلوق کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں۔ پہلی قسم لوگوں کے اموال جو کہ اس کے پاس بطور امانت رکھتے ہیں دوسری قسم لوگوں کے حقوق جو کہ اس شخص کی دانست میں ثابت ہیں اور صاحب حق کو اس کی اطلاع نہیں ہے تیسری قسم وہ چیز جو اس شخص کی خدمت اور عمل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے تولنا، ماپنا، کھانا پکانے میں مصالحوں استعمال کرنا اور کپڑا سینے میں سنباب اور مغزی استعمال کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس

چوتھی قسم لوگوں کے راز اور بھید جو کہ وہ اس کے سپرد کرتے ہیں اور اس کی رازداری پر اعتماد کرتے ہیں پانچویں قسم فیصلے میں انصاف کرنا کہ یہ حکام اور جسٹس حضرات کے ذمہ رعایا کی امانت ہے چھٹی قسم فتویٰ میں حق بیان کرنا کہ یہ مفتیوں کے ذمہ عوام کی امانت ہے ساتویں قسم وہ معاملات جو کہ میاں بیوی میں مقاربت اور ایک دوسرے میں مصروف ہونے کے وقت ہوتے ہیں اور گھریلو امور کی تدبیر کے معاملات جو کہ ہر ایک کی دوسرے کے ذمہ امانت ہے آٹھویں قسم مالک کی اپنے مملوک پر امانت کہ وہ اس کے مخفی اسرار پر مطلع ہے نویں قسم آقا کی نوکر پر امانت دسویں ہمسایہ کی ہمسایہ پر امانت

گیارہویں قسم ایک ساتھ بیٹھنے والوں کی ایک دوسرے پر امانت۔

وَعَهْدِهِمْ اور اپنے وعدہ کی جو انہوں نے خدا تعالیٰ یا مخلوق سے باندھا ہے اور پہلے وعدے کو نذر کہتے ہیں اگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کچھ مال دینے یا کوئی عبادت ادا کرنے کا خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد باندھا ہو۔

بیعت طریقت وغیرہ کی رعایت اور مشروعیت کا بیان

اور بیعت کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے ساتھ راہِ خدا کے سلوک میں شریک ہونے کا عہد باندھا ہو کہ حقیقت میں یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد ہے جیسا کہ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا میں مذکور ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُلُّ اللّٰهَ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللّٰهَ فَاِنَّهٗ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

اور دوسرے عہد کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ شرک، عمارت، صلح، وصیت اور دوسرے عہد جن کی کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ شرح کی گئی ہے جیسے عقد مراکت، تولیت، وکالت، کفالت اور ضمان۔

رَاعُونَ رعایت کرنے والے ہیں اور اس امانت اور عہد کی حفاظت میں کوشش کرتے ہیں جیسا کہ چرواہا جو کہ بکریوں کا محافظ ہے ان کی حفاظت میں کوشش کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی پورا صبر رکھتے ہیں اور حرص کم۔ ورنہ امانت اور عہد کی پاس داری ممکن نہ ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں کے اظہار کے لیے تیار کھڑے ہیں، گواہیوں کی ادائیگی میں دوستیوں اور قرابتوں کے ختم ہونے سے نہیں ڈرتے اور اس کی ادائیگی میں ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو جو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور اس وجہ سے حقوق والوں کے حقوق زندہ ہوتے ہیں۔

گواہی چھپانے کی بُرائی کا بیان

اور یہاں جاننا چاہیے کہ گواہی چھپانا مستند کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے

اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ گواہی کا انکار کرے کہ میں نہیں جانتا، دوسری یہ کہ ضرورت کے وقت گواہی دینے میں حیلے اور بہانے سے کنارہ کشی کرے کہ دونوں صورتوں میں مخلوق خدا کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اس سے بدتر ایک اور کبیرہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے کہ اس صورت میں باطل کو حق اور حق کو باطل کرنا دونوں چیزیں اس شخص سے صادر ہوتی ہیں اور اس آیت میں جو گواہی کے ساتھ قائم رہنا مذکور ہے، ان دونوں کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لیے ہے۔ نیز یہ بتانے کے لیے گواہی کو کمی بیشی کے بغیر ادا کرنا چاہیے کیونکہ کمی بیشی کرنے میں اس گواہی کے ساتھ قائم رہنا نہیں رہتا۔

نماز کو مکروہات سے بچانے کا بیان

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ اور وہ جو اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ضائع نہ ہو اور یہ محافظت مداومت سے علیحدہ ہے جو کہ پہلی آیت میں مذکور ہے اس لیے کہ مداومت کا معنی ہمیشہ بجالانا اور ناز نہ کرنا ہے اور محافظت کا معنی ان امور کا اہتمام اور رعایت ہے جو کہ اس نماز کے ثواب کی تکمیل کرے۔ اور شرائط اور رکعات کی گنتی پوری کرنا اور اوقات کو اختیار کرنا جسے ادھر ادھر دیکھنے کو ترک کرنا، سجدہ گاہ کو دیکھنا، کپڑے کو سنبھالنے سے پرہیز کرنا، جسم کے ساتھ کھیلنا، انگڑائی میں قدموں کو لبا کھینچنا، منہ کھولنا، منہ کو کپڑے ڈھانپنا، سر یا کندھے پر دونوں طرف کپڑا لٹکانا، انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیچ کرنا یا شکنجے کے ساتھ انگلیوں سے آواز نکالنا یا سجدہ گاہ کو عین نماز کی حالت میں خس و خاشاک اور کنکریوں سے صاف کرنا، اپنے ہاتھ میں کوئی چیز سنبھالنا جیسے عصا اور کوڑا اور حضور قلبی کے بغیر نماز ادا کرنا جس طرح نماز پر ہمیشگی کرنا ایک نہایت گراں فعل ہے، کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اسی طرح نماز کی مکروہات اور مفسدات سے حفاظت کرنا بھی ایک ناگوار فعل ہے جو کہ کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اس لیے ان دونوں کاموں کو باوجودیکہ ایک چیز کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جدا جدا ذکر فرمایا گیا ہے اور ایک فعل سے ابتدا اور دوسرے فعل پر اختتام کرنے سے نماز کی فضیلت اور اس کے حال کے اہتمام کی شدت معلوم ہوئی کہ ان آٹھ گروہوں کے اول و

آخر نمازی ہیں اور مداومت کو ابتدا میں اس لیے لایا گیا کہ اس کی وجہ سے بے صبری اور حرص کی شدت کی تمام آفات کم ہو جاتی ہیں کہ **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** اور جب حرص کم اور صبر قوی ہو گیا تو نماز پر حفاظت حاصل ہو گئی اس لیے کہ نماز کی محافظت میں تمام مشقتوں اور تمام منفعیوں کے فوت ہونے پر صبر ضروری ہے جبکہ تمام لذتوں کی حرص محافظت کو روکنے والی ہے اسی لیے محافظت پر ختم فرمایا ہے۔

أَوْلَىٰ بِكَ وہ لوگ کہ بے صبری، بخل اور حرص جیسے ذلیل کام سے پاک ہیں فی جنات مختلف باغات میں اپنے اعمال کے درجات کے مطابق **مُكْرَمُونَ** تعظیم و توقیر کے ساتھ ہوں گے اس لیے کہ وہ مکارم اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں اور ذلیل حرکات سے محفوظ ہیں اور کریم کی تعظیم واجب ہوتی ہے جیسا کہ ذلیل کی توہین ضروری۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کی بزرگی اس کے اخلاق کی بزرگی کی وجہ سے ہے جبکہ اس کی نالافتی اس کے اخلاق کی پستی پر ہے اور مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب کفار نے جنت اور اس میں قسم قسم کی جن عزت افزائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے کے متعلق سنا تو منافقت اور مذاق کے طور پر دوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے اور آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ کی یہ بات سچی ہے کہ ایک آخرت ہوگی اور اس میں لوگوں کو اس قسم کی نعمتیں اور عزتیں بخشیں گے تو یقین سے جان لیں کہ ہم ان نعمتوں اور عزتوں کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں گے نہ کہ آپ کے پیروکار اس لیے کہ حق تعالیٰ حکیم ہے کہ اس نے ہمیں دنیا میں معزز و مکرم کیا ہے اور مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مال، مرتبہ، سرداری اور ریاست عطا کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں آخرت میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازے گا جبکہ آپ کے پیروکاروں کو جو کہ سب محتاج ہیں اور اکثر غلام اور نچلی سطح کے لوگ ہیں ان نعمتوں کا مالک نہیں کرے گا۔ حق تعالیٰ نے اس تمسخر کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ:

فَمَا لِلَّذِينَ كَفَرُوا تو ان کفار کو کیا ہے کہ جنت کی نعمتوں کا سنتے ہی **قِبْلَكَ** **مُهْطِعِينَ** آپ کی طرف گردن طمع دراز کر کے دوڑتے ہوئے اور آپ کی طرف آنکھیں

لگائے ہوئے آتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اندر جنتیوں کے آٹھ اوصاف پیدا کر لیے ہیں کہ اس توقع کے ساتھ آپ کی طرف بھاگتے ہیں اور اس کے باوجود ان کا نفس یہ بات قبول نہیں کرتا کہ آپ کے سامنے زانو ٹیک کر بیٹھیں بلکہ

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِّينَ دَائِمِينَ بَائِمِينَ حَلَقَةَ بِنَا كَرِ بِيْطَحْتُمْ هِيَ تَا كَه كُوْنِيْ
گمان نہ کرے کہ وہ بھی آپ کے شاگردوں اور طالبانِ رشد و ہدایت میں داخل ہو گئے۔
اَيَطْمَعُ كُلُّ اَمْرِيٍّ مِّنْهُمْ كِيَا اِن مِّنْ سِے ہر شخص طمع کرتا ہے۔ اَنْ يُّدْخَلَ
جَنَّةَ نَعِيْمٍ كِه اِس كَفْرٍ عِنَادٍ اَوْر اِسْتِهْزَاءٍ پْر اَصْرَارِ كِه باوجود نعمتوں کی جنت میں داخل کیا
جائے؟ اِس باطل اعتقاد کی بناء پر جو کہ وہ رکھتا ہے کہ میں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے
معزز و مکرم پیدا ہوا ہوں۔ اگرچہ میں کافر و بدکار ہوں، جنت کا مستحق ہوں اور اُمتِ محمدیہ
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے مسلمان اگرچہ مسلمان اور نیکوکار ہوں جب ان میں
سے زیادہ لوگ نجلی سطح کے ہیں تو ہیں و تذلیل کے لائق ہیں اور دنیوی مجلسوں اور مجموعوں
کی تعظیم و توقیر پر قیاس کرتے ہیں۔

كَلَّا اِيَا هِرْ كَزْ نَيْسٍ وَه اِس جَهْوِيْ طِمَح سِے دِسْت بَرْدَارِ هُو جَائِمِيْنَ اَوْر اِس باطل خيال
اور فاسد قیاس کو چھوڑ دیں اس لیے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے عام لوگوں میں کسی کی
بھی تعظیم و تکریم واجب نہیں۔

آدمی کی پیدائش نجاست سے ہے اور وجہ عزت ایمان اور عمل سے
اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنَّا يَعْلَمُونَ تَحْقِيْقِ هَمْ نِے اِنھیں اِس چيز سے پیدا کیا کہ وہ
جانتے ہیں اور وہ نطفہ ہے جو کہ خود نجس ہے اور نجاست کی راہ سے آتا ہے اور نجاست کی
راہ میں داخل ہوتا ہے اگر جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہو جاتا ہے تو وہ
کہاں تعظیم و تکریم کے قابل ہوگا۔ ہاں آدمی کا وقار ایمان اور عمل صالح ہے نہ کہ اصل
خلقت جبکہ اس کی ذلت اصل خلقت کے ساتھ بھی ہے اور کفر اور بُرے اعمال کے ساتھ
بھی۔

اگر اس نے ایمان اور عمل صالح اپنا لیا، اس کی اصلی رذالت دُور ہو گئی اور وہ تعظیم و

اور وہ انصاریوں کی جماعت تھی۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ اور ہم اس درجے کے نہیں ہیں کہ کوئی ہم سے آگے نکل جائے اور اس قدر تعظیم و توقیر کا مستحق ہو جائے کہ اس کی عزت و توقیر کو اس کی حقارت و ذلت میں بدلنے یا اس کی عزت و شرافت کو دوسری جگہ تبدیل کرنے سے ہماری قدرت سلب کر لے اور ہمیں عاجز کر دے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا آپ کے پاس یہ سب آنا جانا اور آپ کے حضور جمع ہونا جنت میں داخل ہونے کی آرزو اور تعظیم و توقیر کا مستحق ہونے کے لیے نہیں ہے بلکہ لاف زنی اور کھیل کی بناء پر ہے جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے وعدوں کے متعلق تمسخر کے مقام پر کرتے ہیں۔

فَإِذْهُمْ يَخُوضُونَ وَيَلْعَبُونَ پس آپ انہیں چھوڑ دیں کہ لاف زنی اور کھیل میں لگے ہیں۔ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ تاکہ اپنے اس سیاہ دن کو پہنچیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے اور اس دن ایک اور طرح سے خدا تعالیٰ کی طرف ٹلانے والے کا حکم مانیں گے جس طرح آپ کے سامنے مذاق اور تمسخر کے ارادے سے دوڑ کر آتے ہیں اس ٹلانے والے کے پاس نہایت بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دوڑتے ہوئے حاضر ہوں گے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ جس دن کہ وہ تنہا ننگے بدن ننگے سر اور ننگے پاؤں آئیں گے۔ مِنَ الْأَجْدَاثِ قبروں سے سِرَاعًا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کی آواز سنتے ہی دوڑتے اور جلدی کرتے ہوئے۔ كَانَتْهُمْ إِلَىٰ نُصْبٍ گویا کہ وہ کسی بت کی طرف کہ جسے زیارت کے لیے اس گھر سے نکال کر کھڑا کیا گیا ہے۔ يُؤْفَضُونَ دوڑتے اور جلدی کرتے ہیں اس ارادے سے کہ سب سے پہلے اس کی زیارت کریں اور بوسہ دیں اور اس تک اس طمع کے ساتھ ہاتھ پہنچائیں کہ اس وقت جو پہلے آ گیا ہے آ گیا لیکن اس دن ان کی یہ جلدی اور تیزی انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوگی کہ:

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں خیرہ اور حیران ہوں گی بلکہ تَرَهَقْتُهُمْ ذِلَّةً انہیں سر سے پاؤں تک ذلت و رسوائی ڈھانپ لے گی۔ ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا

يُوْعَدُونَ یہ ہے ان کا وہ روزیہ جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا نہ کہ صبر کرنے والوں اور کم حرص کرنے والوں کا دن جو کہ نعمت کے باغات میں پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل کیے جائیں گے۔

اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان کی بے صبری اور حرص کا بیان

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات، مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز، ملائکہ کرام کا مسجود اور روئے زمین کا خلیفہ ہے اس کے خمیر میں یہ بے صبری اور حرص کیوں رکھ دی گئی اور اس کی خلقت کی بنیاد میں ان دونوں چیزوں کو ملا کر معما کیوں بنا دیا گیا جبکہ دوسرے حیوانات اس کی حرص کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتے اور پسندیدہ چیزوں کی ترک کے اوقات میں اور جنتوں میں پہنچنے کے لیے جو گھبراہٹ آدی کو ہوتی ہے اور اسے جو بے چینی ہوتی ہے کسی جانور کو نہیں ہوتی۔ یہ خود اس کی انتہائی ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ حرص کی وجہ سے ہر طمع کا غلام ہو جاتا ہے اور بے چینی اور بے صبری کی وجہ سے ہر گرم و سرد سے ڈرتا ہے اور اگر یہ دونوں صفات اس کے خمیر میں رکھی گئیں اور اس کی پیدائش کی بنیاد میں یہ دونوں عیب رکھ دیئے گئے تو اس کی مذمت و عتاب کیوں؟ اس کا کیا قصور؟ کہ وہ تو جبلی امور میں مجبور ہے؟

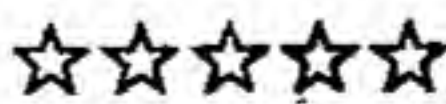
اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی حرص کی شدت اور بے صبری درحقیقت مدارج معرفت میں اس کی ترقی، دربار خداوندی میں وصول اور قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں سلوک کے لیے بہترین وسیلہ اور زینہ ہے اگر اس میں حرص کی یہ شدت نہ ہوتی تو وہ تھوڑی سی معرفت پر جو کہ دوسرے حیوانات کو بھی حاصل ہے قناعت کرے اور معرفت اور قرب کے اعلیٰ درجات کا طالب نہ ہو حالانکہ دریائے معرفت کا کوئی کنارہ ہی نہیں اور قرب و وصول کے درجات کی حد نہیں ہے اگر اس کا شوق اور حرص دم بدم زیادہ نہ ہو اور مستقی کی طرح العطش العطش نہ کرے تو اس لا اتمانہی راہ کو کیسے طے کرے اور وہ درجات بے فائدہ رہ جائیں اور اگر اپنے مالک کی جدائی میں ایک لمحہ کے لیے صبر کرے اور بے قرار نہ ہو اور گھبراہٹ اور بے چینی نہ کرے تو اس کا عشق اور وجد کس طرح صورت

پذیر ہو کہ عشق اور صبر میں ہزاروں فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

اور جب مخلوقات کے نزدیک آدمی کی شرافت اس وجہ سے ہے کہ اسے اپنے مالک کے عشق کے لائق اور اس کے وصول و قرب کا متلاشی پیدا کیا گیا ہے اور اسے معرفت کے بے کنار دریا کا غواص کیا گیا تو یہ دونوں صفات جو کہ شدت حرص اور انتہائی بے صبری ہے عطا کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے اور آدمی کی مذمت اور عتاب اس شدت حرص اور بے صبری میں نہیں ہے بلکہ اس بات میں ہے کہ وہ حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے اس حرص اور بے قراری کے ثبوت کو فانی لذتوں اور ترک کرنے اور چھوڑنے کے لائق اغراض میں صرف کرتا ہے اور بے محل خرچ کرتا ہے اس عورت کی طرح جسے زیور اور سجاوٹ کے ساتھ سجا کر اپنی خدمت کے لیے تیار کیا جائے اور وہ عورت نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے اور یہ حق نہ پہنچانتے ہوئے وہ سارا زیور اور سامان آرائش پہن کر غیروں کی صحبت میں چلی جائے اور ان کے ساتھ تعلق رکھے کہ وہ لعنت و نفرت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

اور کیا ہی اچھا کہا گیا

صبر سب مقامات میں قابل تعریف ہے مگر تجھ سے کہ یہ قابل مذمت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دو بھوکے سیر نہیں ہوتے، علم کا طالب اور دنیا کا طالب۔ نیز وارد ہے کہ حسد یعنی رشک نہیں مگر دو آدمیوں پر ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تو اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے پر مقرر فرمایا۔ پس وہ اس سے دن رات خرچ کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی۔ پس وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔



سورۃ نوح علیہ السلام

لکھ ہے اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کو سورۃ نوح اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ سارے قرآنی پاک میں یہی دو سورتیں ہیں جو کہ ایک واقعہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک سورۃ یوسف علیہ السلام اور دوسری سورۃ نوح علیہ السلام کہ دونوں میں ان دونوں رسل علیہما السلام کے واقعہ کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں فرمایا گیا اور سورۃ کو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ پوری خصوصیت ہے اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کے سوا کسی شے کی حکایت نہیں ہوئی۔ گویا اس پوری سورۃ کا مضمون حضرت نوح علیہ السلام کا کلام ہے۔ نیز اس سورۃ میں مخلوق کو حضرت حق کی طرف بلانے کے قاعدے اور اس کے آداب و شرائط کی رعایت جو کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں کے عمدہ کاموں سے ہے کی پورے طریقے سے شرح کی گئی ہے اور دعوت الی الحق کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام راہ خدا کی طرف سب بلانے والوں کے پیشوا ہوئے ہیں اس لیے کہ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کی نبوت کے زمانے تک لوگ دعوت کے محتاج نہ تھے اور شرک و کفر میں گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ لوگوں کے بارے میں حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ارشاد اس طرح تھی جیسے بیٹوں کے حق میں باپ کی تربیت یا خاندان کے چھوٹوں کے حق میں بزرگوں کی نصیحت اور رہنمائی کہ کوئی مقابل اور حریف نہیں رکھتے تھے۔ پہلے رسول علیہ السلام جنہوں نے حق تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور ان کے اعتقاد کے خلاف انہیں تکلیف دی حضرت نوح علیہ السلام

ہیں اور اسی لیے حدیث شفاعت میں ان کے بارے میں اول رسول بعث اللہ فرمایا گیا ہے یعنی پہلے رسول علیہ السلام جنہیں مبعوث فرمایا گیا۔

پس اس سورۃ کا مضمون جو کہ حق کی طرف مخلوق کو دعوت دینا ہے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے علوم سے ہے اور آپ کی میراث ہے جو کہ دوسروں تک پہنچی۔

سورۃ نوح علیہ السلام کے سورۃ المعارج کے ساتھ رابطے کی وجہ

اس سورۃ کے سورۃ المعارج کے ساتھ ربط کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المعارج کی ابتدا میں اپنی قوم کے کفار کی دعوت الی الحق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس کی تنگی کے اسباب ان کفار کا انتہائی جرأت اور بے باکی کے ساتھ قیامت کا عذاب مانگنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی الحق کی مشقت پر صبر کرنے کا حکم مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں اول سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کا دل تنگ نہ ہونا مذکور ہے باوجودیکہ آپ نے ہزار سال تک کافروں کی جفا برداشت کی اور ان میں تعمیل اور اطاعت کرنے کا اثر بالکل نہ دیکھا تو گویا ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دعوتِ خلق میں اس قسم کی برداشت اور صبر کرنا چاہیے دعوت کے طریقوں میں ایک سے دوسرے طریقے کی طرف منتقلی لازمی شمار کرنا چاہیے اور دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ (یاد رہے کہ تنگی دل بر بنائے وفور جذبات رحمت تھی جو کہ رحمۃ للعالمین ہونے کو لازم ہے اگر ایک شخص کسی ایک چیز پر رحم کرتا ہے اس کا دل نرم قرار پاتا ہے تو جس سزا پاراحت و رحمت کو رب العزت نے ساری کائنات کے لیے رحمت بنایا اور مصدر بمعنی فاعل کے اعتبار سے بارے جہانوں پر رحم فرمانے والا کیا ان کے قلب مقدس کی نرمی کا اندازہ کون کر سکتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ دل جتنا نرم ہوگا حالات و واقعات کا احساس بھی اسی قدر ہوگا۔ اس تنگی سے اس لیے نہیں روکا گیا کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو قابلِ تحسین ہے بلکہ روکا اس لیے گیا ہے کہ اس سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ ذاتِ حق کو گوارا نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

نیز اس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کفار کے لیے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ دور معلوم ہوتا ہے لیکن اس عذاب سے ڈرانے اور اس کے زمانے کی دوری پر

نظر کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے عذاب سے اپنی قوم کو ڈرانے کا اس سے ایک ہزار سال پہلے حکم دیا تھا اور انہوں نے اس دور کے عذاب سے پوری کوشش کے ساتھ ڈرایا تو ثابت ہوا کہ جو چیز لوگوں کے ذہن میں دور معلوم ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ کے ہاں قریب ہے تو گویا یہ سورۃ اس قول کی دلیل ہے کہ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيْبًا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں سورتوں کے درمیان تمام مضامین ایک دوسرے کے مناسب واقع ہوئے ہیں اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ لَا يُسْئَلُ حَمِيْمًا جَبْكُ يٰهَا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا فرمایا ہے اور اس سورۃ میں تدعون ادبر وتولّٰی وجمع فادعٰی واقع ہے جبکہ یہاں واتبعوا من لم يزدده ماله و ولدته الاخسارا واقع ہے اور اس سورۃ میں وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ہے جبکہ یہاں مَا لَكُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ہے اور اس سورۃ کی ابتدا میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک سائل پوری جرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے قریبوں و قبیلوں کے لیے عذاب مانگتا ہے جبکہ یہاں یہ بیان ہے کہ ایک جہائیں برداشت کرنے والے اور مصیبتیں جھیلنے والے رسول علیہ السلام اگلوں پچھلوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں کہ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدِيْ وَ لِمَنْ فَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ راسے کافر فرق دیکھو کہاں سے کہاں تک ہے۔ اس کے علاوہ گہرے غور و فکر سے اور بھی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

اور حضرت نوح علیہ السلام اوالوالعزم پیغمبروں علیہم السلام میں سے ہیں اور حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام سے دسویں درجے میں واقع ہیں آپ کے والد کا نام ملک تھا اور وہ ایک نیک انسان اور توحید کے عقیدہ پر تھے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور وہ متوحش کے بیٹے ہیں جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں اور انہوں نے دس سال کی عمر میں حضرت ادریس حضرت شیث اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ

والسلام پر نازل ہونے والے تمام آسمانی صحیفوں کو یاد کر لیا تھا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد آپ کے خلیفہ ہوئے اور آپ نے بنی آدم کے امور کی تدبیر اور ان کی اصلاح میں نہایت شان دار کوششیں فرمائیں اور بہت کثیر الاولاد تھے اور ان کے والد بزرگ وار حضرت ادریس علیہ السلام جن کا نام اخنوخ ہے مشہور رسل علیہم السلام میں سے ہیں اور قرآن مجید میں چند مقامات پر ان کا ذکر واقع ہوا ہے اور یونانی حکماء اپنے علوم ریاض اور طبعی انہیں تک پہنچاتے ہیں۔

لکھنے اور سینے کی ابتدا کا بیان

اور سب سے پہلے جس نے بنی آدم میں سینا اور لکھنا رائج فرمایا وہ آپ ہیں اور آپ کے والد کا نام بیروتھا جو کہ قائل کی اولاد کے ساتھ ہمیشہ جنگ لڑتے تھے اور لشکر کشی کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی سرداری رکھتے تھے اور ان کا باپ مہلائیل ہے جس نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو شہروں میں پھیلا دیا اور خود اپنے قریبوں سمیت بابل شہر کو آباد کر کے اپنا مسکن بنایا اور شہر سوس بھی اسی کا بنایا ہوا ہے اور اس کا باپ کینان ہے وہ بھی نیک آدمی اور اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے پر تھا اور اس کا باپ انوش ہے جو کہ اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہے اور وہ اپنے وقت میں حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے افضل تھے اور آپ کے باپ حضرت شیث علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین تھے اور عظیم المرتبت پیغمبر۔ کہ آپ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے اور حکمائے یونان حکمت الہی کو آپ سے نقل کرتے ہیں اور آپ اکثر اوقات عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور ان آٹھوں واسطوں میں سے ایک بھی کافر نہ تھا سب مسلمان اور نیک لوگ تھے۔

بت پرستی کے آغاز کا بیان

ہاں حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد

میں بت پرستی کا رواج ہو گیا تھا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت اور لیس علیہ السلام کے سب بیٹے اولیاء اور صلحاء تھے اور لوگوں کو عبادت میں مشغول رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ لوگوں کو ذکر اور طاعت کی دعوت دیتا تھا اور لوگ ان کے پاس شوق اور خوشی کے ساتھ عبادت کی لذت پاتے تھے جب حضرت اور لیس علیہ السلام کے صاحب زادے اس جہانِ فانی سے چلے گئے، لوگوں کو انتہائی حسرت اور افسوس لاحق ہوا اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے شکایت شروع کر دی کہ اب ہمیں عبادت اور ذکر میں وہ لذت نہیں ملتی جو کہ ان کے پاس حاصل ہوتی تھی۔ شیطان اس وقت کو غنیمت جان کر سر پر عمامہ اور ہاتھ میں عصا لیے ایک بوڑھے کی شکل میں لوگوں کے مجمع میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اب اس لذت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تصویریں پتھروں سے تراش کر اور ان پر ان بزرگوں کا لباس ڈال کر اپنے چہرے کے سامنے مسجد کی محراب میں کھڑی کریں اور انہیں اپنے حال پر مطلع سمجھ کر کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں وہی لذت جو تم ان کی موجودگی میں عبادت اور ذکر سے حاصل کرتے تھے اب حاصل کرو۔ (اگر یہ عبارت الحاقی نہیں بلکہ مفسرِ علام کی ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اس عقیدے کے ساتھ ان کی عبادت کریں جبکہ اہل سنت اولیاء اللہ کے متعلق کتاب و سنت کے مطابق حیات برزخی کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کی عبادت کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے، تعظیم کرتے ہیں جبکہ نجدی تعظیم اور عبادت میں فرق نہیں کرتے اور تعظیم کو عبادت قرار دے کر لوگوں کو بے دریغ شرک میں دھکیلتے ہیں اسی لیے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب۔ اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لوگوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور اس کے مطابق عمل کیا اور انہوں نے یوں فیصلہ کیا کہ جو شخص بھی عبادت اور نماز کے بعد مسجد سے باہر جائے ان مورتیوں کے ہاتھ اور پاؤں چومے تاکہ ان بزرگوں کی ارواح کے نزدیک اس کی جماعت میں حاضری ثابت ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ یہ شخص ہمارے

ہمراہ اور ہمارے سامنے تیری عبادت میں شریک تھا اور رفتہ رفتہ یوں رواج ہو گیا کہ ان مورتیوں کے صرف ہاتھ پاؤں چوم کر مسجد سے باہر چلے جاتے تھے اور عبادت اور ذکر بالکل ختم ہو گیا یہاں تک کہ قدم چومنے کی جگہ سجدہ رائج ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار لوگوں کو ہمیشہ اس بُرے کام سے منع فرماتے تھے لیکن لوگ باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ نے نو سو پچاس سال تک لوگوں کو توحید کی اور بتوں کی عبادت ترک کرنے کی دعوت دی اور اس طویل مدت میں آپ پر کل اسی آدمی ایمان لائے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی اور روئے زمین کے دوسرے لوگ کہ جنہیں طویل مدت میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پہنچی تھی، منکر ہو گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا اور سب کو غرق کر دیا اور طوفان بھیجنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے لیے اپنے اہل و عیال اور مسلمانوں کے لیے کشتی بنائیں اور اس کشتی میں چرنے اور اڑنے والے جانوروں کی ہر قسم سے ایک ایک جوڑا رکھ لیں اور جس وقت تنور سے پانی اُبلے اس کشتی میں سوار ہو جائیں۔

- چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اس حکم کے مطابق کشتی بنا کر اس میں جانور پانی اور کھانے کی چیزیں جمع کر کے طوفان آنے کے منتظر رہے اور جب تنور سے پانی اُبلتا تو آپ اپنے اہل و عیال جو کہ تین بیٹے اور ان کے اہل خانہ تھے اپنے غلاموں اور لونڈیوں اور اسی (۸۰) مسلمانوں سمیت اسی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی کے اوپر جو سرپوش بارش کے پانی سے حفاظت کے لیے تیار کیا تھا، کھینچ دیا۔ آپ کی بیوی ایک کنعان نامی بیٹے سمیت کہ دونوں کافر تھے کشتی میں سوار نہ ہوئے اور کافروں کے ہمراہ غرق ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دسویں رجب سے لے کر دسویں محرم تک جو کہ چھ ماہ کی مدت ہے کشتی میں گزارے اور طوفان کا پانی زمین سے جوش مارتا تھا اور آسمان سے برستا تھا۔ چالیس دن تک زیادتی اور ترقی میں تھا اس کے بعد آہستہ آہستہ کم ہوتا رہا یہاں تک کہ چھ

ماہ کے بعد زمین کی سطح نمودار ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر آئے۔
حضرت نوح علیہ السلام کی مدت عمر میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک
ہزار چار سو سال تھی اور قرآن پاک سے اس قدر تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ہزار
سال سے زیادہ تھی اس لیے کہ طوفان آنے سے پہلے منصب رسالت عطا ہونے کے بعد
آپ کی دعوت کی مدت سورۃ عنکبوت میں ساڑھے نو سو سال فرمائی گئی ہے اور کم از کم بعثت
کے وقت آپ کی عمر چالیس سال ہوگی جبکہ طوفان کے بعد بھی آپ نے کچھ وقت دنیا
میں گزارا جیسا کہ سورۃ ہود سے معلوم ہوتا ہے۔

اس سورۃ کے معانی سمجھنے کے لیے دو مقدمات

اور یہاں اس سورۃ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے دو مقدمات کو ذہن میں جگہ دینا
چاہیے تاکہ اس سورۃ کے معانی سہولت کے ساتھ سمجھ میں آجائیں۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے کسی کو چن کر مخلوق کو حق کی طرف بلانے کے
لیے مبعوث فرماتا ہے اس پر گزیدہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان لوگوں کے
عقائد اخلاق اور قلبی حالات کے متعلق خوب غور و فکر کرے اور ان کی اصل بیماری کو
پہچانے اور اس اصل بیماری کو دور کرنے کی فکر تمام ادا کرے اور انہی سے پہلے کرے پھر ان
لوگوں کے طبعی تقاضوں، ضرورتوں اور موجودہ واقعات میں نظر دوڑائے اور انہیں اس چیز
سے ڈرائے جس سے وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق ڈرتے ہیں اور جس
چیز میں وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق خواہش کرتے ہیں، طمع دلائے جس
طرح کہ کام کے شروع میں ان کی قوت عقلیہ اور نفسانی صلاحیتوں کی اصلاح کو پیش نظر
رکھا تھا اسی طرح یہاں امید اور خوف کے ساتھ ان کی قوت و ہمیہ کی اصلاح کو پیش نظر
رکھے اس لیے کہ عقل روح انسانی کی مملکت کا وزیر ہے جبکہ وہم اس مملکت کا حاکم اور
بااختیار بادشاہ ہے جب یہ دونوں مطیع ہو گئے تو اس سلطنت کے دوسرے تمام ارکان
پیروکار اور سپاہی خود بخود مسخر ہو جائیں گے اور ایک مبہم حالت پہنچائیں گے کہ

۶ دوست کی طرف سے ایک اشارہ اور ہماری طرف سے سر کے بل دوڑنا

پھر ان دونوں امور کو ان تک ایک سرسری قاصد اور ہرکارے کی طرح نہ پہنچائے کہ بیت۔ ہم نے تجھے مقصود خزانے کا پتہ دے دیا اب تجھے اختیار ہے پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ مشفق باپ اور خیر خواہ طبیب کے طور پر ان کی بیماری کی سختی سے دل تنگ نہ ہو اور تدبیرات میں کئی رنگ اختیار کرے، دعوت کے ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف اس حد تک منتقل ہوتا رہے جتنی ان کی استعداد کے پیمانے میں گنجائش ہے اور جب ان کی استعداد کلی طور پر باطل ہونے کا پتہ چل جائے جیسے بدن میں کرم خوردہ بدبودار عضو تو انہیں ختم کرنے کی فکر کرے تاکہ دوسروں کو خراب نہ کریں اگر جہاد اور لڑائی کا حکم ہے تو لشکر جمع کرنے اور اسباب جنگ قائم کرنے کی کوشش کرے اور اگر جہاد اور لڑائی کا حکم نہیں ہے تو ہلاکت کی دعا کے ساتھ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے تاکہ ان کا شروع کے تمام افراد تک نہ پہنچے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اصل مرض یہ تھی کہ تقرب الی اللہ کی طلب میں اپنی ضرورتوں میں مدد لینے میں ارواح اولیاء کے مظاہر کاملہ کی طرف توجہ کرنے میں گرفتار تھے اور مرتبہ تزیہہ کی طرف قرب حاصل کرنے اور اس مرتبے سے مدد لینے کی ان کے ذہن میں وہی گنجائش نہ تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی دنیا کی محبت اور اس کی تعمیر میں انتہائی منہمک ہونے اور مرتبہ روحیہ سے ان کے ادراک کے قاصر ہونے کی وجہ سے ان اولیاء کی ارواح بھی ان کی نظر سے غائب ہو گئیں اور ان کے بجائے انہیں شیطانی ناپاک ارواح اپنی طرف مائل کر کے فریب دیتی تھیں یہاں تک کہ نام تو اولیاء کے مگر حقیقت شیطان کی تھی اور یہی جبلت بشری ہے کہ جب نیچے گرمی اور معرفت کی بلندی سے قاصر ہوئی تو انتہائی نچلے درجوں میں گر جاتی ہے اور درمیان میں نہیں ٹھہرتی اگر عبادت اور تقرب میں ان کی نظر ارواح اولیاء کے اصل مرتبوں کی طرف متوجہ ہوتی تو بھی انہیں ان ارواح کی طرف سے ایک ہدایت اور رہنمائی پہنچ جاتی اور وہ انہیں کبھی کبھی خوابوں اور معاملات میں توجہ الی اللہ کی طرف دلالت فرماتیں اور سڑک سے باز رکھتیں۔ اور ان کی قوت دہمیہ عمر کی طوالت دیر تک باقی رہنا مال اور بیٹوں کی کثرت

عمارات باغات اور کھیتوں کو بہت درست رکھتی تھی۔ پس انہیں ان مقاصد کے حصول کی امید ان کے نہ ملنے کے خوف اور اس بات کے القاء کی وجہ سے کہ تمہاری یہ تمام پسندیدہ چیزیں خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ سورج، چاند، آسمان اور زمین کو اسی نے پیدا فرمایا ہے، خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا معین تھا تا کہ جب وہ اس پردے میں اس کی طرف متوجہ ہوں تو انہیں آہستہ آہستہ اس نخلی معرفت سے ترقی دی جائے اور اس پست ہمت سے اونچا کیا جائے اور وہ تدریجاً اپنے مقصود تک پہنچ جائیں۔

جب دعوت کی مدت ہزار سال کے قریب پہنچ گئی اور اس دوران کئی مدتیں گزر گئیں اور حالات مختلف ہو گئے اور مختلف استعدادات بروئے کار آئیں اور سب بے کار رہیں، حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی اصلاح سے من کل الوجوہ مایوسی ہو گئی، آپ نے ان کی عام ہلاکت کی دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

حضور علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان وجوہ مناسبت

یہاں جانتا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن پر اس سورۃ کو دعوت الی الحق کے قواعد کی تعلیم اور اس کی مشقت پر صبر کی تلقین کے لیے نازل فرمایا گیا ہے، چند وجوہ کے ساتھ ایک بہت قوی مناسبت ہے کہ دوسرے رسل علیہم السلام کو وہ مناسبت حاصل نہیں ہے اور اسی لیے سورۃ المغارج میں قاضی صَبْرًا جَمِيلًا فرمانے کے بعد اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کو بطور مثال لائے ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا، انہیں ڈرانے اور خوف دلانے کے وقت سے بہت بعید اور دُور تھا کہ ہزار سال کی قدر فاصلہ درمیان میں تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا، وہ بھی بہت بعد اور دُور رکھتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا۔ بخلاف دوسرے رسل علیہم السلام کے کہ ان کی قوموں کو دنیا میں قریبی مدت میں ہلاک فرما دیا گیا۔ فرعون چالیس سال کے بعد غرق ہو گیا اور اسی قیاس پر دوسرے کنار قریبی مدتوں میں عذاب دنیوی میں گرفتار

ہوئے جبکہ یہ اُمت دنیوی عذاب سے محفوظ ہے اس اُمت کے کفار کا پورا عذاب روزِ قیامت کے حوالے سے ہے اور انہیں دنیا میں بعض اوقات قتل اور قید کے ساتھ کچھ عبرت اور تنبیہ فرماتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی دعوت کی مدت ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مدت کے برابر ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بنفس نفیس اس مدت تک حیات ظاہری میں رہ کر دعوت کو مخلوق تک پہنچایا جبکہ ہمارے آقا رسولی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت کے لیے اپنے تابعوں کو چھوڑ کر عالم قدس کو تشریف لے گئے جنہوں نے ہزار سال تک اس امر کو قائم رکھا اور ہزار سال گزرنے کے بعد ملک ہندوستان میں باطل ادیان کے داعی جیسے نانکیاں، دواؤ، پینتھیاں، خفشاں نمودیان پیدا ہو گئے اور انہوں نے اپنی طرف بٹلانے کا آغاز کر دیا اس وقت اس دین کی وحدت کی دعوت دگرگوں ہو گئی اور اس کے بعد جہان میں قسم قسم کی دعوتیں ظاہر ہو گئیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے باسعادت زمانے میں پھر اس دعوت کی انفرادیت تجدید کے ساتھ از سر نو تازہ ہوگی اور پھر منکروں پر نئے سرے سے الزام حجت کیا جائے گا تاکہ وعدہ شدہ عذاب چکھنے کا استحقاق پائیں اور نوع کے ختم ہونے کے لیے آمادہ ہوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی سارے جہان کو عام تھی جیسا کہ ہمارے رسول کریم علیہ السلام کی بعثت عام ہے، فرق صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس طرح اپنے زمانے والوں پر عام تھی اسی طرح نوع کے تمام افراد پر قیامت تک کے لیے بھی عام ہوئی جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر عام تھی نہ کہ نوع کے ان تمام افراد پر جو کہ بعد میں موجود ہوں۔ وہ جو خصائص کی حدیث پاک میں وارد ہوا کہ بعثت الی الناس عامۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ یہی معنی رکھتا ہے اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تمام اہل زمین تھے جو کہ آپ کے زمانے میں موجود تھے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت سے لے کر قیامت تک عام انسانوں کی رسالت کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس

کارازیہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تمام اہل زمین شرک میں گرفتار تھے جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت شریفہ کے وقت بھی تمام اہل زمین شرک میں گرفتار تھے۔ نیز جس عذاب کا وعدہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر تھا، تمام اہل زمین کو عام تھا اگر آپ کو تمام اہل زمین کی طرف مبعوث نہ فرمایا جاتا اور اس قدر طویل عمر نہ دی جاتی کہ اس عمر میں آپ کی دعوت تمام اہل زمین کو پوری طرح پہنچے تو عام لوگوں کو خاص کے گناہ کی وجہ سے ہلاک کرنا لازم آتا جو کہ عدل و حکمت کے قواعد کے خلاف ہے جس طرح کہ وہ عذاب جو اس امت کے کافروں کے لیے موعود ہے یعنی سارے جہان کو برباد کرنا بھی عام ہے اگر بعثت بھی عام نہ ہو تو عدل و حکمت کے قاعدے کی مخالفت لازم آئے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش درمیانی قیامت کے ساتھ جو کہ عام طوفان تھا، متصل ہوئی جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش قیامت کبریٰ کے ساتھ متصل ہوئی بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اور یہ مناسبت تیسری مناسبت پر متفرع ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو ایسی شان حاصل ہوئی کہ تقرب الی اللہ کا وسیلہ آپ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت کے ساتھ آپ کی امت اور آپ کے پیروکاروں کے سوا اور کوئی قائم نہیں تھا۔ پس وسیع حق اس صورت میں منحصر ہو گیا اور اس کا رخا نہ میں آپ کو ایک عجیب انفرادیت نصیب ہوئی جبکہ ہمارے رسول پاک علیہ السلام کو بعثت کی ابتدا سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اس لیے کہ منسوخ ادیان تقرب کا ذریعہ نہ رہے اور ان کی عبادتیں اور معرفتیں باطل اور بے اثر ہو گئیں اور حضرت علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ انفرادیت حقیقت اور حکم دونوں کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر ہو گئی کہ آپ کے دین کے سوا کوئی دین جہان میں نہیں رہے گا اور اس شان میں توجہ الی اللہ منحصر ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ ان مناسبتوں کی وجہ سے اس سورۃ کو جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی

دعوت طوفان کے عذاب سے آپ کے ڈرانے اور آپ سے واقع ہونے والی عام ہلاکت کی دعا پر مشتمل ہے، سورۃ معارج کے بعد لکھا گیا ہے جو کہ اس اُمت کے موعود عذاب کے سوال صبر کے حکم اور جلد مانگنے کو ترک کرنے پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا تحقیق ہم نے جلال و جمال کے درمیان مرتبہ جامعہ سے جلال کے پردوں سے انوارِ جمال کی طرف نکالنے کے لیے اَرْسَلْنَا نُوحًا نوح علیہ السلام کو بھیجا جو کہ دونوں شانوں کے جامع اور جلال میں گرفتاروں کو انوارِ جمال کی طرف نکالنے کی کیفیت سے واقف تھے، قاصد بنا کر

اِلٰی قَوْمِہٖ ان کی قوم کی طرف کہ قومیت کی وجہ سے آپ کی شفقت ان پر بہت زیادہ تھی اور زمان اور مکان ایک ہونے کی وجہ سے آپ کو آگاہی بھی زیادہ تھی تاکہ جس طرح مناسب سمجھیں، انہیں جلال کے پردوں سے باہر لائیں اور نورِ جمال کے ساتھ منور فرمائیں اور ان کے فہم کی استعداد کے مطابق حجاب میں رہنے کے انجام سے ڈرائیں۔
اَنْ اَنْذِرُ قَوْمَكَ اس مضمون کے ساتھ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں کہ وہ اپنے حق میں آپ کی شفقت اور خیر خواہی، ہم قوم ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں اور آپ کے ڈرانے سے توجہ کرتے ہیں۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس سے پہلے کہ انہیں دردناک عذاب آئے جو کہ اپنے پروردگار سے حجاب میں رہنے کا نتیجہ ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ ہمارا فرمان ملتے ہی حضرت نوح نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! قومیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں جس چیز سے ڈرتا ہوں، تم بھی ڈرو اور میری نصیحت اور خیر خواہی کو قبول کرو اس لیے کہ میرا سچ بولنا تمہیں معلوم ہے۔

اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ تحقیق میں تمہارے لیے صاف ڈرانے والا ہوں اگر تم اپنے معبودان باطلہ کے حجاب میں رہو گے تو اس پر دردناک عذاب مرتب ہوگا۔ پس اپنے آپ اس کو حجاب سے جلد نکال کر اپنے معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو کہ تمہارا

پروردگار ہے اور اس حجاب سے باہر آنا اتنا مشکل اور گراں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے:

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس لیے کہ عبادت تمہیں حجاب سے چھٹکارا دے گی اور تمہاری توجہ اوصاف کی طرف ہو جائے گی اور تم پر انوارِ جمال چمکیں گے۔ پس خدا تعالیٰ کی عبادت تمہاری اس مرض کو دور کرنے میں کافی ہے لیکن پرہیز شرط ہے پس پرہیز بھی اپنے اوپر لازم کرو۔

وَاتَّقُوا اور اس سے پرہیز کرو اس کے غیر کی عبادت میں اس اعتقاد کی بناء پر کہ وہ غیر اس کی صفاتِ کمال کا مظہر ہے اس لیے کہ کوئی مخلوق بھی گو مظہرِ کامل ہو اس کے درجہ کمال سے ناقص ہے۔ پس اس صورت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے کمال میں نقصان کا اعتقاد لازم آئے گا اور یہ اعتقاد اس کے اس غضب سے زیادہ غضب کا موجب ہوگا جس کی تمہیں عبادت کو بالکل ترک کرنے یا اس کے احکام کی نافرمانی کرنے پر توقع ہے اور اگر تمہیں اپنی عقل کے ساتھ عبادت اور تقویٰ کا طریقہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے تو ان دونوں کا طریقہ مجھ سے سناؤ۔

وَأَطِيعُوا اور میری اطاعت کرو ان احکام میں جو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاؤں تاکہ تم عبادت میں غلطی بھی نہ کرو اور نافرمانی سے بھی بچے رہو اور اگر تم اس کی عبادت کو تقویٰ اور میری اطاعت کے ساتھ جان و دل کے ساتھ قبول کرو تو تمہاری سابقہ مجبوت کے نشانات فی الفور مٹنے لگتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہ بخش دے گا جو کہ تمہاری مجبوت کا سبب ہیں اور ان گناہوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے حجاب اٹھ جانے کی توقع ہے اور وہ گناہ عبادت کو چھوڑنا ہے جو کہ تم نے گزشتہ زمانے میں کیا ہے اور تقویٰ ترک کرنا ہے جس کے تم سابقہ زمانے میں مرتکب ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہے جو کہ تم نے باضی میں کی ہے نہ کہ وہ گناہ جو کہ تم اسلام لانے کے بعد کرو گے اور نہ وہ گناہ جو کہ مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہیں اگرچہ اسلام سے پہلے واقع ہوئے

ہوں پس من کا لفظ تبعیض کے لیے ہے اور یہ آیت اثبات میں لفظ من کے زیادہ ہونے پر دلیل نہیں بنتی ہے جیسا کہ کوئی نحویوں نے کہا ہے۔

پھر تمہارا اسلام لانا ان گناہوں کے مواخذہ میں جو تم اسلام لانے کے بعد کرو گے یا مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہوں تاخیر کا اثر بھی کرے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ تمہیں اسلام کی برکت سے دنیوی مواخذہ سے محفوظ رکھے گا۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّىٰ اور حق تعالیٰ تمہارے مواخذہ کو اس وقت تک مؤخر فرمادے گا جو کہ اس نے تم میں سے ہر شخص کی پیدائش کے وقت میں مقرر فرمایا ہے اور سانسوں کی گنتی کے ساتھ سال، مہینے، دن اور ساعتیں نام رکھا اور اس مہلت دینے میں تمہیں توبہ اور حقوق والوں کو راضی کرنے کا امکان میسر ہوگا۔ پس اسلام لانا تمہارے اللہ تعالیٰ کے غضب کے تقاضوں سے سراسر امن اور اطمینان کا باعث ہے اور ہم نے جو کہا کہ تمہیں ایک معین وقت تک مؤخر کر دے گا اس اعتبار سے کہا کہ اس وقت مقرر کی تاخیر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہ وقت علم الہی میں مقرر ہے۔

إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ تَحْقِيقٌ وہ وقت جو کہ علم الہی میں ہر شخص کی موت کے لیے معین ہے۔ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ جب آجائے ہرگز مؤخر نہیں کیا جاتا ورنہ علم الہی میں قصور لازم آئے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم میں سے ہر شخص کی موت کا وقت علم الہی میں معین ہے جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتا پہلے بھی نہیں آ سکتی تو آپ ہمیں کفر اور معصیت سے کیوں ڈراتے ہیں کہ کفر اور معصیت کی وجہ سے ہم قبل از وقت ہلاک نہیں ہوں گے جس طرح کہ اسلام اور طاعت کی وجہ سے ہم اس وقت کے آنے کے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ وقت جو علم الہی میں تمہاری موت کے لیے معین ہے اگرچہ تاخیر قبول نہیں کرتا لیکن تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ وہ وقت مقرر تمہارے کفر اور معصیت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور ایک اور وقت تمہارے اسلام اور طاعت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جبکہ تم کفر اور معصیت کرتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت پہلے ہو جاتا ہے اس لیے کہ اجل

اللہ اس وقت کا نام ہے جس کے وجود کی شرط کا واقع ہونا علم الہی میں معلوم ہے اور دوسری اجل اس وقت کا نام ہے کہ اس کی شرط کا واقع ہونا علم الہی میں معلوم نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ تعلق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طرف اجل اللہ ہو جائے اور دوسری طرف پر مقدم ہو جائے اور جائز ہے کہ دوسری طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طرف اجل اللہ قرار پائے اور اس طرف پر مقدم ہو جائے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک طرف کی شرائط کے باوجود وہ طرف واقع نہ ہو اور دوسری طرف واقع ہو جائے تاکہ اجل اللہ کی تاخیر مقصود ہو۔ پس مثلاً موت کا وقت عند اللہ ہر شخص کے حق میں معین ہے اس لیے کہ اجل اللہ قطعی اور یقینی ہے پس دوسرا احتمال نہیں ہے اور اگر معلق ہے تو علم الہی میں اس کے دو احتمالات میں سے ایک کا واقع ہونا معلوم اور قطعی ہے اور دونوں صورتوں میں معین ہونا لازم آیا اور وہ اجل معین کبھی مؤخر نہیں ہوتی اس لیے خلاف علم الہی واقع نہیں ہوتا جبکہ تاخیر کی صورت میں علم الہی کا خلاف لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس طرف کے واقع ہونے کو ایک ایسے وقت میں جانا تھا جس میں وہ واقع نہ ہوا۔

اور تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ اس طرف کے واقع ہونے کی شرائط ثابت ہو جائیں جبکہ دوسری طرف کی واقع ہونے کی شرائط ابھی ثابت نہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ اجل اللہ مقدم ہوتی ہے اور مؤخر نہیں ہوتی اور چونکہ لوگوں کو دونوں احتمالات میں سے ایک کے واقع ہونے کی طرف پر اطلاع نہیں ہے اس لیے چاہیے کہ پسندیدہ طرف کی شرائط حاصل کرنے میں کوشش کریں اور ناپسند طرف کی شرائط حاصل کرنے سے پرہیز کریں اسی لیے کفر اور معصیت کو حرام اور ایمان اور طاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قضائے معلق اس طرح جاری ہوئی تھی کہ اگر وہ حضرت نوح پر ایمان لائیں اور عبادت اور تقویٰ اختیار کریں تو ہر ایک کو اس کی طبعی اجل تک پہنچا کر جدا جدا قبض فرمائیں اور اگر وہ انکار اور کفر اختیار کریں اور حضرت نوح ان پر ہلاکت کی دعا فرمائیں تو سب کو ایک ہی وقت میں ان کی دعا کے مطابق عام طوفان کے ساتھ ہلاک کریں اور علم الہی میں اجل اللہ یہی پچھلا وقت تھا کہ

اس کی شرائط واقع ہو گئیں اور وہ دوسری اجلیں جو کہ ہر شخص کی موت کے لیے جدا جدا مقدر تھیں اور مقدم تھیں۔ پس ان کے حق میں ایمان، عبادت، تقویٰ اور طاعت کی شرط کے ساتھ تاخیر اجل کا وعدہ سچا ہوا اگرچہ شرط فوت ہونے کے تقاضے کے مطابق مشروط بھی فوت ہو گیا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ جہان میں اسباب کا کارخانہ سب کا سب اسی احتمال اور عدم تعین پر مبنی ہے اور اسی لیے تعین کے ساتھ علم الآجال کسی کو نہیں دیا مگر بعض امور میں بعض اشخاص کو عطا ہوا تا کہ مسببات کے ساتھ اسباب کا رابطہ دگرگوں نہ ہو۔

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ بعض ظاہر میں وارد کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجل مبرم نہ آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے جبکہ اجل معلق جس طرح پہلے ہو سکتی ہے پیچھے بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد آپ پر ظاہر کی گئی آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت پسند کیا اور ان کی عمر کے متعلق پوچھا۔ حق تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی عمر ساٹھ برس ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو بخش دیئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے سو سال عمر پائی۔ پس جس طرح اجل اللہ تعلق کی وجہ سے مقدم ہو جاتی ہے مؤخر بھی ہو جاتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجل اللہ کی عدم تاخیر کو اذاجاء کے ساتھ مقید فرمایا گیا ہے اور اجل اللہ آنے کے بعد تقدیم ممکن نہیں ہے تاخیر ممکن ہے لہذا تقدیم کی نفی نہ فرمائی گئی اور تاخیر کی نفی پر اکتفا کی گئی لیکن وہ سمجھتے نہیں کہ اس صورت میں ان اجل اللہ کے جملے کا سابقہ کلام کے ساتھ کوئی ربط نہ ہوا بلکہ جس مقصد کے لیے کلام کیا گیا ہے اس کے خلاف ہو اس لیے کہ اس جملے کے ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ کفر اور ترک عبادت پر اصرار کی صورت میں ہم تمہیں ہلاک کرنے میں جلدی کریں گے اور ہر کسی کے لیے جدا جدا مقرر اجل تک پہنچنے کی فرصت نہیں دیں گے جبکہ ایمان، عبادت اور تقویٰ کی صورت میں ہم طوفان کے ساتھ ہلاکت عام نہیں کریں گے اور ہر کسی کو اس کے حق میں مقدر اجل کے ساتھ جدا جدا قبض کر بیچیں گے اس لیے خدا تعالیٰ کے نزدیک

اجل معین تاخیر کے قابل نہیں ہے اور جب اجل کا علم الہی میں معین ہونا اس کی شرائط کے وقوع کے تابع ہے۔ پس اس پسندیدہ اجل کی شرائط حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

پس اس شبہ کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اجل اللہ وہی سو سال تھی نہ کہ ساٹھ سال اس لیے کہ اجل اللہ تعلق کی اسی طرف کا نام ہے جس کے وقوع کی شرائط ثابت ہو جائیں اور معلق کو اجل اللہ کی طرف کا نام دینا باعتبار مجاز ہے کہ اس کی دو طرفوں میں سے ایک اجل اللہ ہے۔ پس اجل اللہ کی تاخیر ہرگز ممکن نہیں ہے ہاں اس کی ایسی طریقے سے تقدیم اسی طریقے سے ممکن ہے جو بیان ہوا یعنی تعلق کی دو طرفوں میں سے ایک کو اس چیز کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو جو واقع نہ ہوئی اور دوسری طرف کو اس چیز کی ضد کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو اور جب وہ چیز واقع نہ ہو تو اس کی ضد واقع ہوگی۔ پس دوسری طرف متحقق ہو جائے گی اور وہ اجل اللہ ہے جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے۔

اور اس فرق کی حقیقت یہ ہے کہ واقع کی غیر واقع سے تاخیر معقول نہیں ہے اور غیر واقع کی واقع پر تقدیم معقول نہیں ہے اور واقع کی غیر واقع پر تقدیم معقول اور واقع ہے اور اجل اللہ تعلق کی دونوں طرفوں میں سے ہر ایک میں واقع ہوگی اور اس کی دوسری طرف میں غیر واقع ہوگی۔

اور اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اجل معلق کی تاخیر احادیث میں بہت زیادہ وارد ہے جیسا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے باب میں فرمایا گیا ہے کہ لایزید فی العمر الا البر یعنی عمر میں زیادتی والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور قریبوں سے صلہ رحمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جو چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے اور دعا کے باب میں وارد ہے کہ دعا اور تکلیف آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور قضاء کو دعا ہی رد کرتی ہے جبکہ اجل کی تقدیم کسی حدیث پاک میں ذکر نہیں کی گئی

حالانکہ اس تقریر کے مطابق تقدیم کا تصور ہے اور وہ واقع ہے اور تاخیر کا تصور بھی نہیں اور واقع بھی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر میں تاخیر کا تصور نہ ہونا اجل الہی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک ہے اور علم الہی میں معین ہے اور جو تاخیر کہ احادیث میں وارد ہے وہ بشری علم میں تعین کے بغیر تعلیق کی دو طرفوں سے ایک میں ہے۔ پس کوئی منافات نہیں ہے لیکن یہ بات کہ تقدیم کو احادیث میں ذکر نہیں فرمایا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو موت کے وقت میں زیادہ تر تاخیر مطلوب ہوتی ہے نہ کہ تقدیم۔ پس ان اعمال کا پتہ دینا چاہیے جو اس کی تاخیر کا سبب ہوں جیسا کہ مرغوب کاموں جیسے قبولیت دعا اور مطالب کے حصول میں جلدی کے اوقات میں تقدیم کے اسباب کا بھی پتہ دیا گیا ہے اور سرکشی والدین کی نافرمانی اور کثرت زنا سے ڈرانے میں موت کی تقدیم اور عمر کی کمی سے ڈرایا گیا۔ پس اجل معلق میں بشری علم پر نظر کرتے ہوئے تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک کی تاخیر تقدیم کی طرح بلاشبہ روا اور جائز ہے اور اس جہان میں اسباب اور مسببات کے کارخانہ کی بنیاد اسی تجویز احتمال اور ابہام پر ہے اگر یہ ابہام درمیان میں نہ ہو اور تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف معین کر کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے تو کوشش اور کسب و نسب کا کارخانہ بالکل دگرگوں ہو جائے اور اس سورۃ میں کلام الہی اجل اللہ کی تاخیر کی نفی کرتی ہے کہ وہ طرف واقع ہے نہ کہ علی سبیل الابہام دو طرفوں میں سے ایک طرف۔

اور ظاہر بینوں کے ذوق پر جو کہ تقدیم و تاخیر میں فرق نہیں کرتے کہا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ میں اجل کی تاخیر کی نفی اس کے آنے کے بعد فرمائی گئی ہے جبکہ احادیث میں تاخیر کو جائز قرار دینا اس کے آنے سے پہلے ہے۔ پس کوئی منافات نہیں ہے لیکن بعض ضعیف احادیث میں وارد ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام آیا۔ پس اس کے پاس اپنے والدین کے ساتھ کی ہوئی نیکی آئی تو اسے اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا قال اور اس صورت میں اجل کے

آنے کے بعد بھی اس تاخیر سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ ملک الموت کا آنا اجل اللہ کے آنے کو لازم نہیں کرتا اور اس میں بعد ہے۔ پس تحقیق وہی ہے کہ اجل اللہ تعلق کی دو طرفوں میں سے اسی طرف واقع کا نام ہے کہ جس میں تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا اٹھ جانا ثابت ہوتا ہے۔

اور اکثر مفسرین نے آیت کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ **يُؤَخِّرُكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَسَيٍّ** سے مراد میرم قطعی اجل ہے اور یہی اجل اللہ سے مراد ہے اور وہ اجل جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتی، تقدیم بھی قبول نہیں کرتی لیکن تاخیر کی نفی پر اکتفا اس لیے فرمایا گیا ہے کہ خوف دلانے اور ڈرانے کے مقام کا تقاضا نفی تاخیر ہے نہ کہ نفی تقدیم۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اجل کی تین قسمیں ہیں:

اجل کی تین قسمیں ہیں

میرم اور قطعی کہ اس میں تعدد اور احتمال بالکل نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے کہ تقدیم و تاخیر دو احتمالات کو چاہتی ہیں اور اجل معلق کی دو طرفوں سے طرف واقع کہ علم الہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتقاع ثابت ہوا اور وہ طرف غیر واقع طرف پر مقدم ہو جاتی ہے اور گزشتہ طریقے کے مطابق تاخیر قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دو طرفوں میں سے غیر واقع طرف کہ علم الہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتقاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دو طرفوں سے غیر واقع طرف کہ علم الہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتقاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول کرتی ہے اور تاخیر بھی۔ پہلی دو قسمیں اجل اللہ ہیں اور یہ تیسری قسم اجل وہی اور احتمالی ہے اور احتمال ہے کہ آیت کا معنی یوں ہو اور اگر تم عبادت، تقویٰ اور میری اطاعت کرو تو حق تعالیٰ تمہیں دنیوی مواخذہ سے نجات بخشے گا اور دم مرگ تک جو کہ اجل مقرر کی وجہ سے تمہیں پہنچے گی، عقوبتوں اور تکلیفوں میں جیسے قحط اور وبائے عام گرفتار نہیں کرے گا اور اگر تم عبادت، تقویٰ اور میری اطاعت نہ کرو تو تم اس مواخذہ اور عقوبت میں گرفتار ہو گے

لیکن موت کو رکاوٹ نہیں ہے۔ عبادت، تقویٰ اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تاثیر کی حد بلیات و عقوبات کو روکنے تک ہے نہ کہ موت کو روکنے تک اس لیے کہ اجل اللہ قابل تاخیر نہیں ہے، کسی چیز کے ساتھ تاخیر نہیں کی جاتی لیکن اس معنی میں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض اعمال صالحہ کی تاثیر موت کی تاخیر میں بھی ثابت فرمائی گئی ہے۔ پس اجل کو دو قسموں میں تقسیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے، ایک قسم وہمی اور تعلقی اور دوسری اجل اللہ اور تحقیقی۔ بہر صورت وہ اجل جو کہ علم الہی میں ہر شخص کی موت کے لیے مقرر ہے، تاخیر قبول نہیں کرتی۔

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کاش کہ تم جانتے کہ ہر کسی کو اپنی اجل مقرر پر موت چکھنے سے چارہ نہیں ہے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم کب منکر ہیں، ہم کہتے ہیں کہ دنیا پر تمہاری حرص اور اس کے کاموں میں تمہارا قلبی لگاؤ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ گویا تم اپنے وقت مقرر پر موت کے آنے کے منکر ہو اور تم موت کو روکنے اور اجل کو طویل کرنے کے لیے اسباب جمع کرنے میں اور اسی تلاش اور کوشش میں رہتے ہو اگر تمہیں یہ علم حاصل ہوتا تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا محذوف

اور یہاں واقعہ کا تمہ محذوف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ خوف دلانے اور ڈرانے کا پیغام پہنچایا اور آپ کی قوم نے آپ کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا اور آپ کی باتوں کا یقین نہ کیا یہاں تک کہ کئی نسلیں گزر گئیں اور کئی پشتیں پوری ہو گئیں اور ہر بوڑھا آدمی جب موت کے قریب پہنچتا تھا تو اپنی اولاد اور چھوٹوں کو حضرت نوح علیہ السلام کا پتہ دیتا کہ خبردار رہنا اس بوڑھے کی باتوں سے، دھوکا نہ کھانا اور اپنے اسلاف کا طریقہ نہ چھوڑنا کہ یہ بوڑھا ہمیں صدیوں سے ڈرا رہا ہے اور اس کا وعدہ کبھی واقع نہیں ہوا اور وہ آپ کی یہاں تک تو ہیں اور بے ادبی کرتے تھے کہ اپنے اطفال کو آپ کے پیچھے دوڑاتے تاکہ وہ ہنسی مذاق کریں اور آپ پر پتھر برسائیں اور جب بھی حضرت نوح علیہ

السلام دعوت اور ڈرانے پر اصرار فرماتے تو وہ آپ کو اتنا مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرہ مقدس سے خون جاری ہو جاتا اور آپ اس تمام ظلم و تکلیف کے باوجود جناب الہی میں دعا کرتے کہ بارِ خدا یا! میری قوم کو بخش دے کہ یہ مجھے نبی نہیں جانتے۔ اور اپنے گمان میں تیرے پیغمبر کی بے ادبی نہیں کرتے، ناواقف ہیں اور اس واقعہ کو اس لیے محذوف کہا گیا ہے کہ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے حالات پیش کیے جائیں گے جہاں یہ پورا واقعہ بیان ہوگا اگر یہاں اس واقعہ کو مکمل طور پر ذکر فرمایا جاتا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے قول کی حکایت میں بھی اعادہ کیا جاتا تو بے فائدہ تکرار لازم آتی۔ نیز تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انبیاء علیہم السلام ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔ پس انہوں نے دعوت اور ڈرانے میں انتہائی کوشش کی ہوگی اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے، انہیں صرف حکم دے دینا ہی یہ بات جاننے میں کافی ہے کہ انہوں نے ہمارے تمام احکام پر عمل کیا۔

المختصر حضرت نوح علیہ السلام دعوت و انذار کے درجات طے کرنے کے بعد اپنی قوم کے ایمان اور اطاعت سے مایوس ہو گئے، صورت حال پیش کرنے کی صورت میں تاکہ دعوت و انذار کے درجات طے کرنے میں حضرت نوح علیہ السلام کی کوتاہی پر محمول نہ ہو۔ قَالَ رَبِّ حَضْرَتِ نُوْحٍ نَعَضُّ لِيْ عَرْضِ كِي اے ميرے پروردگار! اِنِّيْ تَحْقِيْقٌ مِّيْنِ نَعَضُّ لِيْ حَكْمِ كِي تَعْمِيْلِ اُوْر اِنِّيْ قَوْمِ كُوْذِرَانِيْ مِيْنِ حَتِي الْمَقْدُوْر كُوْتَا هِيْ نَعِيْسِ كِي اُوْر اِنْسَانِيْ طَاقَتِ كِي مَطَابِقِ مِيْنِ اِنْعِيْسِ دَعْوَتِ دِيْنِيْ مِيْنِ كُوْشَشِ كِي اِس لِيْ كِي دَعْوَتُ قَوْمِيْ مِيْنِ نَعِ اِنِّيْ قَوْمِ كُوْ عِبَادَتِ تَقْوِيْ اُوْر اِنِّيْ اَطَاعَتِ كِي طَرَفِ سِرْ كُوْشِيْ كِي طَرِيْقِيْ سِيْ اُوْر خَفِيْهِ بَلَا يَا تَا كِي اِنِّيْ مَاضِيْ كِي جَفَا كِي تِيْرِيْ غِيْرِ كِي پُوْجَا اُوْر تِيْرِيْ عِبَادَتِ كِي تَرَكِ مِيْنِ كَرْفَتَارِ تَحْنِيْ كِي ظَا هِرْ هُوْنِيْ كِي وَجِهِ سِيْ اِيْكَ دُوْ سَرِيْ كِي سَا مَنِيْ رَسُوَانِهِيْ هُوْنِ اِسِيْ لِيْ مِيْنِ نَعِ دَعْوَتِ كِي اَوْقَاتِ مِيْنِ مَقْدَمِ رَكْحَا۔ لَيْلًا رَاتِ كُو اِس لِيْ كِي خَفِيْهِ بَاتِ رَاتِ كُو كِهِيْ جَاتِيْ هِيْ حَالًا نَكِهِيْ رَاتِ دَعْوَتِ وَ اِنْدَارِ كَا وَ قَتِ نَعِيْسِ هِيْ اُوْر مِيْنِ نَعِ رَاتِ كِي دَعْوَتِ اِلِي الْحَقِّ پَرِ هِيْ اِكْتَفَا نَعِيْسِ كِي۔

وَنَهَارًا اُوْر مِيْنِ نَعِ دِنِ كُو دَعْوَتِ مِيْنِ لَغَا دِيَا اِس لِيْ كِي دِنِ مِيْنِ بَهِيْ خَلُوْتِ كِي

اوقات کافی ہوتے ہیں اور اس کے باوجود کہ میں نے ہر رات اور ہر دن میں انہیں لگاتار خفیہ خفیہ سمجھایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ عبادت اور تقویٰ سے اور زیادہ دُور ہو گئے۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا پس تیری طرف انہیں میرے بلانے نے زیادہ نہ کیا مگر ان کا تجھ سے بھاگنا۔ میں نے انہیں جس قدر تیری طرف بلایا وہ اسی قدر دوڑ کر دُور ہو گئے اس حد تک کہ میری بات سننے اور میری شکل دیکھنے سے بے زار ہو گئے۔

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور تحقیق میں جب بھی انہیں عبادت، تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں اپنے نفع کے لیے نہیں کہ ان پر سرداری حاصل کروں یا ان سے مزدوری طلب کروں بلکہ خالص ان کے نفع کے لیے کہ

لِيَتَغْفِرَ لَهُمْ تاکہ تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دے اور اس وجہ سے وہ تیری رحمت کی آماجگاہ بن جائیں اور تیرے قہر و جلال کے آثار سے رہائی پائیں۔ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں میں نہ پہنچے۔

وَاسْتَفْسَخُوا آثَابَهُمْ اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں کے قریب تک نہ پہنچے تاکہ ایسا نہ ہو کہ انگلیوں کی حرکت کے وقت کان کے سوراخ کے سامنے سے میری باتوں سے کوئی چیز سنانے دے اور اے کاش مجھ سے اس نفرت کے باوجود ان گناہوں کو چھوڑ دیتے کہ ان سے تیرے غضب اور قہر کے آثار کچھ تو کم ہوتے۔ (نہایت رکیک تو جیہہ ہے اس لیے کہ رسول علیہ السلام سے نفرت کرنے سے بڑا اور کون سا گناہ ہے جسے چھوڑنے سے آثار غضب و قہر کم ہوں گے جب تک نفرت کے بجائے محبت رسول علیہ السلام دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی آثار غضب و قہر میں زیادتی ہوگی، کمی نہیں۔ فافہم) لیکن وہ ان گناہوں میں اور آگے بڑھ گئے۔

وَاصْرُوا اور انہوں نے ان گناہوں پر اصرار کیا۔ وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور انہوں نے میری اطاعت سے تکبر کیا، بہت زیادہ تکبر کیا۔

اور انہوں نے سمجھا کہ میں جو انہیں اپنی اطاعت کے لیے بلاتا ہوں اس وجہ سے

کوئی سرداری اور مرتبہ چاہتا ہوں کہ انہیں اپنے تابع کر لوں تاکہ ان سے کوئی نفع حاصل کروں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کو جو یہ خفیہ اور سرگوشی کے انداز میں کہتا ہے ہمیں علیحدہ علیحدہ دھوکا دینا چاہتا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کے سامنے بے ہودہ بات کو خوش نما کرتا ہے اسی وجہ سے عام لوگوں سے سامنے کھل کر نہیں کہتا تاکہ ہم ایک دوسرے کی معاونت جمع ہونے کی وجہ سے اس کی بات کے بے ہودہ ہونے پر مطلع نہ ہوں اور اسے الزام نہ دیں۔ پس یہ شخص فریب دینے والا ہے خیر خواہ نہیں ہے۔

اور جب میں نے ان کے فرار کے انداز سے سمجھ لیا کہ خفیہ کہنے اور سرگوشی اختیار کرنے میں انہیں زیادہ بدگمانی ہوتی ہے میں نے دعوت میں دوسرا راستہ اختیار کیا۔

ثُمَّ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا پھر تحقیق میں نے انہیں عبادت اور تقویٰ کی طرف کھلے عام ہر مجمع اور ہر محفل میں بلایا اور میں نے ان سب کو الزام دیا اور ان کے نزدیک ثابت کیا کہ غیر اللہ کی پوجا دنیا میں حجاب اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے جبکہ عبادت خداوندی جمال و لطف کے انوار تک پہنچنے کا ذریعہ ہے تاکہ ان کی بدگمانی دور ہو لیکن جب میں نے دیکھا کہ کھلے عام دعوت دینے میں انہیں ایک اور گمان پیدا ہو گیا کہ ہم نے اس کی خفیہ باتیں قبول نہ کیں اب اس کے انتقام کے طور پر ہمیں بھری محفل میں ہلکا اور قصہ روار گردانتا ہے اور ہمیں ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے جیسا کہ مثالوں میں مشہور ہے کہ انہیں بینہ سے تفریح کہ بھری محفل میں نصیحت کرنا ملامت کرنا ہے اور میری اس کھلے عام دعوت کو انہوں نے خیر خواہی اور نصیحت پر محمول نہ کیا، ناچار میں نے دعوت کا تیسرا طریقہ اختیار کیا۔

ثُمَّ اِنِّي اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا پھر تحقیق میں نے ان کے لیے دعوت کو عقلی دلیل اور قطعی براہین سے آشکارا کیا اور دعوت کو کشفی دلیل اور وجدانی براہین کے ساتھ ایک طرح سے خفیہ بھی کیا کہ اس میدان میں عقلی دلائل اور کشفی دلائل کو بھی بیان کرتا گیا اور صرف کشف پر ہی اکتفا نہیں کیا تاکہ اس کی تصدیق سے توقف نہ کریں اور اسی لیے اسررت کے ذیل میں مصدر نوعی لائی گئی اور اعلنت لہم اعلانا نہ لایا گیا اس

لیے کہ وہاں من کل الوجوه اعلان ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک وجہ سے چھپانا ہے اور ایک وجہ سے نہیں۔ پس میں نے اعلان و اسرار دونوں کو جمع کیا تا کہ ان کے دونوں فاسد گمان ایک دوسرے کے اسباب کے باہمی مقابلے کی وجہ سے منکسر اور کمزور ہو جائیں لیکن میں نے دیکھا کہ دعوت کے تینوں طریقے اور دلائل کی تینوں قسمیں جو کہ خطابیات، عقلیات برہانیہ اور کشفیات ہیں اس امر میں مفید نہیں ہیں اور میں نے ان کے حال میں نظر کی کہ وہ کفر اور معصیت کی نحوست کی وجہ سے چالیس سال سے بارش کے قحط میں گرفتار ہیں اور ان کی کھیتیاں باغات اور دوسرے مال مویشی ہلاک ہو گئے اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں، ان کے اولاد نہیں ہوتی، ان کے چشمے اور نہریں خشک ہو چکیں، انہیں اس وقت ان دنیوی نعمتوں کو حاصل کرنے کی طمع دلانی چاہیے تا کہ پہلے دنیوی منفعتوں کے مطابق اس راہ کو قبول کریں اور جب اس راہ کی خوبی کو دریافت کر لیں تو ان کی نیت خالص ہو جائے اور مقصد کو پہنچ جائیں، میں نے ان کی دعوت کے لیے ایک اور تقریر شروع کی۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ پس میں نے کہا اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو اگر تم عبادت اور تقویٰ اس کی تمام شرائط کے ساتھ بجا نہیں لا سکتے ہو اس لیے

کہ
إِنَّهٗ كَانَ عَفَّارًا تحقیق وہ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے اگر تمہارے سارے گناہ نہ بخشنے تو کم از کم تم سے تمہارے گناہوں کا وبال اتنا ہلکا فرمادے گا کہ تم ان دنیوی تکالیف سے نجات پا جاؤ گے۔

يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدَادًا تم پر برستا بادل بھیجے گا نہ کہ خشک اور پانی سے خالی جیسا کہ قحط کے دنوں میں بھیجتا ہے اور تمہیں جھوٹی طمع دلاتا ہے اور تمہارے لیے زیادہ حسرت و افسوس کا سبب ہوتا ہے۔

وَيُنذِرُكُمْ بِأَمْوَالِ اور مال فراواں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کھیتیاں، چراگاہ، مویشیوں کی نسل اور ان کا دودھ اور گھی زیادہ کر کے۔

وَبَنِينَ اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری امداد فرمائے گا کہ حیض کو بدلنے کی صلاحیت

رکھنے والی رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں سے خشک ہو چکی تھیں اور جس طرح بارش کا پانی قحط اور غلبہِ یبوست کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا، تمہاری منی کا پانی بھی خشک ہو کر بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا اور جب رطوبت جہان میں سرایت کرے گی، وہ رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں میں اور تمہاری منی کے پانی میں لوٹ آئیں گی اور سابقہ یبوست جو کئی سالوں سے تمہارے مزاج میں داخل ہو چکی، کے ساتھ مل کر اعتدال پیدا کریں گی اور زرینہ اولاد کی ولادت کا موجب ہوں گی نہ کہ لڑکیوں کی کیونکہ مونث کا مزاج زیادہ تر ہے اس کی ولادت میں بہت زیادہ رطوبت چاہیے۔

وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا پانی کی کثرت اور چشمے اور کنویں جاری کر کے۔

وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا بارش کا پانی زمین کے پانی کے ساتھ ملا کر پہاڑوں میں بارش کا پانی کثرت سے جمع کر کے اور اس پانی کے نشیبی علاقوں کی طرف اور خشک پڑی ہوئی آبی گزرگاہوں میں جاری ہونے کی وجہ سے۔

اور اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بارش کا قحط اموال اور اولاد کی ہلاکت اور کھیتوں اور باغوں کی بربادی کبھی گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور اسے دور کرنے کے لیے استغفار کا رگڑ ہوتا ہے اسی لیے شریعت میں صلوة الاستغفار مقرر فرمائی گئی ہے اور اس میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور شععی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا، آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ استقاء کے لیے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے تاکہ بارش طلب کریں۔ آپ نے استغفار کے سوا کچھ نہ کیا اور منبر سے اتر کر گھر پہنچ گئے جب گھر پہنچے تو لوگوں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپ نے بارش کی دعا نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بارش کی بہت قوی سبب کے ساتھ درخواست کی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ راوی فرماتے ہیں کہ بہت بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا۔

اور ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک شخص

نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط کی شکایت کی، آپ نے فرمایا استغفار کرو۔ دوسرا آیا اور اس نے غریبی اور مفلسی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کرو۔ تیسرا آیا اور اس نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اور عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں تاکہ میرے ہاں بچہ پیدا ہو۔ فرمایا استغفار کرو۔ چوتھے نے آ کر زراعت اور باغات کی پیداوار کی کمی کا شکوہ کیا، فرمایا استغفار کرو، حاضرین مجلس نے پوچھا کہ حضرت! ان کے مقاصد جدا جدا تھے، آپ نے سبھی کو ایک استغفار کا ہی حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، ان چاروں آفات کا علاج خدا تعالیٰ نے استغفار مقرر کیا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی۔

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ استغفار کی حقیقت دعا اور استغفار ہے اس میں نماز، خطبہ اور دوسرے امور ضروری نہیں ہیں اگر ہوں تو درست اور اگر نہ ہوں تو صحیح۔ اصل مقصد تو دعا اور استغفار سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

مَا لَكُمْ تَمَّهَيْتُمْ كَمَا هُوَ خَدَاتَعَالَىٰ كِي عِبَادَتِ سِي مَن مَّوِزَتِي هُوَ اَوْر تَقْوَىٰ مِيں كُو تَا هِي كَرْتِي هُوَ اَوْر اِس كِي رَسُوْلِ عَلِيْهِ السَّلَامِ كِي اَطَاعَتِ سِي تَكْبَرِ كَرْتِي هُوَ مَكْر لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تَمَّ خَدَاتَعَالَىٰ كِي لِي كِي عِظْمَتِ كِي اَمِيْدِ نَهِيں رَكْهْتِي هُوَ كِي اِس عِظْمَتِ كِي وَجِ سِي اِنِي عِبَادَتِ كَزَار اَوْر مَطِيْعِ كُو نَقْصَانِ سِي كَمَالِ تِك تَرْتِي دِي اَوْر طَبِيْعَتِ اَوْر حِجَابِ كِي ظَلْمَتِ كِدِي سِي قَدْسِ وَتَجَلِي كِي اَنوَارِ تِك پَهِنچَا دِي اِس لِي كِي جُو شَخْصِ كِي تَعْظِيْمِ اَوْر اَطَاعَتِ سِي رُو كَرْدَانِي كَرْتَا هِي اِسِي خِيَالِ كِي سَاتْه كَرْتَا هِي كِي اِسِي مَجْهِ پَر كُوْنِي بَزَائِي نَهِيں هِي تَا كِي اِس كِي بَزَائِي كِي وَجِ سِي مِيْرِي مَرْتَبِي مِيں تَرْتِي هُو۔ پس اِس كِي تَعْظِيْمِ اَوْر عِدَمِ تَعْظِيْمِ بَرَابَر هِي اَوْر اِس كِي اَطَاعَتِ اَوْر نَا فَرْمَانِي يَكْسَاں جِكِي بَدَا هِتِ عَقْلِ مِيں پَر وِرْدِ كَارِ كِي بَارِي مِيں يِه خِيَالِ بَاطِلِ هِي اِس لِي كِي اِگَر اِس كِي عِظْمَتِ كُو جِس نِي جِهَانِ مِيں ظَهْوَرِ فَرْمَا يِهِي دِكِي نَهِيں سَكْتِي هُو تُو اِنِي ذَاتِ مِيں دِكِي لُو اَوْر اِنِي پِيْدَا نَشُوں مِيں نَظَرُ ذَالُو۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا تَحْقِيْقِ اِس نِي تَمَّهِيں كُنِي رَنگوں مِيں پِيْدَا فَرْمَا يِهِي اَوْر هَر رَنگِ پَهْلِي رَنگِ سِي بَهْتَرِ اَوْر زِيَادِي اِحچَا هِي اَوْر پَهْلِي حَالَتِ سِي تَمَّهَارِي تَرْتِي كَا مَوْجِبِ هُوَا

ہے پہلے تم عناصر تھے اس کے بعد اس نے تمہیں غذائی مرکبات بنا دیا پھر نطفہ بنایا پھر منجمد خون پھر جما ہوا گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈی اور نرم گوشت اور یہ سات حالتیں روح پھونکنے سے پہلے واقع ہوئیں پھر جب روح پھونک دی تو پیٹ کا بچہ تھے کہ تمہیں حرکت، انتقال اور حواس اور قوی استعمال کرنے کی جگہ بالکل میسر نہ تھی اس کے بعد تم نشوونما والا بچہ ہو گئے اور تم نے ماں کے دودھ کی لذت پائی اور تم نے ماں کی گود میں قرار پایا اور اس نے تمہیں حرکت اور استعمال حواس کی کچھ جگہ عطا فرمائی پھر تم نیا چلنے والا طفل ہو گئے اور اس نے تمہیں سیر، ادھر ادھر گھومنے اور دیکھنے کی لذت بخشی اور چکھائی لیکن صرف اپنے گھر اور کوچہ کے اندر پھر تم نو جوان ہو گئے اور اس نے تمہیں بازار، باغ، دریا اور محفلوں کی سیر، بے شمار لوگوں کو دیکھنا اور نعمات کو سننا عطا فرمایا پھر تم پورے جوان ہو گئے اور تم نے دُور دراز کے سفر اور اموال کماتا شروع کر دیئے پھر تم درمیانہ عمر کے ہو گئے اور تم نے عقل، تجربہ اور تدبیر میں کمال حاصل کر کے شہرت اور مرتبہ حاصل کیا پھر اس نے تمہیں بوڑھا کر دیا تاکہ تم سفر آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ اور قوتِ شہویہ اور غضبیہ کے ڈھل جانے کی وجہ سے تم سے راہِ خدا میں سلوک کی رکاوٹیں دُور ہو جائیں اور اس جہان کی ترقی حاصل کرو اور یہ سات حالتیں دنیوی زندگی کی ابتدا سے اس کی انتہا تک رونما ہوئیں۔

اور اگر تم اپنے اعضاء اور بدن میں ودیعت لکھی گئی مخفی حقیقتوں پر نظر کرو تو تمہارے عالم شہادت کے محسوس ارکان بھی سات رنگ رکھتے ہیں، کھال جو کہ زینت اور حفاظت کے لیے ہے، گوشت جو کہ قوت اور گرمی کے لیے ہے، اعصاب جو کہ حس و حرکت کے لیے ہیں، گردن کی رگیں جو کہ غذا پہنچانے کے لیے مقرر ہیں، حرکت کرنے والی رگیں جو کہ ارواح کے جاری ہونے کے لیے مقرر ہیں، ہڈیاں جو کہ بمنزلہ ستون ہیں اور ارواح جو کہ قوتوں کی حامل اور حیات کا مرکب ہیں اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے زیادہ اچھا اور نفیس ہے اور تمہارے جہان غیب کے مخفی ارکان سات قسم کے ہیں۔ پہلا رکن قوی، دوسرا نفس، تیسرا عقل، چوتھا سر، پانچواں روح، چھٹا خفی اور ساتواں انھی جو کہ غیب الغیب اور تمہاری ذات کا عین جمع ہے اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پس تمہیں

کیا ہے کہ تم غیب کو شہادت پر معقول کو محسوس پر اور مستقبل کو ماضی پر قیاس نہیں کرتے ہو اور آفاق کو نفس کے ساتھ مطابقت نہیں دیتے ہو۔

الْمُتَرَدُّوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا كَمَا تَمُ دِكْهَتِي نُهَيْسُ هُوَ كَهَ اللّٰهُ نِي
 کس طرح سات آسمانوں کو تہ بہ تہ پیدا کیا ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر ہے اور ہر اوپر کا طبقہ حجم و وسعت اور بلندی میں نچلے طبقے سے زیادہ ہے اور دیکھنے سے آسمانوں کے سات ہونے اور ہر طبقے کے نچلے طبقے سے زیادہ ہونے کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ سات ستاروں کی سات قسم کی مختلف حرکات دیکھی جاتی ہیں اور ہر ستارے کے نور کو چھپانے والا اور دوسرے ستارے کو ظاہر کرنے والا دیکھا جاتا ہے۔ پس صریح عقل کے ساتھ دریافت ہوتا ہے کہ یہ سات ستارے ایک آسمان پر نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا ایک جدا آسمان ہے اور جب ان کی حرکات گھومتی نظر آتی ہیں، معلوم کیا جاتا ہے کہ ہر آسمان دوسرے آسمان کو محیط ہے ورنہ زمین کے نیچے ستارے کی حرکت ممکن نہ ہوتی اور بالکل ظاہر ہے کہ محیط اپنے محیط سے زیادہ وسیع اور بڑا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا اور ان سات آسمانوں کے درمیان چاند کو قابل اعتماد روشنی کا سبب بنایا ہے جو کہ دوسرے ستاروں کی روشنی سے زیادہ ہے۔ گویا دوسرے ستاروں کی روشنی اس کے سامنے روشنی ہی نہیں ہے تاکہ اس بات پر دلیل حاصل کریں کہ عالم ظلمانی میں نور کا فیض دینا بھی ممکن ہے۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اور سورج کو ایک چمکتا چراغ بنایا ہے کہ چاند کا نور حقیقت میں اسی چراغ کا نور ہے جو کہ ایک صیقل آئینہ پر پڑ کر روشن ہوا تاکہ تمہیں پتہ چلے کہ عالم نور میں ایک ایسی ذات درکار ہے جو کہ مبداء فیاض سے بلا واسطہ فائض ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے روشن ہونے کی صلاحیت رکھنے والے روشن ہوتے ہیں اور اپنی ترقی کے حال کو انبیاء علیہم السلام کی ترقی کے حال کی نسبت سے قیاس کریں۔

نیز تمہیں پتہ چل جائے کہ ظلمت سے نور کے ساتھ روشنی اور ترقی، علم، عمل میں شریعت کی پیروی کی وجہ سے ہے جیسا کہ خلقت احوال میں ترقی، حجت و قدرت ہے۔

طبیعت کی پیروی کی وجہ سے ہے اور اگر تم عالم بالا کی ترقیات اور درجات کو نظر کی کوتاہی کی وجہ سے دریافت نہیں کر سکتے ہو تو ذرا عالم سفلی کی ترقیات میں نظر ڈالو۔

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے اس لیے کہ تمہارے باپ کو جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں زمین سے پیدا فرمایا پھر اس کی نسل میں نطفے کو پیدا کرنے کا تخم بنایا جو کہ نباتی اور حیوانی غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نباتی اور حیوانی غذا میں بلا واسطہ یا بالواسطہ زمین سے اُگتی ہیں۔ پس اگرچہ اس نے تمہیں بلا واسطہ زمین سے نہیں اُگایا ہے تاکہ یوں کہا جاسکے کہ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اِنْبَاتًا لیکن تمہارے اُگنے کا سلسلہ آخر زمین تک پہنچتا ہے۔ پس یوں کہا جاسکتا ہے کہ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَنَبْتُمْ نِبَاتًا پس تم زمین سے اُگے اُگنا کیونکہ تمہاری قریبی بنیاد جو کہ نطفہ ہے قریبی واسطے کے ساتھ زمین سے اُگتا ہے اور تمہاری دُور کی بنیاد جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں بلا واسطہ زمین سے اُگے ہیں اور زمین اجسام عالم میں سب سے نیچے ہے اور ان میں سب سے زیادہ ذلیل کہ ہر صاحب حرکت و رفتار کے سامنے پائمال ہے اور اس ذلت کے باوجود اس نے تمہارے وجود میں بہت بڑی رفعت پیدا کی ہے دنیا میں بھی بادشاہت، سلطنت، عزت اور مرتبے کی بلندی تک پہنچتی ہے اور دین میں بھی نبوت، رسالت، امامت، خلافت، قطیبت، ارشاد اور ولایت کی بلندی تک پہنچتی ہے۔

اولیاء کا ملین کے مزارات کی زیارت کا قصد کرنا اور انہیں بوسہ دینا

ثُمَّ يُعْبِدُكُمْ فِيهَا پھر اس رفعت کے باوجود جو کہ تم نے حاصل کی ہے تمہیں زمین میں لوٹاتا ہے تاکہ تمہاری بلندی مرتبہ کی وجہ سے اس زمین کو بھی ترقی اور بلندی مرتبہ نصیب ہو اور تمہارے کا ملین کے مزارات مقصود بالزیارت اور تبرک ہو کر عام اور خاص کے چومنے کی جگہ بنیں۔

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا اور تمہیں اس زمین سے باہر لائے گا ایک اور باہر لانا جو کہ اس باہر لانے کے علاوہ ہے جو کہ تمہاری اصل اور نطفہ اُگانے کے وقت واقع ہوا تھا اور اس باہر لانے کی وجہ سے زمین کے اجزاء کو تمہارے وجود میں بہت عظیم ترقی حاصل

ہوگی جو کہ کسی کے خیال و ہم اور سمجھ میں سام نہیں سکتی اور ایسی رفعت نصیب ہوگی کہ اپنے پروردگار کے دیدار اور اس کے حضور سکونت پذیر اور اس کے پڑوسی ہونے کا استحقاق ابد الابد آباد آباد تک کے لیے حاصل ہو جائے گا۔

اور اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ **يُخْرِجُكُمْ** کی مصدر کے ساتھ تاکید کیوں فرمائی گئی اور **بَعِيدُكُمْ** کی تاکید نہیں فرمائی گئی اور **اعادة** نہ فرمایا گیا نیز پتہ چلا کہ **انبتکم** کی تاکید انباتا کیوں نہ فرمائی گئی اور **نباتا** کیوں ارشاد فرمایا اس لیے کہ **اعادة** کی صرف ایک قسم ہے اور بس جبکہ اخراج کی دو قسمیں ہیں ابتدائی اخراج اور پیدا کرنے کے بعد اخراج۔ ابتدائی اخراج سے پرہیز کرنے کے لیے مصدر نوعی کی تاکید ضروری ہوئی جبکہ **انبتکم** کی تاکید میں اگر انباتا فرمایا جاتا تو یہ پتہ چلتا کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو زمین میں بلا واسطہ اگایا ہے اس لیے کہ فعل کو مصدر کے ساتھ موکد کرنا مجاز کے خیال کو دور کرنے اور اسناد اور ایقاع کے حقیقی ہونے کے قصد کے لیے ہوتا ہے حالانکہ یہ واقع کرنا مجازی ہے اس لیے کہ انہیں زمین سے بالواسطہ پیدا فرمایا ہے کہ ان کی اصل اور نطفہ اس سے حاصل ہوا اور وہ نطفے کی طبیعت کے تقاضے اور اپنے باپ کی خواہش کے تقاضے کی وجہ سے اُگے ہیں۔

اور اگر تمہارے دل میں خیال گزرے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی یہ تمام ترقیاں ایک جنس کی تمام قسموں کے لیے عام اور سب کو شامل ہیں جبکہ تو ہمارے ساتھ عبادت، تقویٰ اور اطاعت کے درجات کے مطابق خاص ترقیات کا وعدہ کرتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ان خاص ترقیات کا گواہ بھی عالم سفلی میں تمہارے قریب موجود ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے کہ تم اس پر گھومتے اور سیر کرتے ہو اور اس پر بیٹھے اور سوتے ہو۔ **لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا** فِجَا جَا تا کہ اس زمین کی فراخ اور کھلی راہوں میں چلو۔ پس اس کے باوجود کہ تمام زمین ایک فرش کا حکم رکھتی ہے اور ہم بعض کو مشرق کی راہ، بعض کو مغرب کی راہ، بعض کو پہاڑ کی راہ، بعض کو شہر کی راہ اور بعض کو صحرا کی راہ کہتے ہیں اور وہ ہر راہ میں ترقی و رفعت

پیدا کرتے ہیں اور بلند مقاصد تک پہنچتے ہیں۔

ضمیر کی بجائے اسم جلالت کے اظہار کی حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ مَا لَكُمْ لِاتْرَجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا سے لے کر اس آیت تک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے معبود کا نام پاک چار مرتبہ ظاہر کر کے لیا حالانکہ ضمیر بھی کفایت کرتی تھی یہ اپنے معبود کے ذکر سے لذت حاصل کرنے کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے بھی کہ وہی ایک ذات ہے جو ابتدا سے انتہاء عرش سے فرش اور نفس سے آفاق تک تمام جہان والوں کو ترقی بخشنے والی ہے اور اسے ایسی عظمت حاصل ہے کہ مختلف جہانوں کے افراد و اصناف میں سے کوئی اس کا سوا حصہ بھی نہیں رکھتا اور اس کی عبادت اور اطاعت سے روگردانی کرنا انتہائی خسارے اور نقصان کی بات ہے۔

اور ان گواہوں اور دلیلوں کی ترتیب میں ایک باریک نکتے کی رعایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جب چاہے کہ دوسرے بھائی کی بزرگی اور عظمت پالنے پہلے اپنے آپ میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات میں سے مجھ پر کیا ظاہر ہوا ہے۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا اس دیکھنے کی طرف اشارہ ہے پھر اس میں نظر کرتا ہے جس کی عظمت کا پہلے سے معتقد ہے اور اسے بزرگ سمجھتا ہے اور غور کرتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات اس دوسرے صاحبِ عظمت پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ آسمان چاند اور سورج کی عظمت بلندی، روشنی اور چمک بر چھوئے بڑے کو معلوم ہے پھر اپنے اصل اور خاندان میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت اور بزرگی کے آثار میرے آباء و اجداد اور اسلاف پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ وَاللَّهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے پھر اپنے دوسرے متعلقات نوکر چاکر اور ضروریات پر نظر ڈالتا ہے۔ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب حضرت نوح علیہ السلام دعوت اور سمجھانے کے ان مرتبوں کو طے کرنے

کے بعد کہ جن سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا تھا، اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ہلاکت کی دعا کرنے سے پہلے ان کی اس حالت کو جو کہ ان کی اصلاح سے ناامید ہونے کا تقاضا کرتی تھی اس طرح پیش کیا کہ

قَالَ نُوحٌ رَبِّ انَّهُمْ عَصَوْنِي حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! تحقیق انہوں نے میری نافرمانی اس حد تک کی کہ ان سے اطاعت کی توقع قطعاً نہیں رہی اس لیے کہ اگر میری نافرمانی کرنے کے باوجود میرے مخالفین کی پیروی نہ کرتے تو احتمال تھا کہ اصلاح کی طرف توجہ کریں اور رفتہ رفتہ میری اطاعت کریں لیکن یہ میرے مخالفین کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گئے۔

وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُمْ مَالَهُمْ وَوَلَدَهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ایسے کے پیروکار ہو گئے جس کے مال اور اولاد نے اسے زیاں کاری کے سوا کچھ نہ بڑھایا اس لیے کہ وہ مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت میں اس قدر گہرا چلا گیا کہ اپنے پروردگار کی یاد اور سفرِ آخرت کے سامان کی فکر سے غافل ہو گیا اور اپنی قیمتی عمر کو مال جمع کرنے اور بچے لینے کے بے ہودہ کام میں برباد کر دیا۔ پس ایک تو دولت مندوں اور اولاد کی کثرت والوں کی پیروی کرنا میرے طریقے کی مخالفت کرنا ہے۔ دوسرے مال اور اولاد کی کثرت کو جو جو اتباع کی علت جاننا میری پیروی کے واجب ہونے سے انکار کرنا ہے اس لیے کہ میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام مال اور اولاد کی کثرت نہیں رکھتے اور ان دونوں کی کثرت سے پرہیز کرتے ہیں۔ تیسرے انہوں نے مال اور اولاد کی کثرت والوں میں سے چُن کر ان لوگوں کو پیروی کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے اپنی آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ کاش وہ ان مال داروں اور کثیر الاولاد لوگوں کی پیروی کرتے جو کہ مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے آخرت کو کماتے ہیں کہ اس صورت میں اگرچہ اولاد والوں اور مال داروں کی پیروی کرنے میں بھی انہیں مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت پیدا ہوتی اور وہ راہِ حق سے دُور جا پڑے لیکن جب بھی اس جمع کیے ہوئے مال

اور پرورش کی ہوئی اولاد کو آخرت کا ثواب حاصل کرنے کا وسیلہ بناتے تو پھر راہِ حق کے قریب ہو جاتے اور ان کا انجام اچھا ہو جاتا اگرچہ آغاز اچھا نہ تھا اور اعتبار تو صرف خاتموں کا ہے۔

اور میرے مخالفین کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ میری راہ کو باطل کرنے میں زبردست کوشش کرتے ہیں اور صرف میری نافرمانی اور مخالفت پر اکتفا نہیں کرتے تاکہ ان کی اصلاح کی توقع ہو اس لیے کہ انہوں نے کہ اس راہ کی اچھائی کو اس کی بُرائی میں گنڈ کرنے میں ایک باریک فریب گھڑا ہے۔

وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا كُبْرًا اور انہوں نے ایک بہت بڑا مکر کیا کہ اس سے زیادہ مکر نہیں ہوتا اس لیے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے دین کا انکار کرنے میں جو مکر کرتے ہیں تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ کہ ان کی رسالت اور رسالت کے استحقاق کے بارے میں شبہات وارد کرتے ہیں جیسا کہ اکثر کفار مکہ اور دوسری قومیں کرتی تھیں اور یہ مکر آسان ہے اور اس کا تدارک بہت آسان ہے کہ قوی معجزات ظاہر کیے جائیں اور رسالت ثابت کی جائے دوسری قسم یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی ربوبیت میں جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے کہتے ہیں شبہات پیدا کریں اور اپنے آپ کو بطور خود مستقل اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں التجا کرنے سے بے پرواہ ظاہر کریں تاکہ اس کے احکام کی اطاعت واجب ہونے کو اپنے ذمہ سے گرا دیں جس طرح فرعون کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ اور کبھی أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى اور کبھی مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي اور یہ مکر پہلے مکر سے بھی زیادہ آسان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل رسل علیہم السلام کی رسالت کے دلائل سے زیادہ واضح اور روشن ہیں اور جسے عقل سے تھوڑا سا حصہ بھی ملا ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

تیسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو بھی تسلیم کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی مانیں اور کہیں کہ وہ علوم جو رسل علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں عوام کو

رغبت دلانے اور ڈرانے اور نالائقوں اور احمقوں کو سمجھانے اور ان کے فساد کی اصلاح کے لیے مناسب ہیں لیکن باریک بینیوں اور حقائق اشیاء سے واقفیت رکھنے والوں کو ان مقدمات خطابیہ کی ضرورت نہیں ہے ان کا مرتبہ ان وعظ و نصیحت کے علوم سے اونچا ہے جو کہ رسل علیہ السلام کو حاصل ہیں بلکہ حقیقت ربوبیت اور حقیقت رسالت کو وہ رسولوں کی شناخت سے زیادہ پہچانتے ہیں اس لیے کہ رسولوں کی نظر سطحی اور سرسری ہے جبکہ ان حکیموں رازداروں کی نظر گہری نظر ہے اور کفر کی یہ قسم کفر کی قسموں میں سب سے زیادہ شدید ہے اور یہ مکروں میں سب سے زیادہ قوی مکر ہے کہ اس کا علاج بہت مشکل ہے جیسا کہ اکثر فلسفی مزاج لوگوں اور یونانیوں کے دل میں بھی مکر پہنچتا ہے اور وہ کفر کی اسی قسم میں گرفتار ہوئے ہیں اور رہتے ہیں اور سورہ مومن میں ان کا حال مذکور ہے کہ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ اور یونانیوں میں سے ایک کا مشہور قول جو کہ اس نے ایک رسول کی دعوت کے جواب میں کہا ہے کہ نَحْنُ أَنَا س مَهْدِيُونَ لِحَاجَةِ لَنَا إِلَى مَنْ يَهْدِينَا هُمْ هِدَايَتِ يَافِتَ لُؤْكَ هِي هَمِي س كِي هِدَايَتِ كَرْنِ وَا لِي كِي ضَرُورَتِ نَمِي هِي ا سِي قَسْمِ س هِي۔

پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی دعوت کے مقابلے میں کہ آپ خدا تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ کا حکم دیتے تھے یہی مکر بروئے کار لائی کہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت میں ثابت قدم اور آپ سے زیادہ پختہ ہیں اس لیے کہ ہم اس کے مظاہر کاملہ کی عبادت کرتے ہیں جن میں اس نے الوہیت کے ساتھ ظہور کیا ہے جبکہ آپ ہمیں مرتبہ تزیہ کی عبادت کی طرف بٹلاتے ہیں اور آپ اس مرتبے کے اوصاف میں ایسی بات کرتے ہیں کہ وہ مرتبہ نرا وہی سا ہو جاتا ہے۔ پس آپ ہمیں خدا تعالیٰ کی عبادت سے ایک امر موہوم کی عبادت کی طرف بٹلاتے ہیں۔ پس بظاہر آپ خود کو داعی الی اللہ کا نام دیتے ہیں اور حقیقت میں خدا کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور انہوں نے یہ مکر اپنے پیروکاروں اور نالائق لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا اور ان پر اس امر کو بہت مشتبہ کر دیا۔

وَقَالُوا اور میری قوم نے اپنے زیر دستوں اور چھوٹوں سے کہا کہ اگر تمہیں خدا تعالیٰ کی عبادت منظور ہے۔ لَا تَذَرُنَّ اس کے مظاہر کی عبادت ہرگز نہ چھوڑنا کہ اس نے ان مظاہر میں اپنی الوہیت کے ساتھ ظہور فرمایا ہے اور ان میں الوہیت کے اسی ظہور کی وجہ سے وہ مظاہر بنے ہیں۔

الْهِتَاكُمْ اپنے معبودوں کو۔ پس اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تم نے ظاہر کی عبادت چھوڑی ہوگی اور ان میں ظاہر خدا تعالیٰ ہے۔ پس تمہیں خدا کی عبادت ترک کرنا لازم آئے گا اور اس دھوکے کا حل یہ ہے کہ مظاہر کی الوہیت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ ان میں مرتبہ الوہیت ظاہر ہو جائے اور الوہیت کے مرتبے کو واجب الوجود ہونا شرط ہے اس لیے کہ وجوب وجود کے بغیر کوئی صفت کمال کی انتہا سے بہرہ ور نہیں ہوتی اور کمال کی انتہا کے بغیر انتہائی تعظیم کا استحقاق متصور نہیں ہو سکتا اور اللہ کے لیے معبود ہونا اور انتہائی تعظیم کا مستحق ہونا ضروری ہے اور حوادث اور ممکنات میں وجوب وجود کا امکان نہیں۔

ہاں ان مظاہر میں حق کا ظہور صرف وجود کے ساتھ تسلیم شدہ ہے لیکن وجوب وجود کے بغیر نرا وجود تمام موجودات کو عام ہے کہ اس ظہور کی وجہ سے بعض موجودات بعض دوسری موجودات کا معبود ہونے کا استحقاق نہیں رکھتیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے یا عابد کو معبود ہونا اور معبود کو عابد ہونا جبکہ دونوں امر محال اور ممنوع ہیں۔ نیز ان مذکورہ مکاروں نے اپنے عوام سے کہا کہ:

وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا نیک لوگوں کی مورتیوں کی عبادت کو کہ ان کے دل پر تجلی الہی نے بطریق اصالت واقع ہو کر انہیں اپنا آشیانہ بنا لیا اور اس تجلی کے حکم کے ان کے ظاہر و باطن پر نافذ ہونے کی وجہ سے ان کی مورتیاں جو کہ ہم پتھر پتیل اور دوسری چیزوں سے بناتے ہیں اس تجلی کی حکایت کرنے والی ہو جاتی ہیں اور ان میں معبود و معبود ہونے کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ پس مت چھوڑو خصوصاً

وَدَا و د کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کا منظر ہے اور وہ محبت ظہور عالم کا مبداء ہے جیسا کہ احببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف میں اسی سمت اشارہ واقع ہے

اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شخص کی صورت پر بنایا تھا اس لیے کہ اصل میں عالم انسانی کے ظہور کا مبداء عورت کی طرف مرد کی محبت اور اس کا مائل ہونا ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس مظہر کو بوش کہتے ہیں۔

وَلَا سُوَاعًا اور مت چھوڑو خصوصاً سواع کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے ثبات، استقرار اور بقاء کا مظہر ہے اور جہان کی بقاء کا سبب وہی ہے اور عرف شرع میں اس صفت کو قومیت کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک عورت کی شکل میں بنا رکھا تھا اس لیے کہ شادی، خانہ داری اور خاندان کی بقاء اور ثبات عورتوں کی تدبیر کے واسطے سے ہوتی ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس کو برہما کہتے ہیں اور لغت عرب میں سواع کا مادہ سکون اور قرار پانے کے لیے موضوع ہے اور سواع کا معنی جہان کو قائم رکھنے والا ہے۔

وَلَا يَغُوْثَ اور خصوصاً یغوث کو مت چھوڑو جو کہ اللہ تعالیٰ کی فریادری اور مشکل کشائی کا مظہر ہے اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک گھوڑے کی شکل میں بنایا تھا اس لیے کہ گھوڑا دوڑنے، جلدی پہنچنے اور مدد کرنے میں ایک مثال ہے اور اس صفت کو شرع شریف میں غیاث المغتیبین، مجیب دعوة المضطربین کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس کو اندر کہتے ہیں۔

وَيَعُوْثُ اور یعوق کو مت چھوڑو جو کہ روکنے، حمایت کرنے اور بلا دور کرنے کا مظہر ہے اور شرع میں اس صفت کو کاشف الضر اور دافع البلاء کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شیر کی شکل میں بنایا تھا کہ جب بھی کسی درندے کے مقابلے میں آتا ہے اسے مقابلے کی تاب نہیں رہتی اور وہ راہ گریز اختیار کرتا ہے اور ہندی زبان میں اس مظہر کو شیو کہتے ہیں۔

وَنَسْرًا اور نسر کو مت چھوڑو اور قوت الہی کا مظہر ہے اور لغت میں نسر گدھ کو کہتے ہیں اور اڑنے والے جانوروں میں گدھ انتہائی طاقت ور ہے اور جلد پہنچتا ہے کیونکہ تیز اڑنے والا ہے اس مناسبت سے اپنے ذہن میں انہوں نے اس مظہر کو اس شکل میں بنایا۔

ہے اور شرع میں اس صفت کو لطیفہ غیبیہ الہیہ کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس مظہر کو ہنومان کہتے ہیں اور مدد اور غیبی طاقت طلب کرنے کے وقت اسے یاد کرتے ہیں۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ کلمہ لا کو یغوث یعوق اور نسر کے درمیان سے حذف فرما دیا گیا، بخلاف سابقہ ناموں کے اس لیے کہ یغوث، یعوق اور نسر جزئی تدبیروں میں جو کہ فریادری، دفع بلا اور غیبی امداد ہے، کام آتے ہیں۔ پس انہوں نے جہان کی تدبیر کرنے والی شیون الہیہ میں سے ایک شان کا حکم حاصل کیا اس لیے کہ ان تینوں چیزوں کا مجموعہ ایک شان تدبیر ہے اور ود اور سواع تدبیرات کلیہ عامہ شاملہ میں جو کہ ظہور عالم کی ابتدا اور اس کی بقاء ہیں، دخل رکھتے ہیں۔ پس ہر ایک اپنی ذات میں مستقل ہے پس حقیقت میں کلمہ لا یغوث، یعوق اور نسر کے مجموعے پر داخل ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ود کو اور سواع کو اور ان تینوں کو جو کہ ایک مظہر کا حکم رکھتے ہیں، مت چھوڑو تاکہ تم جہان میں اللہ تعالیٰ کی شیون ظاہرہ سے بے بہرہ نہ رہو۔

نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ پانچ نام حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں جو کہ سب مرد اور آدمی تھے لیکن زمانے کی طوالت اور ان میں سے ہر ایک کی صفات غالبہ کے وہم کے غلبے کی وجہ سے پوجا کرنے والوں کے ذہن میں ایک شکل پیدا کر لی تھی جس کے مطابق انہوں نے ان کے لیے بتوں کی شکلیں بنائی تھیں اور اس جنس کی قوت وہمیہ بہت عجائبات رکھتی ہے جیسا کہ مسلمان کہلانے والے بعض جاہلوں نے حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی شبیبہ کو شیر کی شکل میں بناتے ہیں اور لعل شہباز کی شبیبہ کو سفید باز کی صورت میں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سب پانچوں بت طوفان میں زریزین دَب گئے تھے۔ ابلیس علیہ اللعین نے عربوں کو پھر ان بتوں کا نشان دے دیا جنہیں زمین سے نکال کر انہوں نے پھر معبود بنا لیا۔ بنو قضاہ نے ود کو دومتہ الجندل میں نصب کر دیا اور اس کی پوجا میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وہ بت بنو قضاہ سے بنو کلب کے پاس پہنچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں کے پاس تھا اور بنی مطی

کے چند گروہوں نے یغوث کو پکڑ کر اپنے شہروں میں نصب کر لیا اور ان سے مانگ کر بنو مراد سے اپنے ملک میں لے گئے اور کچھ مدت تک اس کی پوجا کرتے رہے یہاں تک کہ بنو ناجیہ نے چاہا کہ ان سے طاقت کے ساتھ چھین لیں، وہ اس بابت کو لے کر بنو الحراثت بن کعب کے ملک کی طرف بھاگ گئے اور یہ بت بنو الحراثت بن کعب میں رہا اور یعوق بنو الکھلان کے پاس تھا اور وراثت کے طریقے سے ان سے چلتا چلتا قبلہ بنی ہمدان کے پاس پہنچ گیا اور نسر بنو خثعم کے قبضہ میں تھا اور اسلام کے آنے تک وہ اس کی عبادت کرتے تھے جبکہ سواع ذوی الکلاع حمیری کی اولاد کے قبضے میں تھا اور ان سے بنی حمیر کے تمام فرقے کے پاس پہنچا۔

اور ان پانچ بتوں کے علاوہ عربوں کے اور بت بھی تھے ان میں سے لات بنو ثقیف کے لیے، عزیزی بنو سلیم، بنو غطفان، بنو نصرہ، بنو سعد اور بنو بکر کے لیے اور منات اہل قدید اور مثل کے لیے تھا اور اہل مدینہ بھی اس کی زیارت کے لیے آتے تھے اور اساف، نائلہ اور ہبل اہل مکہ کے لیے تھا، انہوں نے اساف کو حجر اسود کے عین سامنے کوہ صفا پر نائلہ کو زکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبہ معظمہ اندر رکھا تھا اور قد وقامت میں ہبل بتوں میں سب سے بڑا تھا اس کا طول آٹھ گز تھا اور جنگ کے وقت اسے یاد کرتے تھے جیسا کہ کفر کی حالت میں ابوسفیان نے جب احد میں بظاہر فتح پائی، اس کی تعریف کرنا شروع کر دی۔

مختصر یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس مکر کے ساتھ اپنے عوام کے سامنے چرب زبانی کہتے تھے اور ان کا یہ مکر ان کے عوام کے دلوں میں بہت اثر پیدا کرتا تھا۔ پاگلوں کی بڑی قسم کی بات نہ تھی کہ کوئی اس پر توجہ نہ کرے تاکہ اس کے تدارک سے بے توجہی اور چشم پوشی کی جائے۔

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا اور تحقیق انہوں نے اس مکر اور فریب کے ساتھ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہو کر اس کے غیر کی پوجا میں جو کہ مظاہر کی مورتیاں تھیں، مصروف ہو گئے حالانکہ ان کی گمراہی اس مکر کے باطل

ہونے پر صریح دلیل تھی اس لیے کہ اگر مذکورہ مظاہر کی پوجا خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی تو ان کے خدا تعالیٰ تک پہنچنے، حجاب اٹھنے اور ہدایت پانے کا سبب ضرور بنتی لیکن یہ مظاہر کی پوجا ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوبیت اور غفلت کا موجب ہوئی اور وہ مظاہر مذکورہ کی بیڑیوں میں الجھ گئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ ان کی پوجا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ تھی اور وہ ان کی پوجا کرنے اور مرتبہ و جوب وجود کی عبادت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے ظالم ہو گئے اس لیے کہ ظلم حق ضائع کرنا اور کسی شے کو اس کے اصل مقام کے غیر میں رکھنا ہے اور عبادت مرتبہ الوہیت کا خاص ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے جزوی مظاہر کا حق جیسا کہ کلیت انسان مطلق کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے افراد جزئیہ کا حق اور وسعت اور ہمیشہ جاری رہنا سمندر کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کی موجوں کا حق اور جوہریت شخص کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظلال اور شیشوں میں نقش ہونے والی شکلوں کا حق، تقسیم نہ ہونا واحد کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظہور کے مرتبوں کا حق جو کہ غیر متناہی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

اور جب وہ ظالم ہو گئے تو انہیں استدراج کے طریقے سے کسی معرفت کا شناسا نہ فرما اور اپنی شیون میں سے کسی شان کی طرف راہ نہ دے۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا اور ظالموں کے لیے گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہ فرما اس لیے کہ اگر تو ان میں سے کسی کو استدراج کے طور پر شیون الہیہ میں سے کسی شان کی ہدایت فرمائے تو یہ ہدایت دوسروں کو غیر اللہ کی پوجا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی عبادت ترک کرنے کی داعی ہوگی اور وہ کہیں گے مظاہر جزئیہ کی پوجا بھی معارف حقیقیہ کا دروازہ کھلنے کا سبب ہوتی ہے اور وہ واصل ہونے اور حجاب اٹھنے کی علامت ہے۔

ایک الجھن اور اس کا حل

اور یہاں مفسرین کو ایک مشہور الجھن درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے باوجود کہ اولوالعزم پیغمبر تھے اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا کس طرح فرمائی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہدایت کی دعا کرنا ہے نہ کہ گمراہی کی دعا کرنا اس الجھن کا جواب یوں لکھا گیا ہے کہ آپ سے یہ دعا اس وقت سرزد ہوئی جب آپ

ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور ہدایت کی امید بالکل ختم ہو گئی جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ إِنَّهُ لَنْ يُؤْمِنُ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ بِسِ آءِ نَے چاہا کہ ان سے اپنے انتقام لیں اور گمراہی کی زیادتی کی دعا کی تا کہ ان کا عذاب بھی زیادہ ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعون کے ایمان سے ناامیدی کا یقین ہونے کے بعد اسی قسم کی دعا فرمائی ہے جو کہ سورۃ یونس کے آخر میں انہیں کی زبان سے حکایت ہوئی۔

اور تفسیر سے اس اُلجھن کا جواب بہت اچھی وجہ کے ساتھ معلوم ہو چکا کہ اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا ظلم و شرک کی حالت کے ساتھ مقید ہے نہ کہ مطلقاً۔ قاعدہ اصول کے مطابق کہ وصف کے ساتھ حکم کو معلق کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کی علت ہے۔

اور اس کے باوجود کہ ظلم و شرک کی حالت میں ہدایت کا تصور نہیں ہے اس دعا کا فائدہ یہ ہے کہ ان میں ایک وجہ سے ہدایت ظہور نہ کرے تا کہ دوسروں کی گمراہی کا باعث نہ ہو اور جب دعوت میں اس قدر مبالغہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا اور آپ کی شکایت کی حکایت کے بیان سے فراغت ہوئی اب فرمایا ہے کہ اس دعا اور اس شکایت کا اثر ظاہر ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی مخالفت اور نافرمانی میں غرق رہی اور انہوں نے بالکل کسی طرح سے بھی ہدایت نہ پائی یہاں تک کہ مَبَا خَطِيئَتِهِمْ اِنۡنَا بۡ شَارِ كُنَا هۡوۡنۡ كۡى وَجۡهۡ سۡ مۡنۡ تَعۡلِيلۡ كۡى لِيۡسۡ هۡ وۡرۡ مَا كۡثُرۡتۡ كۡى مَعۡنٰى كَا فَاۡئِدۡهٖ دِيۡنۡ كۡى لِيۡسۡ زِيَادۡهٖ كَرۡدِيَا كِيَا كۡى كۡثِيۡرَا وۡرۡ اِسۡ جِيۡسۡهٖ اَلۡفَاظۡ مِيۡلۡ زِيَادۡهٖ كِيَا جَاتَا هۡ۔ وۡرۡ وۡهٖ بۡ شَارِ كُنَا هۡ اِنۡ كَا كۡفَرۡتَ مَا جَسۡ نۡ اِنۡنَا كۡى رَسُوۡلۡ عَلِيۡهٖ اَلۡسَّلَامۡ كُوۡ هَزَارۡ سَالۡ كِيۡ مَدۡتۡ تِكۡ مَخۡتَلِفۡ قَسَمۡ كِيۡ تَكَا لِيۡفۡ دِيۡنۡ كۡى سَا تَ هٗ مَحۡلُوۡطۡ هُوۡ كَرۡ قُوۡى كِيۡ كَشَافۡتۡ مَهِيَا كِيۡ وۡرۡ اِسۡ كِيۡ وَجۡهۡ سۡ

اُغْرِقُوا وَاَسْمَانَ سۡ بَارِشۡ كۡى پَانِي وۡرۡ زَمِيۡنۡ سۡ پَ هُوۡنۡنۡ وَاَلۡى پَانِي مِيۡلۡ غَرۡقۡ كَرۡ دِيۡنۡ كۡى وۡرۡ يۡهٗ غَرۡقۡ كَرۡ نَا صَرۡفۡ رُوۡى زَمِيۡنۡ سۡ اِنۡ كَا شَرۡدُوۡرۡ كَرۡنۡ كۡى لِيۡسۡ نَ تَ هٗ

بلکہ برزخ کا عذاب چکھانے کے لیے تھا اس لیے کہ
فَأَدْخِلُوا فِيهَا وَهُوَ غَرَقَ هُونِے كَعْدِ كَسِي فَاصلے كے بغير ايك آگ ميں داخل كر
ديے گئے دوزخ كي وعده شده آگ نهيں كه اس ميں داخل هونے ميں ابهي كافي وقت
هے۔

عذاب قبر كا ثبوت

اور اس آيت ميں كه فعل ماضى كو دوسرے فعل ماضى پر فاعل تعقيب كے ساتھ معطوف
فرمايا گيا هے 'عذاب قبر كے ثبوت پر صريح دليل هے جيسا كه ضحاك سے منقول هے كه
حضرت نوح عليه السلام كي قوم كے لوگ ايك جگه سے غرق هوتے تھے اور ايك جگه سے
جلتے تھے۔ نيز اس آيت سے معلوم هوتا هے كه گنهگاروں ميں سے جو بھي جس طريقيے سے
بھي مرتا هے جيسے دريا ميں غرق هونا يا آگ ميں جلنا يا درندے كا كھانا 'عذاب قبر ميں
گرفتار هوتا هے اور جو كچه قبر ميں مدفون مردے كو پہنچتا هے اسے بھي پہنچتا هے اس ليے
عذاب روح كو ديا جاتا هے نه كه بدن كو كه عذاب دينے كے ليے بدن كا باقى ربتا شرط هے۔
فَلَمَّا يَجِدُوا لَهُمْ پس حضرت نوح عليه السلام كي قوم كے لوگوں نے اپنے ليے
اپنے معبودوں كو نه پايا كه نصرت اور امداد كي اميد پر انهيں پوجتے تھے۔ مِّنْ حُنُونِ اللّٰهِ
الله تعالى كے سوا انصارًا مددگار نہ ودنے ان سے محبت كي نہ سواع نے سهارا ديا نہ يعوث
نے قريادري كي نہ يعوق نے حمايت كي اور نہ نسر نے طاقت دي تاكه طوفان ميں غرق
هونے كا عذاب جو كه دنيوي تھا يا آگ ميں جلنے كا عذاب جو كه برزخي تھا ان سے دور
هوتا۔ پس ان كي گمراهي كے اثر نے حضرت نوح عليه السلام كي دعا كے مطابق صورت
اختيار كي۔

اور جب قوم كا غرق شروع هوا اور بارش كے پاني نے كثرت كے ساتھ هجوم كيا اور
زمين كے پاني نے جوش مارا اور حضرت نوح عليه السلام كشتي ميں سوار هونے اور آپ نے
ديكھا كه كافروں نے بھاگ كر بلند مكانات ميں اور پہاڑوں كي چوٹیوں پر پناہ لے لي هے
اور ان ميں سے بعض نے طوفان آنے سے پہلے حضرت نوح عليه السلام كي زبان سے اس

واقعہ کے رونما ہونے کا سن کر اور جان کر احتیاط کے طور پر پہاڑوں پر شیشے کے محلات بنا لیے اور چند ماہ کے لیے کھانے پینے کا سامان جمع کر چھوڑا تھا ان شیشے کے محلات میں داخل ہو کر فارغ البال بیٹھے تھے تو آپ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض کفار اس عذاب سے چھٹکارا پالیں اور جہان میں کفر کا بیج پھر باقی رہ جائے آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا مانگی۔

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! جب تو نے میری دعا قبول فرمائی اور میری قوم کے سرداروں اور ان کے مکاروں کو جو کہ عوام کو فریب دے کہ شہادت میں ڈالتے تھے طوفان کے عذاب میں گرفتار فرمایا اب تیری جناب میں میری ایک اور گزارش ہے کہ

لَا تَذَر عَلَي الْأَرْضِ رُوئے زمین پر نہ چھوڑ خواہ میرے ملک میں ہو یا کسی دوسرے میں مِنَ الْكَافِرِينَ کافروں کی جنس سے خواہ مکرو شہادت ڈالنے والے ہوں خواہ ان کے پیروکار خواہ میرے ساتھ ملنے والی قوم سے ہوں خواہ اجنبی اور غیر قوم۔

دِيَارًا کسی گھر میں بسنے اور سکونت کرنے والے کو دیار دار یا دور سے فیعال کے وزن پر ہے بمعنی ہونا اور جانا۔ پہلی صورت میں بمعنی گھر بنانے والا سکونت اختیار کرنے والا ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہے پھرنے والا اور یہ لفظ فعال کے وزن پر نہیں ہے ورنہ دیار کے بجائے دوار ہوتا اور دیوار کی تعلیل کو ایام کی تعلیل کے مطابق سمجھنا چاہیے جو کہ اصل میں ایام تھا اور سید کی تعلیل کے مطابق جو کہ اصل میں سیود تھا اور قیام جو کہ اسمائے حسنی اور نماز تہجد کی دعا کی بعض روایات میں واقع ہے بھی فیعال کے وزن پر ہے نہ کہ فعال کے وزن پر اور متحیز کا لفظ جو کہ سورہ انفال میں واقع ہوا بھی متفعیل ہے کہ اس کی اصل متحیز تھی نہ کہ متفعل کیونکہ ان صیغوں کے اصول واوی ہیں نہ کہ یائی۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قید اس لیے ذکر فرمائی اور یوں نہ کہا کہ کسی سانس لینے والے کو نہ چھوڑ اس لیے کہ آپ کو ابلیس اور اس کی اولاد کا قیامت تک باقی رہنا معلوم تھا اگر روئے زمین کے ہر کافر کی ہلاکت کی درخواست کرتے تو مبرم تقدیر

الہی کے خلاف واقع ہوئی اور انبیاء علیہم السلام تقدیر الہی کے خلاف دعا نہیں کرتے اسی لیے لفظ دیار الہی تاکہ ابلیس اور اس کی اولاد اس میں داخل نہ ہوں اس لیے کہ ابلیس اور شیاطین زمین میں سکونت اور خانہ داری نہیں کرتے اور اکثر اوقات سطح زمین پر چکر بھی نہیں لگاتے بلکہ ہوا میں اڑتے ہیں اور جب بعض اوقات زمین میں کفار کی بقاء حکمت الہی کے تقاضے کے مطابق ہوتی ہے کہ ان کفار سے کسی وقت مخلوق کی ہدایت مقدر ہوتی ہے۔ گو وہ بالفعل کفر اور گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں ان کفار کی طرح جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفر میں شدید تھے اور آخر میں اسلام کے ساتھ مشرف ہو گئے اور انہوں نے ہزاروں کو جہاد اور لڑائی کے ساتھ اسلام میں داخل کیا یا ان کفار سے نیک نسل پیدا ہوتی ہے اور وہ خدا کی معرفت اور عبادت کے کام میں قائم رہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس غرض کی علت کے مقام میں ان دونوں قاعدوں کی نفی بھی بیان فرمائی کہ

إِنَّكَ أَنْ تَنْدَهُمْ يُصَلُّوا عِبَادَكَ تَحْقِيقًا أَوْ تَوَانٍ كَوْ جُحُودٍ دَعَا تَوَانٍ تَمَامٍ
بندوں کو تیری عبادت کی راہ سے ضرور گمراہ کریں گے اور اس راہ پر چلنے سے نفرت دلائیں گے تو معرفت اور عبادت کے لیے ان کی ایجاد کی حکمت دگرگوں ہو جائے گی۔

وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَا جَرًا كَفَّارًا أَوْ رُوهُ بَدَا كَارًا شَكْرًا كَمَا كَمَّ نَحْمِيسَ جَنِينًا كَمَا كَمَّ نَحْمِيسَ جَنِينًا
سے نیک نسل کی توقع بھی نہیں ہے اور وہ ہر صورت میں برباد کرنے کے قابل ہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کفار کے لیے قیامت کے عام اور کلی مواخذے کے نمونے کا عام اور کلی مواخذہ طلب کیا تو ڈر گئے کہ کہیں غضب الہی کا جوش اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ ترکِ اولیٰ پر جو مجھ سے صادر ہوتا ہے اور عام گناہوں پر جو کہ میری امت کے ایمان والوں سے صادر ہوتے ہیں، بھی مواخذہ واقع ہو جائے اس خطرے کو دور کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا پیش کی کہ

رَبِّ اغْفِرْ لِي أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ يَا رَحْمَنُ! مِيرَاةً بِرَبِّكَ يَا رَحْمَنُ! مِيرَاةً بِرَبِّكَ يَا رَحْمَنُ!
ترکِ اولیٰ یا خطا اجتہادی سے فروگزاشت کا حکم رکھتا ہے۔ وَلِوَالِدَيْكَ إِحْسَانًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

کو بخش دے کہ اگرچہ وہ دونوں وفات پا گئے تھے لیکن والدین کی وفات کے بعد بھی دعائے مغفرت اور حسب طاقت صدقات کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور آپ کے والدہمک بن متوشح تھے اور آپ کی والدہ شمخا دختر انوش اور یہ انوش اس انوش کے علاوہ ہیں جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔

اور عطا نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا، سب مسلمان اور توحید کے عقیدے پر تھے اور آپ کی والدہ محترمہ بھی مسلمان تھیں۔

وَلَمَنْ فَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا اور ہر اس شخص کو بخش دے جو کہ میری کشتی میں جو کہ میرا جاری گھر ہے داخل ہو مگر صاحب ایمان ہو اس لیے کہ آپ کی کشتی میں ابلیس بھی تھا اور وہ بخشش کا مستحق نہ تھا۔ اور ایمان والوں کی بخشش کی اس وجہ سے درخواست کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے کشتی غرق ہو جائے اور بے گناہ بھی ہلاک ہو جائیں اس لیے کہ عام دنیوی عذابوں میں امتیاز اور تفریق نہیں ہے اسی لیے قوموں کے عذاب میں ان کے بچے اور پاگل بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور جانور بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور قیامت تک کے تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بخش دے تاکہ ان کے مستقبل کے گناہ اپنے آباء کی کشتی کے غرق ہونے میں اثر نہ کریں۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کے لیے جو کہ شرک و کفر کے غرق ہو گئے ہیں اور آگ میں جلانے چاہتے ہیں زیادہ نہ کر مگر تکلیف دکھ اور عذاب اس لیے کہ اگر انہیں ان کے عذاب میں لمحہ بہ لمحہ زیادتی نہ ہو تو عذاب کی تو انہیں عادت اور الفت ہو جائے اور انہیں اتنا عذاب عذاب ہی معلوم نہ ہو اور یہ بھی مغفرت کے معنوں میں ہے تو انہیں ایمان والوں کے ساتھ ایک قسم کی مغفرت میں شرکت لازم آئے۔

علماء نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا میں قیامت تک کے ایمان

والوں کے لیے ایک عظیم بشارت ہے اس لیے کہ کافروں کی ہلاکت کے بارے میں آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی۔ پس ایمان والوں کی مغفرت کے لیے آپ کی دعا ضرور قبول ہوئی ہوگی اور وہ بخشے گئے۔ واللہ

پانچ قسم کے بت ہر کسی کے پاس موجود ہیں

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ پانچ مذکورہ بت حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر کسی کے پاس موجود ہیں اور دانستہ یا نادانستہ طور پر ہر کوئی ان کی پوجا میں گرفتار ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور وہ تھوڑے ہیں اس لیے کہ ہر شخص کا بدن اس کا ود ہے جو کہ روح کا محبوب ہے اور اس کی محبت کے مقابلے میں دوسرے امور کی محبت کا لہدم ہے۔ ہمیشہ خوراک، لباس، زیور، خضاب، سرمہ، کنگھی، موٹا کرنے والی دواؤں کے استعمال، ورزش، ریاضت، اصلاح، مالش اور حمام کے ساتھ اس کی پرورش اور زینت میں مشغول رہتا ہے اور ہر شخص کا سواع اس کا نفس ہے کہ اس کے جہان کا قیام اسی کے ساتھ وابستہ ہے اس کی لذت اور خوش دلچ کے اسباب میں اور اس کی نفرت اور تکلیف سے پرہیز میں ہمیشہ کوشش کرتا ہے اور اسی لیے لوگ عبادت، تقویٰ اور رسل علیہم السلام کی اطاعت میں کھلی کوتاہی کرتے ہیں۔

اور ہر شخص کا یغوث اولاد، والدین، بھائی، بہن، چچا زاد اور اس کے قریبی رشتے دار ہیں کہ ان سے فریادری اور امداد کی توقع کر کے انہیں راضی کرنے اور ان کی دل جوئی کرنے میں کوشش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اور رسول پاک علیہ السلام کے فرمان سے چشم امید بند کر لیتا ہے اور ہر کسی کا یعوق اس کا حال ہے جو کہ زکوٰۃ و صدقات دینے، محتاجوں کی مدد کرنے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ سے روکتا ہے اور یہ شخص اس سے بلائیں اور آفتیں دور کرنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ ہر شخص کا نسر اس کا شیطان ہے جو کہ حرص اور غصے کے دوپروں کے ساتھ اچانک آسمان سے آ کر اس کے لیے اور نہ کیے کو برابر کر دیتا ہے اور اس کے اوپر سے بڑے دوسے اور باطل اعتقادات ڈالتا ہے تو جب تک ایک شخص کے ان پانچ بتوں کی پوجا سے رہائی نہ پائے اس کا ایمان دلاست نہیں ہوتا تا کہ وہ

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعائے مغفرت میں شامل ہو جو آپ نے ایمان والوں کے فرمائی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس دعا میں بارگاہِ خداوندی میں عرض کی ہے کہ میری قوم کے کفار سے بدکارنا شکر کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا حالانکہ بہت سے کافروں سے نیک بخت پیدا ہوتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کا باپ جس سے سید المسلمین حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کو خلتِ الہی کا مرتبہ حاصل ہوا۔ (بارگاہِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ادب اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے مطابق صحیح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بزرگوار کا نام تاریخ ہے جو کہ عقیدہ توحید پر واصل بحق ہوئے۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں فرمایا کہ علماء نے فرمایا کہ آرزو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ آپ کا چچا تھا اور کئی وجہ سے اس مسئلے پر استدلال کیا گیا۔ ایک یہ انبیاء علیہم السلام کے آباء و اجداد کافر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِي يَدَاكَ جِئِنَ تَقُومِ وَتَقْلُبِكَ فِي السَّاجِدِينَ اس کا ایک معنی یہ ہے انہ کان ينقل نوره من ساجد الى ساجد آپ کا نور پاک سجدہ گزاروں سے سجدہ گزاروں کی طرف منتقل ہوتا تھا۔

اور اس صورت میں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے اور اس طرح بات کی قطعیت ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافروں میں سے نہ تھے وہ تو آپ کا چچا ہے۔ آگے فرمایا ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات میں پاکوں کی پشتوں سے پاک خواتین کی طرف منتقل کیا جاتا رہا جبکہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا الشِّرْكُوْنَ نَجَسٌ کہ مشرک بالکل ناپاک ہیں تو

ثابت ہوا آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی بھی شرک نہ تھا۔

(مسائل الحفباء از حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۹۱۸ - محمد محفوظ الحق غفرلہ)
 آپ کی یہ عرض بظاہر خلاف واقع ہوتی ہے۔ اس شبہ کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے طریقے سے اپنی قوم کی یہ حالت یقینی طور پر معلوم ہو گئی تھی کہ ان سے کافروں سے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا۔ پس یہ حکم ان کی قوم کے ساتھ خاص ہے نہ کہ ہر کافر کے لیے عام اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے پہلے آپ کو وحی فرمادی تھی کہ إِنَّهُ لَنْ يُؤْمِنُ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ اور حصر کے ان لفظوں سے آپ نے استنباط فرمایا تھا کہ اب میری قوم سے جو بھی پیدا ہوگا کافر ہوگا اس لیے کہ قوم کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے اس جہت سے آپ نے یقین کے ساتھ اس شرط و جزا کو دربارِ خداوندی میں عرض کر دیا۔

اور صوفیاء نے فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر تنگ دلی اور غضب الہی کے غالب آنے کی وجہ سے اس دعا میں غلبہ حال طاری ہو گیا اور آپ نے ظاہری حالت کے مطابق حکم کر دیا کہ جو نطفہ خبیث مجھ سے پیدا ہو اور اس ظلمانی نفس کی تدبیر سے تاریک تربیت قبول کرے وہ لازماً نفس خبیث کو قبول کرنے کا مستعد ہوگا جیسا کہ بچے کا جسم جو کہ صغیریت میں باپ کے جسم کے مطابق ہوتا ہے اور جیسے مرید جو کہ نوع کمال میں اپنے شیخ کے مطابق ہوتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ روحانی ولادت جسمانی ولادت کی طرح ہے۔ پس آپ کی یہ گزارش آپ کے حال کی فروگزاشت ہے جیسا کہ قبلی کے قتل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عملی فروگزاشت تھی آپ کی اس عرض کے مقابلے میں آپ کو آپ کے بیٹے کنعان کے کفر کے ساتھ انتباہ فرمایا گیا۔ جیسا کہ ذنبوں میں شریک دو آدمیوں کے واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خبردار کیا گیا۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ والدین کے باطن پر غالب حال اولاد کے نفس میں

بلاشبہ سرایت کرتا ہے رہا وہ حال جو کہ غالب نہیں تو لازم نہیں کہ اولاد میں سرایت کرے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ الولد سرلابیہ یعنی اولاد باپ کے باطن کی پوشیدہ حالت ہے اور جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ بعض اوقات کافر وافر الاستعداد اور فطرت کا صاف ہوتا ہے اور فطری استعداد کے مطابق بنیاد پاک رکھتا ہے لیکن اس کے ظاہر پر اس کی قوم کی عادت اور آباء و اجداد کے طور طریقے غالب ہوئے اور وہ بظاہر ان کی دین سے وابستہ ہو گیا حالانکہ اس کا باطن آفت سے پاک ہے اور اس سے اس حالت میں ایمان والی اولاد پیدا ہوتی ہے اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے ہزار سال کی مدت تک جو کہ ایک طویل مدت ہے اور اس میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں اپنی قوم کے حالات کا تجربہ فرمایا تھا اور باطنی کیفیتوں کو پہچاننے میں پوری واقفیت رکھتے تھے یقین کے ساتھ معلوم فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی کی بھی فطری استعداد سلامت نہیں رہی اور حالات ظلمانیہ نے ان سب کی باطنی کیفیات پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفر پر ان کا اصرار صرف اپنے آباء و اجداد کی تقلید اور اپنی قوم کی رسوم کی عادت ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ آپ نے اس شرط و جزا کو قطعیت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ معلق فرما دیا اور یہ تعلق بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئی اور اس پر کوئی عتاب نہ ہوا۔

لیکن حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان کا پیدا ہونا تو یہ اس تعلق کے فوائد سے نہیں ہے تاکہ اسے تنبیہ اور عتاب پر محمول کیا جاسکے اس لیے کہ آپ نے صرف ناجر کفار ہی کی پیدائش کو فنا کرنے کے وجوب کی علت قرار دیا ہے نہ کہ اصل کافر و فاجر کی پیدائش کو کیونکہ نیک بختوں سے بُرے بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن نیک بخت بھی پیدا ہوتے ہیں تو بعض اولاد کی نیکی، بعض دوسروں کی بُرائی کے ساتھ معارض ہو کر فنا اور ہلاک کرنے کے وجوب کی علت نہیں ہوتی اور کیا بعید ہے کہ کنعان کی پیدائش کے وقت بعض حالات کی ظلمانی کیفیت نے حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں جگہ لے لی ہو اور کنعان اس سر کا حامل ہوا اور اس کے ساتھ اس کی ماں جو کہ کافرہ منافقہ تھی، کی ناپاک استعداد کو بھی اس کی استعداد خراب کرنے میں پورا دخل ہے۔ لازم نہیں ہے کہ کنعان کی استعداد کی خرابی کو

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کافر و فاجر کے سوا نہ جننا اور کافر و فاجر کو جننا ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایک کو ثابت کرنا دوسرے کی نفی نہیں کرتا تا کہ تنبیہ اور عتاب کی صورت پکڑے۔ (ان مذکورہ احتمالات میں جو کہ عقلی ڈھکوسلوں اور منطقی موشگافیوں سے زیادہ کچھ نہیں، عظمت نبوت و رسالت کی کوئی خدمت نہیں البتہ عقل ظاہر کے پرستاروں کو مسلمات دینیہ میں عقلی توجیہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو گمراہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے اگر ایک کنعان کے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے کے لیے معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں کسی ظلمانی ہیئت و کیفیت کا اثر مانا جائے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کی نسل سے ساری کائنات کے کفار اشرار پیدا ہوئے۔

حالانکہ جس مقصد کے لیے یہ مفروضہ قائم کیا جا رہا ہے وہ مقصد ہی غلط اور بے بنیاد ہے یعنی بیان یہ کرنا ہے کہ کبھی کافر کا باطن پاک رہتا ہے اور اسی استعداد کی وجہ سے پاک اولاد پیدا ہوتی ہے جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدا ہونا جبکہ آزر آپ کا چچا ہے باپ نہیں۔ کما حقہ الامام فخر الدین الرازی فی تفسیرہ ونقلہ وایدہ خانم الحافظ الجلال السیوطی فی رسالہ التسعہ۔

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے باطن میں معاذ اللہ کتنی لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں ظلمتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جن کی اولاد میں سے اسی قدر کفار اور مشرکین پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوں گے۔ بات سیدھی سی ہے کہ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان قوم کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ان سے صرف کفار فجار ہی کے پیدا ہونے کا حوالہ دیا یہ سب خدا داد علم غیب تھا جس کی بناء پر آپ نے ایسا کہہ دیا۔ آپ کی اس دعا کی بنیاد علم الہی ہے جس سے مستفید ہو کر آپ نے یہ الفاظ عرض کیے۔ خدا تعالیٰ کا علم اور اپنے مقربین کو اس کی عطا، عقلی چیرہ دستیوں سے وراء ہے وہ فعال لما یرید ہے اسی میں سلامتی اور سبب حقیقت ہے۔ عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ۔ جسی اللہ گو کہ اللہ بس کفی۔ نیز یہ

توجیہ بھی باعث حیرت ہے کہ کبھی کافر کی بنیاد اس کے کفر کے باوجود جو کہ سب سے بڑی نجاست ہے پاک ہی رہتی ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ نبی اور رسول بلکہ اولوالعزم رسول علیہ السلام ہونے کے باوجود کوئی بیت ظلمانی رسول علیہ السلام کے باطن کو متاثر کرنے عجیب توجیہ ہے کہ کفر کی نجاست کافر کے باطن تک نہیں پہنچتی جبکہ ترکِ اولیٰ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ظلمت رسول علیہ السلام کے باطن تک پہنچ جائے۔ فیاللہ عجب والی اللہ المشتکی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

سورۃ الجن

مئی ہے اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ نوح اور اس سے
ماقبل کے۔ ماتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ نون میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفار مکہ
نے نسبی طور پر انتہائی قریب ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کے
اخلاق کریمہ سے واقف ہونے کے باوجود آپ کو نہ پہچانا اور مجنون کہا اور سورۃ الحاقہ میں
اس بات کا ذکر ہے کہ ان بد بختوں نے عقل و دانش کے دعوے کے باوجود قرآن مجید کو
کبھی قول شاعر، کبھی قول کاہن اور کبھی رسول علیہ السلام کا بہتان کہا۔ اور وہ حقیقت حال کا
سراغ بالکل نہیں لگاتے تھے کہ یہ سراپا معجزہ کلام کیا ہے اور کہاں سے ہے اور زمین اور
زمین والوں میں اس کے آنے کا مقصد کیا چیز ہے یہاں تک کہ سورۃ المعارج میں ان کی
بدگوئی اور سینہ زوری صراحتاً ذکر فرمائی گئی کہ وہ انتہائی جہالت کی بناء پر عذاب کی
درخواست کرتے ہیں اور سورۃ نوح علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے
حضرت نوح علیہ السلام کی ہزار سال کی مدت میں دعوتِ کاملہ اپنی قوم کو ترغیب و ترہیب
کی مختلف قسموں کے ساتھ سمجھانے اس کام میں اپنی کدو کاوش کو آخر درجے تک پہنچانے
پھر اس قوم کے اپنے کفر پر اصرار کرنے اور اپنے آباؤ اجداد کی غیر موزوں تقلید ترک نہ
کرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اب اس سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ
قدرتِ الہی کا تماشہ دیکھو اور جان لو کہ دلوں کو پھیرنے والا اور حقیقی ہدایت کنندہ وہی
ہے۔ آپ کی قوم آپ کے حالات پر اس اطلاع کے باوجود نسبی قرابت جنسیت اور
لغت عربی کو جاننے کے اور معمولی غور و فکر کے ساتھ اعجاز قرآن کو پہچاننے کی استعداد

ہونے کے باوصف اس قدر گمراہ ہیں اور سینہ زوری اور بدگوئی کرتے ہیں۔
 اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس قدر کامل اور طویل دعوت جنسی اتحاد کے باوجود کہ آدمی تھے نہ کہ جن اور بشری عقل رکھتے اور ایمان اور کفر کے حسن اور قبح کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے بالکل راہ راست پر نہیں آئے بلکہ روز بروز گمراہی میں ڈور ہوتے جاتے تھے اور حق کی راہ سے بھاگتے تھے۔

جبکہ جنوں کی ایک جماعت کے چند افراد جو کہ نہ آپ کے ہم جنس ہیں نہ انسانی تعبیر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں نہ انہوں نے آپ کی زیارت کی نہ آپ کی صحبت میں رہے تاکہ آپ ان کے سامنے قرآن پاک کے معنوں کی تفسیر ارشاد فرمائیں اور ان پر اس کے مضامین کی تشریح و تفصیل بیان فرمائیں صرف راستہ سے گزرتے ہوئے قرآن پاک کی چند آیات آپ سے سن کر ہدایت کے نشے سے کس قدر لبریز ہو گئے اور قرآن مجید کے کس طرح معتقد ہوئے اور صرف اسے سنتے ہی ایمان لے آئے اور اپنے بڑوں اور اپنی قوم کی اندھی تقلید سے ایک دم منحرف ہو گئے اور انہوں نے ایمان کے حسن اور کفر کی قباحت کو اپنی قوم کے سامنے اچھی طرح پیش کیا اور وہ آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر عجیب استدلال لائے اور ان خرابیوں کو جو کہ جنوں کی جبلت میں نخوت، تکبر، اصرار، اپنی بات پر جھگڑا کرنے اور بھاگنے اور چھپنے کی عادت رکھنے سے ہیں اپنے سے سب ڈور کریں اور اس بات کا اقرار کیا کہ لَنْ نُعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهُ هَرَبًا اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم علم غیب بالکل نہیں رکھتے لَانَّذِي اَشْرٰ اُرِيْدَ بَنِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشْدًا اور خود ستائی اور اپنی قوم کی تعریف و توصیف سے دست بردار ہو گئے اور کہا کہ مِمَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِمَّا كُوْنُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرٰٓئِقَ قَدَدًا اور انہوں نے ایمان والوں اور کافروں کا انجام دریافت کر لیا۔

تو جب ہدایت الہی کسی کی اصلاح پر توجہ فرمائے تو ایک دم تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام شرائط کلی طور پر میسر آ جاتی ہیں اور جب اس طرف سے ہدایت کی توجہ نہ فرمائی جائے تو عقل و دانش، قرابت و جنسیت، شفقت و محبت مرشد و استاذ اور اس کی طویل

صحبت سب رائے گاں جاتی ہے اور کارگر نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ ان دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور مماثلت پائی جاتی ہے اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا جا رہا ہے کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا جبکہ اس سورۃ میں جنوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ وَإِنَّهُ تَغْلِي جَدُّ رَبِّنَا وہاں کفار بنی آدم کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ لَا تَذَرْنِ وَا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا جبکہ یہاں ایمان والے جنوں کی زبان سے نقل فرمایا جاتا ہے کہ وَلَنْ نَشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَمَنْ أَسْلَمَ فَاُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وہاں فلم يَجِدُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا مذکور ہے جبکہ یہاں وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا اور لَنْ نَعُجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نَعُجِزَهُ هَرَبًا ہے اور وہاں یہ مذکور ہے کہ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا بَرَسَلِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا جبکہ یہاں وَإِنْ لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِينَاهُمْ مَاءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ہے وہاں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند نوح علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی وجہ سے اس ابوالآباء کی خلافت کی خدمت سے معزول ہو گئے اور ان کا قتل اور ہلاکت واجب کہ لَا تَذَرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا جبکہ یہاں یہ مذکور ہے کہ جنس کے مختلف ہونے اور اخلاق و اطوار کے جدا ہونے کے باوجود شائستگی اور صلاحیت کی وجہ سے جنات آخر الزمان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ہدایت و ارشاد کا منصب پالیا اور اپنی قوم کی طرف منذر اور مبلغ ہو کر گئے۔

قطعہ۔ وزیر کے کم عقل بیٹے گدائی کے لیے دیہات میں چلے گئے اور کسان کے عقل مند بیٹے وزارت کی وجہ سے بادشاہ تک پہنچ گئے اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

سورۃ الجن کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام سورۃ الجن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں قرآن پاک کے برحق ہونے کو جنات کی طرف سے مدد سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ

انسانوں کے فصحاء اور بلغاء کا اس قرآن پاک کے مقابلے سے عاجز ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو چکا تھا۔ پس اس بات کا احتمال کہ یہ انسانوں میں سے کسی شاعر یا ناظم کی تالیف ہونہ رہا۔ قرآن پاک کے بارے میں یہی دو احتمال اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں کھٹکتے تھے۔ ایک یہ کہ کلامِ الہی ہوگا جو کہ فرشتوں کے واسطے سے پہنچا ہے دوسرا یہ کہ جنوں کا کلام ہوگا جو کہ کسی کاہن کے ذریعے القاء ہوا اور اس زمانے میں عرب کے شہروں میں کہانت اور جنوں سے علم حاصل کرنے کا رواج اور اس کی شہرت تھی۔ عرب کے اکثر لوگوں کو جنات کے ساتھ مناسبت اور دوستی حاصل ہو جاتی تھی اور وہ جنات ان پر ایسے کلام کا القاء کرتے جس کے ضمن میں غیب کی خبر ہوتی اور اس لین دین میں لوگوں کے ذہنوں میں ان انسانوں کا مقام بھی اور ان جنات کا مرتبہ بھی ایک وقعت حاصل کر لیتا اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور نذر و نیاز اور فتوح کا دروازہ کھل جاتا جیسا کہ اس زمانے میں بھی بعض لوگ پر یوں اور جنوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

اور عرب کے جاہل لوگ سمجھتے تھے کہ کلام کی ترکیب میں جنات کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ بشر کو ایسی قدرت ہرگز حاصل نہیں شاید یہ کلام جو کہ طاقتِ بشری سے باہر ہے بلغائے جن کی تالیف ہو جسے وہ پیغمبر کی زبان پر القاء کرتے ہیں جب اس سورۃ میں یہ ذکر ہوا کہ جنات نے یہ کلام سنتے ہی اپنے عاجز ہونے کو تسلیم کر لیا اور اس کے مقابلے کو اپنی ہمت سے باہر سمجھا تو وہ احتمال بالکل ٹل گیا اور وہی ایک سچا احتمال ثابت رہا۔

اور اگر کسی کو اس تقریر میں یہ شبہ ہو کہ معارضۂ قرآن سے جنات کا عاجز ہونا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ یہ کلامِ الہی ہے یہ بھی اسی کلام کے ساتھ ثابت ہوا۔ جنات کی زبان سے کس نے سنا کہ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا تا کہ اس کا اعجاز ثابت ہو اور اس کا کلامِ الہی ہونا یقینی ہو جائے۔ پس اثباتِ اشیء بنفسہ لازم آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثباتِ اشیء بنفسہ کے قبیلے سے نہیں ہے بلکہ اثباتِ اشیء علی فرض نقیضہ کے باب سے ہے کہ مقاصد اور دعویوں کو ثابت کرنے کے مسئلہ میں اس سے زیادہ پختہ مسلک اور کوئی نہیں اور اس اثبات کو قریب کر کے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ہم

منکروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ سورۃ کہ جس میں جنات کی زبان سے اپنے عاجز ہونے کا اقرار اور کلام الہی ہونے کی تصدیق منقول ہے یا کلام الہی سے ہے یا جنات کے کلام سے ہے اگر جنات کے کلام سے ہے تو مدعا ثابت کہ جنات نے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور انہوں نے اس کلام کو کلام الہی جانا اور اگر کلام الہی ہے تو مدعا پھر بھی ثابت ہے کہ خود بھی کلام الہی ہوا اور جو جنات سے نقل کیا گیا وہ بھی سچا ہو گیا اور یہ احتمال کہ باقی قرآن جنات کا کلام ہوگا اور یہ سورۃ کلام بشر ہے یہ اصل سے ہی باطل ہے کیونکہ اس سورۃ کا معارضہ بھی بشر سے ممکن نہیں ہے تو دونوں مذکورہ احتمالات میں سے ایک متعین ہو گیا اور دونوں میں سے ہر ایک میں مقصد حاصل ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے جناب آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سے چوری اور جاسوسی کے طریقے سے آنے والے حادثوں کی خبریں جو کہ روئے زمین پر مقدر ہوتے تھے اور ان کا فرشتوں کی مجالس میں تدبیر اور سرانجام دینے کے لیے ذکر ہوتا تھا سُن کر آتے تھے اور ان کا آدمیوں پر القاء کرتے تھے تاکہ وہ جنات کی غیب دانی کے معتقد ہو جائیں اور پوچھا کریں اور کاہنوں کو جو کہ جنات کے خدام کی طرح تھے نذر اور رشوت ملے اور ان کی شیخی روز بروز ترقی حاصل کرے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے یہ کاروبار بھی ٹھپ ہو گیا اور جنات کو آسمان پر آنے سے روک دیا گیا اور آتشیں شعلوں کے ساتھ فرشتے مقرر کر دیئے گئے تاکہ وہ جنات کو ڈھکریں اور آنے نہ دیں اور اس احتیاط اور چوکی داری کا مقصد یہ تھا کہ جب قرآن پاک نازل ہو تو زمین میں اس کا مقابلہ کرنے کا چیلنج کیا جائے اور اہل زمین اس کے مقابلے سے عاجز ہو کر یقین کر لیں کہ یہ کلام الہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جنات میں سے کوئی بیت العزت جو کہ آسمان دنیا میں نزول قرآن کی جگہ تھی کے فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سُن کر کسی کاہن تک پہنچا دے اور یہ کاہن حضرت پیغمبر علیہ السلام کے مقابلے میں ان آیات کو مشہور کر دے اور جاہلوں کے ذہنوں میں شبہ پڑ جائے کہ قرآن کا مقابلہ ممکن ہو گیا۔ پس اس کا کلام الہی ہونا یقین کے ساتھ ثابت نہ

ہوا۔

نیز اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت جنوں انسانوں کے لیے عام تھی جس طرح آپ انسانوں کی طرف مبعوث تھے جنات کی طرف بھی مبعوث تھے اور ان سے بھی مقابلے کا چیلنج پیش نظر تھا تا کہ وہ عاجز ہو کر اس کے کلام الہی ہونے کا اقرار کریں اور ان کے آسمان پر آنے اور فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سننے کی صورت میں وہ مقابلے کی صورت میں عاجز نہ ہوتے تو تدبیر الہی کا لازمی تقاضا ہوا کہ قرآن پاک کے نزول کی مدت میں جو کہ تیس (۲۳) سال ہے یہ کاروبار بالکل معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ عرب کے کاہن اس مدت کی ابتدا سے معطل ہو کر رہ گئے تھے اور شکایت کیا کرتے تھے کہ اب جنات ہمارے پاس کوئی امر نہیں لاتے اور جنات بھی حیرت میں تھے کہ اب کیا انقلاب پیش نظر ہے کہ ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیا جاتا جب انہوں نے یہ قرآن مجید سنا تو یقین کر لیا کہ یہ سب انتظام اس کلام کو معارضے کی صورت سے بچانے کے لیے تھا اور قرآن پاک کے برحق ہونے پر یہ استدلال سابقہ قرآن اور علامات کی مدد سے ہے جو کہ عرف میں رائج ہے۔

اور دانش مندی کے قاعدوں کے مطابق اسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ آسمانی کلام چرانے سے اگر جنات کو روکنا فرشتوں کے کلام کی حفاظت کی بناء پر ہوتا تو چاہیے تھا کہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بھی ہوتا۔ پس یہ صرف اور صرف معارضہ کی صورت میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے ہے دلیل دوران کے ساتھ تو یہ کلام معارضے سے محفوظ ہے اور جو معارضے سے محفوظ ہو وہ معجز ہے اور معجز نہیں ہوتا مگر فعل الہی جسے کسی سچے کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے۔ پس وہ کلام الہی ہوگا جسے ایک سچے پر اُتارا اور وہی مدعا ہے۔

جان داروں کی پیدائش میں حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ حکمت کی نظر سے جہان میں جان داروں کو پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اس لیے کہ جہان میں جان دار نہ ہوں تو فعل اختیاری کی صورت نہیں ہوتی

اور افعال اختیار یہ کے بغیر کائنات میں کوئی رونق نہیں ہے اور ارادہ اور اختیار کا مظہر متحقق نہیں ہوتا اور اسی طرح جان دار کے بغیر شعور و ادراک کا کوئی مظہر نہیں اور صفت علم مظہر کے بغیر رہ جاتی ہے اور جان دار کا فعل اختیاری کا مصدر ہونا خواہش اور نفرت کے بغیر صورت نہیں پکڑتا تو جان دار کو دونوں صفات عطا کرنا بھی لازم ہوا اور خواہش اور نفرت اس چیز کے حسن اور قباحت کو دریافت کیے بغیر صورت نہیں پکڑتی جس کی خواہش کی جاتی ہے یا جس سے نفرت کی جاتی ہے۔ پس جان دار میں اشیائے جزئیہ کے شعور و ادراک کا پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اور جب اشیائے جزئیہ کا کلی طور پر شعور و ادراک تھوڑی سی مدت میں ممکن نہیں ہے تو ناچار جان دار کو شعور و ادراک کلی دینا ضروری ہوا جو کہ امر عام کے ساتھ متعلق ہوا اور اس کی وجہ سے ہزاروں چیزوں کے حسن و قباحت کو سمجھا جاسکے۔ پس خواہش و نفرت کے لیے شہوت اور غضب کی قوت کو پیدا کیا گیا اور اشیائے جزئیہ کے حسن و قباحت کو دریافت کرنے کے لیے وہم اور خیال اپنے آلات سمیت جو کہ پانچوں حواس میں عطا فرمائے گئے اور شعور و ادراک کلی کے لیے روح کو تیار کیا گیا اور اسے قوت عقلی بخشی گئی۔ پس ہر جان دار میں شہوت، غضب، وہم، خیال اور عقل لازم قرار پائی۔

جان داروں کی چار قسمیں

اور ان امور کی ترکیب کی کیفیت میں جان داروں کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ جان دار ہے جس کی قوت عقلیہ، وہم، خیال، شہوت اور غضب پر غالب ہے یہاں تک کہ ان چیزوں کا حکم اس کی قوت عقلیہ پر قطعاً نہیں چلتا اور غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی طرح اس کے زیر فرمانی اور مطیع ہیں اور اس قسم کو فرشتہ کہتے ہیں اور روحانیت بھی کہتے ہیں اور ہندی میں دیوتا، فارسی میں سروش اور شرع شریف کی زبان میں ان کی تعبیر ملائکہ، ارواح اور ملکوت کے ساتھ کرتے تھے۔ یہ قسم خطا اور گناہ سے معصوم اور پاک ہے اور نہ ہی کھانے پینے، مقاربت کرنے اور دوسری حقیر چیزوں کی محتاج ہے اس لیے کہ انہیں افعال اختیار یہ صادر کرنے کے لیے ایسا نورانی جسم دیا گیا ہے جو کہ کھلتا جدا ہوتا، ٹکراتا اور خلل میں پڑنا قبول نہیں کرتا اور قوت عقلیہ کے غلبے اور وہم و خیال پر اس کی

حاکمیت کی وجہ سے انہیں ممکن ہے کہ اپنے آپ کو ہر صورت میں ظاہر کریں اور ہر معنی میں ڈھال لیں اور مختلف شکلیں اختیار کریں اور اس قسم کے بزرگ حملۃ العرش ہیں اس کے بعد عرش کے ارد گرد صف بستہ ملائکہ اس کے بعد ملائکہ کرسی اس کے بعد درجہ بدرجہ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ اس کے بعد بادل ہوا بخارات اور زمہر پر کے کروں کے فرشتے جو کہ شعلے پھینکنے بارش اتارنے اور رعد اور برق کے ساتھ بادل کو چلانے پر مقرر ہیں اس کے بعد پہاڑوں اور سمندروں پر مقرر فرشتے پھر طبقہ زمین کے ملائکہ جو کہ نباتی حیوانی اور انسانی اجسام کے تصرفات میں مشغول ہیں۔

دوسری قسم وہ جان دار ہے جس کی وہم و خیال کی قوت عقل پر بھی اور شہوت و غضب پر بھی اس حد تک غالب ہے کہ ان کی عقل شہوت اور غضب ہر اختیاری فعل میں وہم و خیال کے تابع ہو جاتے ہیں اور ان کا جسم ناری اور ہوائی اجزا کا خلاصہ ہے کہ جسے قرآن پاک میں مارج من نار کا نام دیا گیا اور کہیں نار السوم فرمایا گیا ہے اور ان کا یہ بدن آدمی کی ہوائی روح کا حکم کھتا ہے جو کہ دل میں پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی ہوائی روح اور اس قسم کے بدن میں فرق یہ ہے کہ آدمی کی ہوائی روح اربعہ عناصر کا خلاصہ ہے جو کہ اس کی غذا میں کام آتے ہیں جبکہ اس قسم کا بدن صرف ناری اور ہوائی اجزا سے ہے اور ان کا نسبی بدن بھی جو کہ بمنزلہ آدمی کی ہوائی روح کے ہے چونکہ اسی لطیف جنس سے ہے اس بدن کے ساتھ مل کر اور متحد ہو کر پانی اور دودھ کے رنگ اور جنس کی طرح پک رنگ ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے وہم و خیال کی قوت اس بدن کی شکل کو بدن نسبی کی طرح بدل دیتی ہے جس طرح کہ خوف اور گھبراہٹ خوشی اور مسرت کی حالت میں آدمی کے نسبی بدن میں تغیر واقع ہوتا ہے۔

ہاں اس قسم والے کبھی اپنے اسی بدن پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور آدمی کے مسام اور تنگ جگہوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں اور کبھی وہم و خیال کی قوت کے ساتھ ایک کثیف جسم ترتیب دے کر مختلف شکلوں اور حسن و قبح انس و وحشت کی جدا جدا کیفیتوں میں ڈھل کر ظہور کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے

کہ اکثر اوقات اس قسم والوں کا جسم ہوا آگ اور شعاع کی طرح نظر نہیں آیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ وہم و خیال کی قوت کے ساتھ مشکل اور بھاری کام کر سکتے ہیں جس طرح ہوا بڑے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے اور اس قسم کی مخلوق کے لیے کھانا پینا، مقاربت کرنا اور دوسری حقیر چیزوں کا ارتکاب ثابت ہے اور انہیں جن کہتے ہیں اور ہندی لغت میں لفظ دیوتا انہیں شامل ہے ہاں ان میں سے ایک گروہ کو کہ جن کے زیادہ تر افعال اختیار یہ بُرائی اور مخلوق خدا کو نقصان پہنچانے کی صورت میں ہیں دانیت اور دنیت کہتے ہیں اور لغت عرب میں ان کے شریروں کو شیطان اور غیر شریروں کو جن کہتے ہیں اور لغت فارسی میں ان کے شریروں کو دیو اور غیر شریروں کو پری کہتے ہیں۔

اور حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم میں بھی ایک دوسرے سے کھلا اختلاف ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ ان میں سے بعض کے پر ہیں، آندھی کی طرح ہوا میں پھرتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو سانپوں اور کتوں کی شکل میں بدل کر گشت کرتے ہیں اور ان میں سے بعض آدمیوں کی شکل میں خانہ داری کرتے ہیں اور کوچ اور مقام کرتے ہیں اور ان کے رہنے کی جگہیں اکثر ویران مقامات، جنگلی اور پہاڑ ہیں لیکن یہ ساری صورتیں ہیں کہ ان سے کسی ایک کے ساتھ ہر گروہ کو خصوصیت اور رغبت حاصل ہوئی ورنہ اصل میں جنات کا بدن وہی آگ اور ہوا کے ملے ہوئے اجزاء ہیں اور یہ قسم گویا عالم ملائکہ اور عالم حیوانات کے درمیان برزخ ہے جس طرح کہ وہم و خیال بھی عقل و طبیعت کے درمیان برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں طرف کے احکام ثابت ہیں، انہوں نے مختلف شکلوں میں رونما ہونا، تدبیراتِ کلیہ اور امورِ دقیقہ میں حسن و قبح کا ادراک و شعور عالم ملائکہ سے لیا ہے اور اسی وجہ سے ان پر مکلف ہونے کا حکم جاری ہے اور کھانا پینا، مقاربت کرنا اور دوسرے حیوانی خصوصیتیں حیوانات سے حاصل کی ہیں اور یہ شہوت و غضب کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ حیوانات کے ساتھ ان کا یہی فرق ہے کہ حیوانات نے اپنی عقل، وہم اور خیال کو اپنی شہوت اور غضب سے مغلوب کر لیا ہے جبکہ انہوں نے اپنی عقل، شہوت اور غضب کو وہم و خیال سے مغلوب کیا ہے۔

تیسری قسم وہ جان دار جس کی شہوت اور غضب اس کی عقل و ہم اور خیال پر اس حد تک غالب ہو کہ اس کی عقل کا معدوم ہو جائے اور اس کا وہم و خیال اس کی شہوت و غضب کے فرمان کے تابع اور اس قسم کو حیوان کہتے ہیں۔ اگر اس کی شہوت غضب پر غالب ہوئی تو بہیمہ یعنی چار پایہ ہے اور اگر اس کا غضب شہوت پر غالب ہو تو درندہ ہے اور بہائم اور درندے جس طرح چرنے والے جانوروں میں ہوتے ہیں پرندوں اور حشرات الارض میں بھی ہوتے ہیں جیسا کہ پورے تجسس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ پس مکھی حشرات الارض کا بہیمہ اور مکڑی درندہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور یہ تین اقسام جو ذکر کی گئیں ذی روح مفردات ہیں کہ ارواح کے ابدان کے ساتھ متعلق ہونے کی ابتدا میں یہی تین قسمیں ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کو آسمانوں کی سکونت اور کائنات کو شامل ان امور کی تدبیر کے لیے منتخب فرمایا جن میں خطا اور نافرمانی سے معصوم ہونا مطلوب تھا اور دوسری قسم کو زمین میں افعال اختیار یہ جزئیہ صادر کرنے اور نباتات معدنیات اور حیوانات میں تصرف کرنے کے لیے مقرر فرمایا اس لیے کہ اس قسم کی روحیں سختی اور کثافت کے مرتبے میں نہ درندے اور بہائم تھیں اور نہ ہی صفائی اور لطافت کے درجے میں ملائکہ ناچار ان کے جسموں کو بھی اجرام عنصریہ لطیفہ بنایا گیا جو کہ ہوائیت اور ناریت کا خلاصہ ہیں تاکہ علوم و ادراکات حاصل کرنے اور نفوذ حرکات کی سرعت میں معتدل رہیں اور جب اس قسم کی ارواح اور ابدان طبعی طور پر فرشتوں کی ارواح اور ابدان کے قریب ہو گئے تو اس قسم کے لیے ممکن ہو گیا کہ عالم ملکوت سے بعض غیبی امور کو حاصل کر لیں اور عالم ملکوت کی محفلوں میں جو کہ آسمان کے اوپر ہیں حاضر ہوں۔

اور تیسری قسم جو کہ حیوان ہے صرف اس دوسری قسم کی خدمت اور ان کی خواہش اور نفرت کی پیروی کرنے کے لیے پیدا ہوئی۔ گویا حیوانی قسم اس قسم کا آلہ کثیف تھا حتیٰ کہ چوتھی قسم جو کہ ان تینوں اقسام سے بمنزلہ معجون مرکب کے ہے اور اس کی عقل و ہم خیال شہوت اور غضب اعتدال کے ساتھ کام آئے زمین کی سلطنت اسے سونپ دی گئی اور اس

پرفرشتوں کے واسطے سے علومِ غیبِ خصوصیت کے ساتھ نازل فرمائے گئے اور حیوانات، نباتات اور معدنیات کو اس کے لیے مسخر کر دیا گیا تاکہ وہ خلافتِ کبریٰ کی ذمہ داریاں پوری کرے اور جس کی ذوی الارواح بساط سے توقع نہ تھی اس میں ظہور کرے اور اسی تحقیق سے انسان کی تخلیق سے جنات کی تخلیق پہلے ہونے کا راز واضح ہو گیا۔ نیز مکلف ہونے کی امانت کا بوجھ اٹھانے میں انسان کے ساتھ جنوں کی شرکت کا راز بھی ظاہر ہو گیا۔

لیکن جنات کا جہان گویا فرشتوں کے جہان کی چلی سطح ہے اس وجہ سے کمال انسانی کی راہ جو کہ اس عالم کی طرف ترقی ہے، برہم ہو گئی اور بنی آدم کے گروہوں کو اسی چلی سطح میں پابند کر دیا یہاں تک کہ ان کی صلاحیتیں اور ہمتیں اسی سطح میں منحصر ہو گئیں اور ان میں اس سطح کو پھاڑنے اور اس سے اوپر جانے کی طاقت نہ تھی۔ پس بنی آدم میں سے بعض لوگوں نے اس سطح کے قدآور اشخاص کو اپنا معبود بنا لیا اور بعض نے اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد طلب کی اور بعض نے مستقبل کے واقعات کو ان سے ڈھونڈا اور شرک پیدا ہو گیا یہاں تک کہ بعض جاہلوں نے اس جہان کو حضرت ذاتِ حق سے بلا واسطہ پیدا ہونے والا سمجھ کر ان کے لیے خدا کی بیٹیاں ہونے کا مرتبہ ثابت کرنا شروع کر دیا اور اگر ہندوؤں کے مذہب اور مشرکین عرب اور کفار کے دوسرے گروہوں کی رسموں میں گہری نظر ڈالی جائے تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے علم کی رسائی اور ہمت کا ادراک اسی چلی سطح تک ہے بلکہ جاہل مسلمان بھی اسی منجذہار میں گرفتار ہیں اس جہان کے بعض اشخاص کو پیر کہتے ہیں اور ان سے امداد اور غیب کا علم مانگتے ہیں اور کسی کو پریاں کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

(اس کی وضاحت کے لیے حضرت مفسرِ علام کی وہ تفسیر ضرور دیکھیں جو کہ آپ نے ایک نستعین کے تحت کی ہے اور آپ کا مسلک اسی تناظر میں دیکھیں اور متعین کریں۔
محمد محفوظ الحق غفرلہ)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ واقع ہوئی تو پہلے اس سطح کو پھاڑنا اور اس

حائل دیوار کو اٹھانا ضروری ہوا جو جہانِ غیب کے آگے رکاوٹ بنی ہوئی تھی تاکہ انسانی ارواح کی ترقی کی راہ صاف ہو، ناچار شعلے پھینکنے کا حکم صادر ہوا اور ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو جو کہ طبعی طور پر گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی سرداری کا درجہ رکھتے تھے، ایک ذلت اور رسوائی لاحق ہوئی اور ان کی حیلہ گریوں اور مکاریوں کو کہ کبھی کاہن کی زبان پر مسجع کلام ڈال کر اپنی غیب دانی ثابت کرتے تھے اور کبھی شعراء کی قوتِ فکر یہ میں مداخلت کر کے اپنی باریک بینی اور نکتہ آفرینی کا جلوہ دکھاتے تھے اور کبھی بتوں کے ڈھانچوں میں ہوا کی طرح لپٹ کر عجیب و غریب آوازیں نکالتے تھے، معطل اور بے کار کر دیا گیا، انہیں عجیب واقعات سے جو کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کی علامت تھے جنوں کی زبان سے کہ جن کی ان امور سے واقفیت زیادہ اور بہت خوب تھی، نشان دیا جا رہا ہے۔ پس یہ سورۃ گویا سورۃ جن ہے کہ ایمان کی تحسین، کفر کی مذمت، شرک کے رد، توحید کے اثبات، شیاطین کے مکر و فریب کو دور کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے برحق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے ان کے اقوال کی تفصیلات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔

اس سورۃ کے نزول کا سبب

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے دس سال تک اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے دعوت دی جب آپ نے دیکھا کہ یہ قبول نہیں کرتے اور راہ پر نہیں آتے تو مایوس ہو کر سوچا کہ اب اجنبیوں اور بے گانوں کو دعوت دینا چاہیے اس قصد سے آپ طائف کی طرف اس تعلق کی بناء پر تشریف لے گئے کہ قریش کی ایک عورت جو کہ بنی جمح کی لڑی سے تھی طائف کے سرداروں میں سے ایک کے عقد نکاح میں تھی اور وہاں کل تین سردار تھے، عبدیالعل، مسعود اور حبیب۔ ان تینوں نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا اور آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے میں سوق عکاز کی طرف تشریف لے گئے اور وہ پتہ پوگہر کی طرح کی ایک منڈی تھی کہ ہر علاقے اور ہر سمت کے لوگ بیس (۲۰) شوال سے دس (۱۰) ذوالقعدہ تک

تجارت اور خرید و فروخت کے لیے وہاں جمع ہوتے دوران سفر آپ مقام نخلہ میں فردکش ہوئے صبح کے وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز فجر میں مشغول ہوئے اور بلند آواز سے تلاوت شروع فرمائی اسی دوران نصیبین شہر کے جنات میں سے اور بنو الشیبہ کے گروہ سے جو کہ جنوں کے قبائل میں سے سب سے عمدہ ہے، نو افراد کا وہاں سے گزر ہوا اور ان کا گزر اس مقصد سے تھا کہ جب جنات کو آسمانی خبر سے رکاوٹ ہوئی اور ان پر شعلہ باری شروع ہوگئی انہوں نے اس بارے میں آپس میں مشورہ کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں آسمانی خبر سے منع کر دیا گیا ہے اور ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیتے۔ آپس میں یوں طے ہوا کہ زمین کی مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کہ زمین میں کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جو کہ اس رکاوٹ کا باعث ہوئی تاکہ اگر ممکن ہو تو اس چیز کا تدارک کریں۔ یہ جماعت بھی اس امر کی تلاش میں سر زمین مکہ کی طرف آنکلی تھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن پاک سنا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یہ کلام اس رکاوٹ اور چوکی داری کا باعث ہے تاکہ کوئی اس کلام کو آسمان سے چوری کر کے نہ لائے اور بے محل نہ پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری قرأت سننے کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا اور اس جماعت میں زوبعہ نامی ایک جن سردار تھا اور ایک عمرو نامی بھی سردار تھا اور ان دونوں کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جنات کی بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

اس کے بعد ان کی دلالت پر نصیبین اور نینوی کے جنات میں سے نوے (۹۰) افراد نے اپنے پیروکاروں اور فوجوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قرآن پاک سننے کا ارادہ کیا۔ زوبعہ نے سب سے آگے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ بے شمار جنات آپ کی زیارت اور قرآن پاک سننے کے لیے آ رہے ہیں آپ جس وقت اور جس جگہ فرمائیں حاضر ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ شہر سے باہر رات کے وقت شعب الحجون کے نواح میں جو کہ مکہ معظمہ کے شہر کے متصل ایک پہاڑ کا فراخ درہ ہے، جمع

ہوں تاکہ شہر کے لوگ انہیں دیکھ کر خوف و ہراس میں مبتلا نہ ہوں۔ نمازِ عشا کے بعد آپ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے جب دیکھا جنات کا ہجوم بہت زیادہ ہے اور وہ حضور علیہ السلام کے دیدار کے شوق کی وجہ سے ٹوٹے پڑتے ہیں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس درے سے باہر کھڑا کر دیا اور ان کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ اس دائرے سے باہر نہ آنا تاکہ ان کی وجہ سے تجھے تکلیف نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دُور سے دیکھ رہے تھے کہ ان میں سے بعض گدھ کی طرح بڑے جتوں والے اور بعض زط یعنی قوم جت کی طرح جو کہ بصرہ کے متصل رہتے ہیں سر اور پاؤں سے ننگے سفید کپڑے کے ساتھ مقامِ ستر کو ڈھانپنے ہوئے اور ان کے جسم یا رنگ سیاہ اور ان کے سر اور داڑھی کے بال سرخ و سفید اور بعض دوسری شکلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کر رہے تھے۔ آپ صبح تک ان کی تعلیم اور تلقین میں مشغول رہے اور جب انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا حضرت! ہمیں تبرک کے طور پر کوئی تحریر عطا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی تحریر دیتا ہوں جو کہ نسل در نسل اور قبیلہ در قبیلہ تمہارے کام آئے۔ جہاں خالی ہڈی اونٹ، بکری اور بھیڑ کی میٹھی یا گائے بھینس کا گوبر پڑا ہو میری دعا سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں ایک لذت اور رزق بخشے گا اس کے علاوہ جو تم پہلے سے کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے۔ اور بعض روایات میں آپ نے انہیں کوئلہ بھی عطا فرمایا۔ جنات نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ان چیزوں کو گندا کر دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم آدمیوں کو ان چیزوں کو نجاست کے ساتھ آلودہ کرنے سے روک دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت سے ہڈی، خشک گوبر، میٹھی اور کوئلے کے ساتھ استنجا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

اور ان دنوں جنات کا آپس میں ایک خون ہو گیا تھا اور انہوں نے اس مقدمے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منصف قرار دیا اور آپ نے حق کے مطابق فیصلہ فرمایا اور وہ سب راضی ہو کر واپس چلے گئے۔

اور اسی طرح دوسری مرتبہ بے شمار جنات کوہ حرا میں جمع ہوئے اور یہ جزیرہ میں سکونت پذیر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے ایلچی کے آنے پر تنہا تشریف لے گئے اور ساری رات وہیں رہے اور صبح کے وقت آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان کی آگ کے نشانات اور دوسرے اسباب و آلات دکھائے جو وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں متعدد بار آنا اور امور دینیہ کی تحقیق کرنا ثابت ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب قوم زط کو کوفہ میں دیکھتے تو ڈر جاتے اور پوچھتے کہ کیا یہ جنات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں؟ لوگ تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ جنات نہیں ہیں انسانوں کا ایک گروہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ جنات کو اسی صورت میں دیکھا تھا، میں انہیں جب بھی دیکھتا ہوں یہی گمان کرتا ہوں کہ جنات ہوں گے۔

نیز صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے جنات کے سامنے سورۃ الرحمن تلاوت فرمائی تو وہ پورے ادب کے ساتھ سن رہے تھے اور جب بھی آیت فَبِأْتِيَ الْآلَاءِ رَبُّنَا تَنْكِبُونَ آتی تو وہ بلند آواز سے کہتے کہ اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ جنات کے قرآن اور رسول پاک علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کے مطیع و گرویدہ ہونے کو کافروں کے سامنے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ جنوں کی مخلوقات جو کہ فرماں برداری اور اطاعت شعاری سے بہت ذور ہیں اس رسول علیہ السلام اور اس قرآن کے گرویدہ ہو گئے، ہمیں بھی چاہیے کہ سر کو پاؤں بنا کر اس راہ میں داخل ہوں۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں اوحی الی کا لفظ واقع ہوا ہے اور یہ جملہ جزئیہ حاکم سے کہ اس کے لیے محکی عنہ چاہیے اور اگر عین اس

سورۃ کو محکی عنہ قرار دیں تو جذرا صم کا وہی مغالطہ پیش آتا ہے جو کہ منطقیوں میں مشہور ہے اور حکایت کا محکی عنہ سے اتحاد لازم ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس سے پہلے اس سورۃ کے مضامین کی خبر وحی میں آئی اور یہ خلاف واقع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ احقاف میں آیت **وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ** میں چار دوسری آیات سمیت اس واقعہ کی اصل کی وحی ہوئی تھی اور اس سورۃ کے نزول سے پہلے اس واقعہ کو اس کی تمام مذکورہ خصوصیات سمیت غیر متلو وحی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر القاء فرما دیا گیا ہوگا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس متلو اور غیر متلو وحی کی کفار کے سامنے حکایت فرمائیں اور انہیں اس کی خبر دیں تاکہ وہ قرآن پاک اور آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر دلیل پکڑیں اور انکار سے باز آئیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں جنات کے اقوال میں سے تیرہ (۱۳) باتوں کی حکایت فرمائی گئی ہے اور پہلی بات میں حرف ان کو ہمزہ کے کسرے کے ساتھ وارد فرمایا کہ **أَنَا سَمِعْنَا** جبکہ بارہ (۱۲) باتوں کو حرف ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ حالانکہ قول کا مقولہ ہمزہ کے فتح کے ساتھ نہیں آتا ہمزہ کے کسرے کے ساتھ آتا ہے۔ پس عربی کے قاعدے کی مخالفت لازم آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات قول جن کا صریح مقولہ تھا وہاں ان کا کسرہ لازم ہوا جبکہ باقی بارہ (۱۲) سخن فاصلہ واقع ہونے کی وجہ سے قول کا مدخول نہ ہوئے بلکہ وہاں ذکر و اخبار کا لفظ مخدوف رکھ کر قالوا پر عطف فرمایا گیا اور قول کے معنی کے بعد حرف ان میں ہمزہ کا فتح لازم ہے اور وہ جو ان بارہ (۱۲) باتوں کے بعد ہے جیسے **وَأَن تَوَاسْتَعْتَابُوا** وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ وَغَيْرَ ذَلِكَ وہ قول جنات میں داخل نہیں ہے بلکہ وحی میں داخل ہے۔ انہ اس معنی پر معطوف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ آپ فرمادیں یا رسول اللہ! کہ اگر تمہارے ذہن میں لوگوں کا اس کلام سے عاجز ہونا اس لیے ہے کہ یہ جنات کا کلام ہے اور جنات جیسا کلام کرنا آدمی کے بس سے

باہر ہے تو سن لو کہ جنوں نے یہ کلام سنتے ہی اس کے اعجاز کا اقرار کیا اور میرے پاس ان کا یہ اقرار ان کی طرف سے نہیں پہنچا ہے تاکہ ان کی خبر میں سچ اور جھوٹ کا احتمال ہو بلکہ بطریق وحی پہنچا ہے اس لیے کہ

أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ مِثْرِي طَرَفٍ يَهْوِي كِي كُنِي هِي كِه جَنُونِي نِي اِس كَلَام كِي اِعْجَاز كَا اِقْرَار كِيَا هِي صَرَف سِر سِرِي طَوْر پَر سُنِنِي كِي بَعْد نِهِيَس كِه اِس مِيں بِلَاغَت كَلَام كِي دَرَجِي مِيں غَوْر نِهِيَس هُو تَا بَلَكِه اِسْتَمَعَمَ پُورِي تَوَجِه سِي سَنَا اِن كِي اِيك يَادُو اِفْرَاد نِي نِهِيَس تَا كِه اِس كِي اِقْرَار پَر اِعْتِمَاد نِه هُو بَلَكِه

نَفَرَمِيَنَ اَلْجِنِّ جَنَات كِي كَثِيْر جَمَاعَت نِي كِه اِن كِي خَبْر كُو تَوَاتُر كَا حَكْم حَاصِل هُو كِيَا اُور اِس قَدْر كَثِيْر جَمَاعَت جَب اِپْنِي وَجْدَانِي اَمْر كِي خَبْر دِيں تُو اِس سِي يَقِيْن حَاصِل هُو جَاتَا هِي اُور يِه خَبْر بَهِي اِن هُون نِي مِيْرِي سَانِي يَادُو سَرِي لُو كُون كِي سَانِي نِهِيَس دِي هِي تَا كِه كَسِي كِي پَاس دَارِي كَا اِحْتِمَال هُو بَلَكِه جَب وَه اِپْنِي قَوْم كِي طَرَف وَاپْس كِي تُو خُود اِن هُون نِي خَبْر پِهِنْچَايِي۔

فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا تُو اِن هُون نِي كِهَا كِه تَحْقِيْق هَم سَب نِي اِيك پڑھِنِي كِي چِيْز سِي هِي۔

قرآن کی وجہ تسمیہ

یہاں جاننا چاہیے کہ جہاں میں تصنیف شدہ کتابوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک پڑھنے کی دوسری دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی۔ پڑھنے کی کتاب وہ ہے جس میں ذکر خدا غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف مدح جو کہ عام فہم اور عقل کے نزدیک ظاہر ہوں اس میں درج ہوں جیسے اور اذکار و اوراد کی دوسری کتابیں اور دیکھنے کی کتاب وہ ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات دقیقہ یا اس کی قدرت و صنعت کے عجائب یا اس کے دنیا و آخرت کے احکام یا اس کے بندگان خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے علیہم الرحمۃ والغفران کے احوال یا وہ مسائل جو کہ ان معانی کو سمجھنے میں مدد دیں اور آلہ بنیں درج ہوں جیسے عقائد، حدیث، فقہ، سلوک اور دیگر علوم الہیہ کی کتابیں اور یہ کلام الہی جو کہ

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، صفاتِ الہی کے ذکر سے جو کہ عند العقل ظاہر اور واضح ہیں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ کوئی آیت بلکہ کوئی طویل جملہ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کلام کو قرآن کہتے ہیں کہ اوراد و اذکار کا حکم رکھتی ہے لیکن جنات نے یہ پہچاننے کے بعد کہ یہ کلام ذکر اور ورد ہے، ایک اور چیز بھی دریافت کی کہ

عَجَبًا اِيك اِيَا ذِكْرٍ جُو كَه نِهَايْت عَجِيْب ۛ هِيَ اِس لِيَه كَه ذِكْرٌ هُوْنَه كَه بَاو جُو د حَقَائِقِ الْهَيْه كُوْنِيَه اُوْر دَقِيْقَه كَا جَامِع ۛ هِيَ ۛ اِيك حَكْمْتٍ پَر مَبْنِي تَقْرِيْر رَكْهْتَا هِيَ جَس مِيں هِر چِيْز كِي حَقِيْقَت كُو وَاضِح كِيَا گِيَا هِيَ پَهْر اِكْر هِم تَا مَل كَرِيں تُو اِس كَه مَوَاعِظْ اُوْر نَصَايْح نِهَايْت دِلچِسْپ اُوْر دَل مِيں اَثْر كَرْنَه وَا لَه هِيں كَه اِس مِيں تَقْرِيْر خَطَابَت كُو اَنْهَاتَا تَك پَهْنچَا يَا گِيَا هِيَ پَهْر جَب هِم اِن عَمْدَه مَضَامِيْن مِيں غُوْر كَرِيں تُو اِن مِيں اِيَسَه الْفَاظْ اَرْشَاد فَرْمَا يَه گِيَه هِيں جُو كَه بَه مِثْل اُوْر دُو سَرَه كَلَام كَه اَنْدَا ز سَه جَدَا هِيں ۛ نَه نَقْمْ اُوْر نَه جَمْع اُوْر اِس كَه بَاو جُو د اِس مِيں بِلَاغْت ۛ حَسَن تَشْبِيْه اُوْر اِسْتِعَاْرَه كَه دَرَجَات كُو اَخْرِي حُدُوك طَه كِيَا گِيَا هِيَ اُوْر اِس سَب كَه عِلَاوَه يَه هِيَ كَه

يَهْدِيْ اِلَى الرَّشِيْدِ حَقِّ و صَوَابِ كِي طَرْف رَهْنَمَاي كَرْتَا هِيَ رُوْح مِيں عَظِيْم اَثْر پِيْدَا كَرْتَا هِيَ اُوْر اِس مِيں مَعَانِي كُو نَقْش كَر دِيْتَا هِيَ اُوْر عَقْل كُو نُورِ عَلِي نُور كَر دِيْتَا هِيَ يِهَاں تَك كَه اِس نُور كِي تَاثِيْر شَهُوْت و غَضَب كِي سَا رِي قُو تُوں كُو گَهِيْر لِيْتِي هِيَ ۛ ۛ پَس يَه كَلَام وِرْدُو ذِكْر كَا حَكْم بَهِي رَكْهْتِي هِيَ ۛ اَسْتَاذ مَعْلَم كَا بَهِي اُوْر پِيْرُو مَرْشُد كَا بَهِي اُوْر اِس كَه سَا تَه سَا تَه اِيَسَه كَلَام كِي جَنَس سَه نِهِيں هِيَ جُو كَه فِكْر و تَخْيِيْل كَه سَا تَه مَتَعَلَق هُو يَا عَقْلِي قِيَاسَات سَه بَطُوْر نَتِيْجَه حَا صِل كِي گِي يَه اُوْر خِيَالِي مَقْدَمَا ت سَه مَرْكَب هُو ۛ ۛ پَس نِهَايْت عَجِيْب هِيَ ۛ

فَاَهْتَابَه پَس هِم اِس كَلَام پَر اِيْمَان لَا يَه اُوْر هِم نَه سَبْجَه لِيَا كَه اِس قَسْم كَا كَلَام خُدَا تَعَالَى هِيَ كِي طَرْف سَه هُو تَا هِيَ اُوْر اِكْر اِس فَهْم اُوْر اِس تَاثِيْر كَه بَاو جُو د هِم اِس كَلَام كُو خُدَا تَعَالَى كِي طَرْف سَه نَه سَبْجَه يَه بَلَكَه اِس كَه غِيْر كِي طَرْف سَه خِيَال كَرِيں تُو اِس كَه غِيْر كَه لِيَه اِس قَسْم كَا كَلَام نَا زِل كَرْنَه پَر قُدْرَت ثَابِت كَرِيں اُوْر شُرْك لَازِم آ يَه ۛ

وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ۛ اُوْر هِم اِس پَر وِرْدِ گَار كَه سَا تَه كَسِي كُو شُرِيْك نِهِيں

ٹھہرائیں گے۔ نیز جنات نے ذکر کیا کہ رب مطلق وہی ہے جو کہ عظمت کے اعلیٰ مرتبوں میں ہو اور کوئی شخص عظمت میں اس کی برابری نہ کرے۔

وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا أَوْ يَهُدَىٰ سَطْرًا ۚ وَآلَهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بزرگی اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو سکے اور اسی لیے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ہمارے پروردگار نے کوئی عورت اختیار نہیں فرمائی ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا اس لیے کہ بیوی گھر کے اکثر کاموں میں شوہر کے ساتھ شریک ہوتی ہے اور بیٹا بھی باپ کے مال اور اس کی ملک میں شریک ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ شریک سے برتر ہے کہ خواہ وہ شریک خود بخود شریک ہو یا اس کے شریک کرنے سے شریک ہو اس لیے کہ دونوں قسم کی شرکت عظمت کی بلندی میں نقصان کرتی ہے۔ نیز جنات نے اس میں جو کہ اس قرآن مجید کو سننے سے پہلے بعض بندوں کے اللہ تعالیٰ کا شریک ہونے یا بعض لوگوں کے اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا بیوی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے عذر پیش کیا اور یوں کہا:

وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقَهُ لِكَلِمَةٍ مِّنْ رَبِّهِ سَوِيًّا ۚ وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقَهُ لِكَلِمَةٍ مِّنْ رَبِّهِ سَوِيًّا اور یہ کہ ہمارے بے عقل لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں وہ چیز کہتے تھے جو کہ اس کی شان سے دُور ہے۔ مختصر یہ کہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے دوسرے جنات باری تعالیٰ کے حق میں بیوی اختیار کرنے، بیٹا اختیار کرنے اور بعض مخلوقات کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرتِ کاملہ، علم محیط، بندوں کے افعال پیدا کرنے، مددِ غیبی کے ساتھ بے چاروں کی حاجت روائی، استحقاقِ عبادت، ذکرِ دائمی کے استحقاق (اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے چار مقامات پر وَمَا أَهْلَ بِهِ يَغْيِرُ اللَّهُ سے حضرت مفسر کی مراد یہی ہے کہ وہ جانور حرام ہیں جنہیں اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے یعنی ذبح کے وقت ان کا نام لیا جائے نہ کہ وہ جانور جو اہل اللہ کی طرف منسوب ہوں۔ کیونکہ وہاں مقصد یہی ہوتا ہے کہ مراد تقرب الی اللہ ہی ہے البتہ ایصالِ ثواب فلاں بزرگ کے لئے ہے اور ان کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کا اصل مسلک یہی ہے۔ البتہ آپ کی تفسیر میں جانور کے مطلقاً منسوب شدہ جانور کی حرمت کا قول ناعاقبت اندیشوں نے اور برصغیر کے نجدیوں نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے جس کا

حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھا وَا لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنَتِكُمْ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لَتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ - وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ بِنَاهِ بَخْدًا - محمد محفوظ الحق غفرلہ

ان کے نام کے ساتھ حیوانات کو ذبح کرنے کے استحقاق ان کی راہ میں مال نذریں اور ہدیے خرچ کر کے ان کا قرب ڈھونڈنے اور اس بات کے استحقاق میں کہ لوگ اپنے آپ کو ان کا بندہ اور پوجنے والا کہیں شریک ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اب اس قرآن کے سننے سے ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ اعتقاد زرا باطل اور بے اصل تھا اور باری تعالیٰ کی ذات پاک ان غلط اعتقادات سے پاک اور مبرا ہے۔ نیز جنوں نے اس غلط اعتقاد سے اپنے عذر کے مقام میں بیان کیا کہ:

وَأَنَا ظَنَنَّا أَوْ هُمْ كَمَا نَ كَرْتُمْ تَحْتَهُ كَمَا أَنَّ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ آدَمِي أَوْ - جنات جرأت بے جا کرتے ہوئے ہرگز نہیں کہیں گے۔ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اللَّهُ تَعَالَىٰ هَر جَهْوَتْ حَاصِلُ كَلَامِ يَه كَهْمُ جَوَّ آجُ تَكْ اس كِشْرُ جَمَاعَتِ كِي تَقْلِيدِ كِي وَجْهٌ سَهْ بَاطِلِ عَقَائِدِ مِيں كِرْفَارِ تَحْتَهُ جَو كَهْ اِدْرَاكِ وَشَعُورِ مِيں تَمَامِ مَخْلُوقَاتِ سَهْ مَمْتَازِ هِيں اَوْرُ حَقِّ وَصَوَابِ كُو دَرِيَا فِت كِرْنَهْ مِيں خُودِ كُو يَكْتَا سَبْجَهْتَهْ هِيں۔ هَمْ سَبْجَهْتَهْ تَحْتَهُ كَهْ اس كَدْرِ كَامِلِ الْعَقْلِ كِشْرُ جَمَاعَتِ جَو كَهْ آدَمِيُ كِي جَنْسِ سَهْ هَبْهِي تَحْتَهُ اَوْرُ جِنُّونِ كِي جَنْسِ سَهْ هَبْهِي كَهْ ان مِيں سَهْ هَرَا يَكِ مَوْشِكَانِي اَوْرُ بَارِيَكِ بِنِي مِيں اِيَكِ دُوسَرَهْ سَهْ سَبْقَتِ كِرْتَهْ هِيں اِجْتِمَاعِيَتِ كَهْ سَا تَحْتَهُ مَخْلُوقِ مِيں سَهْ كِسِي مَرْتَبَهْ وَا لَهْ پَرُ جَرَاتِ نَهِيں كِر سَكْتَهْ تَوَالله تَعَالَىٰ پَرُ كَهْ جِسْ كِي عَظْمَتِ هَر ذِي جَاهِ كِي عَظْمَتِ سَهْ بَلَنْد تر هِيں كَيْسَهْ جَرَاتِ كِرِيں گَهْ لِيَكِن ان هُونِ نَهْ بَهْتِ جَرَاتِ كِي اَوْر هَمْ نَهْ اس جَرَاتِ كَا سَبَبِ هَبْهِي دَرِيَا فِت كِر لِيَا هِيں اَوْر اس جَرَاتِ كَا سَبَبِ بِيَا ن كِرْنَهْ كَهْ مَقَامِ مِيں جِنَاتِ نَهْ ذَكْر كِيَا:

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ أَوْ يَه كَهْ آدَمِيُ سَهْ بَهْتِ سَهْ مَرْدِ جَو كَهْ مَرْدِ هُونَهْ كَهْ بَا وَجُودِ كَهْ جِسْ كِمَالِ عَقْلِ قُوَّتِ قَلْبِ اَوْر نَهْ ذُرْنَا لَازِمِ هِيں۔ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ

مِنَ الْجِنِّ جنات میں سے چند لوگوں کی پناہ لیتے تھے۔

اور یہ پناہ لینا چند طرح تھا۔ پہلی یہ کہ انہیں جب بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی تو منسوب کرتے کہ جنوں کی بد نظری کے اثر سے ہے اور جنوں کے لیے کوئی کھانا، خوشبو اور دھونی تیار کرتے اور جہاں جنوں کے حاضر ہونے کا گمان کرتے وہاں رکھ دیتے تاکہ اس حقیر چیز کو بطور رشوت قبول کریں اور ہمیں ستانے سے دست بردار ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مشکل کاموں اور لائنل الجھنوں میں ان کے ناموں کو بطور ورد پڑھتے تھے اور ان کی تراشی ہوئی مورتیوں پر جا کر جو کہ ان کے نام کے ساتھ مقرر تھیں اور انہیں بت کہتے تھے نذریں ہدیے اور قربانیاں پیش کرتے تھے۔

تیسری یہ کہ جب انہیں آئندہ حادثوں کو معلوم کرنا منظور ہوتا تو کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور ان سے پری خوانی (منتر) کراتے تھے تاکہ جنات حاضر ہو کر خبر دیں کہ فلاں چیز یوں ہوگی اور فلاں واقعہ یوں ہوگا۔

چوتھی یہ کہ جب بھی کسی سفر کے دوران جنگل یا نئی منزلوں میں ڈیرا جاتے تو ان جنوں کے سردار اور ان کے بادشاہ سے مدد مانگے اور پناہ طلب کرنے کے بعض کلمات کہتے تاکہ اس جنگل اور اس منزل میں ان کے پیروکاروں کی طرف سے کسی صدمے سے محفوظ رہیں۔

پانچویں یہ کہ خوشامد مدح چا پلوسی اور ہدیوں نذروں اور مرغوب کھانوں کے ساتھ بعض جنات کو اپنی طرف مائل کرتے تھے تاکہ ضرورت اور بشری حیلوں سے عاجز ہونے کے وقت ان سے کام لیں جیسا کہ کرم من سائب نے اپنے باپ سے جو کہ صحابی ہیں روایت کی کہ ایک دفعہ ہم سفر میں تھے ہم نے ایک عجیب مشاہدہ کیا کہ جنگل میں ایک بھیڑیا آیا اور ایک شخص کے ریوڑ سے ایک بھیڑ اٹھالے گیا اس شخص نے ایک جن کا نام لے کر فریاد کی کہ اے فلاں! جلد پہنچ کہ بھیڑیا میری بھیڑ لے جا رہا ہے اس کے فریاد کرتے ہی ہم نے سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ او بھیڑیے! اس کی بھیڑ کو چھوڑ دے۔ علی الفور بھیڑیا پلٹا اور بھیڑ چھوڑ کر چلا گیا۔

فَزَادُوهُمْ رَهَقًا پس ان آدمیوں نے جنوں کی نخوت و تکبر کو بڑھا دیا۔ پس جنوں نے سمجھ لیا کہ جب بندے ان کاموں میں ہمارے محتاج ہوتے ہیں اور ہم ان کے کام بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر جو بلائیں اور مصیبتیں بھیجتا ہے، ہم دُور کرتے ہیں، ہمیں بھی کارخانہ خدائی میں ایک قسم کی شراکت حاصل ہے اور اگر مستقل شراکت نہیں ہے تو ہمیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بیٹا اختیار کرنے کا تعلق ضرور حاصل ہے کہ اس نے نرے بندوں کو ہمارے حوالے فرمایا ہے۔ پس ہم نرے بندے نہیں ہیں اور آدمیوں نے سمجھا کہ یہ غیبی جماعت جو ہماری حاجتیں پوری کرتی ہے، ہماری پرورش میں انہیں کچھ شراکت حاصل ہے اور بلاشبہ یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ نری بندگی کا تعلق نہیں رکھتے، انہیں منہ بولا بیٹا ہونا یا ولی عہدی یا خدمات کی سپرداری اسی طرف سے ہے ورنہ ہمیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں ان کے برابر ہیں، ان کا محتاج کیوں کرتا؟ پس اس قسم کا مدد مانگنا اور مدد کرنا جو کہ آدمیوں اور جنات کے درمیان واقع تھا، باطل اعتقادات پر جرأت کرنے کا باعث ہوا۔

استعانت بالجن سے منع کرنے اور جنات کے نقصان کو روکنے کا بیان

اور اسی لیے حدیث شریف میں استعانت بالجن سے مطلقاً منع فرمایا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ جسے سفر گھریا بیماری میں جن سے خطرہ محسوس ہو چاہیے کہ اسمائے الہی کی پناہ حاصل کرے اور اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور قُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَاَعُوذُ بِكَ رَبَّ اَنْ يَّحْضُرُونِ اور معوذتین وغیرہ پڑھے اور کہے اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اسے جنات کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ نیز جنات کے ذبیحوں سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ان منتروں سے جن میں پر یوں اور جنات کے سرداروں کے نام مذکور ہیں، روکا گیا ہے اس لیے کہ شرک کی اصل آفت یہیں سے پیدا ہوئی ہے اور انسانوں اور جنوں دونوں کے حالات خراب کرنے کا موجب ہوئی اور جنات اپنی اصل پیدائش میں جو کہ آگ کے مادے سے پیدا ہوئے ہیں، برتری، نفوق، نخوت، تکبر، سرکشی اور اپنے آپ کو الہ اور

معبود قرار دینے کی جہلت رکھتے ہیں اور طبعی طور پر ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جب بھی ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ واقع ہوتا ہے بنی آدم کی حاجتوں کو پورا کرنے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ پودا سرسبز ہو جائے اور لوگوں کے دہنوں میں ہماری عظمت کا بڑا مقام پیدا ہو اور اپنے آپ کو حیلوں مکروں کے ساتھ بزرگوں کی پاک ارواح میں شمار کرتے ہیں اور بزرگوں کا نام اپنے لیے لیتے تھے تاکہ لوگ جلد گرویدہ ہو جائیں اور انکار نہ کریں اور آہستہ آہستہ اپنی خباثت اور کمینے پن کا اظہار کرتے ہیں اور صریح شرک کراتے ہیں اور یہ مرض بنی آدم کے تمام گروہوں کو لاحق ہے حتیٰ کہ اس امت میں بھی عام شائع اور رائج ہو گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ من ذلك

نیز جنات نے جنوں اور انسانوں کے اس معاملے کہ آدمی جنوں کی پناہ لینے مدد مانگنے اور ان کی طرف رجوع کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں ہمیں اس کی طرف رجوع کرنا اور التجا کرنا چاہیے نہ کہ اپنی سطح کے لوگوں کی طرف اور جنات گمراہ کرنے الوہیت کے دعوے نخوت اور تکبر سے دست بردار نہیں ہوتے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ اگر ایک مالک کے بندے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں تو یہ کام مالک ہی کی امداد اور اس کی عنایت سے ہوگا تو رشوت لینے اور نخوت و تکبر کا کیا مقام ہے اور اپنے کو مستقل گمان کرنے اور مالک کے شریک جاننے کا سوال کے سبب کے بیان میں ذکر کیا۔

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا اور یہ کہ آدمیوں نے گمان کیا كَمَا ظَنَنْتُمْ جیسا کہ اے جنوں! تم نے گمان کیا۔

أَنْ لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے کسی کو اعمال کی جزا اور حرکات و سکنات کی باز پرس کے لیے زندہ نہیں کرے گا۔ پس آدمیوں نے چاہا کہ جس طرح بھی ہو اپنی حاجت پوری کرنا چاہیے اور دنیا کی زندگی میں تکالیف دور کرنا لذتوں کو حاصل کرنا اور فوائد حاصل کرنا چاہئیں اگرچہ معاملہ شرک تک جا پہنچے اور مالک ناراض ہو جائے اور جنات نے چاہا کہ مشکل کشائی کا مرتبہ اور نام و نشان پیدا کرنا چاہیے

وَإِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور یہ کہ ہم زمانہ قدیم سے آسمان کی مقررہ جگہوں میں بیٹھتے تھے جو کہ فرشتوں کی محفلوں اور مجلسوں کے قریب تھی ان کی باتیں سننے کے لیے۔ پس ہم آسمان سے کوئی اور چیز چرا کر نہیں لاتے تھے تاکہ اس کلام کے سوا ہم سے اس چیز کی حفاظت پیش نظر ہو اور ہم سے فرشتوں کے کلام کی اس شدت اور سختی کے ساتھ کبھی حفاظت نہیں کی جاتی تھی جیسا کہ اب بھی ہم فرشتوں کے کلام کو آسمان کے نیچے سے لے آتے ہیں لیکن ہمیں آسمان کے اوپر کلام سننے سے منع کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ تو ان دنوں جو کہ قرآن کے نزول کا وقت ہے جو بھی کان لگاتا ہے اگرچہ دُور سے ہو اس کے بغیر کہ اپنی مقرر جگہ پر پہنچے قرار پکڑے اور بیٹھے۔ يَجِدْنَهُ شِهَابًا رَصَدًا اپنے لیے آگ کا شعلہ پاتا ہے جو کہ تاک میں بیٹھا ہے تو یہ سب سختی اور پابندی کی صرف اور صرف اس کلام کی صورتِ مقابلہ کے امکان یا اس کے غیر محل میں پہنچنے یا ہماری ناپاک زبان پر جاری ہونے سے بچانے کے لیے ہے اور ہر صورت میں اس کلام کی عظمت کی انتہا اس حد تک ثابت ہوتی ہے کہ کلامِ الہی کے غیر میں اس عظمت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نیز ثابت ہوا کہ یہ کلام فرشتوں کے مسکن آسمان سے ہے کہ جس میں جھوٹ اور افتراء کی گنجائش نہیں ہے تو اس کلام میں جو کچھ فرمایا گیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا حق ہے۔

نیز آدمیوں اور جنوں کے درمیان جو معاملہ جاری تھا کہ جنات آسمان پر آ کر عالم سفلی کی تدبیریں سن کر آدمیوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے اور اپنی ان معلومات کے مطابق لوگوں کی ضرورتوں میں مدد کرتے تھے اور آدمی بھی ان کی وساطت سے آئندہ حوادث کو پہلے پہچان لیتے تھے اور اپنے نفع و نقصان کی بنیاد ان پر رکھ کر تدبیر کرتے تھے اور جنات کی تعظیم و توقیر حد سے زیادہ کرتے تھے کہ انسان کی حاجات ان کی وجہ سے پوری ہوتی ہیں اور جنات گویا ان کی طرف سے خود وکیل دربار بھی تھے اور جاسوس و اہلچی بھی اور دونوں گروہ اس معاملے کے رواج پکڑنے کی وجہ سے بہت نفع لیتے تھے اس کے

دگرگوں ہونے کی وجہ بیان کرنے میں حیرت کے طور پر جنات نے ذکر کیا ہے۔

وَأَنَا لَأَنْدَرِيْ وَأَنَا لَأَنْدَرِيْ اور ہم نہیں جانتے کہ أَشْرًا أُرِيدَا بَيْنَ فِي الْأَرْضِ آيا زمین والوں اور سفلی جہان کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے کہ امورِ غیبیہ کے لین دین کے اس کاروبار کو ان سے روک دیا گیا ہے اور ترقی اور آسمان سے کسب فیض کی راہ بند کر دی گئی تاکہ ان کی حاجت روائی نہ ہو اور وہ آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار رہیں اور ان کی فریاد کو کوئی نہ پہنچے اور اپنے نفع و نقصان سے آگاہ نہ ہوں۔

أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشْدًا يَا ان کے پروردگار سے ان کے ساتھ راہ پانے کا ارادہ فرمایا ہے کہ جنات کی وکالت اور سفارت ختم ہو جائے اور ان کی جگہ پاک فرشتوں کی ارواح اور اولیاء اللہ اور شہداء ارواح طیبہ حکم الہی کے ساتھ یہ وکالت اور سفارت کریں اور آدمیوں کے آسمان پر ترقی اور وہاں کے امورِ غیبیہ کی حاصل کرنے کی راہ صاف ہو جائے اور درباری واقف کار اور خود پیش ہونے والے ہو جائیں اور خائن اور دغا باز و کیلوں کی ماتحتی سے رہائی پائیں کہ انسانی فطرت اصل میں اسی کا تقاضا کرتی ہے اور سیدھی راہ یہی ہے اور اس ترقی کی وجہ سے جو کہ نوع انسان کو حاصل ہو انسان کو وراثت میں ملنے والی خلافت کا معنی جو کہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی اس وقت پورا ہو جائے اور جنات جس طرح زمین کی خلافت سے معزول ہو گئے تھے وکالت، سفارت اور حل مشکلات سے بھی معزول ہو جائیں اور جس چیز کی ان کے باپ نے بنیاد رکھی تھی یہ سعادت مند بیٹا سے پورا کرے اور انجام تک پہنچائے اور اپنے باپ کے حاسدوں سے واجبی انتقام لے اسی لیے جنات رشد کو شر کے مقابلے میں لائے ورنہ بظاہر شر کے مقابل خیر ہوتا ہے اور رشد کے مقابلے میں گمراہی۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جنات نے اس کلام میں ادب کے ایک باریک نکتے کی رعایت کی ہے کہ ارادہ شر کے بیان میں انہوں نے فعل کو مجہول کر دیا اور فاعل کا ذکر چھوڑ دیا اور ارادہ رشد کے بیان میں فعل معلوم کا صیغہ لائے اور ابھم کو اس کا صریح فاعل کر دیا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی توفیق سے کیا خوب ادب کیا۔ نیز جنات اس کے بیان میں کہ

ظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس معاملہ کو موقوف کرنے میں جو کہ آدمی اور جنات ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے افراد انسانی کے راہ پانے بلکہ جنوں کے راہ پانے کا بھی ارادہ فرمایا ہے اور فی الواقع جنات وکالت اور سفارت کے لائق نہ تھے اور اس خدمت سے معزول ہونے کے مستحق تھے انصاف کرتے ہوئے ذکر کیا:

وَأَنَا مِنَّا الصَّالِحُونَ اور یہ کہ ہمارے درمیان بعض درست لوگ تھے جن سے وکالت اور سفارت کی خدمت اچھی طرح سرانجام ہو سکتی تھی اور اس خدمت کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جہان غیب کہ دربار حقیقی وہی ہے کے حکم و احکام اخبار اور واقعات کو کمی بیشی اور کسی تغیر و تبدل کے بغیر آدمیوں تک پہنچائیں اور اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملائیں تاکہ جھوٹ راہ نہ پائے اور جھوٹ کی وجہ سے دربار کے بعض احکام اور خبریں آدمیوں کے نزدیک غیر معتبر قرار نہ پائیں اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ جس طرح دنیوی تدبیروں اور خبروں میں صحیح اور غلط ہوتی ہیں یہی صورت جہان غیب کی تدبیرات و اخبار میں بھی واقع ہے اور بڑے اعتقاد اور جہالت وغیرہ میں گرفتار نہ ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اپنی عرض و معروض سے کوئی کام یا حاجت پوری کریں یا کسی تدبیر کے ساتھ کسی بلا اور مصیبت کو دور کریں، نخوت و تکبر کا دم نہ بھریں اور خود کو حاکم دربار کا شریک نہ قرار دیں اور آدمیوں پر بڑائی اور بلندی نہ ڈھونڈیں اور ان سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب نہ کریں اور وہ سمجھیں کہ ہم سب ایک مالک کے بندے ہیں، وہ بعض کو بعض کے کام میں مصروف کرتا ہے جو کچھ ہوا اس کی عنایت سے ہوا، فخر و مباہات کی کوئی جگہ نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس وکالت اور سفارت کے مقابلے میں رشوت کا کاروبار نہ

کریں اور اپنے لیے نذریں ہدیے اور قربانیاں مقرر نہ کریں اور اگر آدمی وہ نذریں اور قربانیاں دینے میں دیر پا کوتاہی کریں تو انہیں ستانے کے درپے نہ ہوں اور جھگڑانہ کریں اور ہم میں ان شرائط کے جامع بہت کم ملتے ہیں اور اس کے باوجود ہم میں سے بعض اس خدمت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

وَمِنَّا ذُوْنَ ذَالِكَ اور ہمارے درمیان اور گروہ بھی ہیں جو اس مرتبے سے پست تر ہیں اور اس خدمت کے قابل نہیں ہیں تو ان میں سے کچھ تو آدمیوں کو خوش کرنے یا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اخبارِ غیب میں جھوٹ ملا کر پہنچاتے ہیں اس حد تک کہ ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں مالتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے اور ان میں سے کچھ حاجب برلانے اور کام سرانجام دینے کے بعد بہت نخوت و تکبر کرتے ہیں اور تعریف و خوشامد طلب کرتے ہیں اور محتاجوں سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود کو بھوانی درس، شیو درس، گرنجش اور اندرنجش کہلائیں اور ہمارے سوا دوسروں سے التجا نہ کریں بلکہ اپنے مالک کے رسولوں کی بھی پیروی نہ کریں جو کہ ہماری وساطت کے بغیر اس طرف سے کوئی پیغام پہنچاتے ہیں ورنہ ہم تمہاری وکالت سے دست بردار ہو جائیں گے اور تمہاری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی۔

اور ایک اور گروہ والے جو کہ بہت طمع کرتے ہیں ہر مطلب برلانے اور ہر چیز کے پہنچانے میں بکری، بھیڑ، مرغ، مرغی، کپڑے، نقدی، پکوان، پھول، پان، گانا، رقص اور اپنی مدح خوانی کی قسم کی رشوت کی شرط کراتے ہیں اور اگر آدمی وہ شرط ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اپنے وہم و خیال کی قوت کی وجہ سے جس کا اثر کافی رکھتے ہیں لوگوں کو بدنی یا مالی نقصان پہنچاتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں سے ایک کی پسندیدہ چیزیں دوسرے کی پسندیدہ چیزوں کے مطابق نہیں ہوتیں اور ایک کی فرمائش دوسرے کی فرمائش کے موافق نہیں پڑتی اور انہوں نے حاجات اور مقاصد کو بھی اپنے پاہی تقسیم کر رکھا ہے ایک نے چیچک کے مرض کو دور کرنے کے لیے خود کو مقرر کر رکھا ہے تو دوسرا خون کی خرابی سے مزاج کی اصلاح کرنے کا کفیل ہوتا ہے۔

اور انہوں نے خبریں لانے کو بھی تقسیم کر رکھا ہے بلکہ گروہوں، ریاستوں اور شہروں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔ پس اس جہت سے کنا طر آئق قدا ہم مختلف قسم کی راہیں رکھتے تھے اور باہمی نفاق، طمع، حسد، غرور اور شرکت کے دعویٰ کی وجہ سے ہم اس

خدمت کی اہلیت سے دُور جا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کا اظہار فرمایا کہ ہمیں اس خدمت سے معزول فرما دیا اور دربار میں آنے سے روک دیا اور بنی آدم کی ضروریات کو ہم سے پھیر کر ان میں سے بعض کو بلا واسطہ اپنا روشناس کر دیا تاکہ وہ بعض دوسروں کی حاجات کو عرض معروض کے ساتھ پورا کریں اور نفع دینے والی غیبی خبریں جو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آدمیوں کے کام آئیں، کسی تغیر و تبدل کے بغیر ان تک پہنچائیں اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں ان سے ڈرائیں اور جو چیزیں کہ نفع بخش ہیں ان کی ترغیب دیں اور اپنے آپ کو درمیان میں صرف سفیر قرار دیں اور آدمیوں کی صلاحیتوں اور ہمتوں کو کسی واسطے اور کسی برزخ کے بغیر اپنے مالک کی طرف متوجہ کریں اور اس بات پر ان سے کوئی رشوت نذر اور مزدوری نہ لیں اور ان میں سے ایک کو ان کا سر کردہ بنا دیا اور اپنی مرضی کے مطابق اس خدمت کے قوانین کلیہ اس کے لیے لکھ کر اپنے کلام میں نازل فرمائے تاکہ اس کے مطابق عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان قوانین پر مطلع کرے تاکہ ان قوانین کے عمل کے وسیلے سے اس منصب کی اہلیت پیدا کرے اور ان کے گروہ میں سے صدی بعد صدی اور طبقہ بعد طبقہ اس اعزاز کا حامل پیدا ہوتا رہے بلکہ جنات کو بھی ان قوانین پر مطلع کر دیا، ان کی وکالت اور سفارت کی بھی رسم اور طرح ڈالی تاکہ ایک دوسرے کی مدد کرتا رہے اور اپنے مالک کے حضور روشناس اور پیش ہونے والے ہو اور آدمی اور جن کے دونوں گروہ اصلاح پذیر ہوں اور شرک و فساد سے نجات پائیں۔

آدمیوں کے مختلف مذاہب جنات میں بھی ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آدمیوں کے درمیان پائے جانے والے تمام مذاہب کا جنات میں بھی رواج ہے، ان میں سے بعض قدریہ ہیں، بعض جبریہ اور بعض روانفص ہیں، بعض ہندو اور بعض یہودی ہیں، بعض نصرانی اور مجوسی وغیرہ۔ پس ہر مذہب والے خواب اور بے داری میں آدمیوں پر اپنے مذہب کے موافق خبریں القاء کرتے ہیں اور آدمی سمجھتے ہیں کہ اس مذہب کی تصدیق عالم غیب سے ہو گئی اور زیادہ گمراہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مذہب کے جنات حاجات، مہمات اور بلائیں دُور کرنے

میں اپنے مذہب والوں کی امداد و اعانت کرتے ہیں تاکہ آدمیوں میں سے اس مذہب والے جانیں کہ اس مذہب کی عالمِ غیب میں بھی وقعت ہے کہ ہماری حاجات پوری کی جا رہی ہیں اور ہماری بلائیں دُور کی جا رہی ہیں۔ پس آدمیوں اور عالمِ غیب میں اس گروہ کی سفارت آدمیوں میں بھی اور خود جنوں میں بھی گمراہیوں اور قباحتوں کے پختہ ہونے کو لازم کرنے والی تھی لہذا اس کا روبرو ایک دم غیر معتبر قرار دے دیا گیا۔

اور اگر کوئی شبہ کے طور پر یہاں کہے کہ اس معاملے کو دگرگوں کرنے، اس کارخانے کو معطل کرنے اور جنات کو اس کام سے معزول کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو اس لیے یہ ساری چیزیں اب بنی آدم میں مروج ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے امورِ غیبیہ کا علم اور مشکل مہمات میں امداد طلب کرتے ہیں اور شرک اور تقرب الی غیر اللہ کا ارتکاب پوری طرح کرتے ہیں۔

تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ معزول کو مقرر سمجھنا، اس کے مکر و فریب سے دھوکہ کھانا اور اس کی طرف رجوع کرنا اپنا قصور ہے، آدمیوں کو چاہیے تھا کہ جیسے ہی اس گروہ کے معزول ہونے کی خبر سنی تھی، ان کی طرف رجوع کرنے سے بالکل دست بردار ہو جاتے جس وکیل کو دربار سے دُھتکار دیا گیا، در آنے سے منع کر دیا گیا ہو پھر اسے اپنے کاموں کا مرجع اور سوال و جواب کا وسیلہ بنانا، انتہائی حماقت اور نادانی ہے۔ قرآن مجید میں ایک ہزار سے زیادہ مقامات پر مکلفین کے لیے اس معزول اور معطلی کی اطلاع مذکور ہے اگر سنے کو اُن سنا اور دیکھے کو نا دیکھا سمجھیں تو ہدایتِ تبلیغ کا کیا قصور؟

ہم یہاں آئے کہ اگر ان سے یہ خدمت موقوف کر دی گئی تھی پھر انہیں عالمِ غیب میں دخل دینا کہ وہاں کی خبروں پر اطلاع بھی پائیں اور امداد و اعانت بھی کر سکیں، کیوں روار کھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ عالمِ غیب کی خبروں پر مطلع ہونا جنات کی پیدائش کے لوازمات میں ہے اور اسی طرح دشوار کاموں اور بشری طاقت سے باہر تاثیرات پر قادر ہونا اور انسانی بدن اور انسانی روح کو جسمانی تکالیف اور وسوسے ڈال کر دگرگوں کرنا جنات کی خلقت کے لوازمات میں سے ہے اگر علمِ عمل کی یہ دونوں زیادتیاں

کسی کے مقابلے میں اپنے عاجز ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو اس کے مطیع ہو جاتے ہیں اور پختہ یقین کے حاصل ہونے کے انتظار میں نہیں رہتے ورنہ کام معطل ہو جائیں اور تدبیر و تدارک کا وقت گزر جائے۔ چہ جائیکہ یہاں پختہ یقین بھی ہے اور اسی لیے جنوں نے ذکر کیا ہے:

وَإِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ اور یہ کہ جیسے ہم نے اس قرآن میں ہدایت کی بات سنی کسی مہلت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے اس لیے کہ اگر سننے کے بعد ہم دیر اور تاخیر کرتے تو ہمیں غضب الہی کا خطرہ تھا اور ہم اس کے غضب کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے تھے اور اگر قوم کے لوگ ہمیں کہیں کہ اگرچہ تم جلدی ایمان لانے میں خدا کی ناراضگی کے خطرے سے کہ جس کا گمان اور توقع تھی بچ گئے لیکن تمہیں آدمیوں سے ملنے والی نذر و نیاز اور فتوح کا نقصان ہوا جو کہ وہ اپنی وکالت کی رشوت میں تمہیں دیتے تھے۔ نیز تمہیں بہت ذلت اور بے عزتی لاحق ہوئی کہ اس طرح کی عمدہ خدمت تم سے چھڑالی گئی اور تم نے اسے بحال کرانے میں ہاتھ پاؤں نہ مارے اور چپ کر کے بیٹھ گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس چیز سے ہمیں کوئی ڈر نہیں اس لیے کہ ایمان نے ہمیں ان تمام چیزوں سے بے خوف کر دیا۔

فَمَنْ يُؤْمِنِ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا تُوْجُوْشْخْصْ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تو وہ نہ مال کے نقصان اور نہ ہی ذلت و بے حرمتی اور نقصان آبرو سے ڈرتا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ اس ایمان کی برکت سے اس نقصان کے بدلے دوسرے طریقوں سے اموال کو زیادہ اور ثواب کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اس ذلت اور بے حرمتی کے بدلے کئی دوسری وجوہ سے ہمیشہ کی عزت اور مرتبہ عطا فرماتا ہے اور عرب کی اصطلاح میں رہق ذلت لاحق ہونے کو کہتے ہیں جو کہ کپڑے کی طرح آدمی کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَتَرَهُمْ مُّسْتَضِئِينَ

نیز جنات نے ان قوی اسباب اور قادر و توانا کے مواخذے کے اس خوف کے باوجود کہ کسی وجہ سے اس کے ہاتھ سے رہائی اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے اپنی تمام جماعت

کے اس قرآن پاک پر ایمان نہ لانے سے تعجب کے مقام میں ذکر کیا ہے۔

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ اور یہ کہ ہمارے گروہ جن سے بعض حکم الہی کی اطاعت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اس عظیم خدمت سے اپنی معزولی پر راضی ہو کر اپنے مالک کی اطاعت کر کے سر تسلیم خم کرنے کی راہ اختیار کی ہے اور وہ اس کلام پر ایمان لائے اور اس معاملے سے دست بردار ہو گئے جو کہ آدمیوں کے ساتھ رکھتے تھے بلکہ کمال انصاف کے طور پر انہوں نے آدمیوں کو اپنی آوازوں کے ساتھ اس خدمت سے اپنی معزولی کی خبر دی اور وہ خود پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے اور ان کی اتباع کو لازم شمار کیا اور زبیرہ عرب میں سکونت پذیر بے شمار جنات نے یہی وتیرہ اختیار کیا اور اس باب میں تواتر کے ساتھ ان سے بے شمار واقعات منقول ہیں۔

جنات کے ایمان لانے کے واقعات

(۱) ان میں سے یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت آئی کہ ایک دن میں اپنے بتوں کے پاس حاضر تھا اچانک ایک شخص بتوں کی نذر کے لیے گائے کا پھنڈا لایا اور اس نے اسے ذبح کیا۔ ایک بت کے پیٹ سے نہایت بلند آواز کہ میں نے ایسی آواز کبھی نہ سنی ہر خاص و عام نے سنی کہ وہ کہہ رہا تھا یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اے مرد قوی! ایک ایسا امر پیش آیا ہے جس میں کامیابی ہے۔ ایک مرد بلند آواز سے کہتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سنتے ہی بھاگ گئے اور میں وہیں قائم رہا تاکہ اس آواز کی حقیقت معلوم کروں۔ دوسری بار میں نے یہی آواز سنی تیسری بار بھی سنی اور میں حیرت میں رہا یہاں تک کہ لوگوں نے خبر پہنچائی کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے جو کہ لوگوں کو کہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَلْقِنَ فرماتا ہے۔

(۲) اور اسی قسم کا واقعہ ایک اور بوڑھے سے امام مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ایک

دفعہ میں ایک گائے کو ہانک کر لے جا رہا تھا اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ یا الذریع

قول فصیح رجل یصیح ان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ؟ ب میں شہر مکہ میں پہنچا تو میں نے سنا

کہ یہاں ایک رسول علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں جو کہ یہ کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔
 (۳) اور بیہقی، حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ
 جاہلیت کے دور میں جنات میں سے میرا ایک شناسا تھا جو کہ مجھے آئندہ کی خبریں پہنچاتا تھا
 اور میں لوگوں سے کہہ دیتا اور اس ذریعے سے مجھے نذر و فتوح بہت ملتی تھی اور اس کی ساری
 خبریں مطابق واقعہ نکلتی تھیں اچانک میں ایک رات سو رہا تھا کہ وہ جن آیا اور اس نے کہا
 کہ اٹھ! سمجھ اور عقل کر اگر تجھے کوئی شعور ہے۔ لوی بن غالب کے قبیلے سے ایک پیغمبر
 ظاہر ہوا پھر اس نے یہ چند بیت پڑھے۔ عجببت للجن وارجاسها وشدھن العیس
 باحلاسها یعنی میں جنوں کے حال اور ان کی بے چینی سے تعجب کرتا ہوں اور ان کا اونٹوں
 پر زین کسنا تا کہ سفر کریں۔ تہوی الی مکہ تبغی الہدی مامونو ہا مثل ارجاسها مکہ کی طرف
 ہدایت طلب کرنے کے لیے جاتے ہیں ایمان والے جن ان کے ناپاکوں کی طرح نہیں
 ہیں۔ فانھض الی الصفوة من ہاشم واسم بعینیک الی راسها تو بھی بنی ہاشم کی
 برگزیدہ شخصیت کی طرف جا اور اپنی دونوں آنکھوں کو قبیلے کے سردار کی طرف اٹھا۔

میں یہ ایات سن کر بے دار ہوا اور ساری رات تشویش میں رہا یہاں تک کہ وہ اسی
 طرح دوسری رات آیا اور اس نے مجھے بے دار کیا اور یہی ایات پڑھ کر چلا گیا پھر تیسری
 رات بھی اس نے یہی عمل کیا جب مسلسل تین رات میرے ساتھ یہی اتفاق ہوا تو میرے
 دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور میں مکہ شریف کی طرف روانہ ہو گیا یہاں تک کہ میں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا مرحبا
 اے سواد بن قارب! میں جانتا ہوں کہ تجھے یہاں کوئی چیز لائی ہے۔ میں نے عرض کی
 یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں پہلے وہ شعر
 سن لینا چاہیے۔ فرمایا پڑھو! سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی نعت میں
 اپنا قصیدہ بائیں پڑھ ڈالا جس کا آخری بیت یہ ہے۔

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعۃ

سواک بغن عن سواد بن قارب

marfat.com

Marfat.com

یا رسول اللہ! آپ اس دن میرے شفیع ہوں جس دن آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سوا ابن قارب کے کام نہیں آئے گا۔

(۳) نیز بیہتی نے روایت کی ہے کہ میں مازن طائی ملک عمان میں خدمت پر مقرر تھے بتوں میں سے ایک بت تھا جسے فاجر کہتے تھے مازن کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس بت کے لیے ایک جانور ذبح کیا اچانک ایک آواز بت کے پیٹ سے سنائی دی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

یا مازن اقبل الی اقبل اے مازن! آ میری طرف آ۔ لتسمع مالایجھل تاکہ تو وہ سنے جس سے ناواقفیت درست نہیں۔

ہذا نبی مرسل یہ نبی ہے بھیجا گیا جاء بحق منزل حق لے کر آیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا۔

فَإِصْنُ بَهْ کے تعدل پس اس پر ایمان لانا کہ تو کنارہ کرے عن حر نادر تشعل اس آگ کی گرمی سے جو کہ شعلے مارتی ہے۔ و قود ہا بالجنہل جس کا ایندھن پتھر ہیں۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز سے بہت متعجب ہوا اور میں نے ایک مرتبہ پھر ذبیحہ ادا کیا تو پھر زیادہ وضاحت سے سنا کہ کہہ رہا تھا یا مازن اسمع تسر خیر ظہر و بطن شر بعث نبی من مضر بدین اللہ الاکبر فدم نحیتا من حجر تسلّم من حر سقر۔

اے مازن! سن تاکہ تو خوش ہو خیر کا ظہور ہوا اور شر چھپ گیا۔ قبیلہ مضر سے اللہ کے دین کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا گیا ہے پس تو پتھر سے تراشا ہو بت چھوڑ دے تاکہ تو دوزخ کی آگ سے سلامت رہے۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس وقت سے مضر سے مبعوث ہونے والے پیغمبر کی خبر کی تلاش میں سرگرم تھا یہاں تک کہ حجاز سے ایک قافلہ آیا میں نے ان سے پوچھا کہ وہاں کی کیا خبر ہے؟ انہوں نے کہا کہ ملک تہامہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسے احمد کہتے ہیں اور وہ خود کو داعی الی اللہ ظاہر کرتا ہے میں سمجھ گیا کہ اس آواز کی تعبیر یہی ہے۔ میں سواری

اور سفر کے اسباب تیار کر کے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں اسلام لے آیا۔ آپ نے فرمایا کوئی اور مطلب ہو تو کہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے تین مطلب ہیں۔ ایک کہ میں تماش بین آدمی ہوں گانے بجانے شراب نوشی اور بڑے کام کا بہت شوق رکھتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ بے اولاد ہوں اولاد کا شوق رکھتا ہوں۔ تیسرا یہ کہ ہمارے ملک میں سخت قحط واقع ہوا ہے آپ سے دعا کا طالب ہوں۔ آپ نے ان تینوں مطالب کے بارے میں فرمایا کہ بارخدا یا! گانے بجانے کے بجائے اسے تلاوت قرآن پاک کی توفیق عطا فرما اور بدکار عورتوں کے بجائے حلال عورتیں عطا فرما اور اسے شرم و حیا نصیب فرما اور اولاد بھی عطا فرما۔ مازن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان ساری چیزوں کو مجھ سے دُور کر دیا اور ہمارا ملک آباد اور سرسبز ہو گیا اور چار خوب صورت خواتین میرے عقد نکاح میں آئیں اور مجھے حسان بن مان لائق بیٹا عطا فرمایا۔

(۵) اور امام احمد نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اور بیہقی اس واقعہ کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ عن آباء الکرام و اخلافہ العظام سے لائے کہ مدینہ عالیہ میں پہلے پہل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی اس انداز سے تھی کہ اہل مدینہ کی ایک عورت کا جنوں میں سے ایک شخص سے تعلق تھا وہ جن ہر رات اس کے ہاں آتا تھا اور اکثر ایک پرندے کی شکل میں ایک دیوار پر آ کر بیٹھ جاتا اور جب تہائی ہو جاتی تو اپنے آپ کو آدمی کی شکل میں کر لیتا اور اس عورت کے ساتھ رہتا اچانک چند دنوں سے اس کی آمد و رفت رُک گئی اور ایک مدت کے بعد ایک جانور کی شکل میں آ کر دیوار پر بیٹھ گیا اس عورت نے کہا ادھر آ تجھے کیا ہو گیا کہ تو اتنی مدت نہیں آیا۔ اس نے کہا اب تجھ سے رخصت ہے ہمارے آنے کی توقع مت رکھنا اس لیے کہ شہر مکہ میں ایک پیغمبر تشریف لایا ہے جس نے ہم پر بدکاری حرام کر دی ہے۔

(۶) اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی واقعہ کی مانند جو

آپ نے ملک شام میں دیکھا تھا، روایت کی ہے۔ چنانچہ ابو نعیم نے ان سے نقل کی ہے کہ ایک دفعہ ہم شام کے علاقے میں تھے اور اس علاقے میں ایک کاہنہ عورت تھی جو کہ اس فن میں شہرت رکھتی تھی، ہم بھی اس سے ملاقات کے لیے گئے اور اس سے اپنے سفر کے انجام کے متعلق پوچھا اس نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جس جن کا مجھ سے رابطہ تھا اور میں اس سے پوچھ کر سوال کا جواب دیتی تھی ایک دن آ کر میرے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب رخصت ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا خراج احمد جاء امر لا یتطاق یعنی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور ایسا حکم آ گیا جو کہ مشکل ہے۔ ازاں بعد چلا گیا اور پھر نہیں آیا۔

(۷) اور ابن شاہین اور دوسرے محدثین نے ذباب بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنات میں سے میرا بھی ایک شناسا تھا جو کہ غیب کی خبریں پہنچاتا تھا۔ ایک دن وہ آیا، میں نے اس سے کچھ پوچھا اس نے میری طرف حسرت سے دیکھا اور کہا یا ذباب یا ذباب اسم العجب العجائب بعث محمد بالکتاب ید عوبکة فلا یجواب یعنی اے ذباب! ایک عجیب بات سن (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، مکہ شریف میں دعوت دیتے ہیں لیکن لوگ ان کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ میں نے کہا، کیا کہتا ہے سوال کوئی جواب کوئی اس نے کہا تجھے سمجھ آ جائے گی اور اٹھ کر چلا گیا، چند دن نہ گزرے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی خبر پہنچ گئی۔

(۸) اور عمر بن شیبہ نے جموع بن عثمان غفاری سے بھی اسی قسم کا واقعہ روایت کیا ہے کہ بنی غفار کے قبیلے میں ایک کاہن کو اس کا جن دوست جواب دے گیا اور چھوڑ گیا۔

(۹) نیز ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ تیری شکل و صورت سے یوں پتہ چلتا ہے کہ تو کاہن رہا ہے اور تجھے جنات سے صحبت رہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا اب کہو کہ کیا اب بھی تجھے جنات کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے اس

نے کہا نہیں! دین اسلام کے رائج ہونے سے پہلے ایک دن میرے مصاحب جنات میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا یا سالمہ یا سالمہ الحق المبین والخیر الدائم غیر حلقہ اے سالم واضح حق اور خیر دائم کی جلوہ گری ہوئی، کوئی خواب نہیں۔ اللہ اکبر (۱۰) ایک شخص اس مجلس میں حاضر تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں ایک دن جنگل کے چٹیل میدان سے گزر رہا تھا اور دائیں بائیں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ اچانک ایک شترسوار میرے سامنے نمودار ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا یا احمد! یا احمد! اللہ اعلیٰ و امجد اتاک ما وعدک من الخیر یا احمد! اے احمد! اے احمد! اللہ اعلیٰ اور بہت بزرگی والا ہے اے احمد تیرے پاس وہ خیر آگئی جس کا اس نے تجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر نظر سے چھپ گیا۔

(۱۱) انصار میں سے ایک اور شخص بھی مجلس میں حاضر تھا اس نے کہا کہ میرے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں شام کے علاقے میں گیا ہوا تھا ایک دن میں بے آب و گیاہ علاقے سے گزر رہا تھا کہ اچانک پچھلی سمت سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا۔

قد لاح نجم فاضاء مشرقہ یخرج من ظلہ عرف مولقہ ذاک

رسول مفلح من صدقہ اللہ اعلیٰ امرہ وحققہ

ستارہ ظاہر ہوا پس اس کا مشرق روشن ہوا اس کے سائے سے خوشبو نکلتی ہے وہ رسول ہے۔ جس نے اس کی تصدیق کی بامراد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا کام اونچا اور اسے سچا فرمایا۔

(۱۲) نیز فاکہی نے اخبار مکہ میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے محدثین نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک جن نے جبل ابوقبیس پر سخت آواز کی اور اسلام کی بچو میں چند بیت پڑھے کہ مسلمانوں کو جلد قتل کر دینا چاہیے اور شہر بدر کر دینا چاہیے اور بت پرستی کو چھوڑا نہ جائے۔ کافر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے

مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو غیب سے بھی تمہارے قتل اور تمہیں شہر بدر کرنے کا حکم آ گیا، مسلمان بہت پریشان اور غمگین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو کہ یہ آواز کرنے والا مسعر نامی ایک شیطان تھا، اسے اللہ تعالیٰ عنقریب سزا دے گا جب تیسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ آج ایک قوی ہیکل جن کج نامی میرے پاس آیا اور مسلمان ہوا اور میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا اس نے مجھ سے مسعر کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی اور میں نے اسے اجازت دے دی آج مسعر مارا جائے گا۔ مسلمان بہت خوش ہو کر منتظر رہے، شام کے وقت اسی مقام سے انہوں نے سخت آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

نحوق قتلنا مسعرا۔ لما طفی واستکبرا۔ وصغر الحق وسن
المنکر۔ بسبه نبینا المطھرا

اور دتہ سیفا جزوفا مبترا۔ انا نزدو من اراد البطرا
یعنی ہم نے مسعر کو قتل کر دیا جب اس نے سرکشی اور تکبر کیا اور حق کو گھٹایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے بُرا طریقہ جاری کیا۔ میں نے نہایت تیز اور کاٹنے والی تلوار کے ساتھ اس پر وار کیا۔ بے شک ہم نافرمانی کرنے والے کو یونہی تباہ کرتے ہیں۔

(۱۳) اور ابن سعد نے کتاب شرف المصطفیٰ میں جندل بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! جنات میں سے میرا ایک دوست تھا جو کہ مجھے غیب کی خبریں پہنچاتا تھا، ایک دن بہت بے چینی کے ساتھ آیا اور اس نے مجھے بے وار کیا اور کہنے لگا ہب فقد لاح سراج الدین لصادق مہذب امین فارحل علی باذل امون تمشی علی الصحصح والحزون بے وار ہو۔ پس بے شک دین حق کا چراغ روشن ہوا، ایک سچے بے عیب کے لیے۔ پس تو نو برس کے طاقت و راوٹ پر سفر کرتے تھے نرم سخت زمین پر چلنا ہے، میں یہ مسجع کلام سن کر خوف زدہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور میں نے کہا کہ کیا بات ہے صاف

صاف کہہ۔ اس نے کہا:

وساطح الارض و فارض الفرض لقد بعث محمدی الطول
والعرض نشأ فی الحرمات العظام وهاجر الی الطیبة الامینه
مجھے زمین بچھانے والے اور فرض لازم کرنے والے کی قسم! طول و عرض میں البتہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے، عظیم عزتوں میں پروان چڑھے اور پاک
اور امن والے شہر کی طرف ہجرت فرمائی۔

میں مدینہ عالیہ کی طرف روانہ ہو گیا اور راستے میں پھر ایک ہاتف نے آواز دی
یا ایہا الراكب المزجی مطیتہ نحو الرسول لقد وفقت للرشد اے سوار! اپنی
سواری کو رسول علیہ السلام کی طرف چلانے والے تجھے کامیابی کی توفیق بخشی گئی ہے۔

(۱۳) اور ابن الکلبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ
بنو الکلب کے قبیلے سے میرا ایک نوکر تھا جسے حابس بن دغنه کہتے تھے۔ ایک دن میں اپنے
گھر کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک دیکھتا ہوں کہ وہ مرعوب اور حواس بختہ ہو کر آ رہا ہے
میں نے کہا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے یہ اونٹ میری سپرداری سے لے لیں
اور مجھے نوکری سے معافی دیں۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کیا میری طرف سے کوئی حق تلفی ہوئی
ہے؟ کہنے لگا نہیں! لیکن مجھے ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ میں آپ کے اونٹوں سمیت چراگاہ
میں گیا ہوا تھا، اچانک میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ پہاڑ کے درے سے باہر آیا اس کا
سر آلو کے سر کی طرح تھا اور اس کے طول و عرض کی کوئی حد نہ تھی اس حد تک کہ اس کا سر
پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا ہوا تھا اور اس کا ہر پاؤں پہاڑ کے دامن میں۔ اور اس نے مجھے
آواز دی اور کہا یا حابس بن دغنه یا حابس لا یعرضن لك الوسوس هذا
سنا النور بكف القابس فاجنح الی الحق ولا تواجس یعنی اے حابس! تجھے
دوسو سے پیش نہیں آنے چاہئیں، یہ نور کی روشنی ہے، ایک مشعل والے کے ہاتھ میں۔ پس
حق کی طرف مائل ہو اور دل میں کوئی اندیشہ مت کرنا۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا، میں ڈر کی
وجہ سے اونٹوں کو گھیر کر دوسری چراگاہ میں لے گیا اور ایک درخت کے نیچے آرام کرنے

کے لیے لیٹ گیا جیسے ہی میری آنکھیں خواب آلود ہوئیں کہ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر ماری میں بے دار ہوا دیکھا کہ وہی بوڑھا ہے اور کہہ رہا ہے یا حابس! اِسْمَعْ مَا قَوْلُ تَرشِد لیس ضلول حائر کہتہ لا تترکن نہج الطريق الا بعد قد نسخ الدین بدین احمد یعنی اے حابس! میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سن تا کہ تو راہ پائے، گمراہ حیرت والا راستہ پانے والے کی طرح نہیں ہے، سیدھی راہ پر چلنا ترک مت کر، تحقیق ہر دین حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۵) اور ابو نعیم اور ابن عسا کر نے قبیلہ بنی خثیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ عربوں کا قاعدہ یہ تھا کہ حلال و حرام کو پہچانتے نہیں تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اگر آپس میں کوئی جھگڑا اور اختلاف پڑ جاتا تو اس کے فیصلے کے لیے بتوں کے پاس حاضر ہوتے اور ندائے غیبی کے طور پر بتوں کے شکم سے جو کچھ سنائی دیتا، اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ہم بھی رات کے وقت نذریں اور قربانیاں گزارنے کے بعد ایک بت کے پاس بیٹھے غیبی آواز کے منتظر تھے اچانک بت کے پیٹ سے آواز آئی کہ یا ایہا الناس ذوی الاجسام۔ ومسند الحکم الی الاصنام۔ ما انتم و طائش الاحلام۔ هذا نبی سید الانام۔ اعدل ذی حکم من الحکام۔ یصدع بالنور وبالاسلام وینزع الناس عن الاثام اے لوگو! جو کہ بتوں کے پاس فیصلے کے لیے جاتے ہو تمہیں کیا ہے کہ بے وقوف ہو گئے ہو؟ یہ رسول علیہ السلام ہیں جو کہ تمام مخلوقات کے سردار ہیں اور حاکموں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں، نور اور اسلام کو ظاہر فرماتے ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے منع فرماتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم سب بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے اور یہ واقعہ ہر محفل میں بیان ہونے لگا یہاں تک کہ ہمیں خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے پھر آپ نے مدینہ عالیہ کی طرف ہجرت فرمائی، ہم حاضر آئے۔

(۱۶) اور بزار، ابو نعیم اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ہم موضع بوانہ میں ایک بت کے پاس بیٹھے تھے اور ایک شتر اس بت کی نذر کے لیے ذبح کیا ہوا تھا کہ اچانک ہم نے بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہتا ہے الا اسمع الی العجب ذهب استراق السمع بالوحی ویرمی بالشہب لنبی بمکة اسمہ احمد مهاجرہ الی یثرب یعنی خبردار ایک عجیب بات سنو! وحی آنے کی وجہ سے آسمانی خبروں کی چوری ختم ہوگئی اور جنات کو آتشیں شعلوں سے مارا جاتا ہے۔ مکہ شریف میں ایک نبی کی تشریف آوری کی وجہ سے جن کا نام احمد ہے جن کی جائے ہجرت یثرب ہے (یہ مدینہ عالیہ کا ہجرت سے پہلے نام ہے جسے حضور علیہ السلام نے بدل دیا اور فرمایا یہ طیبہ ہے اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں) جبیر کہتے ہیں کہ ہم حیرت زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چند دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر عام ہوگئی۔

(۱۷) نیز ابو نعیم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں شام میں تھا جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ میں نے اپنے بعض کاموں کے لیے سفر کیا، دوران سفر مجھے رات ہوگئی عربوں کے قدیم دستور کے مطابق جنوں کے ڈر سے میں نے اس جنگل میں با آواز بلند یوں کہا انا فی جوار عظیم هذا الوادی میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں۔ اچانک میں نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اور میں اسے دیکھ نہیں رہا ہوں کہ عذباللہ فان الجن لا یجیر علی اللہ احد یعنی خدا تعالیٰ کی پناہ لے اس لیے کہ جنات میں اتنی ہمت نہیں کہ حکم خداوندی کے بغیر کسی کو پناہ دیں۔ میں نے کہا تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا بیت قد خرج رسول الامیین وصلینا خلفہ بالجحون فاسلمنا واتبعناہ وذهب کید الجن رمیت نانطلق الی محمد رسول رب العالمین فاسلم یعنی عربوں کا رسول علیہ السلام ظاہر ہوا ہے ہم نے ان کے پیچھے جحون میں جو کہ مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے نماز پڑھی ہے۔ پس ہم اسلام لائے اور ان کی پیروی کی اور جنات کا فریب ختم ہوا اور انہیں شعلے مارے گئے۔ پس تو پروردگار عالمین کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آ۔ تمیم

کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی میں روانہ ہوا اور ایک شہر میں پہنچا۔ میں نے ایک راہب کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اس نے کہا کہ جنات نے تیرے سامنے صحیح بات کی۔ حرم سے ایک رسول ظاہر ہوگا اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت کرے گا وہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوگا اس کی خدمت میں جلد پہنچ جا۔

(۱۸) نیز ابو نعیم نے خویلد ضمیری سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بت کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک میں نے اس بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہہ رہا ہے ذہب استراق الوحی درمی بالشہب لنبی بمکة اسہ احد و مهاجرہ الی یثرب یا امر بالصلوات والصیام والبر للارحام یعنی وحی کی چوری ختم ہوئی اور شعلے پھینکے گئے اس نبی علیہ السلام کی خاطر جو کہ مکہ معظمہ میں ہیں نام نامی حضرت احمد ہے جن کی جائے ہجرت یثرب ہے نمازوں اور روزوں اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم اٹھے اور ہم نے اس خبر کی تفتیش کی۔ لوگوں نے کہا کہ صحیح ہے مکہ معظمہ میں ایک نبی ظاہر ہوا جس کا نام احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۹) اور ابو نعیم ابن جریر طبرانی خرائطی اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں اور کثیر طریقوں کے ساتھ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جو کہ عرب کے سرداروں میں مشہور سردار تھے کہ ابتدا میں میرے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہوا کہ میرے باپ نے اپنی وفات کے وقت مجھے ضمنا نامی بت کی پوجا کرنے کی بڑی موثر وصیت کی تھی اور کہا تھا کہ اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے تو تو اسی بت کی طرف رجوع کرے گا جو کہ مشکل کشائی میں بے مثل ہے۔ میں باپ کی وصیت کے مطابق اس بت کی خدمت میں ہمیشہ مشغول رہتا تھا اور سرداری کی مصروفیات کے باوجود ہر روز اس کی زیارت کو جاتا۔ ایک دن میں شکار کے لیے جنگل میں گیا ہوا تھا اور دوپہر کا وقت تھا میں ستانے کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور میرے نوکر اور سپاہی درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ اچانک میں دیکھتا ہوں کہ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ایک سفید رنگ کا شتر مرغ فضا سے نیچے آ رہا ہے اور اس شتر مرغ پر ایک سفید پوش نورانی آدمی سوار ہے اور

اس نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے عباس بن مرداس! تجھے کچھ معلوم ہے کہ چوکی داروں کے ساتھ آسمان کی حفاظت کی جاتی ہے اور روئے زمین پر جنگ اور لڑائی عام ہوگئی اور گھوڑے زین اور لگام کے تیار ہو گئے اور جو یہ نیک راہ زمین میں لایا ہے پیر کے دن منگل کی رات وجود میں آیا اس کی ایک اونٹنی ہے جس کا نام قصوا ہے۔

میں یہ کلام سن کر بہت مرعوب ہوا اور وہاں سے سوار ہو کر گھر پہنچا۔ پہلے میں اپنے اس ضمار نامی بت کے پاس پہنچا جب میں ایک گھڑی بھر اس بت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا اس کے پیٹ سے ایک آواز پیدا ہوئی کہ کوئی یہ بیت پڑھ رہا ہے۔

قل للقبائل من سلیم کلھا

هلك الانیس وعاش اهل المسجد

اودی ضمار وکان یعبد مدة

قبل الكتاب الی النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان الذی ورث النبوة والهدی

بعد ابن مریم من قریش مہتد

سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دو کہ انیس ہلاک ہو گیا اور مسجد والے زندہ و سلامت رہے ضمار ہلاک ہو گیا اور ایک مدت سے اس کی پوجا کی جاتی تھی نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کتاب آنے سے پہلے۔ ابن مریم کے بعد جو نبوت اور ہدایت کا وارث ہوا وہ قریش سے ہے۔ سراپا ہدایت

میں نے یہ واقعہ لوگوں سے چھپائے رکھا اور کسی سے نہ کہا۔ ایک دن جبکہ کفار غزوہ احزاب سے واپس ہوئے میں اس وقت ذات عرق کے متصل ایک مقام عقیق کی طرف اونٹ خریدنے گیا ہوا تھا اچانک میں نے ایک نہایت سخت آواز آسمان کی طرف سنی جب میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی سفید پوش بزرگ سفید شتر مرغ پر سوار ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو نور پیر اور منگل کو دنیا میں جلوہ گر ہوا ہے یہ ہے قصوا اونٹنی والے کے ہمراہ نجد کے ملک میں پہنچ رہا ہے اس کے بعد دین اسلام کا اعتقاد میرے دل میں پختہ ہو گیا۔

(۲۰) اور ابن سعد اور ابو نعیم نے سعید بن عمرو ہندی سے روایت کی ہے کہ میرے باپ عمرو نے ایک دن ایک بت کے سامنے نذر کے طور پر ایک بھیڑ ذبح کی تھی اس نے اس بت کے پیٹ سے ایک آواز سنی کہ العجب کل العجب خرج نبي من بني عبدالمطلب يحرم الزنا ويحرم الذبح الاصنام وحرست النساء ورمينا بالشهب ایک بہت عجیب بات ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد سے نبی علیہ السلام ظاہر ہوئے ہیں جو بدکاری اور بتوں کے لیے ذبح کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں آسمان پر پھرے بٹھادیئے گئے اور ہمیں شعلے مارے گئے۔ میرا باپ یہ آواز سنتے ہی اس خبر کی تحقیق کے لیے مکہ معظمہ گیا، کسی نے کوئی پتہ نہ دیا حتیٰ کہ اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ہمارے درمیان محمد بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تجھے چاہیے کہ ان پر ایمان لائے اور اس قسم کے بے شمار واقعات تو اتر کے ساتھ ثابت ہوئے۔

بلکہ بعض جنات نے جو کہ ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف نہیں ہوئے تھے، آدمیوں کے واسطے سے سلام اور اطاعت و اتباع کے الفاظ کہہ کر بھیجے۔

(۲۱) چنانچہ ابن سعد نے حضرت جعد بن قیس مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے اور دوران سفر یمن کے ایک صحرا میں سے ہمارا گزر ہوا اس صحرا میں ہم نے ایک آواز سنی کہ کہنے والا کہہ رہا تھا

الا ايها الركب المعرس بلغوا

اذا ما وقفتم بالحطيم وزمما

محمد المبعوث منا تحية

تشيعة من حيث سارو يما

وقولوا له انا لدينك شيعة

بنلك لوصانا المسيح بن مريا

اے کچھلی رات آرام کرنے والے سوارو! جب تم حطیم اور زحرم پر پہنچو تو اللہ تعالیٰ

کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سلام پہنچانا جو ان کے ساتھ رہیں جہاں بھی جائیں اور ان سے عرض کرنا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دین کے ماننے والے ہیں، ہمیں مسیح بن مریم علیہ السلام نے اس کی وصیت فرمائی ہے۔

(۲۲) ابن عساکر اور خرائطی نے مرداس بن قیس دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کاہنوں اور ان کی کہانت کا ذکر ہو رہا تھا، لوگ اس سلسلے میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ کاروبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول وحی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ مرداس نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ اس سلسلے میں ایک عجیب اتفاق ہوا جو سننے کے لائق ہے۔ فرمایا: کہو۔ اس نے کہا کہ ہماری ایک کنیز تھی جس کا نام خالصہ تھا، نہایت پارسا اور نیک تھی، ہم نے اسے کبھی بھی بے حیائی کے ساتھ متہم نہ پایا، ایک دن وہ اچانک ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ میں نے کہا کہ ہم تجھے پارسا اور نیک بخت سمجھتے ہیں اور تجھے کسی چیز کی تہمت بالکل نہیں لگاتے۔ اس نے کہا کہ اب مجھ سے ایک عجیب واقعہ سنو، ایک دن میں اپنے گھر میں بالکل اکیلی تھی کہ ایک سیاہ چیز آ کر مجھ پر مسلط ہو گئی اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ صحبت کرتا ہے اس نے مجھ سے کیا، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حاملہ ہو جاؤں اور آپ لوگ مجھے بدکاری کی تہمت لگاؤ۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تجھ سے اس طرح کا گمان بالکل نہیں، جا اور فارغ البال رہ۔ کچھ عرصے کے بعد پتہ چلا کہ وہ لونڈی حاملہ ہے یہاں تک کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کے دونوں کان کتے کے کانوں جیسے تھے اور رنگ آدمیوں کے رنگ جیسا نہ تھا اور وہ بچہ ہمارے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتا۔

ایک دن اس نے اپنے بدن سے چادر اٹھائی اور بلند آواز سے شور کرنے لگا، ہائے افسوس، ہائے افسوس! دشمن کے سوار تم پر حملہ کرنے کے لیے پہاڑ کے پیچھے پہنچ چکے ہیں اور تم بے خبر ہو۔ ہم اس کے کہنے سے خبردار ہو کر ہتھیار اٹھائے پہاڑ کی کچھلی سمت پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ فی الواقع وہ دشمن کے سوار تھے ان کے ساتھ جنگ ہوئی اور انہیں شکست

ہوئی اس کے بعد وہ لڑکا جو کچھ کہتا تھا اسی کے مطابق ہوتا اور اس کی بات کبھی پیچھے نہیں رہی تھی جب آپ کی بعثت اور وحی کا نزول ہوا تو اس کی باتیں غلط ثابت ہونا شروع ہو گئیں اور وہ اکثر خلاف واقع کہتا۔ میں نے اس سے کہا تجھے کیا ہو گیا کہ اب جھوٹ بولتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں وہ شخص مجھے سچی خبر پہنچاتا تھا اب جھوٹی خبریں لاتا ہے میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرتا اس کی تدبیر یہ ہے کہ مجھے کسی تاریک کمرے میں تین دن تک قید کر دوتا کہ میں اکیلا رہوں اور وہ جن میرے اندر آ کر میرے رگ و ریشے میں سرایت کرے اس وقت اس سے پوچھنا۔ ہم نے ایسا ہی کیا جب تین دن کے بعد ہم نے حجرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس لڑکے کا سارا جسم آگ کے شعلے کی طرح چمک رہا تھا ہم نے معلوم کیا کہ جن اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے؟

ہم نے کہا اے عزیز! تو اب تک صحیح خبریں لاتا تھا اب غلط خبریں کیوں لاتا ہے؟ اس نے کہا کہ یا معشر دوس حرست السماء وخرج خیر الانبیاء کہ آسمان پر پہرے لگ گئے ہیں اور خیر الانبیاء علیہ وعلیہم السلام تشریف لے آئے۔ ہم نے پوچھا کہاں؟ اس نے کہا مکہ میں نیز یہ بھی کہا کہ اب میں مر رہا ہوں مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دینا دفن کے بعد مجھ سے آگ کی طرح شعلے نکلیں گے جب یہ حال دیکھو تو مجھ پر تین پتھر مارنا اور ہر پتھر پر کہنا باسمک اللہ کہ میں ٹھنڈا پڑ جاؤں گا اور سکون اختیار کر لوں گا اسی طرح اس کے مرنے کے چند دنوں بعد ہم تک آپ کی بعثت کی خبر پہنچی۔ یہ حال ہے جزیرہ عرب کے جنات کا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی رمی شہاب اور نزول قرآن کریم کی گواہی بطریق تواتر منقول ہوئی۔

صحابی جنات رضی اللہ عنہم کا ذکر

لیکن وہ جنات جو ان میں سے مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے صحابیت کا درجہ پایا وہ بھی بے شمار ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیلۃ الجن میں جو کہ مکہ شریف میں درہ تجون کے متصل ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے تھے اور اس لیلۃ الجن میں جو کہ مدینہ عالیہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد

بھیج الغرقہ میں ہوئی تھی، بھی حاضر تھے۔ ان کی کثرت کو اس حد تک بیان فرمایا کہ گنتی سے باہر ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ عالیہ میں ایک اور رونما ہونے والی لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہو کر جنات کو دیکھا تھا اور ان کی باتیں سنیں، ان کے افراد کی کثرت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ دلائل البیوۃ، ابو نعیم اور حدیث شریف کی دوسری کتابوں میں ان واقعات کی تفصیلات مذکور ہیں۔

اور صحاح ستہ میں واقع ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ عالیہ میں جنات کی ایک جماعت ہے جو کہ اسلام لائے تو ان حشرات الارض میں سے جسے کچھ نظر آئے تو تین بار تعوذ کرے اگر تین بار کے بعد بھی نظر آئے تو شیطان ہے۔

اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ جزیرہ کے جنات کی بے شمار جماعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئیں اور انہوں نے چند روز تک مقام کیا اور پھر اپنے وطن کو لوٹ گئیں۔

اور امام احمد بن حنبلہ، بیہقی اور دوسرے محدثین نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے مقام عرب میں پڑاؤ ہوا میں اپنے خیمے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ لشکر کے خیموں سے دور صحرا میں تھا تشریف فرما ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں جب میں قریب پہنچا تو میرے کانوں میں شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ گویا بہت سے لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور تیز زبانی کر رہے ہیں میں رُک گیا اور سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مردم غیب کا ہجوم ہے اس وقت نہیں جانا چاہیے۔ حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر تشریف لائے اور آپ تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ شور و غوغا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمان جنات کا کافر جنات کے ساتھ رہائش کے بارے میں جھگڑا تھا اور وہ اس جھگڑے کا فیصلہ لینے کے لیے میرے پاس حاضر ہوئے، میں نے یوں فیصلہ دیا ہے کہ

مسلمان جنات ملک جلس میں اور کفار غور میں سکونت اختیار کریں اور آپس میں میل جول نہ رکھیں۔

اس حدیث شریف کے راوی کثیر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے یوں تجربہ کیا ہے کہ جسے ملک جلس میں جن کا آسیب ہو جاتا ہے جلد شفا پاتا ہے اور اس کی جان بچ جاتی ہے اور جسے ملک غور میں جن کا آسیب ہوا کثر نہیں جاتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔

اور خطیب نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے اور آپ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اچانک ایک بہت بڑا اثر دہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا لوگوں نے چاہا کہ اسے مار دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو یہاں تک کہ وہ آپ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے اپنا سر حضور علیہ السلام کے کان مبارک کے ساتھ لگایا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے بھی اپنا منہ مبارک اس کے کان پر رکھ کر کچھ ارشاد فرمایا اس کے بعد اثر دہا غائب ہو گیا اور نظر نہیں آیا۔ گویا اسے زمین نکل گئی ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس سانپ کو اپنے کان مبارک تک پہنچنے دیا، ہمیں بہت خطرہ غالب ہوا کہ یہ بے عقل جانور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تکلیف دے یا ڈنگ مارے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جانور نہ تھا، جنوں کا ایلچی تھا، انہیں فلاں سورۃ کی بعض آیات بھول گئی تھیں ان آیات کی تحقیق کے لیے اسے بھیجا تھا جب اس نے تمہیں دیکھا تو اپنے آپ کو سانپ کی شکل میں کر کے پوچھ کر چلا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور راستے میں ایک بستی میں پہنچے۔ اس بستی والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد آمد کا سن کر بستی سے باہر انتظار میں تھے جب سرکار علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ ایک جوان عورت ہے، ایک جن اس پر عاشق ہو گیا ہے اور اس کے بدن میں آ کر اسے بے ہوش کر دیتا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ بات کرتی ہے، ہلاک ہونے کے قریب ہے۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ نہایت حسین عورت تھی۔ حضور علیہ

السلام نے اسے اپنے سامنے بٹکا کر فرمایا و جن! تجھے کچھ پتہ ہے کہ میں کون ہوں؟ میں رسول خدا محمد ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو چھوڑ دے اور دفع ہو جا، صرف یہ فرمانے سے ہی عورت کو ہوش آگئی اور اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور مردوں سے علیحدہ ہوگئی اور صحیح ہوگئی۔

حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے لیے ہامہ پسر ابلیس

کے آنے کا بیان

اور عقیلی، بیہتی اور ابو نعیم نے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ اچانک ایک بوڑھا ہاتھ میں عصا لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں آ پہنچا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے جواب عطا فرمایا۔ اس کی آواز جنوں کی سی ہے اس کے بعد اس بوڑھے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے عرض کی میں ہامہ بن ہیم بن لاقیس ابن ابلیس ہوں۔ فرمایا کہ تیرے اور ابلیس کے درمیان دو پشت سے زیادہ نہیں ہیں یہ بتا کہ تو نے کتنی عمر گزاری ہے؟ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دنیا کی پوری عمر تھوڑی سی مدت کے سوا میری عمر کے برابر ہے جن دنوں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا میں چند سالہ طفل تھا بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور آدمیوں کا کھانا چرا لیتا تھا اور ان کے دلوں میں وسوسے کے طریقے سے ان کے قریبوں کی بدسلوکی ڈالتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کا عمل یہ ہے اور یہ جوانی اور بچپنا یہ۔ تو تو بہت بُرا شخص تھا۔ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ اب مجھے ملامت فرما رہے ہیں اب تو میں توبہ کے لیے حاضر آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور میں ان کے ساتھ ان کی مسجد میں رہا ہوں اور پہلے ان کے دست مبارک پر توبہ کی اور ایک سال تک ان کی مسجد میں رہا اور حضرت ہود حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت میں حاضر رہا ہوں اور میں

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور تورات پڑھی ہے اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا ہے اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو تو میرے سلام ان کی خدمت میں عرض کرنا اب میں اس کی ادائیگی کے لیے حاضر آیا ہوں۔ نیز میں امیدوار ہوں کہ آپ مجھے قرآن پاک کی کچھ تعلیم فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۃ واقعہ سورۃ مرسلات عم یتساء لون اذا الشمس کورت معوذین اور سورۃ اخلاص کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ اے ہامہ! جب تجھے کوئی ضرورت ہو ہماری خدمت میں آ جانا اور ہماری ملاقات ترک نہ کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ نے ہمیں اس کے فوت ہونے کی خبر نہ دی اب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا۔

چند دیگر جن صحابہ کرام کا ذکر

اور جنات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے عمر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی تکفین و تجہیز حضرت صفوان بن معطل نے فرمائی اور ان میں سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے احباب نے دفن کیا اور وہ کافر جنات کی جنگ میں شہید ہوئے اور ان میں سے حضرت سرق رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحرا میں فوت ہوئے اور انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور یہ اس گروہ میں سے تھے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کی تھی اور ان میں سے ایک جن خاتون حضرت خرقا رضی اللہ عنہا تھیں کہ انہیں بھی مکہ شریف کی راہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور اس مذکورہ جماعت کے واقعات بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیے ہیں۔

یہ حالات ہیں ان لوگوں کے جو کہ جنات میں سے پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے مطیع اور تابع ہوئے اور جس خدمت سے معزول ہوئے تھے اس سے

دست بردار ہو کر لوگوں کی ارشاد و ہدایت کی خدمت پر قائم رہے۔

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ اور ہم میں سے ٹیڑھا چلنے والے بھی ہیں جو اس خدمت سے اپنی معزولی پر خوش نہ ہوئے اور جیسا کہ چاہیے تھا انہوں نے اس کلام اور اس رسول علیہ السلام کی اتباع اور اطاعت نہیں کی اور وہ چار گروہ ہیں۔

گمراہ جنات کے چار گروہ

پہلا گروہ کافر جنات جنہوں نے کھلم کھلا مخالفت کی راہ اختیار کی اور آدمیوں کو گمراہ کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنی ڈیوٹی سے معزول نہیں ہیں، غیب کی خبریں حاجت روائی اور مشکل کشائی ہم سے طلب کی جائے جیسا کہ کفار کے معبودان باطلہ خصوصاً ہندوؤں، حبشیوں، زنگیوں اور بت پرستوں کے دوسرے گروہ کہ آسمان پر آنے سے روکنے، شعلے پھینکنے، بنی آدم کو گمراہ کرنے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے سے معزول ہونے کے باوجود اہل کفر کی امداد و اعانت کرنے بلکہ شرک کی دعوت اور اسلام سے باز رہنے سے دست بردار نہیں ہوتے۔

دوسرا گروہ منافق جنات جنہوں نے خود کو اہل اسلام کے زمرہ میں داخل کر کے مکر و فریب شروع کر دیا اور آدمیوں کے نزدیک خود کو پاک بزرگوں کے نام سے موسوم کر کے پیر کہلواتے ہیں جیسے شیخ سدوزین خاں سرور اور بالے وغیرہ اور در پردہ ولایت، غیب دانی، مشکل کشائی اور الوہیت و خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شرک اور بت پرستی کے لوازمات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑتے جو اپنے معتقدین سے طلب نہیں کرتے۔

تیسرا گروہ فاسق جنات جو کہ ڈاکوؤں کی طرح آدمیوں کو مختلف قسم کی ڈکالیف پہنچاتے ہیں اور ان سے اپنے لیے نذریں، ہدیے، شیرینی، پانی، شراب وغیرہ لیتے ہیں۔

چوتھا گروہ دوسرے جنات ہیں جو کہ چوروں کی طرح ان بعض آدمیوں کی ارواح کو کہ جنہوں نے نئے اخلاق میں جیسے غرور، تکبر، کینہ اور نجاستوں سے ملوث جنات کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل کر لی ہے، کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اور ان ارواح کو جسموں کے مسامات میں داخل ہونے، مزاج تبدیل

کرنے اور شکلیں بدلنے کی تعلیم دیتے ہیں تاکہ اس ذریعے سے آدمیوں کو کوئی تکلیف اور رنج پہنچائیں اور آدمیوں کے گروہ کو خراب کریں یہ چاروں فرقے قاسط ہیں کہ انہوں نے دین اور قرآن کی اتباع نہ کی گرچہ بظاہر کلمہ پڑھا ہو۔

فَمَنْ أَسْلَمَ تَوَجَّهَ إِلَى اللَّهِ كَمَا مَطَّحَ هَوَىٰ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ
فَمَنْ أَسْلَمَ تَوَجَّهَ إِلَى اللَّهِ كَمَا مَطَّحَ هَوَىٰ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ
تَحَرُّوا رَشَدًا تَوَجَّهَ إِلَى اللَّهِ كَمَا مَطَّحَ هَوَىٰ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ
اپنے مالک کے حضور جھک جانے کی وجہ سے اس کے دربار میں مرتبہ اور قبولیت حاصل کر لی جبکہ کج روی اور آدمیوں کو دھوکا دینے کی صورت میں انہیں مخلوقات میں سے چند لوگوں کے سامنے فانی مرتبہ اور عزت حاصل ہوتی تھی اور اپنے مالک کے دربار میں ذلیل بے عزت اور خوار و حقیر ہوتے تھے اور دائمی خیر اور ہمیشہ کی نعمتوں سے محروم ہوتے تھے۔

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ لِيَكُنْ كَجِ رُوحِي كَرْنِي وَآلِي كَجِ كَرْمِ إِلَهِي كَعِ كَعِ كَعِ كَعِ
انہوں نے سفارت کی خدمت سے معزول ہونے کے باوجود آدمیوں کو فریب دیا اور خود کو ان کے سامنے کارخانہ خدائی کا شریک ظاہر کیا۔

فَكَانُوا لِيَجْهَنَّمَ حَطْبًا تَوَدَّوْخَ كَا اِيْنَدْمِنِ اُوْر اِسْ كِي اَآ كِ بْهْرْ كَانِي وَآلِي
ہو گئے کہ خود بھی اس کی آگ میں جلتے ہیں اور ناریت کی مناسبت کی وجہ سے اسی آگ کے شعلوں کو اور زیادہ کر کے دوسروں کو جلاتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اور وہ جو بعض بے دین لوگ شبہ کے طریقے سے ذکر کرتے ہیں کہ جب جن کی پیدائش آگ سے ہے تو اسے آگ میں آنے سے کیا عذاب ہوگا؟ اس لیے کہ شے کو اپنی جنس سے کوئی دکھ اور تکلیف نہیں پہنچتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگ جن کا مادہ ہے جبکہ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج دوسرا ہے۔ جب بڑی آگ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج کے خلاف ہوگی تو اسے زیادہ تکلیف اور عذاب کا موجب ہوگی جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک خوش طبع شخص نے ایک بے دین کے جواب میں جو کہ یہ اعتراض کر رہا تھا بڑا سا پتھر اٹھا کر اس بے دین کی پنڈلی پر دے مارا بے دین نے آہ و پکار شروع کر دی خوش طبع شخص

نے کہا کہ تجھے اس پتھر سے جو کہ زمین کی جنس سے ہے تکلیف اور دکھ کیوں ہوا؟ آخر تو بھی تو زمین سے ہے اور خاک ہے بلکہ کیفیت حراج اور کیفیت عذاب کے ایک ہونے کے باوجود رنج و تکلیف، کیفیت حراج و کیفیت عذاب کے مختلف ہونے کی صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بات مجرب اور آزمائی ہوئی ہے کہ صفراوی حراج انسان کو آگ اور سورج کے قریب اس قدر تکلیف اور دکھ ہوتا ہے کہ بلغمی حراج والے کو اس کا سوا حصہ بھی نہیں ہوتا ہے اور بلغمی حراج والے کو دریا کے قریب اور ٹھنڈی ہوا میں اس قدر جمود اور کمزوری طاری ہوتی ہے کہ صفراوی حراج والے کو نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آگ و ایک خاصیت بخشی ہے کہ اجزا جدا جدا کرنے اور خود کو سنبھال رکھنے والی رطوبتوں کو فنا کرنے کی وجہ سے ہر ترکیب کے اجزاء کو کھول دیتی ہے اور ہر حراج کو باطل کر دیتی ہے اور جو تکلیف ملی ہوئی اور مرکب شئی کو محسوس ہوتی ہے حراج کو باطل کرنے اور مرکب کے اجزاء کو کھولنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مادہ کی مخالفت سے یا اس کی جنسیت درود نہ ہونے کا موجب ہوتی ہے۔

اور جب سورۃ کی ابتدا سے لے کر یہاں تک جنوں کی تیرہ باتیں نقل کرنے سے فراغت ہوئی اب انہ استمع پر عطف فرماتے ہوئے تین اور مقاصد کی تکمیل فرمائی جا رہی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جنات اور آدمیوں کو پہنچادیں کہ وہ جنوں مقاصد عمدہ ہیں جو کہ جنوں کی پیدائش اور ان کی عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور آدمی بھی انہیں عادتوں کی وجہ سے عقائد باطلہ اور شرک کے بھنور میں گرتے ہیں۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسول کریم! آپ فرمادیں کہ میری طرف جنوں کی یہ ساری باتیں وحی کی گئیں۔

وَإِنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أَوْرِیہ کہ بالقرض جنات اُنراں طریقے پر استقامت اختیار کریں کہ جسے انہوں نے بافضل اختیار کیا ہے۔ مکون حراجی اور بدلنے سے جو کہ جنوں کا خاصہ ہے باز آئیں۔

لَا سَقِينَا هُمْ مَاءً غَمَقًا ہم انہیں بارش سے ضرور بافراغت پانی پلائیں اور ان سے قحط دور کریں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورۃ اس وقت اُتری جب اہل مکہ کے کفر کی

نحوست کی وجہ سے سات سالہ قحط شروع ہو چکا تھا۔ آدمی جانور اور جنات سب کے سب پانی نہ ملنے کی مصیبت میں گرفتار تھے اور زمانہ قحط سے قطع نظر بارش کا پانی تمام دنیوی برکات اور منفعتوں کا سرمایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس نعمت کا ذکر گویا تمام دنیوی نعمتوں کا اشارہ ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: **وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ** اور اس کے باوجود جنات کو یہ نعمت عطا کرنے میں خصوصاً ایک اور باریک اور دقیق غرض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ ہم جنات کی عقل اور دانائی اس پانی پلانے میں آزمائیں کہ آیا عقل و خرد کے طریقے سے خود کو آگ کے ساتھ عذاب دیئے جانے کو خود کو پانی کا انعام دیئے جانے پر قیاس کرتے ہیں یا نہیں اور سمجھتے ہیں کہ رطوبت اور ٹھنڈک دونوں کیفیتوں میں پانی ہماری ضد ہے کہ ہم آگ سے مخلوق ہیں اور گرمی اور کی اس کا خاصہ ہے اور اس کے باوجود پانی پلانے کی وجہ سے ہمیں راحت اور تسکین ہوتی ہے تو اگر آگ میں داخل ہونے سے ہمیں دکھ اور عذاب نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ ہمارا مزاج دو ضدوں کے موافق ہے اور ایک مزاج کا دو ضدوں کے موافق ہونا محال ہے تو ناچار آگ ہمیں دکھ اور عذاب کا موجب ہوگی۔

نیز وہ سمجھیں کہ راہِ حق پر استقامت ظلم اور کجروی کی ضد ہے انعام دینا عذاب دینے کی ضد اور پانی آگ کی ضد ہے اور جب استقامت پانی کا انعام دینے کا موجب ہوئی تو لازم آیا کہ ظلم اور کجروی آگ کے ساتھ عذاب دینے کا سبب ہو ورنہ ضدوں کا مقابلہ دگرگوں ہو جائے گا۔ نیز وہ جان لیں کہ پانی طبعی طور پر آگ کو مار دیتا ہے جبکہ ہمارے لیے آتش ہونے کے باوجود زندگی اور راحت کا باعث ہوتا ہے تو کیا عجب کہ آگ ہماری تکلیف اور مشقت کا باعث ہو جائے لیکن اخروی وبال کے بغیر یہ سب دنیوی نعمت پسندیدہ راہ پر استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے ہے۔

وَمَنْ يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے

اس طریقے پر جو اس نے اختیار کیا تھا قائم رہے اور تکون مزاجی اور بدلنے کو اپنے تک راہ
دے۔

يَسْلُكُهُ عَذَابًا صَعَدًا اے اس کا پروردگار اس عذاب میں لائے گا جو کہ اس کی
طاقت سے باہر ہے خواہ آگ کے ساتھ ہو جو کہ اس کی ہم جنس ہے اور جب ہم جنس چیز
برداشت کی حد سے اوپر ہو جائے تو انتہائی تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور خواہ کسی اور چیز
کے ساتھ۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سعد دوزخ کا ایک پہاڑ ہے
صاف ہموار پتھر کا بنا ہوا کافر کو اس پر چڑھنے کی تکلیف دیں گے اور فرشتے اے آگ
سے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے اور پیچھے۔ گریزیں ماریں گے۔ چالیس سال کی مدت
میں اس کے اوپر پہنچ جائیں گے پھر اسے اس پہاڑ کے نیچے پھینک دیں گے پھر اوپر آنے
کی تکلیف دیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اور اس آیت میں استقامت کی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید
بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مطابق فرماتے ہیں کن طالب الاستقامة ولا تكن
صاحب الكرامة فان الرب يطلب منك الاستقامة والنفس تطلب منك
الكرامة یعنی استقامت علی الحق کا طالب بن اور صاحب کرامت نہ ہو کیونکہ رب تعالیٰ
تجھ سے استقامت طلب فرماتا ہے جبکہ نفس تجھ سے کرامت مانگتا ہے اور حدیث صحیح میں
وارد ہے کہ استقیبوا ولن تحصوا یعنی طاعت پر استقامت اختیار کرو اور تم تمام
طاعات کا احاطہ نہیں کر سکتے ہو اور فی الواقع دل اور روح کے طاعات کے انوار سے منور
ہونے کا موجب استقامت ہے اور جو ہر نفس میں عبادت کا رنگ استقامت پکا کرتی ہے
جبکہ عبادت اور طاعات کا مقصد نفس کو ان کے رنگ میں رنگنا ہے نہ کہ صرف تکلیف اور
رنج۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔
فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا پس ان مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی کو نہ پکارو اس
لیے کہ اگر ان مسجدوں میں خدا کے ہمراہ کسی اور کو پکارو تو تم ان مسجدوں کو خدا اور اس شخص

کے درمیان مشترک کر دو گے حالانکہ تم نے مسجدوں کو خدا تعالیٰ کے لیے خاص کیا ہے۔
(مطلقاً پکارنا مراد نہیں بلکہ معبود سمجھ کر پکارنا ہے یا فَلَا تَدْعُوا سے مراد فَلَا تَعْبُدُوا ہے
یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
قوم سے فرمایا وَاعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَادْعُوا رَبِّي اور ذاتِ حق نے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کی تعبیر یوں فرمائی کہ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا
يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ پتہ چلا کہ وَمَا تَدْعُونَ سے مراد وَمَا يَعْبُدُونَ ہے۔

چنانچہ خود مفسر علام نے سورت مزمل کی تفسیر کے آغاز میں سورۃ الجن کے ساتھ
رابطے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لما قام عبد اللہ يدعوه میں يدعو کا معنی نماز اور
عبادت کیا ہے جیسا کہ وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے فهو المدعى واللہ تعالیٰ یهدی
الی الصواب وهو ولی التوفیق۔ اسی لیے فہم قرآن مجید کے لیے بہترین ترجمہ
کنز الایمان از امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہے جس
میں ایسے مقامات کا ترجمہ مزاج قرآن کے مطابق کیا گیا۔ نیز فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا
اور اس جیسے دیگر مقامات اور من دون اللہ کی صحیح تفسیر کے لیے علم القرآن از حکیم الامت
مولانا کمفٹی احمد یار خاں صاحب گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ
والوالدیہ)

اور جنات کا قاعدہ ہے کہ لوگ جب ان کے لیے کسی مکان کو خاص کریں تو پھر وہ
یہ گوارا نہیں کرتے کہ اس مکان میں کسی اور کا دخل ہو تو جس طرح خاص ہونے کے بعد
شرکت جنات کی ناراضگی کا موجب ہے تو چاہیے کہ عبادتِ الہی کے مقامات میں
دوسروں کا نام لینے اور اغیار کے پکارنے کو تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب جانو۔

مسجد اور اس کے آداب کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ مسجد درحقیقت اس چیز کا نام ہے جو کہ سجدے میں دخل رکھتی
ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مکانِ سجدہ جو کہ امت محمدیہ علیٰ رسولہا الصلوٰۃ
والتسلیمات کے لیے تمام روئے زمین ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ

جعلت لی الارض مسجدا یعنی میرے لیے تمام زمین کو مسجد کا حکم دیا گیا ہے دوسری قسم سجدے کا قبلہ کہ جس سمت سجدہ کرتے ہیں تیسری قسم وہ عضو جس سے سجدہ کیا جاسکتا ہے اور وہ سات اعضاء ہیں چہرے سے ناک تک دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں اور یہ تینوں قسمیں مشرکین کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پس غیر خدا کو سجدہ کرنا اسے خدا تعالیٰ کی خاص ملکیت میں شریک کرنا ہے جو کہ جنات کے نزدیک بھی یہ نہایت غضب و غیرت کا موجب ہے اور وہ اسی وجہ سے آدمیوں کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں اور آدمیوں کے نزدیک بھی یہ بات بُری اور معیوب ہے۔ خصوصاً وہ مکانات کہ جنہیں وہ اپنی مجازی ملکیت سے نکال کر خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کرتے ہیں زیادہ خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں تو لازم ہے کہ ان مکانات میں ذکر خدا کے سوا کوئی اور کام رونمانہ ہو۔

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت اور دنیوی معاملات نہیں کرنا چاہئیں اور آواز بلند نہ کی جائے۔ دنیوی باتیں نہ کی جائیں اسے رہائش گاہ نہ بنایا جائے چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو وہاں نہ لے جائیں کہ وہ بے عقلی کی وجہ سے اس کی عزت کی رعایت نہیں کرتے اور کہیں اسے نجاستوں سے ملوث نہ کر دیں۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ دنیا میں بہترین جگہ کون سی ہے اور بدترین کون سی؟ جبرئیل علیہ السلام کو علم نہ تھا ولاء اعلیٰ کی طرف عروج فرمایا۔ پھر اترے اور جواب لائے کہ دنیا کی سب سے زیادہ اچھی جگہ اس کی مسجدیں ہیں جبکہ بدترین مقام اس کے بازار ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بہترین چیز خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی اطاعت ہے اور مسجدوں میں داخل ہوتے ہی ذکر اور طاعت یاد آ جاتے ہیں اور دنیا میں بدترین چیز خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کی طاعت سے غفلت ہے جبکہ بازار غفلت کا مقام ہیں۔

لیکن اس حدیث شریف میں مباح مقامات میں سے بہترین اور بدترین جگہ کا سوال واقع ہوا تھا اس جہت سے یہ جواب عطا فرمایا گیا ورنہ مکانات میں سے بدترین وہ

تلاش کرتے ہیں کہ بادشاہ سردارِ حاکم اور فوج دارِ جس کے گھر میں آتے ہیں اسی سے مشکلات کا حل اور حاجت روائی طلب کرتے ہیں اور اسی خیالِ فاسد کی وجہ سے جو انہیں خدا کے ساتھ بندگانِ خدا کے بارے میں حاصل ہوتا ہے پیر پرستی اور گور پرستی میں پڑ جاتے ہیں اور اس حادثے میں جنات اور انسان دونوں شریک ہیں۔ (اصل فساد کی جڑ بندے کو خدا کا شریک قرار دینا ہے جبکہ مسلمان مقررین بارگاہِ خداوندی کو شریک قطعاً نہیں سمجھتے، کارخانہِ خدائی میں شرکت پیر پرستی اور قبر پرستی کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو اس عقیدے کے ساتھ مشائخ کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین اہل سنت و جماعت کا دامن اس نجاست سے قطعاً پاک ہے وہ انہیں خدا سمجھ کر نہیں بلکہ مظہرِ عون خداوندی سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں اور یہ تفرق مفسرِ علام نے آغاز تفسیر میں ہی وایاک نستعین کے تحت واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لیکن درینجا باید فهمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد براں غیر باشد و اور مظہرِ عون الہی نداند حرام است داگر التفات محض بجانب حق است و ادرایکے از مظاہرِ عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ در ان نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخوا ہد بود و در شرع جائز است و انبیاء و اولیاء اس نوح استعانت بغیر کردہ اندر ترجمہ زیر آیت وایاک نستعین پڑھیں، استمداد اولیاء کے منکرین کے لیے یہاں سے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں فلہذا دورانِ تفسیر جہاں بھی یہ مسئلہ آئے یہ وضاحت پیش نظر رہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور آپ کو منصب رسالت کی تلقین کی گئی ہے اگر اس امر میں آپ کو اپنے متعلق کسی قسم کا خوف ہو تو آپ ان دونوں گروہوں سے واشکاف الفاظ میں

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّيَ فَرَمَادیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں تاکہ میرے دل کو اپنی تجلی کے نور سے مشرف فرمائے۔

وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا اور میں اس کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب میں نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور اپنے پروردگار کو پکارنے میں مشغول ہوں

تو میں دوسروں سے کیسے روارکھوں گا کہ مجھے پکاریں یا مجھے اس کا شریک مقرر کریں اور یہ دونوں گروہ اگر آپ سے کسی نفع و نقصان کی توقع رکھ کر پکاریں اور شریک ٹھہرائیں تو صاف

قُلْ إِنِّي لَأَهْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا فرمادیں کہ تحقیق میں تمہارے لیے کسی نقصان یا تدبیر مطلب کا مالک نہیں ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے جنات کے وکیل اور سفیر اور بنی آدم کی گمراہ ارواح دنیا والوں کو منفقوں کا لالچ اور نقصانات کا خطرہ ولا کر دھوکا دیتے تھے اور ان کے نزدیک خود کو نفع و نقصان کا مالک ظاہر کرتے تھے کہ اب اس دفتر کو گائے کھاگئی اور کسی حادثے اور مصیبت میں آپ کی پناہ لیں اور چاہیں کہ غضب خداوندی سے آپ کے دامن میں پناہ لیں تو کھال کھینچ کر

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ فرمائیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَلَنْ أَجِدَ مِنْ قُونِهِ مُلْتَحِدًا اور میں اپنے وجدان میں کسی وقت خدا تعالیٰ کے سوا کوئی رجوع اور مائل ہونے کی جگہ نہیں پاؤں گا تا کہ اس طرف رجوع اور التجا کروں۔
إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ سوائے احکام خداوندی اور اس کے پیغامات کو مخلوق کی طرف پہنچانے کے وقت کے کیونکہ اس وقت مجھے حق تعالیٰ سے مخلوق کی طرف توجہ کرنا اور رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں توجہ الی اللہ کے انتہائی خلوص اور اس کی طرف رجوع سے نزول کرتا ہوں لیکن وہ بھی ظاہری طور پر۔ ورنہ یہ نزول چونکہ اس کے حکم پر ہے اور اس کے کام میں ہے عین عروج و استغراق ہے اور اسی لیے یہ نزول اور توجہ بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور اس کی اطاعت میں مستعد ہو کر کمر بستہ ہیں کہ ان کی تکمیل اور ان کی ارواح کو مقام قرب تک پہنچانا میری ڈیوٹی ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اور جو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کرے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مکانات اور اس کی عبادت

کے اوقات میں غیر خدا کو پکارنے اپنے مقاصد اور ضرورتیں پوری کرنے میں اس کے غیر کی طرف التجا اور رجوع کرنے اور اس کے غیر کو اس کا شریک کرنے سے باز نہ آئے اور دست بردار نہ ہو۔ اور وہ جو معتزلہ نے سمجھا ہے کہ اس عصیان سے مراد مطلق گناہ ہے اور ہر گناہگار کو ابدی عذاب میں ہمیشگی ہوگی تو یہ تحریف ہے، تفسیر نہیں اس لیے کہ اس آیت کا سیاق و سباق اس عصیان کو مقدمہ شرک کے عصیان کے ساتھ خاص کرنے میں صریح نص ہے جبکہ کلام کو سیاق و سباق کے تقاضے کے خلاف محمول کرنا تحریف ہے اس کا سباق خود گزر چکا جبکہ اس کا سیاق آ رہا ہے کہ فَتَعْلَمُونَ مَنْ أضعفُ ناصراً وَاقلُّ عَدداً اور وہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی بے شمار مخلوقات کے ساتھ استعانت جو کہ وہ دنیا میں کرتے تھے اور ہر حاجت اور ہر مقصد کے لیے انہوں نے اپنے لیے ایک کارساز مددگار مقرر کیا ہوا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کثیر جماعت سفارش اور ہمیں چھڑانے سے عاجز نہیں ہوں گے انہیں کوئی کام نہیں آئیں گے چنانچہ فرمایا:

فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ تَوَحُّقًا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وہ اس جہنم میں ہمیشہ ابد الابد تک رہیں گے اور ان کے مددگاروں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچے گا اور دوزخ سے نہیں نکالے گا جیسا کہ ایمان والے گناہگاروں کو ان کا ایمان انبیاء علیہم السلام شہداء اور اولیاء کی شفاعت دوزخ سے نکالے گی اور نجات دے گی اس لیے کہ ان کی نافرمانی شرک اور غیر اللہ کی پوجا تک پہنچ گئی اور وہ شفاعت اور معافی کے قابل نہ رہے۔

اور ضمیر کو مفرد لانا جو کہ لفظ من کے مفرد ہونے اور اسے جمع لانا من کے معنوں کے پیش نظر اس لیے ہے کہ نافرمانی اور جہنم کے مقرر ہونے کی حالت میں ہر ایک جدا جدا ہے جبکہ ہمیشگی کی حالت میں سب اکٹھے اور ایک ہی جگہ ہیں اور اجتماع اور کثرت کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکیں گے اور کوئی مقصد حاصل نہیں کر پائیں گے لیکن وہ دوزخ میں آنے وہاں کا عذاب چکھنے ان کے مددگاروں کے ان کی شفاعت اور امداد سے ہاتھ کھینچنے اور ان سے ان کے معبودوں کے بے زار ہونے تک اسی حال میں ہوں گے کہ آخر یہ ہمارے

معبود اور رہنما ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں چھڑالیں گے کہ انہوں نے اپنے لیے مضبوط وسائل اور بے شمار سندیں درست کر چھوڑی ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْ مَا يُوعَدُونَٰ يٰہاں تک کہ جب دوزخ میں آ کر وہ اسے دیکھیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے جیسے ان سے ان کے معبودان باطلہ کی بے زاری ان کا عاجز اور بے چارہ ہونا اور مقام شفاعت اور گزارشات پیش کرنے کے مقام میں ان کا بازیاب نہ ہونا بلکہ ان میں سے اکثر کا عذاب دوزخ میں شامل ہونا

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَضَعُفٌ نَّاصِرًا پس تم جان لو گے کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور ہے وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے گمان میں قوی مددگار پیدا کر لیے تھے یا توحید کو ماننے والے مسلمان جو کہ کسی کو مددگار نہیں جانتے تھے اور اپنے مالک کے کرم پر بھروسہ کرتے تھے۔

وَأَقَلُّ عَدَدًا اور گنتی کے اعتبار سے کم نہ کون ہے؟ وہ لوگ کہ جنہوں نے ہزاروں پیر اور پریاں اپنے کارساز بنا رکھے تھے اور اپنے گمان میں اپنے لیے ایک لشکر ترتیب دے رکھا تھا یا توحید پرست مسلمان جنہوں نے ایک ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تھا اور اس کے سوا کسی کو نہیں جانتے تھے۔

اور اگر کافر جنات اور انسان آپ کی ان باتوں کو سن کر جو کہ شرک کی بیخ کنی کرتی ہے اور استعانت بغیر اللہ کا پروگرام درہم برہم کر دیتی ہیں اور ان کی اس طمع اور توقع کو کہ جنوں کی وکالت اور سفارت کی خدمت معزول ہونے کے بعد یہ ڈیوٹی آپ کو سونپی گئی ہے اور جس طریقے سے کہ آپ کی بعثت سے پہلے آدمی اور جنات ایک دوسرے کی باہمی مدد اور تعاون کرتے تھے اور علم دینے اور علم لینے کی راہ چلتے تھے اب آپ کے واسطے سے اسی طریقے پر چلیں گے اور آپ کو اور آپ کے پیر و کاروں کو جنات کی طرح پوچھیں گے بلکہ خود آپ کی اتباع کر کے آپ کے وسیلے سے پھر اسی خدمت پر بحال ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا کا معزول و مقرر کرنے کا طریقہ ہے کہ معزول کے متوسلین مقرر شدہ لوگوں سے توسل سے ڈیوٹی میں دخیل ہو جاتے ہیں ان چند کلمات کے ساتھ آپ نے ختم کر دیا

اور مایوس کر دیا پوچھیں کہ آپ یہ تو بتائیں کہ یہ قیامت کے وعدے، معبودانِ باطلہ کا اپنے پوجا کرنے والوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور مقتداؤں کا اپنے مقتدیوں سے بے زار ہونا کب ہوگا نزدیک ہے یا دور؟ ان کے جواب میں

قُلْ إِنْ أَدْرِي فَرَمَادِيں کہ میں نہیں جانتا أَقْرَبُ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ أَمَدًا آیا وہ چیز قریب ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا اس کے لیے میرا پروردگار ایک مدت مقرر کرنے کا طرزِ کلام کو بدلنا کہ أَقْرَبُ أَمْ بَعِيْدًا نہ فرمایا اس لیے ہے کہ ظاہری نظر میں حکمتِ الہی اس کے قریب ہونے کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ بدلے کے مستحق ہونے کے بعد بدلہ پہنچانے میں جلدی کرنا مناسب ہے لیکن شاید مخفی حکمتِ الہیہ تاخیر کی متقاضی ہوئی ہوگی اس لیے کہ جب تک نوعِ انسان دنیا میں باقی ہے اپنے گزرے ہوؤں کے لیے تقرب الہی اللہ یا الی غیر اللہ کی مختلف قسموں کے ساتھ امداد کرتے ہیں اور ان میں جتنی ہمت ہے خرچ کرتے ہیں جب ان کی تلاش میں یہ ساری کوشش پوری ہو جائے اس وقت الزامِ حجت اور ان کے مددگاروں کے عجز و ضعف کو ظاہر کرنے کے لیے بدلہ دینا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ پس وعدہ شدہ قرب ہر فرد کا وقت پورا ہونے پر جو کہ اس کی موت کا وقت ہے اور عمل دنیا سے فارغ ہو جاتا ہے نظر کرتے ہوئے احتمال رکھتا ہے اور تمام نوعِ انسانی کا وقت پورا ہونے تمام افرادِ انسانی کے اعمال منقطع ہونے اور سب کے سب افرادِ نوع کی ارواح کے آخرت کی طرف منتقل ہونے کے پیش نظر فیصلے اور جزا کے دن تک وعدہ شدہ تاخیر کا بھی احتمال ہے اور حقیقت میں قرب و بعد کی دونوں صورتیں واقع ہیں۔ موت کے بعد ہر کسی کو اپنی غلط فہمی اور خطا کا پتہ چل جائے گا جبکہ فیصلے کے وقت تمام مخلوقات کا عجز اور کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ نیز امید کلی طور پر منقطع ہو جائے گی۔ پس اخروی وعدہ شدہ چیزوں کے ظہور کی ابتدا بالکل قریب ہے جبکہ ان کی انتہا بہت دور اور ہر صورت میں کوئی تعجب نہیں ہے ہر کسی کے وقت کی مقدار کو میں نہ جانوں اور اس کے مطابق اس کے بارے میں آخرت کی وعدہ شدہ چیزوں کے قریب یا دور ہونے کا حکم نہ کروں یا نوعِ انسانی کی بقاء کو نہ جانوں اس لیے کہ میں

عالم الغیب نہیں ہوں اور میں اس علم کا مدعی نہیں ہوں جیسا کہ اس سے پہلے جنات میں سے تمہارے معبود کرتے تھے بلکہ میرا پروردگار

عَالِمُ الْغَيْبِ ہے اور اس کے غیر کو یہ علم حاصل نہیں ہے اس لیے کہ غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک سے غائب ہونہ کہ حاضر تا کہ مشاہدہ اور وجدان سے دریافت ہو اور اس کے اسباب اور علامات بھی ان کی عقل و فکر کی نظر میں نہیں آتے تاکہ سوچ اور استدلال کے ساتھ دریافت ہوں اور یہ غیب مختلف ہوتا ہے۔ مادر زاد اندھے کے نزدیک عالم رنگ و بو غیب ہے اور آوازوں، نغموں اور خوش الحانی کا عالم شہادت ہے اور نامرد کے لیے لذتِ جماع غیب ہے اور فرشتوں کے نزدیک بھوک اور پیاس کی تکلیف غیب ہے اور جنت اور دوزخ شہادت ہے لہذا اس قسم کو غیب اضافی کہتے ہیں اور وہ جو سب مخلوقات کی نسبت سے غائب ہے، غیب مطلق ہے جیسے قیامت آنے کا وقت باری تعالیٰ کے ہر روز کے اور شریعت کے احکام کو نبیہ و شرعیہ اور تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حقائق اور اس قسم کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا پس کسی کو اپنے غیب خاص پر اس طرح مطلع نہیں فرماتا کہ اس اطلاع میں تلبیس و اشتباہ اور خطا بالکل اٹھ جائے اور خطا اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور یہی اس طرح اطلاع دینا ہے کہ اسے کسی شخص کو غیب پر مطلع کرنا کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف نجومیوں، طبیبوں، کاہنوں، رمالوں، علم جفر والوں اور فال بینیوں کی اطلاع کے کہ اسباب و علامات ظنیہ یا جنوں اور شیطانوں کی سچ جھوٹ کا احتمال رکھنے والی خبروں کے ساتھ استدلال کے ذریعے ان کا بعض حوادث کو نبیہ کو جان لینا قیاسی اور وہی ہوتا ہے نہ کہ یقینی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ بعض حقائق ذات و صفات یا واقعات کو نبیہ کا الہامی یقینی علم حاصل ہوتا ہے لیکن ہر طرح سے تلبیس و اشتباہ مرفوع نہیں ہوتا تاکہ غیب پر ان کی اطلاع اور اس پر غالب آنا متحقق ہو بلکہ ان پر غیب کا اظہار صورتِ غیبیہ کا ان کے وجدان کے آئینے میں منعکس ہونا ہے اور اسی لیے اس سے عام ذمہ داری متحقق نہیں ہوتی اور وہ خود بھی یقین حاصل کرنے اور اس پر اعتماد کرنے میں کتاب و سنت اور اقسام وحی کی

گواہیوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس غیب پر اظہار کسی کو نہیں دیا جاتا۔ (یہاں قل انما العلم عند اللہ انما انا نذیر مبین (الملک) کا حاشیہ دیکھیں محمد محفوظ الحق غفرلہ)

إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ مَّكَرًا سِجِّينَ فَسَمِعَ مَا نَادَىٰ بِهِ خَلْقًا كَثِيرًا لَا تَأْتِي السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَلَا يَأْتِي الْهَدْيَ لَمَّا كَانَتْ الْأَشْيَاءُ حَافِيًّا وَإِنَّا لَمَّا كُنَّا فِي الْأَشْيَاءِ حَافِيًّا وَإِنَّا لَمَّا كُنَّا فِي الْأَشْيَاءِ حَافِيًّا

ہوتا ہے خواہ فرشتوں کی جنس سے ہو جیسے جبرئیل علیہ السلام خواہ جنس انسان جیسے حضرت محمدؐ موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ اسے اپنے بعض خاص غیوب پر اطلاع فرماتا ہے تاکہ اس غیب کو مکلفین تک پہنچائیں اور اس سے ہر طرح سے تلبیس و اشتباہ دور کر دیں تاکہ خطا اور نادراست ہونے کا احتمال اس کے قریب نہ جائے۔

اور عام مکلفین جنہوں نے معجزہ دیکھ کر انسان رسول علیہ السلام کی تصدیق کی ہو وحی اور ہر معاملے میں اس پر اعتماد کر کے غلطی میں نہ پڑیں اور راہِ حق گم نہ کریں اور اسی لیے وحی نازل کرنے میں نہایت احتیاط کام میں لائی جاتی ہے۔

فَإِنَّهُ يَسْئَلُكُم بِمَا كُنتُمْ فِي الْأَشْيَاءِ غَافِلِينَ وَإِنَّا لَمَّا كُنَّا فِي الْأَشْيَاءِ حَافِيًّا وَإِنَّا لَمَّا كُنَّا فِي الْأَشْيَاءِ حَافِيًّا

فَإِنَّهُ يَسْئَلُكُم بِمَا كُنتُمْ فِي الْأَشْيَاءِ غَافِلِينَ

یَدْبِيهِ اس رسول کے آگے خواہ رسول ملکی ہو یا رسول انسانی اور آگے سے مراد اس کی قوتِ فکریہ، قوتِ وہمیہ اور اس کی قوتِ خیالیہ ہے اور ان کے حاضر موجود طبائع، عادات اور اخلاق۔ وَ مِنْ خَلْفِهِ اور اس رسول کے پیچھے خواہ ملکی ہو یا انسانی اور اس کے پس پشت اس کے حافظہ میں جمع شدہ علوم اور اس کے چھوڑے ہوئے طبائع عادات اور اخلاق چھوڑے ہوئے اور اخلاق رصد اچوکی دار فرشتوں سے تاکہ وحی آنے اور اسے لینے کے وقت اس کی قوتِ فکریہ وہمیہ اور خیالیہ کو سبقت نہ کرنے دیں اور اس کی طبیعت، عادات اور خلق کے تقاضوں کو بند کر دیں تاکہ وحی کے احکام کے ساتھ نہ ملیں اور حفاظت اور چوکی داری اس کے آگے سے ہے اور اس کے جمع شدہ علوم اور متروکہ عادات و اخلاق کو وحی کے ساتھ مخلوط ہونے سے روکیں اور یہ حفاظت اور چوکی داری رسول علیہ السلام کے پیچھے سے ہے۔ پس رسول کو وحی لینے کے وقت سے لے کر پہنچانے تک معطل القوی کر دیتے ہیں کہ اس کی کوئی قوت کسی طرح بھی اس میں دخل نہیں دے سکتی۔

بخلاف اولیائے اللہ اور عارفین کے کہ ان کے غیب پر مطلع ہونے کی حالت میں یہ احتیاط اور چوکی داری نہیں ہوتی اور ان کے فکر و ہم خیال حافظہ اور ذاکرہ کے قوی اور طبائع اور عادات و اخلاق موجودہ اور متروکہ سب اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اور اگرچہ ملکی رسول ان اکثر امور میں اس چوکی داری کے محتاج نہیں ہیں لیکن بعض امور سے احتیاط کی بناء پر جیسے محرکات الہیہ میں سے کسی محرک کو برداشت کرنا کہ جسے جاری کرنا بالفعل حکمت کو منظور نہیں اس کے لیے بھی چوکی داری ضروری ہے اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی وحی لائے آپ کے ہمراہ وحی کی حفاظت کے لیے اور فرشتے بھی ہوتے تھے اور جب سورۃ انعام لائے تو اس کی حفاظت کے لیے ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے تھے اور اس سورۃ کو زیادہ احتیاط کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورۃ پوری کی پوری یا اس کا اکثر حصہ ایک دم اتر اور قابل حفاظت چیز جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر محافظ زیادہ چاہئیں۔ نیز اس سورۃ میں وحی شیطانی کی بعض اقسام کو رد و ابطال کے طریقے سے ذکر کیا گیا ہے اور فرض محال کے طور پر بعض کلمات کفریہ کی حکایت کی گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت جبرئیل ان وساوس شیطانی اور ان کلمات کفریہ کو ان سے انتہائی نفرت کی وجہ سے حافظہ سے دور کر دیں اور وحی کی مقدار میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔

ایک قوی اعتراض

یہاں ایک قوی اعتراض ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب خاصہ پر اطلاع دی گئی اور رسول کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان خاص غیب کو دوسروں تک پہنچائیں۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص بے فائدہ اور خلاف واقع ہوئی۔ نیز یہ ساری احتیاط وحی کے پہلے واسطے میں کافی ہے جو کہ ملکی رسول ہے اور اگر دوسرے واسطے میں جو کہ انسانی رسول ہے میں بھی اس احتیاط کی رعایت کی جائے تو چاہیے کہ دوسرے واسطوں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم علمائے کرام اور مفسرین میں بھی اس کی رعایت کی جائے تاکہ نقل الفاظ اور وحی کی مراد سمجھنے میں خطا واقع نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیب پر اطلاع ملکی رسول اور انسانی رسول کے حق میں خاص ہے لیکن عام مکلفین کا علم معجزے کی تصدیق کی وجہ سے وحی استدلالی کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اطلاع علی الغیب کے قبیلے سے۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص واقع کے مطابق ہے اور اس کا اعتبار ضروری ہے اور وحی نازل کرنے میں احتیاط کی رعایت اس وقت تک ہے جب تک کہ رسول کی طرف سے اس کی تبلیغ عدد تواتر کے ساتھ واقع نہ ہو اور رسول نے عدد تواتر کے ساتھ اسے پہنچا دیا، تلمیس و اشتباہ کا خوف نہ رہا اور فہم مراد میں ساری امت کا مجموعی حیثیت سے خطا سے بچنا درکار ہے نہ کہ ہر ہر فرد کا بچنا اور دوسرا رسول جو کہ انسان ہے ابھی مراتب غیب کے وسط میں واقع ہے اس لیے کہ اس تک پہنچنے کے بعد بھی وحی غیب سے شہادت نہیں بنی اور عام مکلفین کو اس تک وحی پہنچنے کا احساس اور مشاہدہ نہیں ہوا۔ احتیاط کے مرتبوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا کس طرح جائز ہوگا کہ اس کے علوم مخزونہ فکر خیال اور عادت کے تقاضے برقرار ہیں ہاں اس کے بعد کہ اس نے عدد تواتر کے ساتھ تبلیغ کر دی تو وحی بالکل ظاہر ہوگئی اور احتیاط کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ فرمایا:

لِيَعْلَمَ تَا كَ ظَاہِر كَر دے میرا پروردگار اور یہاں لام بمعنی حتی ہے اس لیے کہ غرض اور غایت کے درمیان قوی مناسبت ہے ایک کا لفظ دوسرے کے لیے بطور استعارہ لانا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ لفظ حتی کو جو کہ غایت کے لیے موضوع ہے، تعلیل اور بیان کے مقام میں اکثر استعمال کرتے ہیں جبکہ لام کو جو کہ غرض کے لیے موضوع ہے، بیان غایت کے مقام میں گرچہ بطریق مجاز سہی استعمال کرتے ہیں جیسے اور لدوا للموت و ابنو للمخراب اور جیسے فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا اور حاصل کلام یہ ہے کہ یہ احتیاط اور چوکی داری کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ میرے پروردگار کا حالی علم جو واقع ہونے والی چیزوں کے ساتھ ان کے وقوع کے وقت متعلق ہوتا ہے، تعلق قبول کرے۔

أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِ رَبِّهِمْ كَه تَحْقِيقِ اس رسول ملکی اور رسول انسانی اور چوکی داروں نے اپنے پروردگار کے تمام پیغامات پہنچا دیئے اور عام مکلفین پر حجت لازم ہوگئی

اور گزشتہ کلام میں رسول کے صیغہ مفرد کے باوجود یہاں جمع کا صیغہ وارد کرنا اسی لیے ہے کہ اکثر اوقات نزول وحی اور اسے مکلفین تک پہنچانا ملکی اور انسانی رسولوں اور چوکی داروں کی جماعت سب کے دخل سے ہوتا ہے۔ گو اس کا حامل صرف رسول ہو جیسے اس کھانے کا تھال جو بادشاہ اپنے مقربین کے لیے بھیجتا ہے اسے اٹھانے والا ایک ہوتا ہے اور دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی کہ اس میں کیا ہے لیکن مشعل بردار اور محافظ ضرور ہمراہ ہوتے ہیں اور اس کا پہنچانا ان سب کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

وَاحْطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور ان کے پروردگار نے اس سب کا احاطہ فرمایا ہے جو کچھ ان کے پاس علوم مخزونہ، اخلاق، عادات اور احکام وحی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا رسولوں اور وحی کے چوکی داروں کے احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ذہنی اور خارجی موجودات کو عام ہے۔

وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے حتیٰ کہ دریا کی موجوں، بیابان کی ریت، درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں کے شمار کو جانتا ہے تو اس سے کیا بعید ہے کہ اس نے رسولوں اور وحی کے محافظوں کے احوال کا احاطہ کر رکھا ہو۔

صاحب کشف کارو

یہاں جاننا چاہیے کہ صاحب کشف نے معتزلی ہونے کی بناء پر اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ وفی هذا ابطال الکرامات لان الذین تضاف الیہم وان کانوا اولیاء مرتضین فلیسوا برسول الخ یعنی یہاں کرامات کا ابطال ہے کیونکہ جن کی طرف منسوب ہوتی ہیں اگرچہ منتخب اولیاء ہوں رسول نہیں ہیں لیکن دانش مندی کے دعوے کے باوجود یہ بات اس سے حقیقت سے بہت بعید واقع ہوئی ہے اس لیے کہ یہ آیت غیب پر اطلاع کی نفی اس انداز سے کہ تلبیس و اشتباہ رفع ہو جائے رسولوں کے غیر سے کرتی ہے نہ کہ مطلق غیب پر اطلاع کی نفی چہ جائیکہ دوسری کرامات کو باطل کرے اور تشبیہ میں گزرا ہے کہ کسی شخص کی غیب پر اطلاع اور چیز ہے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنا اور بات ہے اس کی نفی سے اس کی نفی لازم نہیں آتی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ غیب پر

اطلاع حاصل نہیں ہے لیکن ان پر غیب کا اظہار جائز اور واقع ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے بارے میں سورہ قصص میں منصوص ہے کہ اِنَّا رَاٰوْهُ اِلَیْكَ وَجَا عَلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

اسی لیے اکثر علمائے اہل سنت وجماعت کہ جنہوں نے کسی شخص کے غیب پر مطلع ہونے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنے کا فرق نہیں کیا ہے کہتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد احکام شرعیہ ہیں جن کی عام مکلفین پر ذمہ داری ہوتی ہے اور اگر غیب سے مطلق غیب مراد ہو تو لازم آئے کہ صرف نبی کو جیسے حضرت خضر علیہ السلام کسی غیب پر اطلاع حاصل نہ ہو اس لیے کہ آیت میں علم غیب کا حصر لفظ رسول پر فرمایا اور نبی سے رسول زیادہ خاص ہوتا ہے۔ ہاں جدید احکام شرعیہ پر اطلاع دینا رسول کا خاصہ ہے کہ نبی میں یہ اطلاع نہیں پائی جاتی۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے حصر اصالت کی پابندی کے اعتبار سے ہے یعنی اصالت کے طور پر غیب پر اطلاع پیغمبروں علیہم السلام کا خاصہ ہے جبکہ اولیائے اللہ کو غیب پر اطلاع وراثت اور تبعیت کے طریقے پر حاصل ہوتی ہے جیسا کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل شدہ ہے اور کسی چیز کا حصر اس چیز میں کہ بالاصالت ہو اور اس چیز کی اس چیز سے نفی جس میں کہ تبعیت و وراثت کے ساتھ ہو ایک متعارف اور مشہور مجاز ہے تاویل میں داخل نہیں ہے۔

اور اہل سنت کے بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ غیب سے مراد لوح محفوظ ہے اور لوح محفوظ پر پیغمبروں کے سوا کسی کو اطلاع حاصل نہیں ہوتی لیکن اس کلام میں بہت خلل ہیں اس لیے کہ پہلے تو لوح محفوظ پر اطلاع اس لوح اور اس کے نقوش کے مطالعہ کے معنوں میں طریق صحیح سے مروی نہیں ہے کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ہوئی ہو بلکہ اخبار صحیحہ میں اس امر کا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا مروی اور ثابت ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام رسول نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوح پر اطلاع سے مراد نفس الامری موجودات پر اطلاع ہے

جو کہ ان موجودات کے خارج میں ظہور سے پہلے حاصل ہو۔ گولوح کے نقوش کے مطالعہ کے ساتھ ہو یا مطالعہ کے بغیر اس لیے کہ کتاب پر اطلاع سے مراد اس کتاب میں لکھے ہوئے مضامین پر اطلاع ہوتی ہے نہ کہ نقوش دیکھنا اور یہ معنی اولیائے اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے تو دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ نقوش دیکھنے کے مطالعے کے ساتھ لوح محفوظ پر اطلاع بھی بعض اولیائے اللہ سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ پس اختصاں اور حصر صحیح نہ ہوگا اور اس کے علاوہ غیب کو لوح محفوظ پر محمول کرنا آیت کے سیاق و سباق کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں رکھتا۔ پس اصل وجہ وہی ہے جو تفسیر میں گزری۔

سورة المزمل

مکی ہے اس کی بیس (۲۰) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ الجن کے ساتھ رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ جنات کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر ہدایت پا گیا اور انہوں نے ذات صفات الہی کے ضروری عقائد مکلفین کا صالح اور بد بخت دو قسموں میں منقسم ہونا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بالمشافہ سوال و تفتیش کے بغیر معلوم کر لیا اور یقین حاصل کیا۔ پس اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ رات کے وقت خلوت میں کہ لوگ حاضر نہ ہوں چاہیے کہ آپ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوں اور اس کے الفاظ اور حروف کو بلند آواز کے ساتھ صاف صاف پڑھیں تاکہ اس سراپا ہدایت کلام سے عالم غیب والے بھی بہرہ ور ہوں جس طرح کہ ہر روز اس سے آدمی نفع حاصل کرتے ہیں تو آپ کو رسول الثقلین کا مرتبہ حاصل ہو اور اس کلام کی تلاوت کے اوقات کی تقسیم کچھ اس طرح مقرر کیجیے کہ انسانی مخلوق کو جو کہ ظاہر ہے ظہور کے وقت جو کہ دن ہے یہ کلام سنائیں اور جنوں کی مخلوق کو جو کہ پوشیدہ اور پردہ نشیں ہیں تاریکی کے پردے کے وقت جو کہ رات ہے یہ کلام سنائیں اس لیے کہ جنات کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر رات میں ہوتا ہے جبکہ آدمیوں کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر دن میں ہوتا ہے۔

نیز اس سورۃ میں ذکر فرمایا گیا کہ نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کفار اژدہام اور شور و غوغا کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو بہت پریشان کرتے تھے کہ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَاذِبًا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا اور عبادت اور تلاوت کا فائدہ جو

کہ مناجات کی تلاوت پانا اور درجات قرب کی ترقی ہے ان کے ہجوم کی وجہ سے متحقق نہیں ہوتا تھا، ناچار اس سورۃ میں اس وقت کا پتہ دیا گیا جبکہ کفار فساق بلکہ اکثر لوگ خوابِ غفلت میں مردوں کی طرح پڑے ہوتے ہیں اور اس وقت تشویش بالکل رونما نہیں ہوتی۔

سورۃ المزمل کی ماقبل سے مناسبت

اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مختلف مضامین اور ان میں مستعمل الفاظ میں بھی مناسبت حاصل ہے یہاں قیامت کے دن آسمان پھاڑنے کا ذکر ہے جبکہ وہاں دنیا میں آسمان کی حفاظت اور چوکی داری کا ذکر ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ کے ذکر کا حکم فرمایا گیا ہے۔ **وَإِذْ كُنَّا نَسْتَدْعِي رَبَّنَا** جبکہ وہاں اس شخص کی مذمت ہے جو ذکر خدا سے روگردانی کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا **وَمَنْ يَعْزُضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا** یہاں بنی آدم کے علم و قدرت کی کمی ان لفظوں سے ارشاد فرمائی۔ **عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ** جبکہ وہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم و قدرت کا کمال اس عبارت میں ادا فرمایا **وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** اس کے علاوہ اور مناسبتیں ہیں جو کہ غور و فکر کے بعد واضح ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کا نام سورۃ مزمل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں خرقہ پوشی کے لوازمات اور اس کی شرائط بیان فرمائی گئی ہیں۔ پس یہ سورۃ اس کے لیے ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے آپ کو ان کے رنگ میں ڈھالے اور لغتِ عرب میں مزمل اسے کہتے ہیں جس نے وسیع سا کپڑا اپنے اوپر لپیٹا ہوا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ نے چودہ (۱۴) ہاتھ کا ایک لمبا کبیل رات کے قیام کے لیے مہیا کر رکھا تھا جب نماز تہجد اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اٹھتے تو وہ کبیل اوڑھ لیتے تاکہ ہوا کی سردی سے بچاؤ بھی ہو جائے اور کپڑا لپیٹنے کی وجہ سے نماز اور وضو کی حرکات و سکنات میں رکاوٹ بھی نہ ہو۔ پس اس کبیل کو جو کہ عبادت کے لیے مقرر تھا اپنے اوپر لپیٹنا گویا اشارہ ہوتا تھا کہ میں عبادتِ مولیٰ کی راہ میں داخل ہوا اور میں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا جس طرح کمر

باندھنا اور اسلحہ اٹھانا سپاہی گری کی اور قلم دان اور کاغذ سنبھالنا منشی گری کی علامت ہے ناچار ارشاد ہوا کہ اس لباس کی سات شرائط ہیں۔

خرقہ پوشی کی سات شرائط

پہلی شرط شب بے داری اور تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کا عظیم مجاہدہ دوسری دن کے اوقات کو مالک کی اطاعت سے آباد رکھنا تیسری نام خدا کا ذکر ہمیشہ کرنا چوتھی علاقہ دنیا سے قطعی تعلق ترک اور تجدید یا نچویں مالک کی کارسازی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا اور خود کو کوئی دخل نہ دینا چھٹی مخلوق کی جفا پر صبر کرنا ساتویں اہل دنیا کی خیر خواہی کے باوجود ان کی صحبت کو ترک کرنا کہ بہت مشکل ہے اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ میں منزل سے خطاب فرمایا گیا ہے تاکہ اس بات کا اعلان ہو کہ یہ لباس اختیار کرنے سے آپ کے ذمہ یہ کام مقرر ہو گئے جیسا کہ اس شخص کو جو کمر بستہ ہو کر اور ہتھیار اٹھا کر جنگ کے لیے تیار ہو کر آئے کہتے ہیں کہ اے ہتھیار پہننے والے! تجھے چاہیے کہ تو فلاں مورچے میں رہے اور یوں یوں کوشش کرے یعنی اسلحہ پہننا اس کام کا تقاضا کرتا ہے اگر تو ہتھیار نہ پہنتا تو میں تجھے یہ کام نہ کہتا اب تجھے ہتھیار پہننے کی شرم دامن گیر ہوگئی اس سے دل نہ چراتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا الْمَزْمِلُ اے اپنے آپ پر ریاضت کا لباس کپٹنے والے! اس لباس کا حق

بجالا اور سب سے لذیز چیز جو کہ نیند ہے عبادت کی مصروفیت میں چھوڑ دے۔

قَدْ اللَّيْلَ اُٹھینے اور ہر رات کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ اِلَّا قَلِيْلًا مَّكَر تھوڑی سی

راتیں جو کہ بیماری سفر اور ان دنوں کی راتیں ہیں کہ جن میں آپ نے مشقت اور

تھکاوٹ کے کام کیے ہوں جیسے کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی اصلاح معاشرہ کسی مظلوم کو

کسی ظالم کے پنجے سے چھڑانا اور اس قسم کے مشقت طلب کام اور شب بے داری کی

طاقت نہ رہے کہ ایسی راتوں کی تہجد ساقط ہو جاتی ہے اور صرف نفل ہو جاتی ہے اور تاکید

اور پابندی نہیں رہتی اور اسی طرح اس قسم کے عذروں میں قیام کرنا بھی ساقط ہو جاتا ہے

اگر چاہے تو نماز تہجد بیٹھ کر ادا کرے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر مبارک کے آخری سال نماز تہجد بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اور اس صورت میں احتمال ہے کہ اِلَّا قَلِيلًا قِيَامِ لَيْلٍ كِي مَخْدُوفٍ طَرْفٍ سِے استثناء ہو یعنی قَمَدٌ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ فِي جَمِيعِ عَمْرِكَ اِلَّا زَمَانًا قَلِيلًا هُوَ كِبَرُ السِّنِّ وَضَعْفُ الْبَدَنِ فَلَا بَأْسَ بِالْقَعُودِ يَعْنِي سَارِي زَنْدِغِي صَلَاةِ لَيْلٍ كَهْرَءِ هُوَ كَرَادَا كَرِيں مَكْرُوهُ تَهْوِزًا سَا زَمَانَهُ جُو كَه بَرَّهَا يَا اُوْر جَسْمَانِي كَمْزُورِي هِي تُو بِيْطْنِي فِي كُوْنِي حَرْجٍ نَبِيں۔

لیکن چاہیے کہ رات کی نماز میں یہ کھڑا ہونا بہت تھوڑا نہ ہو کہ جذب الی اللہ اور حاضری اور مناجات کی اہلیت حاصل کرنے میں کوئی قابل قدر اثر نہ کرے اس لیے کہ عمل قلیل کسی طرح کا بھی ہو روح اور دل کو اپنی کیفیت میں متکلیف نہیں کرتا بلکہ آپ نماز میں کھڑے رہیں۔

نِصْفَةُ نِصْفِ رَاتٍ اِگْر رَجَبٍ اُوْر خَرِيْفِ كِه مَعْتَدَلِ اَيَامِ هُوں اِس لِي كِه اَدْمِي رَاتٍ اِن دِنُوں مِيں دِن رَاتِ كِه پُوْرے دُوْرے كَا چُوْتھَا ئِي حَصْرَ هِي اُوْر خَوَامِ وَتَا ثِيْر مِيں رَاتِ كِه چُوْتھے حَصْرَ كُو اِس رَاتِ كَا حَكْمُ هِي۔ پَس اَتْنِي مَقْدَارِ كِه مَجَاهِدِي كِي وَجْهَ سِي رَاتِ اُوْر دِنِ كِه كَمَلِ دُوْرے مِيں اِس كَا اَثْرُ رُوْحِ مِيں بَاتِي رَهِي كَا اُوْر وَه حَضُورِي اُوْر مَنَاجَاتِ كِي كَيْفِيَّتِ سِي مَتَكَلِيْفِ رَهِي كَا اُوْر مَعْنَوِي قُرْبِ وَ اِمْمَا حَاصِلِ هُو كَا اِس مُخْتَصِ كِي طَرْحِ جِنِي پُوْرے دِن رَاتِ مِيں دُو پُھروں كِي مَقْدَارِ اِنِي مَحْبُوْبِ اُوْر مَطْلُوْبِ كِه سَا تَه مَحَبَّتِ اُوْر اِهْمِ كَلَامِي اُوْر مَخَاطَبِ هُوْنِي كَا مَوْقِعِ مَلِي كِه وَه دِن رَاتِ كِه آٹھ پُھر تِك اِس كِي لَذَّتِ نَبِيں بھولنا اُوْر اِس كِي كَيْفِيَّتِ سِي لَبْرِيْزِ رَهْتَا هِي اُوْر اِگْر اِسِي يِه مَوْقِعِ اِيكِ سَاعَتِ يَا اِيكِ لَحْه كِه لِي كِه نَصِيْبِ هُو تُو پِيَا سِ اُوْر بِي قَرَارِي زِيَادَه هُو جَاتِي هِي اُوْر اِس آتَشِ كِي تَسْكِيْنِ مِيں بِاَكْلِ مَفِيْدِ نَبِيں پڑتا اِسِي قِيَا سِ پَر شَدِيْدِ پِيَا سِ كِه وَقْتِ تَهْوِزِ اِسَا پَانِي پِيْنَا اُوْر سَخْتِ بھوكِ كِه وَقْتِ تَهْوِزِ اِسَا كَهَانَا اِسْتِمَالِ كَرْنَا هِي۔

اَوَانْقُصُ مِنْهُ قَلِيْلًا يَا اَدْمِي رَاتِ سِي كُحْمُ كَمِ دِيں تَا كِه رَاتِ كِه تِيْرِي كِه جِي تِك آجَائِي اِگْر مَوْسِمِ سَرْمَا هُو كِيُوْنَكِه رَاتِ كَا فِى طَوِيْلِ هُوْتِي هِي اُوْر اِس كَا تِيْرَا حَصْرَ دِنِ

رات کے دورے کا تقریباً چوتھائی ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختیار دینا طبیعت کی چستی اور سستی کی رعایت کرنے کے لیے ہوتا کہ اگر طبیعت میں پوری طاقت اور چستی ہو تو نصف سے زیادہ کر دیں اور یہ کیفیت درمیانی ہو تو نصف شب پر اکتفا کریں اور اگر قوت اور نشاط میں کسی وجہ سے خلل پڑ جائے تو تیسرے حصے تک پہنچائیں اس لیے کہ اس عبادت کی بنیاد دلی نشاط اور رغبت پر ہے جیسا کہ مسئلہ تہجد کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا فطر فلیقعد اس وقت تک یہ نماز پڑھو جب تک طبیعت حاضر اور خوش باش ہے جب سستی ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔

نیز وارد ہے کہ تہجد کی ادائیگی کے وقت جب تم میں سے کسی پر نیند غلبہ کرے تو چاہیے کہ سو جائے اور نماز فی الحال چھوڑ دے کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کے غلبے کے وقت اچھی دعا کی بجائے اس کی زبان پر بددعا آ جائے یا قرآن پاک کی تلاوت کے بجائے کفر و فسق کا کوئی کلمہ نکل جائے۔ نیز وارد ہے لا تکابدوا اللیل یعنی دلی ملال کے ساتھ شب بے داری کی بے فائدہ مشقت اور تکلیف نہ اٹھاؤ اس لیے کہ ملال کے ساتھ کی گئی عبادت اچھا نتیجہ نہیں دیتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اختیار دینا اس لیے ہے کہ رات کے حقیقی نصف کو معلوم کرنا اور اتنی مقدار کو کمی بیشی کے بغیر نماز تلاوت اور ذکر میں مصروف رکھنا انسانی ہمت سے باہر ہے۔ خصوصاً جہاں ساعت پہچاننے کے آلات موجود نہ ہوں۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ اس راہ کے طالب کے لیے دراصل نصف رات کی بے داعی ضروری ہے لیکن جب تحقیق کے ساتھ نصف شب کو معلوم نہیں کیا جاسکتا تو اتنی وسعت کر دی گئی کہ اگر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور سورۃ کے آخر سے معلوم ہوگا کہ کم از کم حد ایک تہائی ہے اور زیادہ سے زیادہ دو تہائی اور جب مدت مجاہدہ کے بیان سے فراغت ہوئی اب اس عمل کی بابت ارشاد ہوتا ہے جو اس مدت میں کرنا چاہیے کہ

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا اور نماز میں کھڑے ہو کر قرآن کی اچھی طرح ترتیل کریں اور لغت میں ترتیل روشن اور واضح کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

ترتیل قرآن کا شرعی تصور

اور شرع شریف میں قرآن پاک کی تلاوت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں تاکہ کمال ترتیل حاصل ہو۔ پہلی چیز حروف کو صحیح کرنا کہ ضاد کے بجائے ظا اور طا کی جگہ تانہ نکلے دوسری چیز وقف اچھی طرح کرنا کہ وصل اور کلام کا قطع کرنا بے موقع واقع نہ ہو اور کلام الہی کی صورت تبدیل نہ ہو تیسری چیز حرکات کا اشباع یعنی ضمہ، فتح اور کسرہ کو ایک دوسرے سے اس طرح امتیاز دینا کہ اشتباہ نہ رہے چوتھی چیز آواز کو کچھ اونچا کرنا تاکہ قرآن پاک کے الفاظ زبان سے قوت سامعہ پر وارد ہوں اور وہاں سے دل تک پہنچیں اور مطلوبہ کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت دل میں پیدا کریں جیسے شوق، ذوق، خوف اور ڈر، پانچویں چیز آواز کو اچھا کرنا یعنی خوش آوازی اور اسے درد مند بنانا تاکہ مطلوبہ تاثیر جلد حاصل ہو اس لیے کہ جب کوئی مضمون اچھی آواز کے ساتھ ملتا ہے تو روح کے اس آواز کے ساتھ لذت حاصل کرنے کی وجہ سے اس مضمون کی زود اثر کشش قوی روح تک پہنچتی ہے اسی لیے طبیعوں نے کہا ہے کہ جب بھی کسی دوائی کی کیفیت دل تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو کسی خوشبو کے ساتھ ملا کر کھلانا چاہیے کیونکہ دل خوشبوؤں کو جذب کرنے والا ہے اس لیے اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلد ہی جذب کرنے لگے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی دوا کو جگر تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو شیرینی کے ساتھ ملا کر دینا چاہیے جگر مٹھاس کا عاشق ہے۔

چھٹی چیز مواقع کے مطابق شد اور مد کا خیال رکھنا کہ ان کی رعایت کی وجہ سے کلام کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں امداد و اعانت کرتی ہے ساتویں چیز اگر قرآن پاک میں کسی خوف ناک اور ڈرانے والے امر کے متعلق سے توڑک جائے اور خدا تعالیٰ کی پناہ لے اور اگر مطلوب و مقصود امر سے توڑک جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنے لیے وہ مقصد طلب کرے اور اگر قرآن پاک میں کسی دعا یا ذکر کی تعلیم دی گئی ہے توڑک جائے اور وہ دعا یا وہ ذکر کم از کم ایک بار زبان پر لائے۔

اور ترتیل میں ان ساتوں چیزوں کا صرف ایک چیز کے لیے اعتبار کیا گیا ہے کہ

مقصود بالذات وہی ہے یعنی تدبر اور فہم جو کہ ان سات چیزوں کے بغیر نہ خود کو حاصل ہوتا ہے نہ سامع کو اور اس کے بغیر شعر خوانی کی طرح تلاوت قرآن پاک کا فائدہ مرتب نہیں ہوتا اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے لا تنثروه نثر الدمل ولا تھذوہ کھذا لشعر قفوا عند عجائبہ حرکوا بہ القلوب ولا یکن ہم احدکم آخر السورت یعنی الفاظ قرآن کریم کو اپنی زبان سے اس طرح نہ پھینکو جیسے کھجوریں پھینکتے ہو اور قرآن پاک کو اس طرح مسلسل نہ پڑھتے جاؤ جیسے شعر پڑھتے ہو۔ عجائب قرآن کے نزدیک رُکوع اور اس کے ساتھ اپنے دلوں کو حرکت دو اور اس کی فکر نہ کرو کہ سورۃ کا اختتام کب ہوگا تاکہ اسے جلد پورا کروں۔

حضور علیہ السلام کا اندازِ تلاوت

اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت کیسے فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ حرکات کو دراز فرماتے تھے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرأت قرآن پاک میں آواز کو لمبا کرنا نقل فرمایا ہے اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آیت پاک کا نماز تہجد میں تکرار فرماتے رہے إِنَّكَ إِن تُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

اور اسی لیے علمائے اُمت نے فرمایا ہے کہ قرأت قرآن میں تدبر کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ ہر خطاب اور ہر واقعہ میں خود کو مخاطب سمجھے اور تدبر کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس میں متکلم کی صفات اور اس کے افعال کا مشاہدہ کرے اور اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ اس کلام کو بارگاہِ حق سے بلا واسطہ سنے۔

سلوک الی اللہ کا مفہوم

اور یہاں جاننا چاہیے کہ سلوک الی اللہ اپنے پاس اس کی حضوری کو طلب کرنا ہے

اور چونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جسمیت اور اس کے لوازم سے پاک ہے اس کی حاضری تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ پہلا طریقہ تصور جسے عرف شرع میں تفکر اور اہل سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ اور نگرانی کہتے ہیں دوسرا ذکر اور تیسرا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور چونکہ پہلا طریقہ بھی درحقیقت ذکر اور یاد قلبی ہے اس لیے ذکر کو بھی اس طریقے میں شامل کرتے ہیں اور ذات حق کی حاضری طلب کرنا دو طریقوں میں منحصر مانتے ہیں ذکر اور تلاوت لیکن ذکر جو کہ لسانی اور قلبی ذکر کو شامل ہے بے واسطہ یا کسی لفظ کے واسطے سے جو کہ ذات حق پر دلالت کرتا ہو ذہن کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موجب ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ ہوگئی تو اس کی حاضری ہوگئی اور جب اس حاضری کا دام نصیب ہو جائے تو صحبت اور ہم نشین ہونے کا حکم حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات بشری صفات پر غالب آ جاتی ہیں اور افعال حق سبحانہ و تعالیٰ بندے کے افعال پر حاکم ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اجبته فاذا اجبته کنت سبعة الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہا ورجلہ الذی یشی بہا کہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اقول وبالله التوفیق اسی لیے اولیائے اللہ ذور کی سن لیے ہیں اور مشرق و غرب تک مشاہدہ فرماتے ہیں اور اطراف و اکناف عالم میں دست گیری فرماتے ہیں اور پہنچتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث شریف کے تحت لکھا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لیکن قرب حاصل کرنے کا یہ طریقہ ذات حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریقے سے مخلوقات میں سے کسی کا قرب حاصل کرے ممکن اور دستور نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا قرب حاصل کرنے میں متغرب الیہ کو دو چیزیں چاہئیں۔

ایک تو مکانوں، زمانوں، مرتبوں اور زبانوں کے مختلف ہونے کے باوجود ذکر کرنے والوں کے قلبی اور لسانی اذکار کا علمی طور پر محیط ہونا تاکہ ہر ذکر کرنے والے کے قلبی اور لسانی ذکر کو معلوم کرے۔ دوسری چیز نزدیک ہونے اس کے ذہن میں داخل ہونے سے پر کرنے اور اس کی صفت کا حکم پیدا کرنے کی قوت جسے عرف شرع میں دنو، تدلی، نزول اور قرب کہتے ہیں اور یہ دونوں صفات حق تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں، کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں پہلا امر ثابت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسی اعتقاد کے ساتھ ان سے استعانت کرتے ہیں لیکن یہ عام نہیں اور درحقیقت وہ شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ اس شبہ کو یہاں بیان کرنا موضوع سے علیحدہ ہے اور انہیں دو امور سے سلوک کا کاروبار پورا ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ بندہ پروردگار کے نزدیک ہو۔

اور انہیں دو امور کی طرف ایک حدیث صحیح میں اشارہ فرمایا گیا ہے جسے محدثین کتاب السلوک والتقرب الی اللہ کی ابتدا میں وارد کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے قریب ہوں جو میرے متعلق رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرنے میں اس کے ساتھ ہوں۔ نیز ایک دوسری صحیح حدیث شریف میں ہے جسے محدثین کتب سلوک کے سرفہرست ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیہ باعاً و من اتانی یشی اتیتہ ہرولہ یعنی جو ایک باشت بھر میرے قریب ہو، میں ایک گز بھر قرب عطا کرتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہو، میں دونوں بازوؤں کے دائیں بائیں پھیلاؤ کے درمیانی فاصلے تک اسے قرب عطا کرتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آئے، میں اسے پوہ چال کے انداز کے سے یعنی تیز رفتاری سے قرب عطا فرماتا ہوں۔

پس یہ ذات حق عز و علا کا خاصہ ہے کہ اپنے یاد کرنے والے کی طرف نزول فرماتا

ہے اور نزدیک ہوتا ہے اور اس کے ذہن کو پُر کرتا ہے اور اس کے باطنی لطائف پر غالب آ جاتا ہے اور اس واقعی حقیقی تدلی کی وجہ سے روح آدمی کی روح ہو جاتا ہے اور روح کو جو بدن سے نسبت ہے اس تدلی کو اس کی روح کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری مخلوقات گرچہ روحانیات ہوں پہلے تو علم محیط نہیں رکھتیں کہ ہر ذکر کرنے والے کے ذکر پر مطلع ہوں دوسرے ذکر کرنے والے کی روح پر دائمی غلبہ نہیں پاسکتیں کہ انہیں ایک حالت دوسری حالت سے غیر متوجہ کر دیتی ہے جبکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے غیر متوجہ نہیں کرتی۔

تلاوت قرآن پاک کے موجب قرب ہونے کی وجہ

رہی تلاوت کلام پاک تو وہ اس وجہ سے قرب خداوندی کا موجب ہوتی ہے کہ اس کلام کے الفاظ اس کے معنوں پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت تک کلام نفسی کا خلعت پہنے اس کی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت ہو گئے تھے۔ پس وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت کو تلاوت کرنے والے کے ذہن کے نزدیک کر دیتے ہیں اور ایک قسم کے امتزاج اور اتحاد کے ساتھ وہ صفت ذاتیہ تلاوت کرنے والے کی صفت بن جاتی ہے کیونکہ یہ مرتب ہونے والے معانی اس کے ذہن میں قائم رہتے ہیں جس طرح کہ وہ الفاظ اسی طرح سے تلاوت کرنے والے الفاظ ہو جاتے ہیں اور اس قسم کا قرب حاصل کرنا حق جل شانہ کی ذات پاک کا خاصہ نہیں بلکہ ہر صاحب کلام کے ساتھ اس کے کلام کو بار بار پڑھنا اور اس کے کلام کے معنوں پر ذہن میں ہمیشہ پوری توجہ کرنا اس قسم کا قرب حاصل کرنے کا موجب ہو جاتا ہے اور نفس محکم کے بعض نشانات بندہ میں مترشح ہوتے ہیں جیسا کہ مثنوی اور اولیائے اللہ کے دوسرے ملفوظات اور منظومات بلکہ عوام اور فساق کے اشعار پڑھنے میں ان کے نفوس کے اثرات اور کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اگر اشعار اچھے تو اثر اچھا ورنہ بُرا۔ فرق یہ ہے کہ دوسروں کے کلام پڑھنے سے وہی نفسانی کیفیات منتقل ہوتی ہیں جو کہ لباس کلام میں ظاہر تھیں اور بس جبکہ کلام الہی پڑھنے میں ان کیفیات کے ساتھ ساتھ دلو اور قرب ذاتی بھی رونما ہوتا ہے

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ علم محیط رکھتا ہے اور دنوں مدلی اور قرب کی قدرت بھی۔ پس ذکر کرنے والوں کے بارے میں جو کرم فرماتا ہے تلاوت کرنے والوں کے بارے میں بطریق اولیٰ کرم فرماتا ہے اور اسی لیے اس سورۃ میں کلام اللہ کی ترتیل کو ذکر پر مقدم فرمایا ہے۔

نیز قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت حق تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ پس تلاوت ذکر کے فوائد بھی رکھتی ہے اور پیرو مرشد اور استاذ کے فوائد بھی اس لیے کہ صفت الہیہ کے ساتھ موصوف ہونا اور اس کی جبل متین کے ساتھ وابستگی تلاوت قرآن کریم کا نقد فائدہ ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ الفاظ قرآن پاک کو نحو صرف معانی بیان بدیع اور اس صفت کی حقیقت پر توجہ کرنے سے روکنے والے فتون کی طرف متوجہ ہونے کی آلائش سے جدا کرنا بہت مشکل ہے کچھ دیر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف ذکر کے الفاظ یا صورت فکریہ کے کہ جدا کرنے کے اتنے محتاج نہیں ہیں اور یہیں سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے قول کا راز واضح ہو گیا کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کلام اللہ میں مشغول شخص زیادہ فضیلت والا ہے یا ذکر کرنے والا؟ فرمایا کہ ذکر کرنے والے کو وصل جلدی نصیب ہوتا ہے لیکن زائل ہونے کا خوف بھی ہے جبکہ تلاوت کرنے والے کو وصل دیر سے حاصل ہوتا ہے لیکن زوال کا خطرہ نہیں ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کو کلام الہی کی تلاوت میں ایک اور بہت ہی عمدہ فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں علم غیب حاصل کرنے میں بہت عظیم مدد حاصل ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ سننا کہ بار بار زبان سے کان تک پہنچتی ہے اور وہاں سے دل تک ان پر نزول وحی کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اس شخص کی طرح کہ جس نے کسی نفع یا ضرر پہنچنے کے وقت سخت صدمہ اٹھایا ہو وہ نفع یا ضرر جتنا بار بار تکرار کرے گا وہ صدمہ اس پر آسان ہو جائے گا اس کا راز یہ ہے کہ نزول وحی خدمت لینے کے طور پر ارواح ملکیت کی کیفیت کو مختلف مقامات سے ساتھ لاتا ہے اور وہ ملی جلی کیفیت اچانک پیغمبر علیہ السلام کے قلب و اعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ حکم بشریت کی وجہ سے وہ اسے برداشت کی قوت نہیں رکھتے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں

اور پسینہ آ جاتا ہے اور جب دوسری مرتبہ وہ پیغمبر علیہ السلام اس کلام کی تلاوت کرتے ہیں وہی کیفیت پھر ان کے قلب و اعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ تیسری مرتبہ بھی اور چوتھی مرتبہ بھی حتیٰ کہ وہ اس کیفیت کو برداشت کرنے کے خوگر ہو جاتے ہیں اور تکلیف کا احساس نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور ترتیل کے حکم کے مقام میں اسی فائدے کو علت قرار دے کر ارشاد فرمایا کہ

إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا تَحْقِيْقَ عُنُقَرِيْبٍ هِمَّ آتٍ بِرَآئِكُمْ نَهَائِيْتُمْ كِرَامًا اُوْر
دشوار کلام اتاریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد ہم آپ پر پے در پے قرآن نازل
کریں گے۔ پس خود کورات کی عبادت اور نازل شدہ قرآن کی تلاوت کے انوار کے
ساتھ اس بہت عظیم فیض کو قبول کرنے کے لیے مستعد کیجیے۔

حضور علیہ السلام پر قرآن پاک کی گرانی اور دشواری کے مواقع

قرآن پاک کی گرانی اور دشواری ایک تو اس کے نزول کے وقت تھی کہ حضور علیہ
السلام نزولِ وحی کے آغاز میں ایک آواز گھنٹی کی آواز کی مانند سنتے تھے پھر اسی صورت
مجرد میں مخارج پر اعتماد کے بغیر حروف اور کلمات صورت پکڑنا شروع کر دیتے اور وہ تیز اور
تند آواز حضور علیہ السلام میں اس طرح اثر کرتی تھی کہ آپ کے ظاہری اور باطنی حواس
اس جہان سے بالکل منقطع ہو کر اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور جذبِ روح
کی حالت کی طرح کی ایک حالت پیدا ہو جاتی اور بدن مبارک کی تمام ارواح و دماغ کی
طرف متوجہ ہو جاتی تھیں جو کہ ادراک اور حفظ کی قوت کا مقام ہے اور دماغ میں ارواح
کے اجتماع کی وجہ سے انتہائی گرمی پیدا ہو جاتی تھی اور پیشانی مبارک پر پسینہ آ جاتا اور
آپ استغراق میں آ جاتے اور جسم مقدس کے اعضاء ارواح کے نفوذ کی زیادتی کی وجہ
سے طبعی ثقل کی طرف لوٹتے جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
مروی ہے کہ موسمِ سرما کے انتہائی سرد ایام میں حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور آپ
کی جبین مقدس سے پسینے کے قطرے گرتے تھے اور نزولِ وحی کے وقت اگر آپ کسی
جانور اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ جانور گر پڑتا مگر حضور علیہ السلام کی ایک خاص

اونٹنی جس کا نام عضباء اور قصوا تھا اپنے ہاتھ اور پاؤں جھکا کر زمین پر تکیہ کر کے خود کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھتی اور اس کام کی عادی ہو چکی تھی اور اگر اس وقت حضور علیہ السلام کسی کی ران پر تکیہ کیے ہوتے تو ران کے ٹوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا اور زرخ انور سرخ ہو جاتا اور سانس اس قدر بلند ہو جاتی کہ دُور سے سنائی دیتی۔

دوسرے اسے یاد رکھنے میں کہ لکھنے سے مدد لیے بغیر اسے تمام قرأت اور وجوہ کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے تھا۔ تیسرے اس کی تبلیغ کے وقت کہ ان دشمنوں کے سامنے جو کہ تمسخر اور مذاق پر اصرار کرتے تھے اور قرآن مجید میں جو تازہ مضمون سنتے محفل میں اس کی نقل کرتے تھے اسے پڑھنا ہوتا تھا اور ان کی ہر لغو اور بے ہودہ گفتگو سننا پڑتی تھی۔

چوتھے قرآن پاک کے مخفی عجائب اور دقائق اور اس کے اعجاز کی وجوہ کو سمجھنے میں جو کہ انتہائی گہری سوچ اور فکر دقیق پر موقوف ہے اور پھر بھی فصل الہی سے مدد لیے بغیر میسر نہیں پانچویں اقسام قرآن کو جدا جدا کرنے میں محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ اور ظاہر و مودل سے اور ہر قسم کو دوسری قسم سے امتیاز دینے اور ہر قسم سے احکام کے استنباط میں کہ بہت مشکل علم ہے۔ چھٹے مسلمانوں کے حق میں امر اور نہی اور یہ کرو اور یہ نہ کرو نہایت دشوار اور گراں ہے کہ اس کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ظاہر پر بھی حکم فرمایا گیا ہے اور باطن پر بھی اور ان دونوں کو جمع کرنا بہت مشکل ہے۔ ساتویں اس کا سننا کفار کے حق میں بہت گراں اور دشوار تھا جیسا کہ آئندہ سورۃ میں آئے گا کہ وہ قرآن پاک سننے سے اس قدر ڈرتے تھے جس طرح کہ گدھا غضب ناک دباڑتے ہوئے شیر کو دیکھ کر ڈرتا ہے۔

اور سورۃ فصلت میں مذکور ہے کہ یہ قرآن فی آذانہم وقر وهو علیہم عنی آٹھویں منافقوں اور فاسقوں کے بارے میں نزول قرآن بہت دشوار تھا اس لیے کہ قرآن مجید میں ان کے مخفی عیبوں اور چھپے ہوئے امور کا رمز و اشارہ اور تعریض و کنایہ کے ساتھ نشان دیا جاتا تھا اور حاضرین قرآن کی مدد سے سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ ذلیل ہوتے تھے جیسا کہ سورۃ توبہ کے آخر میں اور سورۃ قتال اور دوسری آیتوں میں ان

حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

نویں یہ کہ حروف قرآن میں سے ہر حرف کا ایک روحانی خادم ہے۔ جب دم کرنے والا شرائط دعوت کے ساتھ اس کلام کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کلام کے تمام روحانی خدام حاضر ہوتے ہیں اور ان کے ثابت اور حاضر رہنے کے باوجود ثابت قدم رہنا اور قائم رہنا بہت دشوار پڑتا ہے۔ نیز قیامت کے دن جبکہ میزان عمل قائم ہو اور اعمال تو لے جائیں تو کوئی عمل اس کلام کے وزن کے برابر نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

اور تفسیرات کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ بعض صوفیاء نے قول ثقیل کی مسئلہ توحید و جود کی ساتھ تفسیر کی ہے جسے سمجھنا عوام پر بہت دشوار ہے اور انہوں نے کہا ہے ہو طور و راء طور العقل یعنی وہ روش عقل سے جدا ایک روش ہے اور بعض واعظوں نے شفاعت مطلقہ کے ساتھ تفسیر کی ہے جو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور شفاعت کا کلمہ زبان سے ادا کرنا تمام انبیاء و مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر بھی شاق اور گزاں ہوگا قیامت کے دن اس سے پہلو تہی کریں گے اگرچہ یہ پچھلی تفسیر سورہ اسرا کی آیت وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا کے پیش نظر قدرے درست ہے۔

جب نماز تہجد میں ترتیل قرآن کے حکم کی وجہ بیان کرنے سے فراغت ہوئی اب اصل نماز تہجد کی وجہ بیان کرنے پر توجہ فرمائی جاتی ہے۔ پس ان تینوں آیات میں ان تعلیل کے لیے ہے اور تینوں تعلیلات کے بیان میں حرف عطف نہ لایا گیا اس لیے کہ یہ ایک امر کی تعلیل نہیں ہیں بلکہ مختلف امور کی تعلیل ہیں جو کہ گزشتہ کلام سے معلوم ہوئے۔ پس ترتیل قرآن کے امر کی تعلیل قول ثقیل کا القاء ہے اور قیام اللیل کے امر کی علت یہ ہے إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ تَحْتَمِلُ جُوعًا وَعِبَادًا وَأَوْجَاعًا وَأَسْهَاتًا وَأَسْهَاتًا وَأَسْهَاتًا ہے اور لغت میں ناشئہ نئی پیدا ہونے والی اور نئی اٹھنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں سحاب ناشئ یعنی نو پیدا بادل و نشأت الريح ہوا اٹھی۔

ہی اَشَدُّ وَطْأً وہی ہے سخت تر نفس کو پائمال کرنے اور اس کی ظلمتوں کو دور کرنے میں دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شب بے داری قرأت کے ساتھ آواز بلند کرنا وضو کے لیے اٹھنا اس کے اسباب کی جستجو لوٹا پانی اور مسواک پھر نماز میں کھڑا ہونا اور سجدہ میں گرنا نفس پر بہت ناگوار اور گراں ہے اس لیے کہ رات کا وقت سکون، راحت، سکوت اور خاموشی کا وقت ہے۔ مختصر یہ کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس وقت حرکت نہ کرے بات نہ کرے لیٹا رہے خصوصاً جبکہ محبوب عورتیں اور پسندیدہ بیٹے آغوش میں ہوں۔ بستر نرم اور لحاف گرم اور راحت پہنچانے والے خدام موجود اس وقت ان تمام لذتوں کو پس پشت ڈالنا اور ان مشقت طلب کاموں میں مشغول ہونا سمجھا جاسکتا ہے کہ نفس پر کیا قیامت ڈھاتے ہیں اور اگر موسم گرما ہے اور اسی وقت دن کی جلن، سورج کی چمک اور گرمی اور اس کی شعاعوں سے کچھ راحت ملی اور قدرے سکون نصیب ہو اس وقت کو جو کہ اس موسم کی سرد غنیمت ہے چھوڑ دینا اور راحت کے کام میں صرف نہ کرنا کس قدر دشوار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اپنی حقیقت کے اعتبار سے لاہوتی اور ملکوتی انوار و برکات کے نزول کا وقت ہے اور جب یہ عمدہ عبادت اس وقت واقع اور نور قرآن اور نور ایمان ان انوار کے ساتھ مل کر ایک نورانی ستون استوار کریں تو دیکھا جاسکتا ہے کہ پھر نفس کی ظلمت کے قائم اور باقی رہنے کا کیا مقام ہے؟

قیام اللیل کی برکات کا بیان

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر رات جب رات کا پچھلا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو رب تبارک و تعالیٰ (کی رحمت) کا آسمان دنیا کی طرف نزول ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ یہ سلسلہ طلوع فجر تک رہتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جو مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی خیرات میں سے کوئی خیر مانگے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے اور یہ ہر رات میں ہے۔

پس وہ وقت بعینہ نوکر کے حق میں دربار آقا کا وقت عاشق کے حق میں جلوہ معشوق کا وقت سوداگر کے حق میں خریداری کے بازار کی گرمی کا وقت اور پیشہ ور کے حق میں مزدوری عام ہونے کا وقت ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے بہت بڑا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور معمولی سی کوتاہی اور بے توجہی کی وجہ سے بہت بڑی نعمت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور حال پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ طاحت العبارات و فنیت الاشارات مانفعنا الارکیعات رکعناھا فی جوف اللیل یعنی عبارات اور اشارات ختم ہمارے کام صرف وہی چند رکعات آئیں جو کہ ہم نے رات میں ادا کیں۔

اور اس وقت کو نزول اور تجلی کے لیے اس وجہ سے خاص فرمایا گیا ہے کہ آدمی کی روح اصل میں عالم پاک سے تھی اور اس میں دنیوی نجاستوں کی کوئی آلائش نہ تھی اسے عالم قدس و طہارت سے آلائشوں کے اس بازار میں کسب کمال کے لیے بھیجا گیا اور وہ اس عالم سے دور جا پڑی اور اس جہان میں اسے اپنے پروردگار کے دربار عالی سے جو ایک رابطہ تھا ہاتھ سے نکل گیا۔ ناچار اسے وہ لذت یاد کرانے کے لیے ذات پاک نے خود توجہ فرمائی ہے اور اس کے غم کدہ کو اپنی جلوہ گرمی کے نور سے منور فرمایا ہے۔ پس اس توجہ اور اس انعام کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ پھر اس روح کو اپنی اصلی حالت کا قرب حاصل ہو اور وہ وقت عالم قدس و طہارت کے مشابہہ ہو اور دنیا میں اس وقت کے سوا کوئی وقت اس عالم کے مشابہہ نہیں ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دن چونکہ حواس کے اعمال اور اشغال و حرکات کا وقت ہے آدمی کی سوچ کائنات کے معاشی امور اور کارخانہ دنیا کے انتظام میں مصروف اور سرگرم رہتی ہے اور آدمی مال و مرتبہ کی طلب اہل و عیال کی خبر گیری اور آقا و مالک کی خدمت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور وہ اس جہان سے بہت دوری پیدا کر لیتا ہے اور رات کے پہلے حصے میں دن بھر کی تھکاوٹ اور کھانے پینے سے پیٹ بھرنے کی وجہ سے بے حواس اور غافل ہو جاتا ہے اور اسے اندرونی غذائی ردی

بخارات پریشان کرتے ہیں اور اس سے متعفن ہوائیں اور غذائی فضلے خارج ہوتے ہیں اور وہ اس حالت میں جانوروں میں سے ایک جانور کی طرح ہے جو کہ دنیائے انسانیت کی طہارت سے کوسوں دُور پڑا ہوا ہے چہ جائیکہ عالم ارواح کی طہارت کے مشابہہ ہو اور جب پچھلی رات کا وقت ہوا اور یہ ساری کدورتیں زائل ہو گئیں اور دن بھر کے فاسد خیالات نیند اور غفلت کے حائل ہونے کی وجہ سے اس کے ذہن سے نکل گئے گویا روح اپنی اصلی حالت پر پہنچ گئی اور اس نے اپنے اصلی جہان کو یاد کیا اس وقت اسے اس لذت کے ساتھ جو کہ اس جہان میں چکھتی تھی اور اس کی خوگر تھی نوازنا مناسب ہوا۔

وَأَقْوَمُ قِيْلًا اور گنگو اور بات کرنے میں زیادہ درست ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دوسرے اوقات کی بہ نسبت رات کے پچھلے حصے میں قرآن پاک کی تلاوت تدبر اور معانی کو سمجھنے کے لیے بہتر ہے اس لیے کہ ذہن صاف ہوتا ہے اور غذا کے بخارات کم رہ جاتے ہیں اور باہر سے حرکات اور آوازیں حواس پر وارد نہیں ہوتیں کہ دل ان کی طرف متوجہ ہو اور معانی سمجھنے سے غفلت کرے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے آنکھ بھی اپنے کام سے معطل ہو جاتی ہے اور رنگ اور روشنیاں دیکھنے کی وجہ سے دل کو پریشان نہیں کرتی اسی لیے اس وقت شعراء شعر کہتے ہیں یا علمائے کرام کتابوں کے مطالعہ میں جو غور و فکر کرتے ہیں تقریباً درست ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سحری کے وقت کا خواب اکثر درست نکلتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے کہ اصدق الرؤيا بالاسحار یعنی سحری کے وقت کا خواب اکثر سچا ہوتا ہے اور رات کے وقت کی انہیں خصوصیات کے پیش نظر حدیث شریف میں وارد ہے کہ علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین قبلکم وقربة الی ربکم ومکفرة للسیئات ومنہاة عن الائم یعنی رات کا اٹھنا لازم کرو اس لیے کہ یہ عبادت قدیم سے نیکوں کی ریاضت ہے کہ انہوں نے عبادت کے لیے اس وقت کو بہترین سمجھ کر معمور کیا ہے اور تمہارے پروردگار کے حضور قرب کا ذریعہ ہے اس لیے کہ اس وقت تجلی الہی کا آسمان دنیا پر نزول ہوتا ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ بھی ہے اس لیے کہ اس وقت کے انوار قرآن و نماز کے انوار کے ساتھ مل کر تمہارے بُرے اعمال کی

ظلمانی کیفیتوں کو کہ جنہوں نے تمہارے نفس کو تاریک کر دیا ہے، دُور کر دیتے ہیں۔ نیز تمہیں گناہ سے مانع ہوتا ہے اس لیے کہ تمہارا لطیفہ عقل دوسرے خیالات سے فارغ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کے معنوں میں زیادہ اچھے طریقے سے تدبر کرتا ہے اور پورے طور پر نصیحت قبول کرنے اور باز آنے کا موقع ملتا ہے اور لطیفہ قلب اس وقت کی صفائی کی وجہ سے انس و مناجات کی نورانی کیفیت سے زیادہ لبریز ہوتا ہے اور اس کیفیت کو پورا سوخ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ رسوخ ارتکاب گناہ سے مانع ہوتا ہے۔

اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس کاملہ اور ارواح قدسیہ کے لیے ان کی صاف استعداد کے پیش نظر ان فوائد اور منافع حاصل کرنے میں دن اور رات برابر ہیں لیکن دن کے اوقات مختلف قسم کی عبادات اور طاعات سے معمور ہیں اس میں ایک کیفیت اور ایک حالت کا خالص ہونا صورت نہیں پکڑتا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا تَحْقِقَ فِيهِ لِيَوْمٍ مِّنْ ذَلِكَ يَوْمٍ تَكُونُ فِيهِ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ حِسَابٌ مِّمَّا كَسَبَتْ وَذُنُوبُهُمْ أَمْرًا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيْنَا وَالَّذِينَ يَكْفُرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

کرنے اور مختلف قسم کی عبادتوں میں مصروف ہونا ہے اور آپ کو ہم صحبت اور ہم کلام ہونے اور مناجات و سرگوشی کی محفل سجانے کی فرصت نہیں۔

سید الکونین رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ مصروفیات

اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد سے اشراق تک اپنی جائے نماز میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور آپ نے اس وقت اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک حضرت خضر علیہ السلام کے مسبعت عشر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور اشراق کے بعد چاشت تک دوسری عبادات میں مصروف رہتے جیسے بیماروں کی مزاج پڑسی، مسلمانوں کے جنازوں کے ساتھ چلنا، مسلمان حاجت مندوں کی امداد طالب علموں کو تعلیم دینا، طالبانِ رشد و ہدایت کو راہِ خدا کے سلوک کی ہدایت دینا، فتویٰ طلب کرنے والوں کو فتویٰ دینا، معاملات کو سلجھانا اور کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کی مہموں کی تدبیر کرنا اور چاشت کے بعد حرم سرا میں تشریف لے جاتے اور اہل و عیال کی خبر گیری فرماتے کہ یہ بھی عبادات ہی کی ایک قسم ہے پھر چاشت کا کھانا تناول فرماتے اور قیلول یعنی دوپہر کو آرام فرماتے جب

سورج ڈھل جاتا تو اٹھتے اور طہارت اور وضو یا غسل میں مصروف ہو جاتے اور فتنی الزوال کی نماز ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا فرماتے اور جب ظہر کی اذان ہو جاتی تو باہر تشریف لاتے اور مسجد مبارک میں ظہر کی سنت و فرض کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتے۔ اور ظہر کے بعد عصر تک دعوت، تعلیم، ارشاد، افتاء اور مقدمات کے فیصلے کرنے میں مصروف رہتے یہاں تک کہ نماز عصر ادا فرماتے اس کے بعد پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و فکر میں مشغول بیٹھے رہتے اور مغرب کے فرض، سنتیں اور نوافل ادا کرنے کے بعد حرم سرا میں داخل ہوتے اور پھر اہل و عیال کی خبر گیری میں مصروف ہو جاتے اور اپنے مہمانوں اور زیارت کے لیے آنے والوں کو کھانا کھلانے کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر مال دنیا کی جنس سے کوئی چیز گھر میں رہ جاتی، اسے جلد مستحقین تک پہنچا دیتے تاکہ آپ کے آستانہ کرم میں دنیا کا مال رات نہ گزارے، اس کے بعد خود رات کا کھانا تناول فرماتے اور اپنے جانوروں کے چارے اور راتب کے متعلق خبر گیری فرماتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی جانور بے زبان بھوکا اور پیاسا رہ گیا ہو۔

اس کے بعد طہارت اور وضو کر کے نماز عشا کے لیے مسجد میں جلوہ افروز ہوتے اور نماز عشا کے بعد وتر چھوڑ دیتے تاکہ کچھلی رات ادا کریں اور خواب گاہِ ناز میں رونق افروز ہو کر چار رکعت نماز نفل ادا کر کے تسبیحات، تکبیرات، تکبیر اور تحمیدات بجالا کر قرآن پاک کی چند سورتیں جن میں سے سورہ زمر، سورہ اسراء، سورہ مسحات (سورہ الحدید، سورہ حشر، سورہ القف، سورہ الجمعہ، سورہ التغابن اور سورہ الاعلیٰ) سورہ اخلاص، سورہ فاتحہ، معوذتین (آخری دو سورتیں) اور سورہ ملک ہیں پڑھ کر آرام فرماتے۔

پس اوقات کی اس مصروفیت میں اس گنجائش کا کیا امکان تھا کہ آپ خود کو اس عظیم مجاہدہ میں اتنی مدت تک مصروف رکھیں اور اس کے باوجود فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ دن میں آپ کو قسم قسم کی عبادات میں مصروفیت درپیش ہے لیکن اپنے اس وقت کو اس عظیم مجاہدے سے خالی اور معطل نہ رکھیں جو کہ حجاب اٹھانے اور قرب اور کشش میں بہت موثر ہے اور وہ کسی عبادت اور کسی مصروفیت سے مزاحمت نہیں رکھتا بلکہ تمام اشغال و عبادات کو رونق

ذکر خداوندی کی مختلف اقسام

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے پروردگار کو ہمیشہ یاد کیجیے ہر وقت اور ہر کام میں اور ہر عبادت کے ساتھ خواہ اس کے دوران خواہ اس کے اول و آخر میں 'خواہ زبان کے ساتھ' خواہ دل کے ساتھ 'خواہ روح کے ساتھ' خواہ سر کے ساتھ 'خواہ نخی کے ساتھ' خواہ انہی کے ساتھ 'خواہ نفس کے ساتھ' خواہ دن میں 'خواہ رات میں' لسانی ذکر خواہ جہر کے ساتھ ہو خواہ آہستہ۔ پروردگار کا نام بھی خواہ اسم ذات ہو یا اسم اشارہ جو کہ ہو ہے یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم جسے سالک کے نفس اور اس کے وقت اور حال کے ساتھ مناسبت زیادہ ہو۔ چنانچہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے کہ جب بھی اس راہ کا کوئی طالب آپ کی خدمت میں آتا تو آپ پہلے اسے ایک چلہ یا دو چلوں کا حکم دیتے اس کے بعد اسے اپنی خدمت میں بٹھا کر اس پر ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ پڑھتے اور اپنی نظر اس کے چہرے پر مرکوز رکھتے اگر اسمائے الہیٰ میں سے کسی اسم کے ساتھ اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا ہوتا تو فرماتے تیری فتوح اس اسم مبارک پر ہوگی اور اسے اس اسم کے ذکر کی تلقین فرماتے اور اگر ان اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کی وجہ سے اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا نہ ہوتا تو فرماتے کہ نیکوں کی راہ اختیار کر اور تجارت، زراعت اور حرفت میں مشغول رہ کہ تو قرب و جذب کی راہ کے سلوک کی استعداد نہیں رکھتا۔ اور خواہ پروردگار کا اسم بڑا اکیلا ہو یا تہلیل کے ضمن میں جو کہ نفی و اثبات ہے یا تسبیح، حمد، تکبیر، تاحول اور دوسرے مسنون اذکار کے ضمن میں ہو۔

اور خواہ ذکر کی کیفیت ایک ضربی ہو یا دو ضربی یا اس سے زیادہ 'خواہ جس نفس کے ساتھ ہو' خواہ جس نفس کے بغیر ہو' خواہ برزخ کے بغیر' خواہ برزخ کے ساتھ' خواہ سہ زکئی ہو' خواہ سات زکئی' خواہ اس شرائط کے ساتھ ہو جو کہ شدت، تحت، فوق، محارہ، مراقبہ، محاسبہ، مواعظ، تنہیم اور حرمت ہیں۔ ان شرائط کے بغیر ہو اس کے علاوہ دیگر خصوصیات جنہیں اہل طریقت کے ماہرین نے نکالا ہے اور مذکورہ خصوصیات کی دوستوں سے ایک کا

تین شیخ و مرشد کی صوابدید کے سپرد ہے کہ حسب حال جسے زیادہ بہتر جانے، تلقین فرمائے اور ایک خصوصیت سے دوسری خصوصیت کی طرف منتقل کرے اور پھیرے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ فَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ کوئی لمحہ اور سانس غفلت میں نہ گزرے اور کوئی مصروفیت اور کوئی عمل اس یاد سے باز نہ رکھے جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا ہے: لَا تَلْهَيْهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ اور اگر اس بات کا خوف ہو کہ کسی مصروفیت اور عمل کی وجہ سے یا وحق سے باز رہے گا تو اس مصروفیت اور کام کو اپنے سے دُور کر دے۔

وَتَبَيَّنَ إِلَيْهِ اور ہر اس عمل سے جو تجھے یا وحق سے باز رکھے اپنے پروردگار کی طرف اسے یاد کرنے کے ساتھ منقطع ہو جا۔ تَبَيَّنَ لِأَنَّهَا مِنْهَا اس سے اختیار کے ساتھ اس مصروفیت اور عمل کا تعلق قطع کر کے۔ اس لیے کہ اس عمل اور مصروفیت کا تعلق قطع کیے بغیر اپنی طرف سے منقطع ہونا بسا اوقات ظلم اور ناجائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً نوکر جو کہ نوکری کا تعلق قطع کیے بغیر اپنے مالک کی خدمت سے باز رہے اور منقطع ہو جائے یا مرد جو کہ تعلق نکاح کو قطع کیے بغیر بیوی کی صحبت اس کی دل جوئی اور اس کے نان و نفقہ کی کمائی سے منقطع ہو یا بازر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اس قید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تبییناً لایا گیا اس لیے کہ اس قسم کے انقطاع کو بیان کرنا منظور ہے جو کہ اس تعلق کو قطع کرنے سے حاصل ہونہ کہ انقطاع کی تاکید تاکہ تبییناً فرمایا جائے۔

اس قسم کے تبیین اور انقطاع کا فائدہ

اور اس قطع و تبیین کا پہلا فائدہ عین ذکر میں ہے کہ ماسوئی اللہ کے خیالات دل میں نہ کھنکیں اور ذکر کا مقصد حاصل ہو اور خیالات کے کھنکنے سے ذکر ذکر نہیں رہتا اور مذکور کی طرف خالص توجہ کا موجب نہیں ہوتا تاکہ جذب اور قرب کا ثمرہ حاصل ہو۔

دوسرا فائدہ ذکر کے اثر کے باقی رہنے میں ہے کہ ایک امر پر بے حد توجہ کی وجہ سے گزشتہ امر پر توجہ کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے وساوس کی طرح یہ کام ہوتا ہے۔ اور تیسرا فائدہ عبادات کو پورا کرنے میں دل کا فارغ ہونا شرط ہے اور مخلوق کے ساتھ تعلق

رکھنا ایک مضبوط رکاوٹ ہے اور چوتھا فائدہ بہت سے گناہوں سے خلاصی کا موجب ہے جیسے ریاء، غیبت، بدعت، خوشامد، ایوں اور بدعتوں کو دیکھنا اور بُرے ساتھی کی صحبت سے متاثر ہونا۔ پانچواں فائدہ ماسوئی اللہ کی محبت کی نفی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کو دل میں زیادہ کرتا ہے۔ پس یہ صحت کی دوا کے استعمال سے پہلے تنقیہ کا حکم رکھتا ہے جو کہ شرط ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دنیوی تعلقات سے تبتیل و انقطاع ذکر و سلوک کی ابتدا میں شرط ہے جبکہ انتہا میں جبکہ استغراق و اختلاط کے اجتماع کی قوت حاصل ہوتی ہے شرط نہیں ہے بلکہ اختلاط تبتیل سے بہتر ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ علم سیکھنے سکھانے، ادب سیکھنے سکھانے، ارشاد و نصیحت اور رعایت حقوق کا باعث اور ان عبادات کے ثواب حاصل کرنے کا موجب جو کہ باہمی میل جول پر موقوف ہیں جیسے بیمار کی عیادت، جنازہ کے ساتھ چلنا، حاجت مندوں کی مدد کرنا، قریبوں کے ساتھ نیکی کرنا، مخلوق کی جفا پر تواضع اور صبر و تحمل، مساکین اور مہمانوں کی خدمت اور صدقات، خیر کی صورتوں میں خرچ کرنے اور مسجدوں اور سراؤں کی تعمیر کے لیے مال کمانے کا سبب ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے واذا کرا سم ربک کو تکبیر تحریمہ پر اور تبتیل کو تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانے پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ نماز کے آغاز میں دونوں ہاتھ اٹھانا اس بات کا اشارہ ہے کہ میں دو عالم سے ہاتھ کھینچ کر یاد خدا میں مشغول ہوا اور بعض صوفیاء نے تبتیل کو ذکر کے وقت ماسوئی اللہ کی نفی پر محمول فرمایا ہے۔

اس انقطاع اور تنہا نشینی کا طریقہ

اور اس تبتیل یعنی انقطاع کا طریقہ یہ ہے کہ تاریک کمرے میں بیٹھ جائے اور اپنے سر کو پیٹ لے اور اپنی آنکھیں بند کر لے اور زبان کو ذکر کے علاوہ خاموش رکھے اور اس وقت معدہ خالی رکھے اور بھوکا رہے لیکن حد سے گزرے بغیر اور بے دار رہنا اختیار کرنے کھانا کم کرنا ضروری سمجھے اور ان دونوں امور کا دل کو منور کرنے میں پورا دخل ہے اس لیے کہ کھانا کم کھانا خون دل کو کم کرتا ہے اور بے دار رہنا دل کی چربی کو پگھلاتا ہے اور کسی

شخص کو اپنا پابند کرے جو کہ روزی اور لباس کی ضروریات سرانجام دے اور روزی میں احتیاط کرے کہ حلال طریقے سے ہو اور استقبال قبلہ طہارت اور حضور دل کے ساتھ فرائض اور موکدہ سنتوں کی ادائیگی اور ذکر دائمی میں مشغول ہو۔ پہلے زبان کے ساتھ ذکر کرے حتیٰ کہ زبان کی حرکت گر جائے اور بے اختیار ذکر جاری ہو اور اس کے بعد دل کا تخیل ذکر کرے یہاں تک کہ حروف بھی درمیان میں نہ رہیں اور صرف معنی ہی ذہن میں راسخ ہو جائے اس کے بعد گنتی منقطع ہو جائے اور ذکر حالات میں سے ایک حالت ہو جائے اور اس وقت محبت قویہ پیدا ہو اور مذکور کو بالکل فراموش نہ کر سکے پھر ظاہری اور باطنی طور پر تمام اشیاء سے غائب ہونا رونما ہو یہاں تک کہ اپنے نفس اور صفات نفس سے بھی غائب ہو جائے اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں پھر نوبت یہاں تک پہنچے کہ ذکر سے بھی غائب ہونا رونما ہو اور صرف مشہود و مذکور باقی رہ جائے اور یہ فنا کی سرحد ہے اس کے بعد کیفیت و قیاس کے بغیر اپنے محبوب کے ساتھ ایک وصال حاصل ہو جائے اور بقاء یہی ہے اور اس مرتبہ میں اسے شاہ ولی واصل کا خطاب دیا جاسکتا ہے اور اس سے پہلے طالب مرید شوقین اور تلاش کنندہ کہا جاسکتا ہے۔

اور جب یہاں ایک شبہ کا گمان تھا کہ کسی کے خیال میں گزرے اور اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی تعلقات کو قطع کرنا باوجودیکہ یہ دار الحیوۃ دنیا ہے کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور دنیوی آلائشوں سے تعلق کے باوجود ماسوی سے غفلت اور حضرت حق جل جلالہ کی طرف خالص توجہ کس طرح ممکن ہوگی اس شبہ کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائی جاتی ہے کہ دنیا میں افعال الہی کی طرف نظر کیجیے اور ہر شب و روز میں دنیوی آلائشوں سے تعلق اور آلائشوں سے انقطاع کا تماشا کیجیے اس لیے کہ حق تعالیٰ

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مَشْرِقٍ وَمَغْرِبٍ كَمَا يَرُدُّ دُكَّانَ هُوَ فِي مَشْرِقِ كُو
علائق دنیوی کی یاد دلانے کے لیے بتایا ہے جبکہ مغرب کو علائق دنیوی سے منقطع ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔ یس کہ سورج کا نور مشرق سے اٹھا تا جبر کو بازار اور دکان کا تعلق یاد کیا کہ یس کو اپنی حرفت و صنعت کے آلات کا نوکر و اپنے آقا کے دربار کا کاشت کار کو

نہ اپنے ہل، نیل اور کھیتی کا، باغبان کو اپنے لگائے ہوئے پودوں کا، باپ کو بیٹے کا، ماں کو بیٹی کا، غلام اور لونڈی کو اپنے مالک کا، بیٹے کو اپنے باپ کا، بیوی کو اپنے شوہر کا تعلق یاد آیا اور اس تعلق کے احکام ظاہر ہونا شروع ہو گئے، مسافر کو راستہ چلنے کی فکر دامن گیر ہوئی، ملاح اور رہنما نے کام شروع کر دیا، کمائی کرنے والے کے دل میں کمانے کی طمع نے جوش مارا اور سوداگر کو خریدار کی تلاش نے پریشان کر دیا یہاں تک کہ سورج نے مغرب کا رخ کیا، یہ تمام تعلقات آہستہ آہستہ ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ لوگ کھیتوں، دکانوں اور بازاروں سے اور مسافرین راستہ سے بھاگ سے گھروں میں داخل ہو گئے اور نوکر دربار سے واپس آ گئے اور اس وقت تمام بیرونی رابطے منقطع ہو گئے مگر گھر والوں اور گھر کا رابطہ باقی رہ گیا جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو گھر کے اکثر سامان اور خدمت گزاروں سے علاقہ نہ رہا مگر بیوی اور اولاد کے ساتھ اور جب بستر پر دراز ہوئے تو بیوی کے سوا کسی سے تعلق نہ رہا اور جب سو گئے تو وہ علاقہ بلکہ روح کا علاقہ بھی بدن کے ظاہر سے منقطع ہو گیا، اپنے اعضاء کی حس و حرکت بھی روح کے اختیار میں نہ رہی، کسی اور چیز کا کیا اختیار ہوگا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تماشا کیجیے کہ انہیں دنیا میں زندہ بھی رکھتا ہے اور وہ کسی چیز کے ساتھ علاقہ بھی نہیں رکھتے، اپنے آپ کو اپنی عمر کے تمام اوقات میں اسی طرح بے اختیار سمجھو اور کسی چیز کے ساتھ تعلق نہ رکھو اس لیے کہ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ آپ کا ذکر و عبادت میں معبود وہی ہے کہ علائق منقطع کرنا اور انہیں ثابت کرنا اس کی ربوبیت کی شانوں میں سے ایک شان ہے جب وہ آپ کو تجلیل اور قطع علائق کا حکم دیتا ہے تو کسی اور کے لیے فکر و اندیشہ کا کیا مقام ہے۔

خدا خود میرا سامان است سرکار تو کل را

یعنی تو کل کی دنیا کے تمام امور کا خود انتظام فرماتا ہے۔

اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مخاطب اگر اسباب اور وسائل کے باوجود تجھے تجلیل اور تعلقات کو قطع کرنا مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ جو کہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے کہ اسے اشیاء میں ظہور بھی ہے اور اشیاء میں بطون بھی

ہے اور اگر اشیاء میں اس کا ظہور و بطون ایک ساتھ نہ ہوتا تو اشیاء کے وجود کی کوئی صورت نہ ہوتی اس لیے کہ لا الہ الا ہو یعنی موجود حقیقی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اگر وہ دن میں ظاہر نہ ہوتا تو اشیاء قطعاً وجود میں نہ آسکتیں اور اگر کلی طور پر ظاہر ہوتا تب بھی اشیاء موجود نہ ہو سکتیں لہذا اس نے ظہور کو بطون کے ساتھ ملایا ہے اور جس طرح سایہ سورج کے بغیر نہیں ہوتا اور سورج کے ساتھ بھی نہیں ہوتا سورج کو سایہ کے وجود میں دو وجہ سے دخل ہے۔ از رہ ظہور بھی اور از رہ بطون بھی اسی طرح اسباب اور وسائل اپنے ظلی تحقق کے باوجود اس کے بغیر اپنی ذات میں موجود نہیں۔ پس اس معنی کا لحاظ کرنا تیری نظر میں اسباب اور وسائل کو مستقل وجود نہیں دینا اور جب اسباب اور وسائل درمیان سے اٹھ گئے اور تعلقات کلی طور پر منقطع ہو گئے۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پس اپنے پروردگار کو کارساز بناؤ اور اسے اپنی ضروریات کا کفیل قرار دو اور بے پروا ہو جاؤ اپنے سے علائق کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے تشویش نہ کرنا اور یہاں کلمہ فاء کو لانا جو کہ مہلت کے بغیر تحصیل کے لیے ہے اس بات کے اشارہ کے لیے ہے کہ علائق منقطع ہونے کے بعد بغیر تاخیر کے یہ کام کیجیے اور توکل اختیار کیجیے اور تجربہ و امتحان کا انتظار ہرگز نہ کرنا اس لیے کہ عیاں ہونے کے بعد تجربہ اور امتحان کا کون سا مقام ہے؟

ایک قوی شبہ

یہاں ایک قوی شبہ باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس شان والوں کے نزدیک توکل کے تمن مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے جیسے موکل کا کسی وکیل پر کہ اس کی شفقت اور خیر خواہی کو بھی تعین طور پر جانتا ہے اور اپنے کام سرانجام دینے پر اس کے قادر ہونے پر بھی پورا اعتقاد رکھتا ہے اور اسے اپنی ضروری حاجتوں کو پوری طرح جاننے والا اور واقف کار شمار کرتا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جیسا بچے کو اپنی ماں پر ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ پہلے مرتبے میں اپنے اعتماد پر ایک توجہ ہوتی ہے اور

موکل کے ذہن میں بار بار آتا ہے کہ میں نے یہ کام فلاں کے سپرد کیا ہے، وہ ضرور سرانجام دے گا، اس کی کیا ضرورت کہ میں خود توجہ کروں، بخلاف بچے کے کہ اسے اپنی ماں میں ایک ایسا استغراق حاصل ہے کہ اپنے اعتماد پر نظر کرنے سے غافل ہو گیا ہے اور اسی لیے موکل اس کام کی اپنے ذہن میں تدبیر کرتا ہے جبکہ بچہ تدبیر نہیں کرتا جس طرح کہ اسباب میں بھی مصروف نہیں ہوتا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ درمیان میں کوئی اعتماد اور استغراق نہ ہو بلکہ غسل کے ہاتھ میں میت کی طرح واقع ہو اور خود کو اس کام میں قطع دخل نہ دے حتیٰ کہ اس مرتبے میں سوال بھی نہیں کر سکتا۔ بخلاف دوسرے مرتبے کے کہ اس میں سوال کا دروازہ کھلا تھا جیسا کہ ماں سے سوال کرنا بچے کی عادت ہے اور یہ تیسرا مرتبہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا فرمایا گیا تھا اسی لیے جس وقت کفار آپ کو آگ میں ڈال رہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے تاکہ آپ کو اس پریشانی سے نجات بخشے۔ آپ نے فرمایا حسبی من سوالی علیہ بحالی یعنی اس کا میرے حال کو باننا مجھے سوال کرنے سے کافی ہے۔

تو یہاں اس شان کے اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام کو توکل کے پہلے مرتبے کا نشان کیوں دیا گیا اور آپ کو اونچے مرتبوں کا پتہ کیوں نہ دیا گیا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس سورۃ میں ابتدا سے انتہا تک مقامات سلوک کو اس انداز سے پورا کیا گیا ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے کام آئے جیسا کہ گزرا اور اگرچہ مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن پیش نظر امت کو حکم دینا ہے اور جب توکل کی ابتدا اسی مرتبے سے ہوتی ہے اور اس سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ ان دو مرتبوں تک پہنچتے ہیں تو ناچار پہلے اسی مرتبے کی دلالت فرمائی گئی کہ اس مرتبے پر قائم رہنے کی وجہ سے ان دو مرتبوں تک خود بخود رسائی حاصل ہو جائے گی۔ نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کا کمال محویت تمام کائنات کے ملاحظہ بے داری اور ہوشیاری کے مقام سے پیدا ہونے والا ہے وہ اسباب اور مسببات کے کارخانہ کو بڑے بڑے کاموں کی مشیت اور اپنے محبوب بندوں کے ارادے کے مطابق فرادیں

حاصل کرنے میں وکالت کے طور پر تولیت الہی کو نظر میں رکھتے ہیں اور فی الواقع بات بھی یوں ہی ہے۔ پس گہرے غور و فکر کے مطابق کمال حقیقی اسی پہلے مرتبہ میں ہے جبکہ دوسرے دو مرتبوں میں سوائے سکر غلبہ استغراق اور واقعی نفس الامری نظام سے ذہول کے کوئی مرتبہ نہیں اور یہ مرتبہ کمالات ولایت میں معتبر ہے نہ کہ کمالات نبوت میں۔

یہی وجہ ہے کہ بچے کا ماں پر اعتماد اور مردے کا اپنے آپ کو غسال کے سپرد کرنا عقل والوں کے نزدیک اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔ بخلاف موکل کے اپنے امور کو وکیل مطلق کے سپرد کرنے کے اور حضرت خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ جو حسبی من سوالی علمہ بحالی فرمایا تدبیر سے ذہول کے طریقے سے نہ تھا بلکہ تسلیم کے طور پر تھا اور علمہ بحالی توکل کے پہلے مرتبے پر صریح دلالت کرتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جب راہ خدا کے سلوک کی شرائط اور خرقہ پوشی کے لوازم سے فراغت ہوئی تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو جو اس سب ریاضت مجاہدہ اور تہلیل کے ساتھ مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینے، ناقصوں کی تکمیل، گمراہوں کی ہدایت اور طالبوں کے ارشاد کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اسی طرح اسے جو آپ کی وراثت اور نیابت کے طریقے سے یہ منصب پائے چاہیے کہ ایک اور چیز بھی اپنے اوپر لازم کریں اور وہ جفائے خلق کو برداشت کرنا ہے اور تہلیل میں ان کاموں سے باز نہ رہیں اور اس منصب والوں کو اس راہ کے منکرین اور معاندین زیادہ تر طعن و تشنیع اور تعریض و کنایہ کے ساتھ پیش آتے ہیں اور مختلف قسم کی زبانی ایذا میں پہنچاتے ہیں ان ایذاؤں کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہیں۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ اور اس پر صبر کیجیے جو کہ آپ کے منکر اور معاند کفار منافقین اور فاسقین کہتے ہیں کہ وہ اس راہ سے طبعی طور پر نفرت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس راہ کے مسافروں کو لوگوں کی نظر میں حقیر کر دیں اور نیت کی خرابی باطنی طمع اور ریاکاری ان کی طرف منسوب کریں خصوصاً وہ شخص جو ان سے تعلقات منقطع کرتا ہے مخلوق کی طرف سے اس پر زیادہ طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور اس کے اقارب دوست اور اہل حقوق بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اور اسے غیر ذمہ داری بے مروتی عاجزی کاہلی

اور کبھی خودداری، غرور اور تکبر کے ساتھ متہم کرتے ہیں۔ پس ان کی زبانی ایذا پر صبر کرنا تجلیل کے شرائط اور لوازمات میں سے ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ معاندین اور حاسدین کی زبانی ایذا تین قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ اس شخص کے معبود پیر، استاد اور مرشد کے بارے زبان طعن دراز کریں اور یہ سب سے زیادہ شدید قسم ہے۔ دوسری یہ کہ خصوصیت کے ساتھ اس شخص کے بارے میں طعن کریں۔ تیسری یہ کہ اس کی اہلیہ، اولاد، احباب اور دوستوں کے بارے میں طعن کریں کہ ان مذکورہ تعلقات کی وجہ سے ان کے بارے میں طعن بے حد دکھ اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے کافروں، منافقوں اور بد مذہبوں کے ہاتھوں تینوں قسم کی زبانی ایذا رسانی انتہا کو پہنچ گئی۔ بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ ایک یا دو قسم کی تکلیف میں مبتلا ہوتے تھے۔ پہلی قسم سے یہ ہے کہ کفار حضور علیہ السلام کو تکلیف دینے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں بے ادبیاں کرتے تھے جنہیں سن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے ان میں سے بعض کہتے کہ خدا تعالیٰ کے اہل و عیال ہیں، بعض کہتے کہ شیطان خدا پر غالب آجاتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے اور بعض طنز کرتے ہوئے بکتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا کہتا ہے کہ میرے محتاج بندوں کو کھانا کھلاؤ اور زکوٰۃ دو تو معلوم ہو وہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ علاوہ ازیں اور کفریات بھی بکتے تھے۔

اور قرآن مجید کے بارے میں بھی عجیب فاسد گمان اور ناپاک خیالات ظاہر کرتے تھے اور احکام شریعت اور حضور علیہ السلام کے دین کے بارے میں بھی بے سرو پا شبہات کے ساتھ اعتراض کرتے اور بعض کہتے کہ لولا نزل علیہ القرآن حملۃ واحدة یعنی اگر یہ قرآن کلام الہی ہے تو ایک بار ہی کیوں نازل ہوا۔ شعر سوچنے کی طرح کہ ایک دن غزل، ایک دن رباعی اور ایک دن قطعہ موزوں ہوا، کیوں نازل ہوتا ہے اور بعض کہتے کہ لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی ہم اس قرآن اور جو اس سے پہلے ہے پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے۔ بعض جادو کہتے تھے، بعض کاہن کا قول قرار دیتے تھے، بعض بہتان اور جھوٹ شمار کرتے تھے، بعض ہذیان اور جنون سمجھتے تھے اور ذبح کیے ہوئے

جانور کے حلال اور مردار کے حرام ہونے پر اعتراض کرتے کہ اپنے مارے ہوئے کو کھانے اور خدا کے مارے ہوئے کو نہ کھانے کا کیا معنی؟ علیٰ ہذا القیاس اور جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں یہودی کئی قسم کی گستاخیاں کرتے اور عالی رافضیوں کا ایک فرقہ جن کا لقب غرابیہ ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام پر (العیاذ باللہ) لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے وحی پھیر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی جیسا کہ ان کا کہنے والا کہتا ہے بیت جبرئیل کہ آمد زبرقادر بچوں در پیش محمد شد مقصود علی بود

دوسری قسم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، شاعر، کذاب اور مجنون کہتے اور اس سب کچھ کے باوجود جو کرتے ہوئے مذموم کہتے اور آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے یعنی اپنے جد رضاعی کا بیٹا ہے اور اس نے اسی کی خوبو حاصل کی ہے اور اپنے آباء و اجداد کے طریقے سے پھر گیا ہے گویا ان کی اولاد سے نہیں ہے۔ نیز کہتے کہ یہ پیغمبر فقیر اور غریب کیوں ہے؟ مالہذا الرسول یا کل الطعام ویبشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقى الیہ کنز او تکون لہ جنة یا کل منها اور اگر تبھی چند روز وحی نہ آتی تو زبان طعن دراز کرتے اور کہتے کہ ودعه ربہ وقلہ اسے اس کے رب نے چھوڑ دیا اور ناپسند قرار دیا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو میں شعر کہتے اور گانے والی اور رقص کرنے والی عورتوں کو سکھاتے کہ وہ مجالس و محافل میں طبل اور سرنگی پر گائیں اور تیسری قسم یہ ہے کہ مدینہ شریف میں منافقین اور فاسقین اور خیبر فدک، نصیر اور قرظہ کے یہودی ہر روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب و اقارب کی طعن و تشنیع میں نئی نئی باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طاہر و مطہر حرم پاک کو معاذ اللہ بُرائی کی طرف منسوب کیا اور حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد اُمت کے منافقوں نے آپ کے صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کو دنیا طلب، ظالم اور غاصب قرار دیا اور ان بد بختوں کی مجموعی بکواس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسلین، مساجمین اور قریبوں میں سے کوئی بھی شاید راہِ حق پر رہا ہو اور سب کے سب معاذ اللہ

یک قلم مرتد ہو گئے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت یعنی جتنا مجھے ستایا گیا، کسی نبی علیہ السلام کو نہیں ستایا گیا، بالکل ظاہر ہو گیا اور آپ نے اس سب جفا کے باوجود اسے برداشت فرمایا اور دعوت الخلق الی الحق اور ان کے ارشاد و ہدایت سے دست بردار نہ ہوئے۔

اللهم صل علیہ واجزه عنا افضل ما جازیت نبیا عن امتہ۔

اور وہ جو کہا گیا کہ رسول دشمن کا خیر خواہ ہے۔ گویا اسی رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال کا بیان ہے اور حضور علیہ السلام کی طرف سے یہ سب اس امر الہی کی پیروی تھی کہ آپ کو صبر کا حکم دیا گیا اور دشمنی رکھنے سے باز رکھا یہاں تک کہ حکم دیا گیا کہ اگر آپ سے ان کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی ایذا رسانی پر صبر ممکن نہ ہو تو ان کی صحبت سے کنارہ کشی فرمائیں۔

وَاهْبُزْهُمْ هَاجِرًا جَوِيلًا اور ان کی صحبت کو ترک کر دیں لیکن انہیں چھوڑنا اچھا

ہو۔

ہجر جمیل کی حقیقت

کہ جس میں تین چیزیں ہوں۔ پہلی چیز کہ بظاہر انہیں چھوڑ دیں لیکن باطنی طور پر ان کی صحبت کی طرف مائل رہیں اور ان کی خبر گیری کرتے رہیں کہ وہ کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں اور مجھے کس طرح یاد کرتے ہیں۔ دوسری چیز یہ کہ ان کی بدسلوکی کا کسی کے سامنے شکوہ نہ کریں اور انتقام کے طور پر کسی کے سامنے ان کے عیب ظاہر نہ کریں اور گفتگو اور آمنے سامنے ہونے کے وقت کج خلقی اور سخت کلامی نہ کریں۔

تیسری چیز یہ کہ مفارقت اور جدائی کے باوجود ان کی نصیحت اور خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ان کا بُرا نہ چاہیں اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی ہدایت و رہنمائی میں دروغ نہ فرمائیں۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہجر جمیل ان تین شرائط کے جمع ہونے سے متحقق ہوتا ہے اگر ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو ہجر جمیل نہیں رہتا اور یہ بہت مشکل امر ہے اور جو

شخص حدیث و سیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرے یعنی طور پر جان لے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس راہ کے منکروں کے ساتھ جو حسن سلوک اور خیر خواہی کی ہے، بشر کی طاقت سے بالکل باہر ہے اسی لیے اس عمل کی برکت سے ان میں سے اکثر درست ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ آپ نفسانیت سے قطعاً پاک ہیں جو کچھ کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم پر کرتے ہیں۔ انہوں نے چارونا چار سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے کو اطاعت کے لیے وقف کر دیا اور خدمت کا قلاوہ پہن لیا۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ خیال گزرے کہ مجھے جو تعلقات منقطع کرنے اور منکروں اور معاندوں کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سر آنکھوں پر لیکن اس راہ کے منکروں سے جو کہ حال اور قال کی زبان سے لوگوں کو اس راہ سے روکتے ہیں اور تن آسانی، دنیوی راحت اور نفسانی لذتوں کی ترغیب دیتے ہیں اگر ہلاکت کی دعا کے ساتھ انتقام نہ لوں تو یہ راہ رائج نہ ہوگی اور کوئی شخص بھی اس مجاہدہ کے قریب نہیں آئے گا جو کہ نفس پر بہت ناگوار ہے اور ان کی شیطانی حیلہ گری کی وجہ سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ پس میری بعثت کا قائدہ متحقق نہ ہوگا اور میری محنت ضائع جائے گی، مجھے اس گروہ سے انتقام لینے کا حکم ملنا چاہیے تاکہ میں انہیں ہلاکت کی دعا کے ساتھ برباد کر دوں اس لیے کہ وہ صرف مجھے ایذا دینے والے ہی نہیں بلکہ اس راہ میں خلل ڈالنے والے ہیں۔ حکم دیا جا رہا ہے کہ اس بارے میں فکر نہ کریں بلکہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں۔

وَقَدْ نُنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولَى النَّعْمَةِ آپ مجھے اور اس راہ کے منکروں کو چھوڑ دیں جو کہ عیش و عشرت اور بدنی آسائش والے ہیں اور انہیں عیش اور آسائش کی محبت۔ مجاہدہ، رات کے قیام، شب بے داری اور ہمیشہ ذکر کرنے سے باز رکھتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنے حال اور مستقبل میں عیش و راحت کی ترغیب دیتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کچھ نہ کہیں اور نہ ہی ہلاکت کی دعا کریں اس لیے کہ میں دو جہانوں کا مالک ہوں اور جس طرح اُس جہان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ مجاہدہ، ریاضت، ذکھ اور مشقت

اٹھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی ناز پروردہ آنکھ کو راہِ خدا میں برباد کرتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ایک گروہ مجاہدہ دکھ اٹھانے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے لیے درکار ہے اگر یہ لوگ نہ ہوں تو اس جہان کا مجاہدہ اور دکھ کون اٹھائے اور اگر اس جہان میں سب لوگ دکھ سہنے اور مشقت برداشت کرنے والے ہوں اور وہاں سب لوگ آرام و راحت میں ہوں تو دونوں جہان مناسبت کے بغیر ہوں اور رنج بغیر راحت کے اور راحت بغیر رنج کے ہو اور ہر زمانے کا دو متضاد چیزوں میں سے ایک سے خالی ہوتا اس زمانے کا ناقص ہونا ہے کیونکہ میں جامع المتقابلات اور کامل الاطلاق ہو مجھ سے اس نقصان کی طلب نہ کریں کہ میں انہیں جلدی سے اس جہان کے مجاہدہ میں مشغول اور اس جہان کی راحت سے محروم کر دوں بلکہ صبر کیجیے۔

وَمَهَلُهُمْ قَلِيلًا اور انہیں اس جہان کے عیش و آسائش میں قدرے مہلت دیں تاکہ اس جہان کے مجاہدہ کی استعداد اس جہان کی آسائش سے جدا کریں اس لیے کہ میں جو کہ حکیم ہوں استعداد پوری ہونے سے پہلے کسی کو کسی کام میں مشغول نہیں کرتا ورنہ میری حکمت ناقص ہو۔

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا تحقیق ہمارے نزدیک بھاری زنجیریں مہیا ہیں جو کہ ہم ان کے پاؤں میں ڈالیں گے اس کے عوض کہ وہ راحت طلبی کی وجہ سے رات کی نماز میں کھڑا ہونے سے جی چراتے تھے علائقِ دنیوی کے پابند ہو کر متجمل نہیں ہوتے تھے۔

وَجَحِيمًا اور جلانے والی آگ ہے عشق و شوق کی جلن کے عوض کہ اہل مجاہدہ و ذکر دنیا میں اس سوزش کے ساتھ جلتے تھے اور اپنے باطن کو آگ جلا کر پگھلاتے تھے۔

وَطَعَامًا ذَاغُصَّةٍ اور حلق میں آنکنے والا کھانا ہے اس مشقت اور رنج کے عوض جو کہ دنیا میں مجاہدہ اور ذکر کرنے والے تہجد کے وقت ذکر اور تلاوتِ قرآن مجید میں آواز بلند کرنے میں اٹھاتے تھے اور ذکر و تلاوت کی شد اور مد اور اونچی نیچی آواز میں بلغم ان کے حلقوم میں آ کر اٹک جاتی تھی بلکہ کبھی تو وہ خون اُگلتے تھے۔ نیز ان لذیز مرغن کھانوں اور خوشبودار اور میٹھے مشروبات کے عوض جنہیں کھاپی کر ان کے خمار میں مست ہو

کر بستر خواب پر اونگھتے تھے۔

وَعَذَابًا أَلِيمًا اور عذاب کی ایک اور قسم ہے جو کہ انتہائی دردناک ہے جیسے دوزخ کے موٹلوں کی پٹائی اور زد و کوب جو کہ مجاہدہ و ذکر والوں کے اس رنج و مشقت کے عوض جو کہ پانچ وقتی جماعتوں اور جمعہ میں آنے کے وقت اور ذکر کے حلقوں، علم و عظ دوس قرآن و حدیث کی مجالس میں داخل ہونے کے وقت ہجوم و اثر دہام کی وجہ سے انہیں گرنے، اٹھنے اور صدمہ اٹھانے میں ہوتی تھی اس راہ کے منکرین کو دیا جائے گا اور جیسے دوزخ کے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے کا عذاب جو کہ اس طعن و تشنیع اور طنز و تعریض کے عوض جو کہ اہل مجاہدہ کو مخالفوں اور معاندوں کی طرف سے ہوتی تھی، منکروں کو دیا جائے گا۔ پس اگر ہم انہیں دنیا میں مہلت نہ دیں تا کہ وہ اس قسم کی آسائشیں پورے طور پر حاصل کریں تو ان تکالیف اور مصیبتوں کے اٹھانے کا استحقاق کہاں سے پیدا ہوگا اور اس جہان کے دکھوں اور تکلیفوں کے یہ تمام اسباب جو کہ انہوں نے مہیا کر رکھے ہیں، بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ بیت

رموز مملکت و ملک خسرواں دانند

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اور آپ تہلیل، یاد مولیٰ اور طالبانِ رشد و ہدایت کے ارشاد میں مصروف رہیں۔

خن ز مطرب و مے گو دراز دہر کمتر جو

کہ کس نہ کشور نہ کشاید حکمت اس معمر را

ہاں آپ کو اس قدر جاننا چاہیے کہ ان کے مجاہدہ کی باری اس وقت آئے گی کہ مجاہد اور ذکر والوں میں سے دنیا میں کوئی باقی نہ رہے گا اور ولایت کی راہ بالکل بند ہو جائے گی اور خدماتِ غیبیہ جیسے غوایت، قطبیت، ابدالیت اور اوتادیت ختم ہو جائیں گی اور قطب مدار زمین پر نہیں رہے گا اور ابدال و اوتاد سب قبض کر لیے جائیں گے اس لیے کہ اس گروہ کے باقی رہنے کے باوجود دنیا کو جو کہ دائمی ذکر کے مجاہدے اور دنیوی نعمت و آسائش سے محظوظ ہونے کے درمیان جامع ہے اور اس میں دونوں بازار گرم ہیں، خراب کرنے کی

کوئی وجہ نہیں اور جب ایک بازار ویران ہو تو جہان کا دو متقابل چیزوں میں سے ایک سے خالی ہونا لازم آیا۔ ناچار دوسرے جہان کو جلوہ گر کرنے پر توجہ ضرور پڑے گی اور دنیا سے راہِ ولایت کے بند ہونے اور دائمی ذکر کے مجاہدے کے منقطع ہونے کی علامت یہ ہے کہ ولایت کا تخم جو کہ ایمان ہے جہان میں نہ رہے گا تاکہ اس کی نشوونما ممکن ہو اور یہ علامت متحقق نہ ہوگی مگر

اہل اللہ کی برکت سے جہان کا قیام ہے

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ اس دن کہ زمین اور پہاڑ کانپیں گے۔ قطب مدار اوتاد اور ابدال کی وفات کی وجہ سے کہ ان کی برکت سے جہان کا قیام اور سلامتی تھی۔
وَكَاثِبِ الْجِبَالِ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے کہ ان کے اجزاء میں ٹھہراؤ بالکل باقی نہ ہوگا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں عربی والوں کا ایک مشہور سوال ہے کہ جبال جمع کا صیغہ ہے۔ پس اس کی خبر میں کثیبا مہیلہ فرمانا چاہیے تھا لیکن تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ سب پہاڑ ریت کے ایک ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے درمیان امتیاز اٹھ جائے گا اگر پہاڑ جگہ جگہ مضحل الا اجزاء ہو کر رہتے تو ریت کے مختلف ٹیلے معلوم ہوتے اور جمع صحیح ہوتی اس صورت میں جمع لانا باغت میں خلل ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ جب چند نہریں جمع ہو کر ایک ہی وادی میں جاری ہوں تو یوں نہیں کہا جاسکتا کہ صارت الانهار کلھا انھارا عریضة بلکہ نہرا عریضا کہنا چاہیے۔

جب قرب و وصال کی راہ کے سلوک کی تعلیم اور اس کی شرائط کے بیان سے جو کہ صبر و تحمل رضا و تسلیم اور سب کاموں کو حکمتِ الہی کے سپرد کرنے تک پہنچتی تھی فراغت ہوئی تو اب اس راہ کے منکروں کو غضب آمیز خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو اپنے رسول علیہ السلام کو امر و نہی کی ہے اور انہیں تمہاری بربادی کی دعا اور انتقام لینے سے روکا

ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ پیغمبر صرف ایک ایلچی تھا کہ آیا پیغام دیا اور چلا گیا اس کی تا فرمائی کرنے سے کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ یہ پیغمبر علیہ السلام صرف ایلچی نہیں ہیں۔ تمہارے بارے میں ان کی بات اور گواہی مقبول ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رسول علیہ السلام تمہاری شکایت کریں اور غضب و انتقام کا دریا جوش میں آجائے اور تم دنیا میں بھی آفات بلیات قحط و بلاء فقر اور تکلیف میں گرفتار ہو جاؤ جس طرح کہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے منکروں کو اس قسم کا عذاب ہوا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ تَحْقِيقَ هِمَّ نَزَّاهِرِي طَرْفِ وَه رَسُوْل
بھیجا ہے جو کہ گواہ ہوگا اور ہمارے حضور عرض کرے گا کہ فلاں اس راہ کا منکر ہوا اور فلاں نے اس راہ کو قبول کیا تاکہ اس کے مطابق ہم منکروں اور موافقوں میں سناہر ایک کے ساتھ سلوک کریں۔

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا جِيسَا كَهَمْ نَزَّاهِرِي طَرْفِ وَه رَسُوْل
ایک رسول بھیجا تھا جن کی گواہی اور بات مقبول تھی اور وہ رسول حضرت موسیٰ ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اکثر اہل تواریخ و اخبار کے گمان میں آپ کا فرعون کی طرف جانا صرف پیغام رسائی اور ایلچی گری کے طور پر تھا اس لیے کہ آپ بنی اسرائیل کے رسول تھے جبکہ فرعون فرقہ قبط سے تھا۔ نیز آپ کو فرعون کی طرف بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہائی دلائیں اور فرعون اور قبطیوں کی رشد و ہدایت آپ کی نبوت کی اصل میں داخل نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کے قلوب کو روشن کرنا اور ان کی رسموں کو درست کرنا مقصود تھا۔ پس بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی بعثت کا مقصد سفارت رسالت اور اس قوم کی طرف پیغامات الہی پہنچانا بھی ہوتا اور طالبان رشد و ہدایت کی تعلیم و ارشاد ان کے دلوں کو منور کرنا اور انہیں خدا تعالیٰ تک پہنچانا بھی۔ پس وہ صرف رسالت نہیں رکھتے تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی نسبت سے صرف قاصد تھے لیکن فرعون اور قبطیوں کو ہلاک کرنے اور انہیں جلد سزا دینے کے بارے میں

آپ کی درخواست دنیا میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ پس فرعون نے اپنے اس رسول کی نافرمانی کی۔
فَأَخَذْنَا لَهُ أَخْذًا وَبَيِّنًا پس ہم نے اسے دنیا میں سخت وبال والی گرفت سے پکڑا اس لیے
کہ اسے تمام فوج اور لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا اور ایک لمحہ کے اندر اس کی بادشاہی
ملک، عمارات، باغات، جواہر اور اس کی عیش و آسائش کے آلات اس کے دشمنوں کے
حوالے کر دیئے۔ اس عظمت و شوکت کے باوجود جو کہ فرعون کو حاصل تھی، اپنے وقت کے
رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس وبال میں گرفتار ہوا تم جو کہ اس کا سوا حصہ
بھی نہیں رکھتے ہو، اپنے رسول علیہ السلام کو کس طرح تکلیف دیتے ہو اور ان کے حکم کو قبول
نہیں کرتے ہو اور اگر تم اس رسول علیہ السلام کے کمال حلم اور بردباری کی بناء پر جو کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج کی نسبت سے پانی اور آگ کا حکم رکھتا ہے اس جہان
کے عذاب اور آپ کی دعائے ہلاکت سے محفوظ رہو۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ پس تم کیسے بچو گے اور اپنے آپ کی عذاب سے حفاظت کرو گے؟
إِنْ كَفَرْتُمْ اگر تم کفر میں مر گئے اور تم نے اپنے رسول علیہ السلام کی فرماں برداری نہ کی۔
یونہی اس دن کہ بے گناہوں کو ان کمزور تعلقات کی بناء پر جو کہ وہ گناہ گاروں کے ساتھ
رکھتے تھے، سختی اور تنگی، خوف اور الجھن درپیش آئے گی یہاں تک کہ

يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا وہ دن چھوٹے بچوں کو سفید بالوں والا بوڑھا کر دے گا اس
قدر خوف کھائیں گے کہ ان کے بال سفید ہو جائیں گے اور اس روز چھوٹے بچوں کے
بال سفید ہونے کا سبب یہ ہوگا کہ اپنے ماں باپ، بھائیوں اور بہنوں کی گھبراہٹ اور گریہ
زاری دیکھنے کی وجہ سے چھوٹی عمر کے بچوں پر افکار و غموم قلب کے اندر روح کی رکاوٹ کا
موجب ہوں گے اور حرارت غریزی کا عمل کمزور ہو جائے گا اور اخلاط میں کچا پن پیدا ہوگا
اور فاسد بلغم غالب ہو کر مسام کی راہ سے جو کہ بالوں کے اُگنے کی جگہیں ہیں، باہر آئے گی
اور اس قسم کی تکلیف جو کہ اس دن بچوں کو ہوگی، جزا اور سزا دینے کے طور پر نہیں جیسا کہ
غلط فہمی کی وجہ سے معتزلہ نے اسے اس قبیلے سے سمجھ کر اس کا انکار کیا ہے اور کلام کو تمثیل

اور کناہ پر محمول کیا بلکہ یہ تکلیف تابع ہونے کے طور پر تخلیق کے احکام سے ہے کہ اس کا واقع ہونا ضروری ہے جیسا کہ دنیا میں بچوں کی بیماریاں اور تکالیف۔

لیکن بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ تکلیف بھی کافروں کے بچوں کے ساتھ خاص ہوگی نہ کہ ایمان والوں کے بچوں کو شامل۔ اور ظاہری طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ گھبراہٹ اور گریہ زاری کفار کو زیادہ ہوگی اس حد تک کہ ان کے بچوں میں بھی اثر کرے گی۔ بخلاف ایمان والوں کے کہ ان پر ان چیزوں کو ہلکا کر دیا جائے گا اور جلدی زائل ہو جائیں گی اور اس کے علاوہ ایک اور فرق بھی ہے کہ ایمان والوں کے بچوں کو اپنے اقارب کے ایمان کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور معافی کی شرط ہے، انہیں عذاب سے چھڑانا ممکن ہوگا۔ پس اس تکلیف کی سزا نہیں پائیں گے۔ بس یہی کہ وہ اپنی ماؤں اور قریبیوں کو عذاب میں بے چین دیکھیں گے شفاعت اور معافی کی درخواست کی وجہ سے انہیں اٹھالیں گے اور مطلب پالیں گے۔

مردِ مومن کے تین بچوں کی وفات اسے جہنم میں داخل ہونے سے بچالے گی

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی باایمان شخص کے تین نابالغ بچے اس جہان سے نہیں گزرتے مگر یہ کہ اس پر جہنم کا داخلہ حرام ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ بچے قیامت کے دن اسے دوزخ میں نہیں چھوڑیں گے اور حق تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ بخلاف کفار کے بچوں کے کہ اپنے باپوں اور ماؤں کو عذاب میں دیکھیں گے اور ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور نجات کی شرط ہے، عرض نہیں کر سکیں گے۔ پس ناچار غم اور جلن میں گرفتار رہیں گے یہاں تک کہ انہیں بہشت میں داخل کریں اور جنتیوں کے خدمت گزار بنادیں اور وہ اپنے قریبیوں کو بھول جائیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس روز سفید بال بدکاری سے پیدا ہونے کی علامت ہوگی وہ بچے جو کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے اس دن خوف میں گرفتار ہوں گے جبکہ دوسرے بچے خوف سے محفوظ رہیں گے لیکن اس تخصیص کی صحیح سند چاہیے اور اس کے علاوہ بے گناہ کو تکلیف دینا توجہ طلب ہے اس لیے کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے

والے کا کوئی گناہ نہیں ہے اور بہر حال اس دن کا خوف گناہ کے ادنیٰ تعلق کی وجہ سے غالب ہوگا یہاں تک کہ گناہ گاروں کے مکانات کو بھی پیوند زمیں اور مسمار کر دے گا اور جس زمین اور عمارات میں گناہ واقع ہوتے تھے وہ بھی درہم برہم ہو جائیں گی بلکہ

السَّمَاءُ آسَمَانٌ بَهِیْءٌ یُّبَیِّنُ لَیْلًا وَنَهَارًا ۚ وَہَا ۤیَکُوْنُ کُوْنِیْ گناہ واقع نہ ہوا تھا اور اس کے رہنے والے سب معصوم اور پاک ہیں صرف اس تعلق کی بناء پر کہ اس سے گناہ گاروں کا رزق نازل ہوتا تھا اور ستاروں کی شعاعوں اور آسمانی حرکات سے گناہ گار بھی فائدہ لیتے تھے انقلاب پذیر ہوگا اور اس طرح درہم برہم ہوگا کہ آسمان آسمان نہیں رہے گا تاکہ اسے تانیث کی وصف سے ذکر کیا جائے اس لیے کہ آسمان اور ہر چیز کی تانیث اس کی ذہنی صورت کو لازم ہے اس صورت پر دلالت کرنے والے لفظ کے وسیلے سے ذہن میں آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی لفظ کے ساتھ معنی کی تعبیر کرتے ہیں تو تذکیر و تانیث میں اس صورت کا اعتبار ہے جو کہ اس لفظ سے ذہن میں حاصل ہوئی ہو نہ وہ صورت جو کہ فی الواقع ہے۔ مثلاً مرد کو جب نفس یا جان کے ساتھ تعبیر کریں تو مؤنث ہے اور عورت کو جب آدمی سے تعبیر کریں مذکر ہے اور اس وقت جبکہ آسمان کی صورت درہم برہم ہوگئی تو جو صورت لفظ سماء کا مدلول تھی ذہن میں نہ رہی اب اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ آسمان ایک

مُنْفَطِرٌ بِہِ ایسی چیز ہے جو کہ اس دن کے صدمے کی وجہ سے پھٹی ہوئی اور چری ہوئی ہے اسی لیے منظرہ نہیں فرمایا ہے باوجود اس کے کہ لفظ سماء مؤنث ہے۔ گویا یہ جتلیا جا رہا ہے کہ آسمان کو اس وقت آسمان نہیں کہنا چاہیے اور نہیں سمجھنا چاہیے جس طرح کہ گھر کو دیواریں اور چھت ڈھ جانے کے بعد گھر نہیں کہا جاسکتا ایک میدان پڑا ہے جب آسمان نہ ہو تو اس کی خبر کی تانیث بھی مناسب نہ ہوئی جو کہ اس کی آسمانیت کی بقاء پر دلالت کرتی۔

ایک جواب طلب سوال

اور اگر یہاں کسی کے دل میں ایک سوال پیدا ہو کہ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ۔ إِذَا

marfat.com

Marfat.com

السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَاَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ کی آیات میں اس کا اعتبار کیوں نہ فرمایا گیا اور تانیث کی علامت لگادی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ فعلیہ جملے ہیں جو کہ حدوت و تجدو پر دلالت کرتے ہیں اور انفطار اور انشقاق کی ابتدا میں آسمان آسمان ہی تھا اور اس کی صورت کے لوازم یعنی تانیث وغیرہ برقرار تھے اس لیے ان افعال میں علامت تانیث لگانا ضروری ہوا۔ بخلاف السماء مُنْفَطِرٌ بہ کو نیز اجملاً اسمیہ ہے اور استمرار و ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور کسی شے کا دوام و ثبوت اس شے کے پورا ہونے کے بعد ہے اور آسمان انفطار کے پورا ہونے کے بعد آسمان نہ رہا تا کہ اس کی صورت سماویہ قابل اعتبار ہو لیکن وَاَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ کی وجہ یہ ہے کہ انشقاق کی ابتدا میں جو کہ انشقت کا مدلول ہے آسمان اپنے حال پر آسمان تھا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے بعض اجزاء میں انشقاق کا آغاز ہو چکا اور اس کے باقی اجزاء ست اور ڈھیلے ہو کر انشقاق کے قریب ہو چکے ہوں گے۔ پس ”وہی“ (جو کہ واہیہ کا مصدر ہے) کے وقت جو کہ سستی اور ڈھیلا ہونے سے عبارت ہے ابھی اس نے صورت سماویہ جدا نہ ہوئی تا کہ اس کے لوازمات کا اعتبار نہ کریں۔ چنانچہ وَالْمَلَكُ عَلَى اَرْجَائِهَا اس کی آسمانیت کی بقاء پر صریح دلالت کرتا ہے۔

اور اگر منکرین کہیں کہ اس قسم کے روز سیاہ کا واقع ہونا جو کہ تم بیان کرتے ہو بہت بعید ہے اس کی انتہا یہ ہے کہ ممکن ہوگا اور ہر بلائے ممکن سے ڈرنا اور اس کے دور کرنے کی فکر میں لگ جانا اور خود کو بے آرام رکھنا عقل مند کا کام نہیں اور اگر بالفرض جزا اور اعمال کے بدلے کے قانون پر نظر کرتے ہوئے اس دن اور اس دن کی تکلیف کے وجود کی سمت غالب بھی ہو تو پھر بھی وہ متوقع اور موعود بلا ہے اور مشہور مثال میں ہے کہ اس بلا سے نہ ڈرجس کے درمیان ابھی رات باقی ہے ہم اپنے نقد عیش کو اس موہوم خطرے کی وجہ سے برباد کیوں کریں؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے جس بلا کا واقع ہونا ضعیف عقلی قرائن اور نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے یا اس بلا کا عام ہونا اور پھیلنا ہر کسی کو

صفائی اس کے ذہن سے نکل گئی ہے راہ سلوک کو بیان کر کے اسے وہ اصلی حالت یاد کرائی جا رہی ہے اور اسے اس کے اصل مقام کا اشتیاق دیا جا رہا ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا۔ بیت

میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش

جذبہ اصل است سیر شورش مستانہ ام

یعنی ہر عنصر کا جھکاؤ اپنے اصلی مقام کی طرف ہوتا ہے اور میری شورش مستانہ کی سیر جذبہ اصل ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دراصل یہ سورۃ اسی آیت پر پوری ہو گئی تھی جیسا کہ مفسرین نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور جب اس سورۃ میں پہلے تمام ریاضتیں اور مجاہدات شب بے داری اور تہجد گزاری ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام اور سلوک راہ خدا میں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے اس عبادت کو ادا کرنے میں اپنے اوپر پوری کوشش لازم کر لی یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے رات کی نیند بالکل ترک کر دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے ریاضت کی اس مدت میں کہ آدمی رات یا کچھ زائد یا قدرے کم جو کہ ہمارے لیے مقرر فرمائی گئی ہے کوئی کمی واقع ہو جائے اور اس قدر مدت کو نیند سے آگے پیچھے اٹھنے کی وجہ سے ہم پوزانہ کر پائیں اور ان لوگوں کو سخت مشقت لاحق ہوئی یہاں تک کہ ان کے قدموں پر ورم آگئے اور رنگ زرد ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مدت کی حد بندی اور تعین میں بہت تکلیف اٹھاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مدت میں کمی واقع ہو جائے اور ہم اس ریاضت کے عہدہ سے سرخ رونہ ہو سکیں اور یہ مشقتیں ایک سال تک جو کہ بارہ ماہ کی پوری مدت تھی ان پر قائم رہیں۔ ایک سال کے بعد حق تعالیٰ نے یہ آیت اس سورۃ پر بڑھادی اور نازل فرمائی اور اس آیت کے نزول کی وجہ سے اس مدت کا تعین معاف ہو گیا اور اصل تہجد و شب بے داری مدت کے تعین رکعات کی گنتی کے تعین اور قدر قرأت کے تعین کے بغیر مسنون اور موکدر رہی اور اس آیت کے

نزول کے بعد حضور علیہ السلام کا عمل اور آپ کا دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دینا قوت و استعداد اور نشاط کی قلت و کثرت کے مطابق مختلف رہا۔

ختم قرآن مجید کی ترتیب کا بیان

چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تہجد میں ختم قرآن پورے مہینے میں کیا کریں تاکہ ہر رات ایک پارے کی قدر قرأت واقع ہو اور بعض روایات میں ختم قرآن چالیس رات میں بھی وارد ہوا ہے اور جب ان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شدت رغبت اور زیادہ قوت کو بیان کیا تو آپ کے لیے ختم قرآن ایک ہفتے میں مقرر فرما دیا اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی امر شریف کو اپنا معمول بنا لیا اور انہوں نے اسباع قرآن کریم کو اس طرح مقرر کیا کہ جمعہ المبارک کی رات تین سورتیں ہفتہ کی رات پانچ سورتیں اس کے بعد سات اس کے بعد نو اس کے بعد گیارہ اس کے بعد تیرہ اور اس کے بعد باقی جو کہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہے اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ جمعہ المبارک کی رات کو سورۃ مائدہ کو پورا فرماتے اور ہفتہ کی رات کو سورۃ ہود اس کے بعد سورۃ مریم ازاں بعد سورۃ قصص ازاں بعد سورۃ ص ازاں سورۃ الرحمن اور اس کے بعد باقی قرآن پاک کو پورا کرتے اور اس کا نام ختم احزاب رکھتے تھے جیسا کہ پہلی ترتیب کو ختم فنی بشوق کہتے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے دوسری جماعت جیسے عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم آیات کی تعداد کا لحاظ فرماتے اور ہر رات ہزار آیات کی تلاوت فرماتے اور اس صورت میں بھی ساتویں رات ختم قرآن پاک ہوتا تھا۔

نماز تہجد کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے طریقوں کا بیان

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں دس آیات دو رکعت میں پڑھے اسے غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا۔ اور جو چند رکعت میں سو آیات کی تلاوت کرے اسے عابدوں میں سے لکھتے ہیں۔ اور جو ہزار آیات پڑھے اسے عمدہ زرداروں میں سے

لکھتے ہیں۔ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں قرآن پاک کی پچاس آیات پڑھے قیامت کے دن قرآن اس سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا ورنہ قرآن اس سے نزاع اور جھگڑا کرے گا کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا اور میری تلاوت کا حق ادا نہ کیا۔ اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیات نماز تہجد میں تلاوت کرے تو اسے کافی ہیں۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک کا تیسرا حصہ ہر رات پڑھا کرو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہر رات قرآن پاک کا تیسرا حصہ پڑھنا بہت مشکل ہے ایسا کس سے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سورہ قل ہو اللہ احد ثواب میں قرآن پاک کے تیسرے حصے کے برابر ہے اگر تم اسے پڑھو تو تمہیں قرآن کے تیسرے حصے کی تلاوت کا ثواب حاصل ہو اسی لیے اکثر مشائخ نے اس سورہ کو نماز تہجد میں پڑھنے کا معمول رکھا ہے۔

نماز تہجد میں سورہ اخلاص پڑھنے کے چند طریقے

اور اس کے چند طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ سورہ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں اس سورہ کو تین بار پڑھیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ پڑھیں اور اس کے بعد ایک ایک بار کم کرتے جائیں یہاں تک کہ آخری رکعت میں جو کہ بارہویں ہے ایک بار پڑھی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ پہلی رکعت میں ایک بار پڑھیں اور ہر رکعت ایک ایک بار بڑھاتے جائیں تاکہ آخری رکعت میں بارہ بار واقع ہو لیکن فقہاء کے نزدیک یہ طریقہ مقبول نہیں اس لیے کہ دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے اور یہ ترک اولیٰ ہے اور مشائخ میں سے بعض ہر رکعت میں سورہ منزل کو سورہ اخلاص کے ساتھ ملاتے ہیں۔ حضرت خواجہ عزیزاں قدس سرہ جو کہ گروہ نقشبندیہ کے حلقہ کے مقتدا ہیں سے منقول ہے کہ آپ اپنے احباب کو نماز تہجد میں سورہ یسین پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ جب اس نماز میں تین دن جمع ہو جائیں تو مطلب حاصل ہو جاتا ہے رات کا دل جو کہ آدمی رات کے بعد ہے قرآن کریم کا دل جو کہ سورہ یسین ہے اور مرد

مومن کا دل جو کہ ایمان سے معمور ہے۔

بہر حال اس آخری آیت کے نزول کی وجہ سے نماز تہجد کی خصوصیات، کیفیات اور مقدار میں پوری گنجائش حاصل ہوگئی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ نماز اسی گنجائش کے لائق ہے اس لیے کہ نیند کے غلبے اسباب کے فقدان اور وقت کے جانے اور باقی رہنے سے غفلت کا وقت ہے اگر یہ گنجائش نہ ہوتی تو اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو جاتی جیسا کہ اس گنجائش کے باوجود بھی اس میں بہت دشواری اور اس پر ہمیشگی کرنا تو نیتِ نبی کے بغیر ممکن نہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ تَحْقِيقَ ۗ
 آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ نماز تہجد میں کبھی رات کے دو حصوں کے قریب کھڑے رہتے ہیں۔ وَنِصْفَهُ
 اور کبھی آدھی رات و ثُلُثَهُ اور کبھی رات کا تیسرا حصہ۔ پس آپ ہمارے حکم کی تعمیل کرتے
 ہیں اور ہمارا فرمان بجالاتے ہیں اور قلیلاً کے لفظ سے جو کہ ہم نے انقص منہ قلیلاً اوزد
 علیہ میں ارشاد فرمایا تھا آپ خوب سمجھے کہ کمی اور قلت کی حد کو آپ نے چھٹے حصے تک
 پہنچایا اور یہی ہماری مراد تھی اس لیے کہ اگر آپ چھٹے حصے سے زیادہ کم اور زائد کریں تو نہ
 ہوتا مگر چوتھائی اور چوتھائی نصف کا نصف ہے۔ شے کے نصف کو قلیل نہیں کہا جاسکتا۔

وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۗ
 اور اسی طرح ان لوگوں میں سے ایک جماعت بھی
 کھڑی رہتی ہے جو کہ آپ کے ہمراہ اور آپ کی رفاقت میں راہِ خدا کا سلوک کرتے ہیں
 اور ہر وقت وہ آپ کی سمجھ اور عمل کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کو جو کہ ساری
 رات بے دار رہتے تھے ذکر نہ فرمایا اس لیے کہ وہ لوگ ایک وجہ سے قابلِ تعریف ہیں کہ
 انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور اس وجہ سے محلِ عتاب ہیں کہ انہوں نے پیغمبر علیہ السلام
 کے سمجھے ہوئے مسئلہ کی پیروی نہ کی لیکن اس مقدار معین کو معلوم کرنا ممکن نہ ہوگا اس لیے
 کہ رات کی کمی بیشی دستِ قدرت میں ہے۔

وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ
 اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اور
 مقدار بخشتا ہے چھ ماہ تک ہر روز رات کچھ گھنٹی ہے اور ہر دن بڑھتا ہے اور چھ ماہ تک ہر

دن کچھ گھٹتا ہے اور ہر رات بڑھتی ہے۔ پس پورے سال میں ایک رات دوسری رات کے برابر نہیں رہتی اور جب ایک رات کسی دوسری رات کے برابر نہ ہوئی تو اس کا نصف اس کے نصف کے برابر نہ ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس

ایک تہائی، دو تہائی اور چھٹا حصہ بھی برابر نہ ہوں گے اس لیے کہ ہر چیز کے شائع اجزاء طول اور کمی میں اس چیز کے تابع ہیں۔ پس آپ کو راتوں میں سے ہر رات کے نصف کو پہچاننے میں سخت دشواری درپیش ہوگی اور ساعت شناسی کے آلات، علم مکانات حاصل کرنے، زاپچوں سے ہر سال کی تقویم نکالنے اور گھنٹوں، منٹوں، سیکنڈوں اور لمحوں پر آسمانی حرکات کے حساب کی احتیاج ہوگی اور اس امر میں زبردست انہماک کی وجہ سے ملت حنیفیہ سے جس کے لیے اُمی ہونا لازمی ہے، آپ غیر متوجہ ہو جائیں گے اور صابیوں، ہندوؤں، یونانیوں اور کفار کے دوسرے گروہوں کی طرح آپ کی اُمت تقویٰات نکالنے اور پترہ نویسی میں مشغول ہو جائے گی اور یہ امر دو بہت بڑی خرابیوں کا موجب ہوگا۔ پہلی خرابی مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں الجھنا جس نے ایک جہان کی راہ ماری ہے۔ چنانچہ علم صرف، نحو، منطق، معانی، کلام اور اصول میں اتنا مصروف ہوتے ہیں کہ مقصد سے محروم رہتے ہیں اور تبتیل اور ریاضت ان سے حجابات اٹھانے میں بعد المشرقین کے فاصلے پر دور جا پڑتی ہے۔ دوسری خرابی یہ کہ یہ شغل انہیں ستاروں کی حرکات، اتصالات اور انصرافات اور ان کے قران میں گہری سوچ تک کھینچ لے جائے گا اور یوں انہیں نجوم اور ان کی سعادت و نحوست کا عقیدہ حاصل ہوگا اور وہ شرک کی سرحد تک پہنچ جائیں گے اور پھر ہر رات کی مدت کی کمی بیشی کا علم تقریباً ہوگا نہ کہ تحقیقا اسی لیے حق تعالیٰ ازل میں عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ جانتا ہے کہ تم مقدار معین کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکو گے۔ پس تمہیں شب بے داری کی مدت کو معین کرنے کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق کے قبیلے سے ہے۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اگر شب بے داری

marfat.com

Marfat.com

کی مدت کا تعین برابر گھنٹوں اور منٹوں میں فرمایا جاتا تو اس کی اطلاع آسان تھی اور اس کے احاطہ کا امکان تھا تو مدت کے تعین کو موقوف کیوں فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سال کی راتوں سے ہر رات کو پورا کرنے کی وجہ سے برابر گھنٹے اور منٹ دنیا کے مختلف حصوں اور جدا جدا موسموں میں قسم قسم کی نسبتیں پیدا کرتے ہیں۔ بعض ریاستوں کے رہنے والوں کے حق میں بعض موسموں میں وہی گھنٹے اور منٹ نصف رات کے وقت پہنچتے جبکہ دوسری ریاست کے رہنے والوں کے حق میں دوسرے موسم میں چوتھائی کی قدر بلکہ اس سے بھی کم تر ہو جاتے اور یہ کھلا اختلاف عام تکلیف میں مناسب نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو خرابیاں کہ رات کے اجزاء کو پہچاننے کی تکلیف میں ملحوظ ہیں یہاں بھی اُبھی ہوئی ہیں۔ لایعنی علوم میں انہماک مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں اُلجھنا اور نجوم اور ان کی تاثیرات کے عقیدے کا خوف سب کے سب اس تکلیف میں موجود۔ پس اس تکلیف کو ختم کرنا اور اس کی جگہ اس تکلیف کو لانا اسی طرح ہے کہ بارش سے بھاگا اور پرنا لے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ تکلیف ان خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھی اور تکلیف مالا یطاق کی سرحد تک پہنچتی تھی تو سورۃ کی ابتدا میں اسے ذکر کیوں فرمایا اور شروع سے ہی گنجائش کیوں نہ فرمائی اور ایک سال تک حضرت رسول کریم علیہ السلام اور ان کے صحابہ کرام کو مشقت میں کیوں ڈالے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الہی میں اس اُمت کے حال سے زیادہ مناسب یہی گنجائش تھی لیکن امرِ نبی کے مالک کا قاعدہ ہے کہ جب اسے کسی سے کوئی دشوار کام کرانا منظور ہوتا ہے تو پہلے اس سے بھی زیادہ دشوار کام کا حکم دیتا ہے اور ایک مدت تک اسے اس رنج اور مشقت اٹھانے میں چھوڑ رکھتا ہے اس کے بعد گنجائش اور تخفیف کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذہن میں تخفیف کی نعمت کی قدر پیدا ہو اور اس امر کی مشقت اس کے حوصلے سے ہلکی ہو جائے اور وہ جان لے کہ جو امر مطلوب تھا میں سرانجام نہ دے سکا اور اپنی ندامت اور شرمساری اور صاحب امرِ نبی کا خاص لطف و کرم اس کا نصب العین رہے اور اگر ابتدا ہی سے اس کام کا حکم دیں تو یہ سہولت اور آسانی ہرگز

جب یہ لفظ بندوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے معصیت سے طاعت کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے اور جب ذاتِ حق جل و علا کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے دشوار ذمہ داری کی حالت سے سہولت اور آسانی کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں اور جب ہمارا مقصد تم پر سہولت اور آسانی ہے۔

فَاقْرَأْ وَ اِمَّا تيسَرَ مِنَ الْقُرْآنِ پس تم پر جس قدر آسان ہو نماز تہجد اور شب بے داری میں قرآن شریف پڑھو کہ کم از کم دو رکعت میں دس آیات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رکعتان فی جوف اللیل خیر من الدنیا وما فیہا رات کے دوران دو رکعت ادا کرنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کا ساتواں حصہ تیرہ رکعات میں ہے اگر وتر بھی باقی ہیں ورنہ بارہ رکعت میں (حدیث شریف کی بے شمار روایات سے ثابت ہے وتر تین رکعت ہیں۔ چنانچہ نسائی شریف، طحاوی، طبرانی صغیر اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اخرهن حضور علیہ السلام وتر کی تین رکعت ادا فرماتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔ نیز ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبع اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکافرؤن وقل هو اللہ احد فی رکعۃ رکعۃ حضور علیہ السلام وتر میں سبع اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکافرؤن وقل هو اللہ احد پڑھا کرتے ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ۔

اور جن روایات میں وتر کی ایک رکعت ثابت کی جاتی، وہ معنی حدیث کو سمجھنے میں غلطی ہے کیونکہ اگر یہی معنی ہو کہ وتر کی صرف رکعت ہے تو جن بے شمار احادیث میں تین رکعات ثابت ہیں ان سے تصادم ہوا۔ ایسا ترجمہ چاہیے کہ تصادم کے بجائے مسئلہ کو تقویت ملے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر نہیں وتر بنایا اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے جاء الحق حصہ دوم از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں

گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور بعض نے قرآن پاک کے ایک تہائی تک کی تلاوت بھی جائز قرار دی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جس نے قرآن پاک کو تین رات سے کم میں ختم کیا، بے سمجھ اور لایعقل ہے اس لیے کہ تلاوت قرآن پاک کا جو مقصد ہے، وہ اس کے معنی میں تدبر اور غور و فکر کرنا ہے اور تین راتوں سے کم میں اکثر لوگوں کو یہ مقصد حاصل ہونا بعید ہے اور اس کے علاوہ ترتیل اور تجوید بالکل فوت ہو جاتی ہے۔ پس قرآن قرآن نہیں رہتا (کم مدت میں ختم قرآن سے روکنے کی علت بیان کا مقصد یہ ہے کہ جو کم مدت میں پورے اہتمام ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھ سکیں، انہیں اجازت ہے۔ دیکھو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان پاک میں روزانہ ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں اور ایک ختم تراویح میں فرماتے اسی طرح طحاوی شریف میں حضرت ابن سیرین سے روایت ہے کہ کان تمیم الداری یحیی اللیل بالقرآن کلہ فی رکعۃ حضرت تمیم داری صحابی رسول علیہ السلام ورضی اللہ عنہ رات بھر جاگتے اور ایک رکعت میں قرآن پاک ختم فرماتے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور اگر اے مسلمانو! تم جو ریاضت اور مشقت کا ذوق رکھتے ہو سو چو کہ شب بے داری کی مدت کا تعین رات کے شائع یا معین اجزاء کے ساتھ تو ضرور تکلیف مالا یطاق اور ان مذکورہ خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھا لیکن قرآن پاک کی قرأت کی مقدار کے ساتھ اس مدت کا تعین ہمارے حال سے بہت مناسب تھا اور اس میں کوئی خرابی پیش نہ آتی۔ پس مدت کے تعین کو بالکل ہی کیوں ختم کر دیا گیا، چاہے تھا کہ قرآن کے احزاب اور اس کے اجزاء پر اس مدت کو موزوں کر کے تعین فرما دیا جاتا مثلاً یوں ارشاد ہوتا کہ پانچ پارے یا چار پارے یا ہزار آیات یا پانچ سو آیات یا چار چار رکوع ایک رکعت میں پڑھتے رہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل الازل میں

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرَضٍ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرَضٍ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرَضٍ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرَضٍ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرَضٍ

بیماریاں انتہائی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بیماریوں میں ایک آیت بھی پڑھنے کی طاقت نہیں

ہوتی چہ جائیکہ ایک پارہ اور ایک سورہ

وَ الْاٰخِرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور دوسرے وہ ہوں گے جو زمین میں ڈور دراز کے سفر کرتے ہیں اور وہ سفر ایسے نہیں ہیں کہ انہیں ممنوع اور حرام قرار دیا جائے اس لیے کہ ان سفروں میں وہ

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے ہیں ظاہر میں جو کہ رزق روزی نوکری اور تجارت ہے یا باطن میں جو کہ طلب علم حج و عمرہ کی ادائیگی اور صلحا و اولیاء کی زیارت ہے کہ دل کا نور انہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوران سفر اس وقت ایک گھنٹے کے قیام اور ایک سورہ کی تلاوت کی طاقت نہیں رہتی چہ جائیکہ ہزار آیات اور سو آیات کی۔

وَ الْاٰخِرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اور کچھ اور ہوں گے جو کہ راہ خدا میں دشمنان دین کے ساتھ جنگ کریں گے اگر ہم انہیں قرآن کریم کے ایک معین ورد کا حکم دیں تو جنگ اور جہاد میں کوتاہی واقع ہو جائے اور یہ تینوں عذر جو ذکر کیے گئے قابل اعتبار ہیں اس لیے کہ مرض لاحق ہونا اپنے اختیار کے ساتھ نہیں ارادہ الہی سے ہے اور طلب معاش اور طلب علم دونوں آدمی کی روح اور جسم کی زندگی کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں اور دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد اور جنگ کرنا بنی نوع انسان کی تکمیل اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح میں ضروری ہے اسی لیے اسی ترتیب کے ساتھ ان دونوں عذروں کو ذکر فرمایا گیا ہے اس لیے کہ جو عذر اپنے اختیار کے بغیر ہو خصوصیت کے ساتھ مقدم ہے کیونکہ بدن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بدن عبادت کا آلہ ہے اور جو عذر معاش اور معاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس عذر پر مقدم ہے جو کہ اپنی نوع کے افراد کی تکمیل کے ساتھ متعلق ہو اور جب تمہارے بعض افراد کو یہ عذر پیش آنے والے ہیں جن کا اعتبار واجب ہے۔ پس قرآن پاک کے معین ورد کے تعین کے ساتھ عام تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔

فَاَقْرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ پس اندازہ قرأت کو معین کیے بغیر جو کچھ تم پر آسان ہو

پڑھو جیسا کہ ہم نے پہلی تخفیف میں وقت قرأت کی مدت معین کیے بغیر حکم دیا تھا اور اگر تمہیں شب بے داری اور تہجد گزاری کے تعین کے گرانے کی وجہ سے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ریاضت اور مجاہدہ میں کمی واقع ہو جائے اس لیے کہ آدمی کا نفس عمل کا اندازہ معین کیے بغیر اس کی پابندی نہیں کرتا تو جان لو کہ تمہارے ذمہ معین فرائض بھی بے شمار ہیں ان کی ادائیگی میں مجاہدہ کرو۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ اور نماز کو قائم رکھو جو کہ پانچ اوقات میں رکعت کے تعین کے ساتھ تم پر فرض ہے اور نماز قائم کرنا بہت مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے کہ اقامت کا معنی درست کرنا ہے اور نماز اس وقت درست ہوتی ہے جبکہ دل زبان اور اعضاء کے عمل میں کوئی خلل واقع نہ ہو وہ عمل فرض ہو خواہ سنت اور خواہ مستحب۔

وَأْتُوا الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ دو کہ وہ بھی ایک سال گزرنے کے بعد مال کا ایک جزو معین ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی عظیم مجاہدہ چاہتی ہے اس لیے کہ نفس سے مال کی محبت قطع کرنا بہت دشوار ہے اور ہم ایک اور مجاہدے کا بھی پتہ دیتے ہیں جو کہ بہت گراں اور دشوار ہے۔

وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔ مختصر یہ کہ اس کے بندوں میں سے ضرورت مندوں کو قرض حسنہ دو اور سود نہ لو اور تقاضے کے وقت سختی اور تلخی نہ کرو اور تمہارے حق سے کچھ کم کر دیں یا فی الحال کے بجائے دیر سے دیں تو قبول کرو اور مقروض پر بار بار احسان نہ رکھو اور یہی وہ قرض ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ جو شخص راہِ خدا میں ایک درہم خیرات کرنے دس درہموں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو رضائے خداوندی کے لیے ایک درہم قرض دے اس کے لیے اٹھارہ درہم کا ثواب لکھتے ہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ قرض دینے کے ثواب کی زیادتی کی وجہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جو شخص راہِ خدا میں دیتا ہے کبھی ضرورت مند کو پہنچتا ہے اور کبھی ایسے کو پہنچتا ہے جو کہ ضرورت مند نہیں جبکہ آدمی قرض اسی وقت لیتا ہے جب اسے

ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس طرح قرض دینا نفس پر بہت بھاری اور ناگوار ہے اور عظیم مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے نفس انسانی کی جبلت ہے کہ اپنا مال کسی منفعت کی امید کے بغیر خرچ نہیں کرتا خواہ وہ منفعت دنیوی ہو یا اخروی اور ایسا قرض دینے میں اس شخص کے وہم میں کوئی منفعت نہیں آتی اس لیے کہ صدقہ بھی نہیں ہے کہ صدقے کا ثواب پائے اور معاوضہ بھی نہیں ہے تاکہ مال کے بدلے اس کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی چیز اس سے حاصل کرے بلکہ اپنے مال کو بلا وجہ قید میں ڈالنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ثواب صدقے کے ثواب سے دوگنا رکھا گیا ہے۔ دوگنا دینے کی توجیہ یہ ہے کہ جب صدقہ میں ایک درہم دس درہم کے برابر ہوتا ہے اور یہاں ایک درہم اس جہت سے کہ قرض ہے اس شخص کی طرف لوٹے گا کہ اس کا مطالبہ باقی ہے۔ پس گویا ایک درہم قرض میں دینے میں نو درہم صدقہ میں دیئے اور نو کو جب دوگنا کریں تو اٹھارہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے اسرار کو زیادہ جانتا ہے۔

وَمَا تَقَدَّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ اور جو کچھ تم اپنی ذات کے لیے آگے بھیجتے ہو تاکہ آخرت کا ذخیرہ ہو۔ مِّنْ خَيْرٍ كَوْنِي خَوَاهِ نَقْلِي نِمَازِ هُوَ يَنْقَلِي رَوْزَهٗ يَنْقَلِي خَيْرَاتِ يَاشِبِ بے داری یا دوسری بدنی مالی اور ساز و سامان سے متعلق عبادات۔

تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ تم اس کا اثر خدا تعالیٰ کے نزدیک پاؤ گے۔ هُوَ خَيْرٌ اَكْ تَهَارِي دنیوی نیکی سے وہ اثر بہتر ہوگا اس لیے کہ تمہیں قرب کی حلاوت بخشے گا۔ وَاعْظَمُ اَجْرًا اور آخرت میں از روئے ثواب بہت بڑا ہوگا، کیت میں بھی اور کیفیت میں بھی اور بقاء اور عدم فنا میں بھی۔

پس تمہارے پاس مجاہدے اور ریاضت کے لیے نوافل اور تطوعات کا ایک وسیع میدان ہے اور اگر اس کے باوجود تمہیں اپنے گناہوں کا خوف ہے تو ہم اس کے علاج کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے طاعتوں میں تمہاری کوتاہیوں کو بخش دے گا اور ان طاعات کا ثواب انہیں کامل کر کے تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے گناہوں کی تاریکی بالکل مٹا دے گا۔ پس استغفار بمنزلہ دائمی معقیہ کے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے صحت کی حفاظت اور مرض دُور کرنے میں ریاضت اور ورزش کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

سورۃ مدثر

مکی ہے اور اس سورۃ کا ابتدائیہ بعثت اور نزول قرآن کے اوائل میں نازل ہوا۔ کہتے ہیں کہ سورۃ اقرء کے ابتدائیہ کے بعد اسی سورۃ کے ابتدائی کلمات نازل ہوئے ہیں اور بعض نے ن والقلم کو نزول میں اس سورۃ سے پہلے قرار دیا ہے۔

سبب نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ اقرء کے نزول کے بعد نزول قرآن کا شوق دل میں جاگزیں ہو گیا اور ایک مدت گزر گئی کہ کچھ بھی نازل نہ ہوا اور اس مدت کو فترۃ الوحی کی مدت کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی نہ ہونے کی وجہ سے اس مدت میں بہت قلق اور کوفت ہوئی یہاں تک کہ چند مرتبہ اس قصد سے گھر سے باہر تشریف لائے کہ خود کو کسی پہاڑ سے نیچے گرا کر واصل بحق ہو جائیں۔ بار بار کوہ حرا پر جاتے جو کہ آپ کی جائے عبادت اور مقام اعتکاف تھا اور خلوت اختیار کرتے۔ ایک دن اس پہاڑ سے ہو کر آستانہ پاک کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں آسمان کی طرف سے آپ کو ایک آواز سنائی دی جب آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو کہ غار حرا میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک زریں چمک دار کرسی پر بیٹھا ہے اس کا بہت بڑا جسم ہے جس نے آسمان کا سارا کنارہ پڑ کر رکھا ہے اور چھ سو پر ہیں جن میں مردارید اور یاقوت لٹکتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور زمین پر آ رہے اور افاقہ کے بعد گھر تشریف لائے اپنی اہلیہ جو کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام تھیں فرمایا کہ مجھے لحاف اوڑھاؤ کہ جسم پر لرزہ ہے۔ آپ کی اہلیہ

نے آپ کو کپڑے اوڑھائے اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اتر کر آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** سے **وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ** تک بعد ازاں وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور پے در پے وحی آنے لگی۔

سورۃ منزل کے ساتھ رابطہ کی وجہ

اور اس سورۃ کی چھین (۵۶) آیات ہیں اور سورۃ منزل کے ساتھ اس سورۃ کے مربوط ہونے کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں حضور علیہ السلام کو راہِ خدا کے سلوک کے لوازمات مجاہدہٴ نفس اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس سورۃ کے اوائل میں ارشاد اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لوازمات کا حکم ہے اور کامل ہونے کا مرتبہ کامل کرنے کے مرتبے سے پہلے ہے۔ اسی بناء پر دُور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس سورۃ کو اس سورۃ سے پہلے لکھا ہے اور دونوں سورتوں کے کلام کی روش، مستعمل الفاظ اور مختلف مضامین بھی کامل ہونے کے ساتھ نزدیکی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سورۃ کے ابتدا میں حضور علیہ السلام کو منزل کا خطاب دیا گیا ہے جبکہ اس کی ابتدا میں مدثر کا خطاب ہے اور دونوں خطاب معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ وہاں فرمایا گیا ہے **قُمِ اللَّيْلُ** جبکہ یہاں **قُمِ فَأَنْذِرْ** لیکن اُس سورۃ میں اٹھنا اپنی ذات کا کمال حاصل کرنے کے لیے ہے جبکہ یہاں مخلوقِ خدا کی تکمیل کے لیے ہے اور وہاں فرمایا گیا ہے **وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ** وَاَهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا جبکہ اس سورۃ میں **وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ** اُس سورۃ میں روزِ قیامت کے اوصاف میں یوں ارشاد ہوا **يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ** يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا جبکہ اس سورۃ میں اسی دن کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے ہیں **فَذَلِكِ يَوْمِئِذٍ يَوْمَ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ**

سورۃ مدثر کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ مدثر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے ابتدا میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو مدثر کے ساتھ خطاب فرمایا گیا ہے اور لغت عرب میں مدثر اسے کہتے ہیں جو کہ دوسرے کپڑوں کے اوپر سے ایک وسیع کپڑا اوڑھے تاکہ سردی اور کپکپی کو دور کرے۔ پس یہ خطاب دلالت کرتا ہے کہ وحی الہی کا نزول اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے قوی شخصیت جو کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور ان کی شجاعت اور حوصلے کی وسعت زمانے بھر میں ضرب المثل تھی انہیں احساس ذمہ داری کی وجہ سے اس سے اس قدر خوف ہوا کہ لرزہ بر اندام ہو گئے اور خود کو ضبط نہ کر سکے۔ پس جو لوگ اپنے اوپر نزول وحی کی فرمائش کریں اور کہیں کہ اگر حق تعالیٰ کو ہماری ہدایت منظور ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو جدا جدا وحی کیوں نہیں فرماتا کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو وہ وحی کے خوف اور عظمت سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنی دلی کمزوری اور بے حوصلگی کو دیدہ دانستہ چھپاتے ہیں جیسا کہ اس سورۃ کے آخر میں ان کی اس بے ہودہ گفتگو کی طرف اشارہ آئے گا کہ **بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُؤْتِيَ صُحُفًا مَّنشُورَةً**

نیز اس بات کا اشارہ ہو کہ جو شخص کسی منصب کا لباس پہنے جیسے شیخ ہونے کا خرقة قاضی اور مفتی ہونے کا ٹپکا، محتسب اور دوسری خدمات شرعیہ کی خلعت اسے اس منصب کے لوازم کو اپنائے بغیر چارہ نہیں اور جب تک اس منصب کا حق پورے طور پر ادا نہ کرے جھوٹا دعا باز اور خائن ہے۔ **اعادتنا اللہ من ذلک اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وحی کے فرشتے کو دیکھنے کی وجہ سے مرعوب ہو کر دولت خانہ پر تشریف لائے اور اپنے اوپر بالا پوش اوڑھ لیا اور پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پس گویا آپ کا بالا پوش اوڑھنا آپ کے اہل بیت کی نظر میں نزول وحی کی علامت ہو گیا جب بھی حضور علیہ السلام بالا پوش طلب فرمائیں تو سمجھا جاسکتا تھا کہ آپ پر وحی آئی لہذا آپ سے فرمایا گیا کہ جب آپ اس علامت کے ساتھ مشہور ہو گئے کہ آپ پر بار بار وحی آتی ہے اور آپ بالا پوش اوڑھتے ہیں۔ پس اس خدمت کا حق بجالائیں اور انھیں اور مصروف عمل ہو جائیں۔**

نیز تاکہ اپنے پروردگار کے دربار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا تذکرہ مخلوق کی زبان پر عام ہو اور جو بھی یہ سورۃ پڑھے یا سنے وہ آپ کی محبوبیت کے درجہ کمال

کا سراغ لگائے اس لیے کہ محبوب کے لباس کے انداز اور ادا کو بہت پسند کرنے کی وجہ سے بار بار یاد کیا جاتا ہے اور اس محبوب کو اسی انداز و ادا کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے جیسا کہ عاشق اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ اے سرخ دستار والے اور اے زلف دراز والے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الْمَدِيدُ اے بالاپوش اوڑھنے والے! فرشتہ وحی کے آنے سے پہلے آپ کے لیے کوئی خوف کا مقام نہیں ہے بلکہ آپ کا حق یہ ہے کہ دوسروں کو ڈرائیں اور انہیں خوف خدا میں ڈالیں۔

قَدْ فَانَدِرَ اُٹھے اور لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرائیے اور اگرچہ منصب نبوت دونوں چیزوں کا تقاضا کرتا ہے ڈرانا بھی اور بشارت دینا بھی لیکن جب افرادِ انسانی میں سے کوئی بھی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا تو ڈرانا عام ہے۔ بخلاف بشارت کے کہ صلاح و تقویٰ والوں کے ساتھ خاص ہے اور جس کام کا فائدہ عام ہو وہ اس کام کی نسبت اہم اور زیادہ راجح ہوتا ہے جس کا فائدہ خاص ہو۔ نیز جب حضور علیہ السلام ڈرتے تھے انہیں ڈرانے کا حکم دینا مناسب ہوا۔ نیز جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی سارا جہان کفر اور فجور سے بھرا ہوا تھا اور کوئی بھی بشارت کے قابل نظر نہیں آتا تھا جو بھی تھا ڈرانے کے لائق تھا۔ ان امور کی بناء پر یہاں صرف ڈرانے پر اکتفا فرمایا گیا اور چونکہ لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرانا اس عذاب کی عظمت اور اس بات کو بیان کیے بغیر نہیں ہوتا ہے کہ اس کی برداشت اور تدارک ممکن نہیں ہے اور عذاب کی عظمت اور اس کی لاعلاجی اس ذات کی عظمت کے بیان کے بغیر جو کہ عذاب دے گا اور یہ بیان کیے بغیر کہ اس کی قدرت کے برابر کسی کی قدرت نہیں ہے اور اس کے علم کے برابر کسی کا علم محیط نہیں اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے چھپ جانے اور اس کی دانست سے غائب ہو جانے کا تصور نہیں ہے پورے طور پر بیان نہیں ہوتی۔ پس آپ کو ایک اور کام بھی کرنا چاہیے۔

وَدَبِّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے پروردگار کو پس بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کریں اور ان کے ذہن نشین کر دیں کہ احاطہ علم اور عموم قدرت میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا

اور چھوٹی بڑی کوئی شے اس کے علم سے غائب نہیں اور آسان اور دشوار کوئی چیز اس کی قدرت پر گراں نہیں۔

اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہے

اور بعض نے کہا ہے تکبیر سے مراد نماز کی تکبیر ہے کہ تحریر کی ابتدا سے لے کر نماز کے آخر تک ہر انتقال میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت تھی۔ پس گویا یوں فرمایا گیا کہ آپ خوش رہیں خوش وقت رہیں اپنے تک کسی خوف کو راہ نہ دیں کہ ہم نے یہ عظیم منصب آپ کو عطا فرمایا اور آپ کو رسالت کی خلعت پہنائی اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ بعض روایات میں وارد ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے یہ آیت سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا اللہ اکبر اور یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تکبیر کہی اور سب اہل خانہ نے بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے تکبیر کہی اور خوش ہوئے کہ یہ لرزہ اور ڈر نزول وحی کی وجہ سے تھا اور کوئی خطرے والی بات نہ تھی اس کے بعد اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہو گئی۔

عیدین، ایام حج و تشریف میں تکبیر واجب ہونے کا راز

اسی لیے عیدین اور حج و تشریق کے ایام میں واجب ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد بلند آواز سے تکبیر ادا کریں۔ اور پنج گانہ نماز کی ابتدا میں بھی۔ اور نماز عیدین، ایام تشریق و منیٰ میں بھی تسبیح اور تحمید کے بجائے جو کہ کہیں واجب نہیں ہیں، تکبیر کو واجب کرنے کا راز یہ ہے کہ یہ ذکر اہل اسلام و توحید کا خاص ذکر ہے اس لیے کہ اس چیز کا اعتقاد کہ کسی صفت کمال میں کوئی بھی خدا تعالیٰ کے برابر نہیں ہے، اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف تسبیح و تحمید کے مضمون کے کہ بنی آدم کے تمام گروہ اس کے معتقد ہیں۔

تاریخ اسلام میں تکبیر کے مواقع اور برکات

اور جو شخص کتب حدیث پاک اور میر صحابہ کا مطالعہ کرنا یہاں تک یقین کر لیتا ہے

کہ ان کی کوئی مجلس تکبیر سے خالی نہیں ہوتی تھی ہر نعمت پر تکبیر کہتے تھے اور ہر خوشی میں یہ نغمہ بلند کرتے تھے اور جنگ اور لڑائی کے وقت اسی کلمے کے ساتھ اپنے مالک کی عظمت اور اپنے مد مقابل کی حقارت کو یاد کرتے تھے اور خوف آفات جیسے آگ لگنے اور جنات وغیرہ کے ظاہر ہونے کے وقت اسی ذکر کی برکت سے امداد ڈھونڈتے تھے اور انہوں نے اذان و اقامت میں اسی کلمے کو تروتازہ پھول اور نغمہ ساز بنایا ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس اُمتِ مرحومہ میں اس امر الہی کے مضمون پر عمل اس قدر رائج ہوا تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنگیزیوں اور ترکوں کے تسلط کے وقت سے اس امر کا رواج اور تمام رسوم اسلام کم ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ اب اس کا کوئی نام و نشان بھی موجود نہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ قسطنطنیہ کے قلعہ کو اسی کلمہ کے زور سے فتح کریں گے اور اس قلعہ کی سنگین دیوار ان کی تکبیر کی آواز کے صدے سے گر جائے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کے حالات میں ذکر کرتے ہیں کہ قلعہ اصطخر کی دیوار تکبیر عمری اور دیگر اہل اسلام کی تکبیر کی آواز سے پیوند زمین ہو گئی اور اس کلمہ نے اس قدر اثر کیا کہ وہ جب بھی اس دیوار کو اونچا کرتے تھے غیب سے آواز تکبیر سنائی دیتی تھی اور وہ دیوار پھر گر پڑتی تھی۔ المختصر اس کلمے کے مضمون کو نصب العین بنانا جو شرک سے بھی نجات بخشتا ہے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کے برابر نظر میں نہیں آتی اور مصیبتوں آفتوں کو ہلکا کرنے اور خطرناک امور کا خوف دل سے دور کرنے میں بھی کارگر ہوتا ہے لیکن اس کلمے کا مضمون اس وقت نصب العین ہوتا ہے کہ انسان کو ظاہر و باطن کی پاکیزگی نصیب ہو اس لیے کہ پاک چیز کی عظمت ناپاک قلب و خیال میں جگہ نہیں پکڑتی۔ پس اس کلمے کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ظاہر و باطن کی طہارت بھی ضروری ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

وَيَا بَدَكَ فَطَهِّرْ أَفْئِدَتَكَ خَيْرٌ لِّكَ مِنْ طَهْرَتِكَ بَدَنِكَ
حکم نہیں دیا گیا اس لیے کہ بدن کو پاک کرنا بطریق اولیٰ سمجھا جاتا ہے اور جب کپڑے کی پاکیزگی کا حکم ہوا جو کہ بدن کے ساتھ متصل ہونے کا تعلق رکھتا ہے تو بدن کو جو کہ مقصود

بالذات ہے، کیوں پاک نہ رکھا جائے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ عرب کے استعمال میں کپڑے کی دو قسمیں ہیں، جامہ ظاہر اور جامہ باطن اور طہارت کی بھی دو قسمیں ہیں، طہارت صوری اور طہارت معنوی۔ پس اس کلمے کی تفسیر میں چار احتمال حاصل ہوئے اور ان تمام احتمالات کو ایک ساتھ مراد لینا چاہیے۔ اگرچہ عموم مجاز کے طریقے سے ہی ہو۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ اپنے ظاہری کپڑوں کو نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھیں اس لیے کہ فرض اور نفل نمازوں اور ذکر الہی میں مشغول ہونا مرد مومن کے ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے اور ملائکہ اور پاکیزہ ارواح کے ساتھ مناسبت مقصود اور یہ مقصد اپنے ظاہر کو پاک رکھے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ انتہائی فرق یہ ہے کہ نماز میں پاک رکھنا فرض ہے اور حالت نماز کے علاوہ فرض نہیں اور جن چیزوں سے کپڑوں کو پاک رکھنا چاہیے بول و براز، منی، مذی، ودی، قے، خون اور پیپ ہے اگر ان چیزوں میں سے کپڑے کو ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر لگ جائے وہ کپڑا نماز کے قابل نہیں رہتا مگر تین بار دھونے اور نچوڑنے کے بعد۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظاہری کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا نہ ہو۔ اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے سے مراد صفات اور اخلاق ہوں اس لیے عرب کبھی جامہ کہتے ہیں اور شخص کی ذات مراد لیتے ہیں اور کبھی اس کی آبرؤ، کبھی اس کا نام اور مرتبہ۔ چنانچہ کہتے ہیں الکریم فی بردیہ نیز کہتے ہیں کہ فلاں ظاہر الذیل یعنی پاک دامن ہے اور فلاں نقی الثوب و نقی الحیب اور مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کا کپڑا اس کے بدن پر محیط ہوتا ہے اور دُور سے وہی محسوس ہوتا ہے اور کپڑے کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ گویا وہ اس کی ذات اور صفات خاصہ کا حکم رکھتا ہے۔ پس

آیت کا معنی یوں ہو کہ اپنی ذات اور آبرو کو بڑی صفات مذموم اخلاق اور قبیح تہمتوں سے محفوظ رکھیں۔

چوتھا احتمال یہ ہے جامہ سے مراد بدن ہو جو کہ استنجاء کا مقام اور دوسرے ستر کے اعضاء ہیں اور تطہیر سے مراد پانی کے ساتھ استنجاء کرنا اور بول و براز کو پوری کوشش کے ساتھ دُور کرنا اور پورے بدن کو پلیدیوں اور نجاستوں سے پاک صاف رکھنا۔

بہر حال ظاہری تطہیر کو باطنی تطہیر میں پورا اثر ہے اور کپڑوں کی صفائی دل کی صفائی کا عنوان ہوتا ہے۔ خصوصاً جس کی عظمت اور بزرگی دلوں میں بٹھانا اور اس کے کہے ہوئے کو واجب القبول سمجھنا منظور اور مقصود ہو اسے جامہ بدن کو پاک کرنے میں زیادہ تر کوشش کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کی نظر میں حقیر معلوم نہ ہو اور اس کے کہے ہوئے سے لوگ محروم نہ رہیں لیکن یہاں کپڑا پاک کرنے کا بیان ہے جو کہ اس مقصد اور اس مقصد کے لیے ایمان والوں کو ضروری ہے نہ کہ نفیس پوشی اور مہنگی قیمت والا کرنا کہ وہ ایمان کے منافی ہے مگر اپنے اوپر نعمتِ الہی کے اظہار اور اس کا شکر ادا کرنے کے قصد کے مقام میں کہ اس نیت سے مستحب ہو جاتا ہے۔

اور جب ظاہر کی طہارت کے بیان سے جو کہ مقدم تھا فراغت ہوئی باطنی طہارت کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو کہ مقصود بالذات ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُزْ اور نجاست کی تمام اقسام کو پس چھوڑ دو جیسے خراب اعتقادات مذموم اخلاق جھوٹی گفتگو افعالِ قبیحہ اور دوسری معنوی نجاستیں جو کہ لذتوں کے ساتھ دل کے متعلق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور آدمی کی روح کو طوٹ کر دیتی ہیں۔

اور اگر وَثِيَابِكَ فَطَهِّرْ میں اس کے بعض احتمالات کی بناء پر ان امور سے باطنی طہارت کو بھی شامل قرار دیا جائے جیسا کہ گزرا پس اس آیت اور اس آیت کے مضمون میں فرق یہ ہے کہ وہاں ان حاصل ہونے والے امور سے باطن کو پاک کرنے کا حکم ہوگا جبکہ یہاں ان امور کے وقوع و حصول سے پہلے ان سے روکنا ہے جیسا کہ فابجر کا لفظ اس پر صریح دلیل ہے۔ نیز رجز سخت پلیدی کو کہتے ہیں۔ پس اس آیت میں ان امور سے

پرہیز اور انہیں زائل کرنا منظور ہے جو کہ حال کے طریقے سے کبھی کبھی صادر ہوتے ہیں جبکہ یہاں انہیں امور سے روکا گیا جبکہ وہ ملکہ اور مقام راسخ کے طریقے سے ہو جائیں یا راسخ ہونے کے قریب ہو جائیں۔ ہر تقدیر پر ظاہر و باطن کی تطہیر آدمی کو مقدس عالم بالا کے مناسب کر دیتی ہے۔ پس اس عالم کے فیض کو حاصل کرنا ان کی کامل مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ فیض مخلوق کو عطا کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح کو ملوث کرنے والی چیزوں میں سے معتمد چیز جو کہ باطن کو بہت خراب کرتی ہے دنیوی طمع ہے لہذا اسے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

وَلَا تَمُنُّنَ اور کسی پر احسان نہ رکھیں۔ تبلیغ قرآن، تبلیغ احکام الہی، مالی احسان، کارکشائی اور حاجت روائی کی وجہ سے تَسْتَكْبِرُ اس غرض سے شاگردوں، مریدوں اور طالبانِ رشد کی کثرت حاصل کریں اور اس وجہ سے زیادہ عزت حاصل ہو اور زیادہ مال حاصل ہو بلکہ اس نیت کے ساتھ کسی کو کچھ نہ دو کہ اس کا عوض زیادہ کر کے تمہیں دے اس لیے کہ یہ بھی طمع کی ایک قسم ہے جو کہ باطن کو ملوث کرنے میں نجاست کا حکم رکھتی ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یوں ہے کہ نیکی کرنے کے وقت کسی پر احسان نہ رکھو اور اس احسان کو بہت جان کر یوں مت کہو کہ میں نے فلاں کے بارے میں ایسا ایسا کیا اس لیے کہ احسان جتلانا احسان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے بلکہ اس احسان کو حقیر سمجھے اور احسان لینے والے کا اپنے اوپر احسان شمار کر جس نے یہ حقیر چیز تجھ سے قبول کر لی، تجھے اجر و ثواب کا مستحق کر دیا جیسا کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب کوئی منگتا آپ کے پاس آتا تو آپ فرماتے مرحبا بمن تحمل زادنا بلا اجر یعنی خوش آمدید تاکہ آپ ہمارا توشہ آخرت مزدوری کے بغیر اٹھائیں۔ پس یہ آپ کا ہم پر احسان ہے۔

اور جب کسی شخص کو یہ سب امور یعنی عظمت الہی کا بیان، باطن و ظاہر کی تطہیر اور دنیا میں بے طمعی حاصل ہو گئی تو وہ پیر اور مرشد ہونے کے مرتبے کے لائق ہو گیا لیکن اسے ان سب کے باوجود حوصلے کی فراخی، جفائے خلق کی برداشت، ان کی ایذا کو گوارا کرنا اور

ان سے ظاہر ہونے والی اپنی گوئی کو سننا ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کی صحبت ترک کر کے بھاگ جائے گا اور راہبوں اور خلوت نشینوں کی طرح ارشاد و مشیخت کا کام سرانجام نہیں دے گا لہذا اسے اس امر کا بھی حکم دیا جا رہا ہے۔

وَلِرَبِّكَ اور اپنے پروردگار کی رضامندی کے لیے نہ کہ مخلوق کی دلجوئی کے لیے فَاصْبِرْ صبر کیجیے اور ان کی جفا برداشت کریں اور دُکھ تکلیف اٹھانے کے باوجود ان کی صحبت سے کنارہ کشی نہ کریں تاکہ آپ ارشاد کی ذمہ داری پوری کر سکیں۔

خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کرنے میں فرق

اور رضائے خداوندی کے لیے صبر اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کے درمیان فرق کرنے والی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کمزوروں، غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت اسی طرح ہو جس طرح اہل ثروت اور امیروں کی جفا برداشت کرتا ہے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ صبر صرف حکم خداوندی کے لیے ہے اور اگر کمزوروں، غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت امیروں اور دولت مندوں کی جفا کی برداشت سے کم ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ صبر مخلوق کی خاطر ہے۔

اور اگر دل میں خیال گزرے کہ جب مجھے صبر کا پابند کر دیا گیا اور کافروں کی جفا برداشت کرنے کا حکم دیا گیا تو مجھے تو بہت دشواری پیش آگئی کہ نہ بدلہ لینے کا حکم دیا گیا نہ وہاں سے جانے کی اجازت جبکہ کفار کو مجھ پر حوصلہ اور دلیری دے دی گئی، میری مخالفت میں بھی ان پر آسانی ہے اور مجھے ستانے میں بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تمام دشواری اور ان کی آسانی دنیا کی چند روزہ زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ تو جب نفاہ پیا جائے اور سفر اور کوچ کرنے کا اعلان کر دیں اور آخرت کا سفر درپیش آئے فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ تو یہ نفاہ پینا اور رحلت اور کوچ کا اعلان اس دن کے واقعات سے گویا

يَوْمَ عَسِيرٍ ایک مستقل دن ہے کہ نہایت دشوار اور سخت ہے اور اگرچہ ایک آواز سے زیادہ نہیں ہے لیکن سختی اور شدت میں پورے دن کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا اثر دیر تک

رہے گا اور اس دن کے واقعات میں سے کوئی واقعہ اس سے زیادہ سخت نہ ہوگا۔ اور بعض مفسرین نے ناقور کو تشبیہ بعید کی بناء پر صور پر محمول کیا ہے اس لیے کہ صور اور دم کشی کے دوسرے آلات جیسے بانسری وغیرہ میں پھونک مارنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے اور چمڑے والے آلات میں جیسے دف، طبل اور ڈھول اور تاروں والے آلات جیسے ستار، طنبور اور قانون بجانے اور کوٹنے سے آواز پیدا ہوتی ہے پہلے نقر کو نفخ یعنی پھونک مارنے سے تشبیہ دی اس کے بعد صور کو ناقور کے ساتھ جس کا معنی ہے وہ شے جس میں پھونک ماری جائے تو نُقِرَ فِي النَّاقُورِ کا معنی یہ ہوا کہ نُفِخَ فِي الصُّورِ لیکن کافر پر شدت اور دشواری کی ابتدا اس کی موت کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے نہ کہ نفخ صور کی ابتدا سے۔ پس اس عبارت کو موت آنے پر موت کو جنگ اور لڑائی کی تیاری کے ساتھ لشکر کے کوچ کرنے کی مثل قرار دینے کے طریقے سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتا ہے۔

اور حلیمی نے کتاب المنہاج میں ذکر کیا ہے کہ نقر، نفخ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس لیے کہ اخبار میں آیا ہے کہ صور میں ارواح کی گنتی کے برابر سوراخ ہیں تو جب نفخ صور بے ہوش کرنے اور مارنے کے لیے ہوگا تو نقر اور نفخ دونوں عمل میں لائے جائیں گے تاکہ آواز میں شدت پیدا ہو اور جہان کی ہلاکت اور خرابی کا موجب ہو اور جب زندہ کرنے اور ہوش میں لانے کے لیے ہوگا تو نفخ پر اکتفا کریں گے کیونکہ اس نفخ کا مقصد ارواح کو ابدان کی طرف بھیجنا ہے اور وہ صرف نفخ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کلام میں یہی خدشہ ہے کہ جب نقر پہلے نچے کے ساتھ ملا ہوا ہے تو کفار پر شدت کا سبب کیونکر ہوگا اس لیے کہ وہ تو موت کو راحت سمجھیں گے اور اس کی آرزو کریں گے کہ يَا لَوِجَتْ كَانِتِ الْقَاضِيَةَ اور اگر کفار کے بارے میں کوئی شدت اور سختی ہوگی تو دوسرے نچے کی ابتدا میں ہوگی کہ انہیں زور کے ساتھ محشر میں کھینچ لائیں گے اور حساب کے بندھنوں میں گرفتار کریں گے۔

مگر یہ کہا جائے کہ اس شدت کی ابتدا وہی شدت ہے جو کہ پہلے نچے میں تھی تو گویا

شدت اور سختی کی ابتدا اسی وقت سے شروع ہو جائے گی۔ بہر حال خواہ موت اور اس کے بعد کی شدت اور سختی مراد ہو اور خواہ قیامت کی ہولناکیوں کی سختی اور شدت اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایمان والوں میں اثر نہیں کرے گی بلکہ اس روز کی سختی اور شدت

عَلَى الْكَافِرِينَ فقط کافروں پر ہے اس لیے کہ اگرچہ پہلی دفعہ ایمان والے اور نیک لوگ بھی شدت اور سختی میں گرفتار ہوں گے لیکن ایمان کی تاثیر اور انبیاء علیہم السلام اور قرآن پاک کی شفاعت کی وجہ سے وہ سختی آسانی میں بدل جائے گی۔ بخلاف کفار کے کہ اس روز ان پر دم بدم شدت بڑھے گی۔

غَيْرُ يَسِيرٍ آسان ہونے والی ہرگز نہیں جیسا کہ دنیا میں ان پر سختی اور شدت آسان ہو جاتی تھی یا جس طرح کہ اس روز کی شدت اور سختی ایمان والوں پر آسان ہو جائے گی اور صحیح حدیث میں واقع ہے کہ قبر آخرت کے سفر کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جس نے اس منزل میں شدت دیکھی اور تکلیف اٹھائی اسے آئندہ دوسری منزلوں میں شدت اور سختی زیادہ تیز لائق ہوگی اور جس نے اس کی شدت اور سختی سے نجات پائی اسے آئندہ دوسری منزلوں میں زیادہ تر آسانی اور راحت نصیب ہوگی۔

اور جب آپ نے معلوم کر لیا کہ کفار پر شدت اور سختی اور ان کے بارے میں میرے قہر و انتقام کے ظہور کا وقت موت اور اس جہان سے گزر جانے کے بعد ہے نہ کہ دنیا اور اس جہان کی زندگی اس لیے کہ اگر اس جہان میں انہیں شدت اور سختی میں گرفتار کر دیا جائے تو انہیں بڑے عمل اور کفر کی فرصت اور مال اور نفع لینے کے دوسرے اسباب پر قدرت اور طاقت حاصل نہ ہوگی اور امتحان اور آزمائش کے معنی کی صورت نہیں بنے گی۔ پس ان سے انتقام لینے اور انہیں کفر کی سزا دینے کی طلب میں جلدی نہ کریں۔

فَدَنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَجِيدًا مجھے چھوڑ دیں اور اسے جسے میں نے پیدا کیا ہے تنہا نہ اس کی فوج تھی نہ لشکر عورت تھی نہ اولاد کوئی روزی تھی نہ کپڑا مال تھا نہ متاع وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا اور ہم نے اس کے لیے مال فراواں کیا جس کی مدد پے در پے پہنچ رہی ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ جس مال کی مدد پے در پے پہنچتی ہے، تین قسم کا ہے۔ پہلی قسم مال زراعت، دوسری قسم مویشی اور تیسری قسم مال تجارت کہ ان تینوں قسموں میں سے جو نفع حاصل ہوتا ہے، خرچ سے زیادہ ہے۔ بخلاف دوسرے اموال کے اور ان آیات میں اس کافر کے حال کی طرف اشارہ ہے جو کہ قریش میں مال داری اور دولت میں مشہور تھا جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا، اسے ان تینوں قسم سے مال عطا کیا گیا تھا۔ طائف میں اس کے بے شمار باغات اور کھیتیاں تھیں، اس کے باغات میں موسم سرما اور موسم گرما کے پھل با فراغت ہوتے تھے، اس کے کھیتوں میں ہر قسم کی فصل پیدا ہوتی تھی اور اس کے بے شمار مویشی تھے جن کی اون، دودھ، گھی اور نسل سے بڑی آمدنی حاصل کرتا تھا اور کپڑے سے لے کر مردارید بیچنے تک مختلف قسم کی تجارت کرتا تھا، اس کے بے شمار نوکر اور غلام تھے جو کہ ان کاموں پر مقرر تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھر میں نقد ایک لاکھ سربخ، دینار اور دس لاکھ سفید درم موجود تھے اور چونکہ مال کی اس قدر فراوانی، اولاد کے بغیر زندگی، بے مزہ کر دیتی ہے اور وہ نعمت نہیں رہتی بلکہ غم و حسرت کا موجب ہوتی ہے، ہم نے نعمت پوری کرنے کے لیے اسے بیٹے بھی عطا فرمائے۔

وَبَيْنَ شُهُودًا اور ہم نے اسے بیٹے عطا فرمائے جو کہ بہترین اولاد ہیں اور بیٹے ہمیشہ اس کے پاس حاضر رہتے ہیں، کبھی غائب نہیں ہوتے اور اس کے غمی اور مال دار ہونے کی وجہ سے وہ روزی کی تلاش میں سفر نہیں کرتے کہ ان کی جدائی کے درد کی وجہ سے اس کی زندگی تلخ ہو جائے بلکہ وہ ان کی ملاقات کی وجہ سے ہمیشہ خوش رہتا ہے اور لذت اٹھاتا ہے اور انہیں کھیتی اور تجارت کی دیکھ بھال کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا اس لیے کہ قابل اعتماد غلام اور دیانت دار نوکر کام کرنے والے موجود ہیں اور اس کے بیٹے اس کے ہمراہ ہر مجلس اور محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کی سیر اور عیش میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے رفیق اور ہمد ہوتے ہیں اور مجالس و محافل کی زیب و زینت ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ شہوداً کا لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی ہے گواہی۔ یعنی اس کے بیٹے اس کی بات کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں اور اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں

بلکہ اس کے ہر ڈینگ مانے پر آمنا و صدقنا کرتے تھے اور اس وجہ سے ہر مقام پر اس کی بات قابل احترام اور ستر ہوتی ہے اس لیے کہ بیٹا جب باپ کی مرضی کے مطابق نہ ہو اس کے ہمراہ سیر اور دورہ کرنے میں رفاقت نہیں کرتا اس کی بات کی تصدیق نہیں کرتا سوہان روح بن جاتا ہے اور بیٹا نہیں رہتا۔ ولید بن مغیرہ کے کئی بیٹے تھے جن میں سے سات مشہور ہیں۔ ولید بن خالد بن ولید، عمارة بن ولید، ہشام ابن ولید، عاص بن ولید، قیس بن ولید اور عبد شمس بن ولید۔ ان سات میں سے چار بیٹے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ولید، خالد، عمارة اور ہشام اور تین کفر میں مر گئے اور مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں سے خالد بن ولید نے جہاد کرنے اور کفار کو قتل کرنے میں اتنی ترقی کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امیر الامراء کے منصب پر پہنچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول کے عہد خلافت میں بھی اسی عہدے پر فائز رہے اور سرکار علیہ السلام نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور شام اور عراق آپ کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ آپ نے مرتدین کی بیشتر مہمات سرکیں اور ولید بن ولید کو ان کے باپ اور بھائیوں نے مکہ معظمہ میں بند کر دیا تھا تا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچے اور ہجرت نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلاصی کے لیے نماز صبح میں قنوت فرماتے اور بلند آواز کے ساتھ کہتے تھے

اللهم انج الوليد بن الوليد وعباس بن ابي ربيعة وسلمة بن هشام
والمستضعفين من المومنين يهاں تک کہ ان ظالموں کے ہاتھوں سے خلاصی پا کر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں پہنچ گئے اور آپ ہی کے قدموں میں داخل
ہجرت ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی قمیض مبارک کا کفن دیا اور ان کی
وفات پر حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کا ان لفظوں میں ذکر کیا:

ابكى الوليد بن الوليد بن المغيرة

ابكى الوليد بن الوليد فتى العشيرة

ولید بن ولید کا اظہار اسلام میں خلوص

اور ان کے عجیب معاملات میں سے یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں مجبوراً کفار کے

ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے مقابل کھڑے تھے جب کفار کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے اور فدیہ دے کر چھٹکارا پایا۔ فدیہ کے بعد اسلام کا اظہار کر دیا، لوگوں نے اسے کہا کہ تو نے فدیہ سے پہلے اسلام ظاہر نہ کیا کہ تجھے یہ مال برداشت نہ کرنا پڑتا؟ آپ نے کہا کہ میں نے سوچا کہ اگر فدیہ ادا کرنے سے پہلے اظہار اسلام کرتا ہوں تو لوگ سمجھیں گے کہ فدیہ معاف کرانے کے لیے مسلمان ہوا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے جب میں نے فدیہ ادا کر دیا، یہ گمان زائل ہو گیا، میں نے کسی اندیشے کے بغیر اسلام کا اظہار کر دیا۔

مختصر یہ کہ ولید کے بیٹے سب کے سب قابل کام آنے والے اور خوب صورت اور خوش نما جوان تھے کہ قریش کے پورے قبیلے میں ان کی مثال دی جاتی تھی اور چونکہ وافر مال اور کام آنے والی اولاد سرداری اور مرتبے کے بغیر پر رونق نہیں ہوتے اس لیے میں نے اسے مرتبہ سرداری اور عزت بھی کامل بخشی۔

وَمَهَّدْتُ لَهُ تَهَيِّدًا اور میں نے سرداری اور مرتبے کی مسند کو اس کے لیے ہموار اور مضبوط کیا کہ تمام قریشی لوگ ہر عقدہ اور مشکل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسے اپنا حاکم سمجھتے تھے یہاں تک کہ اس قبیلے کے درمیان اسے دو لقب دیئے جاتے تھے، اسے وحید بھی کہتے تھے اس لیے کہ اپنے اوصاف میں یگانہ تھا اور شعرو سخن کی مختلف صلاحیتیں رکھتا تھا اور اسے اس کی خوب صورتی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ریختہ قریش یعنی قریش کا پھول بھی کہتے تھے اور ان تمام خوبیوں کے باوجود اپنے پروردگار کی نعمتوں کا اس قدر ناشکر تھا کہ کبھی زبان پر شکر خداوندی کا لفظ تک نہیں آتا تھا اور بت پرستی اور لات وعزلی کی پوجا کے سوا کوئی اور چیز جانتا ہی نہ تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ ہر وقت اپنے مال کی زیادتی کی فکر میں رہتا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے جنتِ نعیم کا ذکر فرماتے تو کہتا کہ اگر یہ شخص جنت کے اوصاف بیان کرنے میں سچا ہے تو یقین ہے کہ حق تعالیٰ نے وہ گھر میرے لیے بنایا ہوگا اس لیے کہ میرے سوا اس نعمت کا مستحق کوئی نہیں اور اس کی اسی ناشکری اور حرص کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ:

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ پھر ان نعمتوں کے باوجود کہ اس کے پاس ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتا، طمع کرتا ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کی نعمتیں زیادہ کروں۔

کَلَّا اِسے یہ طمع نہیں رکھنا چاہیے اس لیے کہ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَيْنِدًا تَحْقِيقًا وہ ہماری قرآنی آیات سے عناد رکھنے والا ہے اور ہمارے کلام کا عناد ہمارا عناد ہے جبکہ اپنے منعم کے ساتھ عناد رکھنا گزشتہ نعمتوں کے ازالہ کا تقاضا کرتا ہے چہ جائیکہ دوسری نعمت کی زیادتی کی توقع کی جائے۔

مُورِثِينَ اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ولید کو مال اور مرتبے میں پے درپے نقصان لاحق ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ فقیر ہو کر مرا۔ اور کفر میں عناد کا معنی یہ ہے کہ دیدہ دانستہ حق کو باطل قرار دے اور اسے دگرگوں کرنے کے درپے ہو اور یہ کفر کی سب سے شدید قسم ہے۔

کفر کی چار قسموں کا بیان

اور کفر کی چار قسمیں ہیں: کفر شک جیسا کہ حضور علیہ السلام کے اکثر معاصرین کو تھا اور ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي، کفر جہل کہ حق کو حق نہ جانے اور غیر حق کو حق سمجھے جیسا کہ اکثر مشرکین مکہ کو تھا کہ ان کے حق میں أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ اور بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ وارد ہوا کفر جحود کہ جان بوجھ کر زبان سے اقرار نہ کرے اور گرویدہ نہ ہو جیسا کہ اہل کتاب اور بعض دوسرے کفار کے بارے میں ارشاد ہوا الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں بھی ارشاد ہوا وَاجْحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا اور کفر عناد کہ حق پہچاننے کے باوجود اس کا انکار اختیار کرے اور اسے باطل کرنے کے درپے ہو اور اپنے فضول شبہات کے ساتھ حق کے دلائل کو پامال کرے اور اس کا مقابل اور فریق بن جائے۔

ولید بن مغیرہ کے عناد کا بیان

اور ولید کے عناد کا بیان یہ ہے کہ وہ ایک دن مسجد مکہ میں بیٹھا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مسجد مبارک میں جلوہ افروز تھے کہ وحی نازل ہوئی اور سورۃ حم السجدۃ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سورۃ بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دی جیسا کہ آپ کی عادت شریف تھی کہ جبرئیل علیہ السلام سے قرآن پاک سننے کے بعد اسے دہراتے آپ نے دیکھا کہ ولید پلید نے بھی اس سورۃ کو سننے میں اپنے کانوں کو متوجہ کیا ہے آپ نے اس پر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور بعض روایات میں وارد ہے کہ آپ نے حم المؤمن کی ابتدا سے لے کر **إِلَيْهِ الْمَصِيرُ** تک تلاوت فرمائی اور اس نے پوری توجہ سے سنی اس کے بعد اپنی قوم بنی مخزوم سے کہنے لگا کہ انصاف یہ ہے کہ میں نے آج جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے آدمی کا کلام ہرگز نہیں اور نہ ہی جنات کا کلام ہے اس لیے کہ اس کلام میں ایسی حلاوت ہے کہ کسی کلام میں نہیں اور اس کلام پر انوار چمکتے ہیں اس کلام کا اعلیٰ حصہ پدمیوہ ہے اور نچلا حصہ ایک مضبوط تانا ہے یہ کلام ہر کلام پر غالب ہے مغلوب ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر جب اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا یہ خبر ابو جہل کو پہنچی اور لوگوں نے کہا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ولید کو اپنے کلام سے فریفتہ کر لیا اور وہ اس کے دین کی طرف قدرے مائل ہو گیا ہے۔ ابو جہل قریش کے دوسرے سرداروں کو ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرے بارے میں سخت عجیب بات سنی ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ شاید ابو جہل کا بیٹا جو روٹی شوربا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خدام کے لیے پکا کر لاتا ہے اور وہ سب مل کر اسے کھاتے ہیں تجھے اس کی رغبت دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ ولید یہ باتیں سن کر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ میری دولت مندی عیش اور ناز و نعمت کو تو تو جانتا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کا وہ دوسرا دوست جو کہ ابو جہل کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) ابھی میرے دروازے کے منگتے کی برابری نہیں کر سکتے مجھے ان کے کھانے کی کیا پرواہ ہے؟ ابو جہل بولا کہ اگر

صورت فی الواقع یوں ہی ہے تو تجھے چاہیے کہ تو پھر مسجد میں قدم رنجہ فرمائے اور ہم تمام قبائل قریش کو جمع کرتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں۔ ولید ابوجہل کے ہمراہ روانہ ہوا اور وہ مسجد مبارک میں پہنچے اور قریش کے تمام قبائل اور ان کے سردار جمع ہو گئے۔ ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان، نضر بن الحارث، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سب کے سب ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں سخت مشکل درپیش ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک کلام پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کلام مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اب موسم حج قریب پہنچ چکا، لوگ ہجوم درہجوم اس شہر میں وارد ہوں گے اور وہ اس کلام اور اس مدعی نبوت کے بارے میں ہم سے پوچھیں گے، ہم میں بعض کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے اور یہ کلام شعر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور یہ کلام بے ہودہ ہے، ان دونوں باتوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے اور یہ باتیں سن کر لوگ اسے ہماری بے سمجھی اور بے عقلی قرار دیں گے۔ ایک چیز مقرر کر لینا چاہیے تاکہ اس شہر کا ہر آدمی اس شہر میں وارد ہونے والوں سے وہی بات کہے اور وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سن کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کے گرویدہ نہ ہوں اور چونکہ حق تعالیٰ نے تجھے بہمہ وجوہ عقل و دانائی، تجربہ اور بے شمار ملکوں کی سیر و سیاحت کا ہم پر فخر اور امتیاز بخشا ہے، ہم اس مسئلہ میں تیری طرف رجوع لائے ہیں تاکہ جو کچھ تو مقرر کرے اسی کے مطابق ہم شہر مکہ میں منادی کرادیں اس کے سوا کوئی بھی کسی قسم کا لفظ اپنی زبان پر نہ لائے اور سب یک زبان اور یک کلام ہو کر وہی بات کہیں۔ ولید تھوڑی دیر کے لیے سرنگوں ہو کر سوچتا رہا، ازاں بعد اس نے کہا کہ اگر تم اس کلام کو شعر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعر کہو تو فی الفور قصور وار قرار پاؤ گے اس لیے کہ میں نے عبید بن الابرص، امیہ بن ابی اہصت اور دوسرے پہلے شعراء کے شعر سنے ہیں اور بار بار سنے ہیں، یہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کہنے کا سلیقہ ہے اور اس کے اس کلام کو کہانت کہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کاہن قرار دو تب بھی قصور وار ٹھہرو گے اس لیے کہ کاہن کبھی سچ بولتا اور کبھی جھوٹ جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

والسلام) کے کلام میں جھوٹ واقع ہوا نہ ہوتا ہے اور اگر اس کلام کو بے ہودہ کہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون تو تب بھی صراحتاً بے وقعت ہوتے ہیں اس لیے کہ مجنون کا بے ہودہ کلام حکمتوں اور نصیحتوں پر مشتمل نہیں ہوتا اور مجنون موقع بے موقع جھپٹیاں مارتا ہے تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کوئی علامت دریافت کی ہے؟ اور اس کا یہ کلام سراسر حکمت و نصیحت ہے اور اگر تم اس کلام کو جادو قرار دو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جادو گر کہو تب بھی درست نہیں اس لیے کہ جادو میں مہمل اور بے معنی کلمات ہوتے ہیں اور جادو گر اپنے جادو کے ساتھ ہمیشہ مال کمانے اور دنیوی منفعتوں کو حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے جبکہ یہ کلام پر معنی ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مال کمانے اور دنیوی منفعتیں حاصل کرنے کی قطعاً پرواہ نہیں۔ یہ شقیں اور ان کا باطل ہونا بیان کرنے کے بعد اس نے بہت کچھ سوچا، دائیں بائیں دیکھا اور انتہائی غم و اندوہ کے ساتھ ترش رو ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔

جب سردارانِ قریش نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگے اب کیا تدبیر ہے کیا کہنا چاہیے؟ ولید کمال ناز اور نخرے کے ساتھ بولا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بائبل کا جادو ہے جو کہ کسی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہے اور بائبل کا جادو جادو کی اقسام سے جدا ہے اور اس کے جادو ہونے پر قوی دلیل یہ ہے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گرویدہ ہوتا ہے اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد سے بے زار ہو جاتا ہے اور جادو کی خاصیت یہی ہے کہ میاں بیوی باپ بیٹے اور ماں بیٹی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ تمام سردارانِ قریش یہ باتیں سن کر اس پلید سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ تیری فراست اور عقل پر آفریں کہ تو نے خوب تدبیر سوچی اور پھر اسی وقت شہر مکہ میں منادی کرادی کہ آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (معاذ اللہ) ساحر کہا جائے اور کوئی شخص اسے شاعر مجنون اور کاہن وغیرہ نہ کہے۔

پس اس کے اس قصے سے معلوم ہوا کہ اس نے قرآن اور اس اعجاز پر مبنی کلام کے نزول کی حقیقت کو پالیا تھا اور وہ اس سمجھ کے باوجود اس کے برحق ہونے کو باطل قرار

دینے میں پوری کوشش کرتا تھا اور لوگ اس سے اس مکروہ کام کی تدبیریں چاہتے تھے۔ اور وہ انہیں کفر کی تلقین کرتا تھا۔ پس اپنے منعم کے کلام اور اس کے رسول کے ساتھ اس عناد کے ہوتے ہوئے وہ اس کی نعمت و بخشش کی زیادتی کی توقع کس طرح رکھتا ہے۔ ہاں جس طرح کہ وہ اپنے کفر میں ترقی کر کے کفر کے اعلیٰ مرتبے پر جو کہ کفر عناد اور ابلیس کا مرتبہ ہے پہنچ گیا۔

سَأَزِيهُنَّ صَعُودًا نَزِيكًا ہے کہ میں اسے دوزخ میں صعود کے اوپر چڑھنے کی سزا دوں اور صعود دوزخ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ بھڑکتی آگ سے بنایا گیا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس کی بلندی کی مسافت پچاس (۵۰) سال کی راہ ہے۔ دوزخ کے موکل فرشتے معاند کافر کو اس پہاڑ کے اوپر چڑھنے کی سزا دیں گے اس پہاڑ کی سورش کی یہ حالت ہے کہ جب بھی وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا اس کا ہاتھ پگھل جائے گا پھر اسی لمحے درست ہو جائے گا اور جب وہ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ بھی پگھل جائے گا پھر درست ہو جائے گا اور اسی تکلیف میں فرشتے اسے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے جب وہ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے گا تو اسے پھر لٹھکا دیں گے تاکہ اس کے نیچے پہنچ جائے پھر اسے اس کے اوپر آنے کی تکلیف دیں گے اور وہ ابد الابد تک اسی عذاب میں رہے گا اور اسے اس طرح کے عذاب کے ساتھ اس لیے خاص کریں گے کہ وہ بھی درجہ دار اپنی فکری حرکت میں مطالب سے مبادی پر چڑھتا تھا اور پھر حق کے قریب پہنچ کر خود کو نیچے گرا دیتا تھا اور اپنے پرانے جہل مرکب میں غوطے لگاتا تھا اور حق پر قرار نہیں پکڑتا تھا۔ پس اس قسم کا عذاب اس کی موزوں جزا ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

إِنَّهُ فَكَّرَ تَحْقِيقَ اس نے قرآن کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ آیا یہ کلام الہی ہے یا کلام بشر۔ وَقَدَّرَ اور اپنے ذہن میں تمام احتمالات اور شقوں کا اندازہ لگایا۔ مثلاً کہنے لگا کہ قرآن کا حال ان احتمالات سے خالی نہیں ہے کہ کلام شاعر ہے یا کلام ساحر یا کلام کاہن یا کلام مجنون اور ان احتمالات کے مصر کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آدمیوں کے صاحب فکر و خیال کا کلام ہے۔ پس پہلی شق ہے یا آدمیوں کے بے عقل اور فاسد الخیال آدمی کا

کلام ہے۔ پس چوتھی شق ہے یا جن کا کلام ہے آدمی کا نہیں۔ تو اگر القائے علمی کے لیے ہے اور آدمی کی زبان برآئندہ واقعات کی اطلاع ہے تو تیسری شق ہے جسے کہانت کہتے ہیں اور اگر جہان میں کسی تاثیر کو پیدا کرنے کے لیے ہے تو جادو ہے۔

فَقْتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ تو اس پر لعنت اس نے کہا بے ربط احتمالات کا اندازہ لگایا ہے اس لئے کہ شق واقعی کو احتمال کے طور پر بھی دل میں نہ لایا۔ اور وہ شق یہ ہے کہ کلام الہی ہو نہ کہ آدمی اور جن کا کلام۔ پس اس شق کو ترک کرنا اس شخص کے کامل عناد پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس ترک کی وجہ سے وہ لعنت کا مستحق ہوا۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ پھر اسے لعنت کی جائے کہ اس نے کیا بعید اندازہ لگایا اس لیے کہ شقیں مقرر کرنے اور احتمال ظاہر کرنے کے مقام میں ظاہر الفساد احتمال کو ذکر کرنا فکر و نظر کی حقیقت سے خارج ہے اور یہ تمام احتمالات کھلے طور پر فاسد ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شعری علامات میں سے قافیہ کا التزام پایا جاتا ہے اور کوئی وزن موجود نہیں۔ خیالی مقدمات سے مرکب نہیں بلکہ اس میں قافیہ کا التزام بھی شعری قافیوں کے خلاف ہے جیسا کہ تحقیق و تجسس کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک علامت کے ہونے اور دوسرے علامات کے نہ ہونے کے باوجود اس احتمال کی طرف جانا بے حد غفلت یا انتہائی عناد ہے۔ اور جادو کی علامات میں سے اس میں تاثیر بلیغ پائی جاتی ہے جبکہ دوسری علامات شیطانوں کے نام اور ان سے استعانت خود اس کے میدان عزت سے منزلوں دور ہیں۔ اور اس میں کوئی لفظ مہمل اور بے ربط نہیں ہے۔ پس اس احتمال کی طرف جانا اسی طرح ہے کہ ہر سفید چیز روئی اور ہر گول شے طشت ہے یہ سارا کلام شیاطین کی ملامت اور جادو کی اور شیطانوں سے مدد لینے کی مذمت اور شیاطین کی اور ان کے افعال کی پیروی سے ڈرانے میں ہے۔

اور کہانت کی علامت میں سے اس میں غیب کی خبریں پائی جاتی ہیں لیکن کاہن جزئیہ کوئی سفلیہ معارف کی خبر دیتا ہے جبکہ یہ کلام معارف کلیہ الہیہ علویہ کا پتہ دیتا ہے اور گزشتہ اُمتوں کے واقعات اور آخرت حشر اور نثر کے واقعات بیان کرتا ہے اسے کہانت سے متہم کرنا وہی زرباف اور بوریاباف والی حکایت ہے اور مجنون کے ہدیایں کی علامات

میں سے اس میں عقل سے بعید امور کا بیان پایا جاتا ہے لیکن ان بعید از عقل امور کو اس کلام میں واضح دلائل اور قوی براہین سے بھی ثابت فرمایا گیا ہے اور مثال اور وضاحت کے ساتھ اس بعید ہونے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا ہے اسے مجنون کا کلام کہنا پھول کو کاٹنا اور یار کو اغیار گمان کرنا ہے۔ پس ان صریح طور پر باطل احتمالات کو ذکر کر کے وہ بار دیگر لعنت کا مستحق ہوا اور اس نے اسی قدر پراکتفانہ کی بلکہ

ثُمَّ نَظَرَ پھر اس نے نظر کی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے حالات پر کہ ان میں ان شقوں کے لوازمات پائے جاتے ہیں؟ مثلاً اگر یہ کلام شعر ہے تو چاہیے کہ اس پیغمبر نے شعر کے عروض، قافیہ اور نظم کو اختیار کیا ہو اور مدت دراز تک شعر گوئی کی مشق کی ہو اور اس فن کے ماہروں کے پاس سالہا سال آمد و رفت رکھ کر شاگردی کی ہو اور اگر جادو ہے تو اس پیغمبر نے جادو گروں کے ساتھ نشست و برخاست کی ہو اور جنوں اور شیطانوں کی تسخیر کے اعمال اختیار کیے ہوں اور اگر کہانت ہے تو وہ پیغمبر چاہیے جس نے بت خانوں اور دوسرے شیطانی مقامات پر سالہا سال گزارے ہوں اور عوام و خواص کے سوالات کے ہمیشہ جوابات دیئے ہوں اور اس کی خبر کبھی سچی اور کبھی جھوٹی ثابت ہوئی ہو جیسا کہ کاہنوں کی عادت ہے اور اگر جنون کا ہدیان ہے تو چاہیے کہ اس میں خلط سوداء کے آثار کا غلبہ اور اس کے کلام میں بے عقلی، بے تمیزی، خبط و اختلاط پائی جاتی ہو۔

ثُمَّ عَبَسَ پھر اس نے ترش روئی کی اس لیے کہ اس نے ان لوازمات میں سے کچھ بھی ذات پیغمبر میں نہ پایا تا کہ وہ ایک احتمال کو متعین کر سکے اور اسے ترجیح دے۔
وَبَسَرَ اور چین بچیں ہوا کہ اب مجھے ترک کی گئی شق کو کہ یہ کلام الہی ہے فرشتے کے واسطے سے پہنچا ہے، کو اختیار کرنا لازم آیا اور وہ میرے اور میری قوم کے مذہب کے خلاف ہے اور چونکہ قابل احتمال شقوں کے لوازمات کو ثابت کرنے سے ناامیدی اور متروک شق کو اختیار کرنے کی فکر اور غم بیک وقت تھے اس لیے عبس اور بسر کے درمیان شم کا کلمہ نہیں لایا گیا تا کہ ان کے جمع ہونے پر دلالت ہو۔

ثُمَّ اَدْبَرَ پھر اس نے پشت کی اس واقعی شق کو جو کہ برحق تھی اور اپنی چڑھتی ہوئی

حرکت سے نزول کیا اور ان احتمالات میں سے کہ جنہیں پہلی نظر میں اپنے ذہن میں باطل قرار دے چکا تھا ایک بدگوئی اور عناد کے طریقے سے اختیار کر لیا اور پچھلے پاؤں لوٹا۔

وَاسْتَكْبَرَ اور اس نے تکبر کیا اس سے کہ کوئی مجھے اس شق کی طرف رجوع سے جسے میں نے خود باطل قرار دیا ہے اور فکر و مناظرہ والوں کے عرف میں نہایت قبیح امر ہے، طعن کرے اس لیے کہ مجھے کسی کی پراوہ نہیں یا مراد یہ ہے کہ اس نے حق پر مبنی شق کو اس کے متعین ہونے کے باوجود اختیار کرنے سے تکبر کیا۔ گویا اس کے نفس نے تکبر کی وجہ سے گوارا نہ کیا کہ اس شق کو اختیار کرے اور خود کو اس مدت دراز میں غلطی پر قرار دے بلکہ اس نے اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا کہ اس باطل احتمال کو پھر تردد کے مقام پر ذکر کرے اور کہے کہ اس تشویش کو باطل کرنے میں ابھی یہ احتمال اور یہ شق پورے طور پر میرے دل سے زائل نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس نے اس باطل احتمال میں حصر کا دعویٰ کیا اور مبنی برحق احتمال کی گنجائش کا تصور بھی نہ چھوڑا۔

فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ پس اس نے کہا کہ نہیں ہے یہ کلام مگر ایسا جادو جو کہ نقل کیا گیا ہے باطل سے یا عجم سے یا گزشتہ جادوگروں سے اور یہ قید اس لیے زیادہ لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو دیکھ کر جو کہ جادوگروں کے حال سے جدا ہے، پہلی نظر میں اس کی تکذیب نہ کریں پھر اس نے نتیجہ نکالتے وقت بھی احتمال حق کی مطلق نفی کی اور کہا کہ:

إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ نہیں ہے یہ کلام مگر آدمی کی گفتگو۔ اے کاش! اس طرح کہتا کہ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ اور کلام الہی کہ اس کے افہام و تفہیم کی کچھ راہ کھلی رہتی اور اسے دوسری مرتبہ نظر ثانی میں شق برحق کی ترجیح ممکن ہوتی اور چونکہ اس نے اس پانچویں شق سے جو کہ برحق اور واقعی تھی اس درجہ روگردانی اور انکار کیا، ناچار اس روگردانی اور انکار کی جزا کے مقام میں۔

مَأْصِلِيهِ سَقَرَ عَنْقَرِيْبٍ میں اسے ستر میں ڈالوں گا جو کہ جہنم کے پانچویں طبقے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبر و غضب کا مظہر اتم ہے اور جس غضب نے اس میں ظہور کیا اس

کے آثار کی عظمت کسی انسان کو معلوم نہیں۔

وَمَا آدْرَاكَ اور آپ جو کہ اللہ تعالیٰ کے جمالی اور جلالی مظاہر کو مخلوق میں سب سے زیادہ جانتے ہیں کیا جانیں؟ مَا سَقَرَ کہ ستر کیا ہے؟ اس کی تعریف اور توصیف میں جو انتہائی بات کہی جاسکتی ہے اسی قدر ہے کہ لَا تُبْقِي جو بھی اس میں ڈالا جائے کسی کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ بالکل جلا دیتی ہے۔

وَلَا تَذَرُ اور جل جانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتی بلکہ اسے دوبارہ درست کر کے ابد الابد تک جلاتی ہے جس طرح کہ یہ معاند شق باطل کو ثابت کر سکتا تھا نہ اسے چھوڑتا تھا اور اس ستر کی ایک اور صفت بھی ہے کہ:

لَوْ أَحَدٌ لَّيَلْبَشِرُ وہ صرف آدمیوں کو جلانے والی اور ان کے درپے ہونے والی ہے۔ دوزخ کے موکل فرشتوں سانپوں زقوم کے درختوں مکھی اور پسو کو کچھ نہیں کہتی اور ان کے درپے نہیں ہوتی۔ اگر ان چیزوں کو بھی جلا دیتی تو آدمی کبھی ان چیزوں کے عذاب سے اس دوزخ میں نجات پالیتے اور سبکی ہوتی اور لَوَا حَة عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے لَاحِه الْعَطَشِ جب پیاس اس کے باطن کو جلا دے اور اس کے چہرے کو بدل کر سیاہ کر دے اور بعض مفسرین نے بشر کو یہاں بشرہ کی جمع قرار دیا ہے جس کا معنی جسم کا ظاہری چڑا ہے لیکن اس تفسیر میں جلانے اور کھال کو سیاہ کرنے کا ذکر لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ کے ذکر کے بعد مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لیے تاثیر قوی کے بیان کے بعد تاثیر ضعیف کو ذکر کرنا بلاغت کے قانون سے دُور ہے۔ نیز اس سورۃ اور قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں لفظ بشر جمع بشرہ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا اس لفظ کو غریب بنانا اچھا نہیں ہے۔

اس عذاب ستر کے علاوہ وہاں ایک اور عذاب ہے اور وہ زبانیہ اور دوزخ کے موکلوں کا تسلط ہے جو کہ آتشیں گرزوں کی ضربوں آتشیں زنجیروں کے ساتھ کھینچنے آتشیں طوق ڈالنے دردناک کھینچا تانی اور اپنی خوف ناک شکلیں ظاہر کرنے کے ساتھ ہر لمحہ دلچظہ جان لیتے ہیں اور موت کا ذائقہ چکھاتے ہیں اس لیے کہ:

عَلَيْهَا اس دوزخ پر داروغے ہیں تِسْعَةَ عَشَرَ انیس فرشتے

زبانہ کی خوف ناک شکل کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان کی آنکھیں اُچکنے والی برق کی طرح، ان کی آواز تیز گرجنے والی بجلی کی طرح، ان کے دانت بارہ سنگھے کے سینگوں کی طرح اور ان کے بال اس قدر لمبے کہ گویا دامن کھینچے جا رہے ہیں اور فوارے کی طرح آگ کے شعلے ان کے منہ سے جوش مارتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی راہ کا فاصلہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ کی ہتھیلی لاکھوں کی گنجائش رکھتی ہے۔ مہربانی اور نرمی ان کے دل سے بالکل دُور کر دی گئی ہے، ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر جہاں چاہے لے جاتا ہے۔

زبانہ یعنی داروغہ جہنم کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ کا بیان

اور ان کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوزخ غضبِ الہی کے ظہور کا محل ہے اور جس طرح کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی کام کو سرانجام دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے، تمام مخلوقات کی روحانیت اس رحمت کے کارخانہ کی خدمت کرتی ہے تاکہ اس کے تقاضا کی صورت رونما ہو اور اسی لیے کہتے ہیں۔ (بیت)

ابرو بادو مہ و خورشید و فلک در کار اند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو روٹی حاصل کرے اور غفلت کے ساتھ نہ کھائے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر کسی مہم کو جاری کرنے کی طرف توجہ فرماتا ہے تو مخلوقات کی روحانیت کو خدمت سے چارہ نہیں۔ پس کارخانہ غضب جو کہ دوزخ ہے، سرانجام دینے کے لیے ایسا فرشتہ ضروری ہوا جو کہ عرش مجید کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور اس کا نام مالک ہے اور وہ اپنی عمر میں کبھی ہنسا نہیں اور اس کا چہرہ کبھی کسی نے کشادہ نہیں دیکھا۔ اور وہ اس مکان کے بمنزلہ بادشاہ کے ہے کہ باقی سب فرشتے اس کے تابع فرمان ہیں اور حکم کرنا اور کام کرانا اس کی ڈیوٹی

ہے۔

اور دوسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا کرسی کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہے اور طبقات پر جہنیموں کی تقسیم اور ہر کسی کے عذاب کا اندازہ مقرر کرنا اس کا منصب ہے اور وہ مالک کا دیوان اور دفتر دار ہے۔

اور تیسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جو ساتویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زحل کا مسکن ہے اور دوزخیوں کے جسموں کو اس سے بچانا کہ آگ اور عذاب کی دوسری قسموں کی وجہ سے بالکل ختم ہو جائیں اور ان جسموں کو ہمیشہ رہنے کے قابل بنانا اور لمحہ بہ لمحہ تازہ کھال اگانا اور جلے ہوئے اور مصروب اعضاء کو درست کرنا اس کی ڈیوٹی ہے اور وہ مالک کی آبادی کے میسر کے مقام پر ہے۔

اور چوتھا فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ چھٹے آسمان کی روحانیت سے تعلق رکھے جو کہ مقام مشتری ہے اور دوزخیوں کے درمیان جھگڑے ڈالنا تاکہ پیروی کرنے والے اور راہبر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا کریں اور ایک شخص دوسرے پر لعنت اور نفرت کا اظہار کرے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کے باہمی جھگڑوں کا ذکر ہے اس کا کام ہے اور وہ بمنزلہ قاضی مالک ہے۔

اور پانچواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پانچویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ مریخ کا مسکن ہے اور جہنیموں کو پکڑنا، باندھنا، کھینچنا اور پٹائی کرنا اس کے ذمے ہے اور وہ مالک کا کوتوال، جلاد اور میر عذاب ہے۔

اور چھٹا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا چوتھے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہو جو کہ سورج کا مقام ہے اور اعتقادات کے باطل ہونے اور اعمال کے فتنج ہونے کا اظہار کرنا اور دوزخیوں پر رسوائی اور ندامت ڈالنا کہ روحانی عذاب میں گرفتار رہیں اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے معلم اور استاذ کے منصب پر ہے۔

اور ساتواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ تیسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زہرہ کا محل ہے اور دوزخیوں کو غیر موزوں صدا میں بُری آوازیں، نوحہ، بین،

زفیر اور شہیق یاد دلانا اس کا کام ہے اور اس جہان کے گویے کے منصب پر ہے۔
 اور آٹھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ دوسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ عطار دکی جائے قرار ہے اور ایک گروہ کی خبریں دوسرے گروہ کو پہنچانا اور دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت ایک دوسرے پاس نقل کرنا تاکہ اسے سن کر ان کے قریبوں اور دوستوں کے دل جلیں اور شدید حسرت دامن گیر ہو اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ جاسوس ہر کارے اور قاصد کے ہے۔

اور نوواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پہلے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ چاند کی سیر گاہ ہے اور زخموں کو متعفن کرنا بد بوؤں کو پیدا کرنا اور ان کے جسموں سے پیپ اور خون کو چشموں کی طرح جاری کرنا اس کا کام ہے اور وہ وہاں کے جراح کے منصب پر ہے۔

اور دسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ آتش کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور آگ جلانا، شعلے نکالنا اور دوزخیوں کے جسموں کو پکا کرنا اور شیوہ ہے اور وہ اس عالم کے باورچی کے منصب پر ہے۔

اور گیارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ ہوا کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور ڈھواں اٹھانا اور اسے دوزخیوں کے جسموں کے سوراخوں اور مساموں میں داخل کرنا اور زہریلی ہوا کو حرکت میں لانا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے فراش کے منصب پر ہے۔

اور بارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے کہ جو پانی کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور طبقہ زمہریر کو سنوارنا اور دوزخیوں کے جسموں میں بے انتہا ٹھنڈک پیدا کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے امیر البحر کے مقام پر ہے۔

اور تیرہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ خاک کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور دوزخیوں کے جسموں میں زبردست بوجھ پیدا کرنا اور ان کا ہر دانت بہت بڑے پہاڑ کی مانند ہو جائے اور ان کی ہر ران دوسرے پہاڑ کی طرح تاکہ ان پر ہلنا اور چلنا دشوار ہو

جائے اور اپنے اعضاء کو اٹھانہ سکیں اور گالیاں بکنے والوں وغیرہم کو گرم راکھ کا سفوف بنا کر کھلانا اور اس قسم کے کام اس کے ذمے ہیں اور وہ اس جہان کے بمنزلہ پہلوان کے ہے۔

اور چودہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ معدنیات کی روحانیت کے ساتھ متعلق رکھے اور زنجیر اور طوق درست کرنا اور لوہے کے دوسرے آلات کو آگ میں ڈال کر گرم کرنا اور سونے اور چاندی کی تختیاں بنانا تاکہ ان کے ساتھ دوزخیوں کی پیشانیوں، پشتوں اور پہلوؤں کو داغا جائے اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے لوہار کے منصب پر ہے۔

اور پندرہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ نباتات اور درختوں کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور زقوم کا درخت اگانا اور دوسرے خاردار زہرا لود درختوں کو پالنا تاکہ وہ دوزخیوں کی خوراک میں صرف ہوں اس کا ذمہ ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ کسان کے ہے۔

اور سولہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق حیوان کی روحانیت کے ساتھ ہو اور سانپ، بچھو، مکھی اور پسو کو دوزخیوں پر مسلط کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ میر شکار کے ہے۔

اور سترہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفہ طبع کے ساتھ تعلق رکھے جس کا مقام جگر ہے اور دوزخیوں کو بے انتہا بھوک اور پیاس دینا تاکہ الجوع الجوع اور العطش العطش کے عذاب میں گرفتار ہوں اور زقوم و حمیم کو کھاپی سکیں اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے بمنزلہ طبیب کے ہے۔

اور اٹھارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفہ قلب کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جس کا محل مضمہ صنوبری ہے اور دل کو دوزخیوں پر ستانے والی کیفیات جیسے بے انتہا خوف، بے حد گھبراہٹ اور بے پناہ شرم ساری ڈالنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ مرشد اور شیخ کے ہے۔

اور انیسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق لطیفہ عقل سے ہو جس کا محل دماغ

ہے اور دوزخیوں کو اپنی ان غلطیوں پر تنبیہ جو کہ انہوں نے علم و عمل میں کی تھیں، امورِ حقہ واقعہ اور ان کے دلائل کی قوت اور اپنے شبہات کی خرابی کو دریافت کرنا، اس چیز کی عظمت کا ظہور کہ جسے حقیر سمجھتے تھے اور اس چیز کی حقارت کا ظہور جسے عظیم سمجھتے تھے، اس کی تعلیم سے حاصل ہوگا اور وہ اس جہان کے بمنزلہ حکیم اور فیلسوف کے ہے۔

اور چونکہ کارخانہ عذاب ظاہری اور باطنی طور پر ان روحانیات کے اجتماع کے بغیر پورا نہیں ہوتا اس لیے ان کا اجتماع ضروری ہوا لیکن یہ انیس (۱۹) افراد اس جہان کے بمنزلہ سرداروں کے ہیں جس طرح کہ دنیا میں بھی یہی انیس (۱۹) افراد کارخانہ رحمت کو سرانجام دیتے تھے اور ان کے خادموں، مددگاروں اور پیروکاروں کا کون ہے جو شمار کرے جیسا کہ دنیا میں ان انیس (۱۹) روحانیوں کے لشکروں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تھا۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ چونکہ دوزخ نحوستوں اور دکھوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو وہاں ہر چیز کی نحوست کا ایک ظہور لازمی ہوگا اور جہان میں نحوست کے اسباب انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر ہیں۔ سات ستارے اور بارہ برج، ان انیس (۱۹) میں سے ہر ایک کی نحوست پہنچانے کے لیے ایک فرشہ معین ہوگا جس طرح کہ جنت کے موکل فرشتے ان انیس (۱۹) چیزوں کو تمام سعادتیں اور برکتیں جنتیوں کے لیے جنت میں لے جائیں گے لیکن چونکہ جنتیوں کی سعادت کے اسباب ان انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر نہیں ہوں گے بلکہ ان سعادتوں کے علاوہ دیگر سعادتیں ان کے لیے رحمتِ الہی کے مخفی خزانوں سے ظاہر کی جائیں گی اس وجہ سے جنت کے موکلوں کی تعداد اس میں منحصر نہ ہوئی۔

اور حکماء نے کہا ہے کہ دوزخ نفس انسانی کے فساد کی سزا ہے اور نفس انسانی کا فساد اس کی دو قوتوں میں جو کہ نظری اور عملی ہیں، لاحق ہوتا ہے اور وہ اس فساد کی وجہ سے حیوانی اور طبعی قوتوں کو اپنے موقع محل میں استعمال نہیں کرتا بلکہ ان قوتوں کو اس مقصد کے خلاف استعمال کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں تو ہر ضائع کی گئی قوت کے مقابلے میں لازماً ایک فرشتہ پیدا ہوگا جو کہ اس قوت کو ضائع کرنے پر عذاب دے گا اور حیوانی قوتیں

بارہ (۱۲) ہیں: پانچ ظاہری حواس، پانچ باطنی حواس، قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ اور طبعی قوتیں سات ہیں: جذب کرنے والی، روکنے والی، ہضم کرنے والی، دُور کرنے والی، غذا کو جزو بدن بنانے والی، نشوونما کرنے والی اور پیدا کرنے والی۔

اور حساب والے کہتے ہیں کہ عدد کی دو قسمیں ہیں: قلیل اور ایک سے نو تک ہے اور کثیر اور وہ دس سے بے انتہا تک۔ پس اس عدد میں قلیل کی انتہا کو کثیر کی ابتدا کو جمع فرمایا گیا ہے۔

اور علمائے کلام نے کہا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک ایمان والے فاسقوں کے لیے ہے اس دروازے پر ایک محافظ مقرر ہے اس لیے کہ فاسقوں کو صرف ترکِ عمل کی وجہ سے عذاب ہے اور بس اور باقی چھ دروازوں میں سے ہر ایک پر تین محافظ مقرر ہیں اس لیے کہ کفار کو تین چیزوں کی وجہ سے عذاب دیں گے، ترکِ اعتقاد، ترکِ اقرار اور ترکِ عمل

اور واعظوں نے کہا ہے کہ دن اور رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں، پانچ گھنٹوں کی پانچ وقتہ نماز کے احترام کی وجہ سے معافی ہوگئی اور ہر گھنٹے کے عوض کہ جسے مرضی الہی کی مخالفت میں صرف کر کے ضائع کیا ہے، ایک فرشتہ ہوگا جو کہ عذاب دے گا اور یہ کلام معتبر تفاسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس عدد کا راز بشری عقل دریافت نہیں کر سکتی جس طرح کہ تمام شرعی اعداد تو قینی کو جیسے آسمانوں، طبقاتِ زمین، ستاروں، ہفتہ کے دنوں، نصابِ زکوٰۃ اور کفارات کے عدد نماز کی رکعات کے عدد بلکہ پانچ وقتہ نماز کا عدد بھی اسی باب سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور معتبر تفاسیر میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، ابو جہل لعین نے تمام قریشی مردوں کو دارالندوہ میں جمع کیا اور کہا کہ تم نے کچھ سنا کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قیامت سے ڈرانا سب کا سب انیس (۱۹) پہرے داروں کے اعتماد پر ہے اور بس اور تم اتنی کثیر جماعت ہو اور اپنی بہادری کے برابر کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ہو۔ آیاتم سے

یہ نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے دس دس آدمی ایک ایک پہرے دار کو چمٹ جائیں اور اسے مغلوب کر دیں۔ ایک مشہور پہلوان ابوالاسد نامی اٹھا اور کہنے لگا کہ سترہ (۱۷) پہرے داروں کو تو میں اکیلا کافی ہو سکتا ہوں دو پہرے دار تمہارے ذمہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس مذاق کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ أَوْلِيًّا لَّمْ يَلْمُواكَ لَمَّا كُنَّا فِيهَا وَلَمَّا جَاءَ الْحُكْمُ يَنصُرُونَ كَمَا يَنصُرُونَ أَوْلِيَاءَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَقَرَّبِينَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُغْلَبُونَ
 وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ أَوْلِيًّا لَمَّا كُنَّا فِيهَا وَلَمَّا جَاءَ الْحُكْمُ يَنصُرُونَ كَمَا يَنصُرُونَ أَوْلِيَاءَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَقَرَّبِينَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُغْلَبُونَ

إِلَّا مَلَائِكَةً مَّكَرَ فَرِشَتَهُ وَأَوْرَفَرِشَتَهُ كِي طَاقَت تَمَهِيں مَعْلُوم هِي كِه اِن مِيں سِي اِيك مَلِك المَوْت هِي جَو كِه هَزَارُوں كِي جَان اِيك لَمَحِي مِيں كَهِنچَتَا هِي اَوْر اِس كِه مَقَابِلِي كِي طَاقَت كُوْنِي لَشْكُرِيَا هَجُوم نَهِيں كَر سَكْتَا۔ نِيَز اِس جَمَاعَت كُو فَرِشَتِي اِس لِيِي بَهِي كِهَا هِي كِه هِم جِنْس هُونِي كِي وَجِه سِي آدَمِي اَوْر جِن پَر مَهْرِيَان نِه هُون اَوْر رَقْت اَخْتِيَار نِه كَرِيں جِيَسَا كِه بَادِشَاه جَب كَسِي شَهْرِيَا گَرُوِه سِي اِنْتِقَام لِيِنَا اَوْر اِن پَر قَهْر كَرْنَا چَاهِيں تُو اِس شَهْر اَوْر اِس گَرُوِه كِي جِنْس كِه عِلَاوِه كُوْنِي حَاكِم اَوْر عَامِل مُسَلْط كَرْتِي هِيں تَا كِه هِم جِنْس اَوْر مُنَاسِب هُونِي كِي وَجِه سِي مَآكِل نِه هُو۔ نِيَز فَرِشَتِي طَبْعِي طُور پَر مَعصُوم هِي گِنَاه نَهِيں رَكُهْتَا۔ پَس گِنَاه گَارُوں كُو سَزَا دِينِي پَر مُقَرَّر هِي۔ اِس لِيِي كِه آدَمِي اَوْر جِنَات كِي جِنْس سِي اِگَر گِنَاه گَارُوں كُو دُوزخِيُوں كُو عَذَاب دِينِي پَر مُقَرَّر كِيَا جَاتَا تُو اِن گِنَاه گَارُوں كِي سَزَا نَهِيں نِه مَلْتِي۔ اَوْر اِگَر نَهِيں بَهِي دُوزخ مِيں عَذَاب مِيں رَكُهْتِي تُو نَهِيں عَذَاب دِينِي كِه لِيِي كُوْنِي اَوْر گَرُوِه دَر كَار هُونَا اِسي طَرَح سِلْسَلِي چَلْتَا تُو تَسْلُسَل لَازِم آتَا اَوْر اِگَر اِس كَام پَر نِيكُوں كُو مُقَرَّر كِيَا جَاتَا تُو بِي گِنَاهِي اَوْر مَعَانِي كِه بَا وَجُود نَهِيں عَذَاب دِينَا لَازِم آتَا اِس لِيِي آدَمِي اَوْر جِن كَا جِسْم آگ كِي دَاكِي نَزْدِيكِي كُو بُرْدَاشْت نَهِيں كَر سَكْتَا۔ نِيَز اِپِنِي هِم جِنْسُوں قَرِيْبُوں اَوْر دُوسْتُوں كَا عَذَاب دِيكُهْنِي كِي وَجِه سِي اِيك رُوْحَانِي تَكْلِيْف اُٹُهَاتِي جَو كِه عَذَاب جِسْمَانِي سِي بَالَا تَر هِي بَلَكِه اِن سِي مُمَكِن نِه هُونَا كِه اِپِنِي بِيٹُوں اَوْر بَهَايُوں كُو اِس سَخْتِي كَا عَذَاب دِيں اَوْر اِن پَر تَكْلِيْف مَالَا يَطَاق لَازِم هُو

جاتی۔ بخلاف فرشتوں کے کہ ان رکاوٹوں میں سے انہیں ایک رکاوٹ بھی نہیں۔ اور اگر کسی کے خیال میں یہ بات آئے کہ جب دوزخ کی مہم پر فرشتوں کی ڈیوٹی لگادی گئی اور فرشتوں کی طاقت اس قدر ہے کہ ان میں سے ایک فرشتہ جہان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ پس انیس (۱۹) فرشتوں کی کیا ضرورت ہوئی؟ ہم کہتے ہیں

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اَوْرَہُمْ نَے دوزخ کے موکلوں کی گنتی انیس (۱۹) نہیں کی

ہے۔

اَلْاَفْتِنَةُ لِلَّذِينَ كَفَرُوْا مگر ان لوگوں کو مختلف قسموں کا عذاب دینے کے لیے جو کہ کفر میں مر گئے تاکہ وہ عذاب کی تمام اقسام میں گرفتار ہوں اور اگر ہم ایک یا دو یا تین افراد کو دوزخ پر مقرر کرتے تو وہ ایک یا دو یا تین قسم کا عذاب دے سکتے اور بس جب انیس (۱۹) افراد اس کام پر مقرر ہو گئے تو وہ انیس (۱۹) قسم کے عذاب کی ڈیوٹی سرانجام دیں گے اور عذاب کی اقسام انہیں انیس (۱۹) قسموں میں منحصر ہیں۔ پس ان کے حق میں ان اقسام کو پورا کرنا متحقق ہو جائے گا جیسا کہ انیس (۱۹) اقسام کو پورا کرنے اور ان کے حصر کی وجہ گزر چکی اور قوتِ ملکی کیت کے اعتبار سے اعمال کی کثرت کو اور کیفیت کے اعتبار سے اعمال کی شدت کو پورا کرتی ہے اور ان میں سے ایک فرشتہ لاکھوں کام سرانجام دے سکتا ہے لیکن عمل کی مختلف اقسام پر پورا نہیں اترتا ان میں سے ایک فرد سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دو قسم یا تین قسم کے کام سرانجام دے سکے۔ مثلاً ملک الموت بچے میں روح نہیں پھونک سکتا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارش نہیں برسا سکتے اور حضرت میکائیل علیہ السلام وحی نازل نہیں کر سکتے جیسا کہ کان دیکھ نہیں سکتا اور آنکھ سن نہیں سکتی اگرچہ اپنے کام کی قسم میں ہزاروں مشکل کام سرانجام دیں۔ مثلاً کان کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں آوازیں سنے اور نہ تھکے اور آنکھ کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں رنگ دیکھے اور عاجز نہ ہو۔ پس اگر ایک فرشتے کو ہم دوزخیوں کے عذاب پر مقرر کرتے تو اس سے سب دوزخیوں کو ایک قسم کا عذاب ممکن ہوتا اور دیتا لیکن عذاب کی دوسری اقسام جو اس سے متعلق نہ ہوں نہ اس سے ممکن ہیں اور نہ وہ ان قسموں کا عذاب کرے گا اور اس طرح کفار کے حق میں

عذاب کی اقسام کو پورا کرنا اور ہر نوع اور ہر قسم کے لیے جدا فرشتہ مقرر کرنا۔

لَيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اس لیے ہے کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ پورا یقین حاصل کر لیں اور انہیں معاملات الہیہ کے اسرار کو سمجھنے کی مشق فرشتوں کے احوال و افعال پر اور اس بات پر کہ ان کی قوت کس چیز میں کمال رکھتی ہے اور کس چیز میں کمال نہیں رکھتی اور اس پر کہ کامل علی الاطلاق اور قوی حقیقی باری تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں اطلاع حاصل ہے۔ نیز اگر انہوں نے اپنی کتابوں میں اس عدد کی بابت سنا ہے اور وہ اس عدد کی وجہ نہیں سمجھتے تو اس نکتے کی وجہ سے کہ اس عدد سے عذاب کی اقسام کو پورے طور پر حاصل کرنا منظور ہے ان کی تسلی ہو جائے اور انہیں اس عقیدے پر پورا اطمینان حاصل ہو اور اس رسول علیہ السلام اور اس تازہ نازل شدہ کلام کا اپنی جان پر احسان مانیں۔ پس لَيَسْتَيَقِنَ اور اس کے معطوفات میں لام تعلیل اس کلام کے ساتھ متعلق ہے جو کہ سابقہ استثناء کی نفی کے ما سے ذہن میں حاصل ہوئی یعنی وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لَيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا تا کہ جو لوگ پہلے سے آپ پر ایمان رکھتے ہیں اپنے ایمان میں زیادہ ہو جائیں اور جان لیں کہ کفر نہایت مضر ہے اور ہر قسم کا عذاب چکھنے کا موجب ہوتا ہے۔ پس ایمان میں پورے طور پر داخل ہو جانا چاہیے اور کفر سے مکمل دوری چاہیے۔

وَلَا يَزِدَّاتَبَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ اور شک نہ کریں وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی اور ایمان والے انیس (۱۹) کے عدد کے تعین میں اور یہ نہ کہیں کہ اگر بے شمار دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے قوت ملتی پورا اترتی ہے تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا اور پورا نہیں اترتی تو انیس (۱۹) افراد لاکھوں کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے اس لیے کہ وہ اس بیان سے معلوم کر لیں گے کہ انیس (۱۹) کو مقرر کرنا اقسام عذاب کو پورے طور پر جمع کرنے کے لیے ہے نہ کہ عذاب پانے والوں کے مقابلے کے لیے

وَلَيَقُولُ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ اور تا کہ وہ لوگ کہیں جن کے دلوں میں جہالت کی بیماری ہے اور اس جہالت کی وجہ سے ان کا ایمان ضعیف اور کمزور ہے

وَالْكَافِرُونَ اور کفار بھی جو کہ بالکل ایمان نہیں رکھتے اور ان میں جہل مرکب راسخ ہو چکا ہے۔ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا کہ خدا تعالیٰ نے اس عدد کے ساتھ کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے جو کہ کافروں کو عذاب دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ مثلث مثلاً اس لیے کہ اگر دوزخیوں کا مقابلہ اور انہیں مغلوب کرنا مراد ہے تو انیس (۱۹) سے بھی نہیں ہو سکتا اور اگر عذاب دینے کے اسباب سرانجام دینا اور آگ جلانے کے لیے ایندھن اور موٹی لکڑیاں فراہم کرنا مراد ہے تو بھی اس تھوڑی تعداد سے نہیں ہو سکتا اور اگر ارادہ فرمایا ہے کہ میں اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان کے ہاتھوں عذاب دوں گا تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اگر اسباب ظاہری کی رعایت کی بناء پر انہیں مقرر فرمایا جاتا تو ایک فرشتہ اور دو فرشتے بھی کافی تھے اور بالفرض اگر کوئی عدد ہی مقرر کیا تھا تو اعتبار کے ساتھ مشہور اعداد میں سے مقرر کیا ہوتا جیسے دس (۱۰) اور بیس (۲۰) جو کہ اعداد کی گرہیں ہیں یا پندرہ، سترہ، بارہ مقرر فرمائے جاتے۔ یہ عدد جو کسی جگہ اور کسی فرقے کے ہاں معتبر نہیں، کیوں مقرر کیا گیا؟

اور احتمال ہے کہ نسبت ایقاعیہ سے لفظ مثلاً تمیز ہو یعنی اس عدد سے کیا مثال دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ اس عدد کا ظاہر تو یقیناً مراد نہیں ہے تو اس عدد کا ذکر کسی اور چیز کی مثال دینے کے لیے ہوگا۔ وہ چیز کیا ہے؟ بیان کیجئے تاکہ ہمارے دل میں بیٹھ جائے۔

لیکن پہلی توجیہ میں کہ مثلاً کو فعل محذوف مثلث کا مفعول قرار دیا جائے اس بات کا ایک لطیف اشارہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام معاملات اور اس کے عجیب واقعات میں یہ ضعیف الایمان لوگ اور کافر اسی قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں اور اعتراض اور بحث کرتے ہیں۔

اور جب اس واقعہ میں دو گروہوں، اہل کتاب اور ایمان والوں کے لیے ہدایت پر ہدایت نصیب ہوئی اور دو گروہوں، ضعیف الایمانوں اور کافروں کو گمراہی پر گمراہی ملی، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبرت کے لیے ارشاد فرمایا:

كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ يُونْهَىٰ عَنْهُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ لَعَلَّ الْكَافِرِينَ

اس طرح کہ اس واقعہ کے بھید اور باطن سے اس کی نظر بند کر دیتا ہے اور واقعہ کی ظاہری صورت پر اس کے فہم کو قاصر کر دیتا ہے تو ناچار شک و تردید یا انکار و استہزاء میں پڑ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اس طرح کہ اس کی نظر کو اس واقعہ کے بھید اور باطن میں جاری کر دیتا ہے اور وہ اس کام کی حقیقت کا سراغ لیتا ہے اور اس کا سکون و اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کے لشکروں میں سے بعض جیسے ملک الموت علیہ السلام اکیلے ہی حملہ آور ہیں کہ لاکھوں کونتن تہا بانی ہیں جیسا کہ دنیا میں سورج اور چاند بعض دو دو مل کر کام کرتے ہیں جیسے کرانا کاتبین دو آنکھیں اور دو کان بعض تین تین اور بعض چار چار موالید مثلاً یعنی حیوانات نباتات اور جمادات اور عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا اور خاک بعض پانچ پانچ جیسے حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا، سننا، سونگھنا، ٹولنا اور چکھنا، خمسہ متحیرہ یعنی پانچ ستارے زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل بعض چھ جیسے چھ سمتیں، بعض سات سات جیسے سات آسمان اور سات ستارے اور بعض آٹھ آٹھ جیسے مزاج اور آٹھ جنتیں علیٰ ہذا القیاس

پس ایمان والوں کو اجمالی طور پر اتنا عقیدہ رکھنا چاہیے کہ دوزخ کا کارخانہ انیس (۱۹) ملائکہ کو جمع کیے بغیر پورا نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ نے اس عدد کو اس کے کارکنوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی تفصیل جن کی اس کے ہر قول اور ہر قرار واد میں رعایت کی گئی ہے، اکثر عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے، بیان کرنے کے لائق نہیں اور نہ ہی وہ غرض جو قرآن پاک اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں دوزخ کا ذکر کرنے میں پیش نظر ہے، ان حکمتوں کے بیان پر موقوف ہے۔

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ اور وہ دوزخ نہیں ہے مگر آدمیوں کے لیے ایک نصیحت و عبرت کہ اس کے حالات سن کر اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈریں اور اس کی

نافرمانی نہ کریں اور اگر کفار کہیں کہ اگرچہ اس عدد کی حکمت ہمارے فہم کے ادراک میں نہیں لیکن اس کا خلاف حکمت ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ یہ عدد بہت قلیل ہے اور عدد قلیل عبرت اور خوف کا موجب نہیں ہو سکتا۔ ہم کہتے ہیں:

كَلَّا وَه اس عدد کو قلیل نہ سمجھیں وَالْقَمَرِ مجھے چاند کی قسم کہ پورے مہینے میں انیس (۱۹) راتیں اس کا نور محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ سورج کے ساتھ جمع ہونے کے وقت اس کا نور اصلاً محسوس نہیں ہوتا اور اجتماع سے پہلے بھی چار روز نور کمزور ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرے ستاروں سے اتنا امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور اجتماع کے بعد ہلال ہونے کے دنوں میں بھی تین دن اور ایک کسرا سی طرح کا ہوتا ہے اور یہی انیس (۱۹) راتیں اس کے نور کی تاثیر میں کفایت کرتی ہیں اور جہاں اس نور کی کیفیت سے لبریز ہوتا ہے اور ہزاروں پھل نشوونما پاتے ہیں اور کھیتی کے ہزاروں دانے موٹے اور پُرمغز ہوتے ہیں اور دریا، نباتات، حیوانات کے اجسام ان کے اخلاط دماغ، چربی اور گوشت میں رطوبتوں کی زیادتی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس انیس (۱۹) کے عدد نے اتنی عظیم تاثیر پیدا کی کہ ایک جہاں آباد کر دیا اور یہ عمدہ کام سرانجام دیا۔

وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرَ اور رات کی قسم جبکہ پیٹھ پھیر کر بھاگے سورج کے غالب نور کے قریب پہنچنے کی وجہ سے حالانکہ ابھی سورج افق کے نیچے ہوتا ہے اور زمین کے مخروطی سائے اور سورج کی ٹکیہ کے درمیان انیس (۱۹) درجے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ پس سورج کے نور نے ان انیس (۱۹) درجوں کے ضمن میں اس قدر قوی تاثیر دکھائی کہ زمین کے مخروطی سائے کو جس نے آدھے جہاں کو طاقت اور غلبہ اختیار کر کے قبضہ میں لے رکھا تھا، اپنی ایک ٹھوک سے شکست دے دی اور بھگا دیا اور جہاں کو تاریکی سے روشنی میں لاکھڑا کیا اور ایک عمدہ کام سرانجام دیا اور مرنے کے بعد زندگی کی صورت ظاہر ہو گئی۔

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ اور صبح کی قسم جبکہ روشن ہوتی ہے جو ابھی افق سے انیس (۱۹) درجے نیچے واقع ہے۔ پس میں ان تین عمدہ کاموں کے ساتھ جو کہ زمان و مکان میں انیس (۱۹) کے عدد کی تاثیر سے سرانجام پاتے ہیں اس بات پر استدلال کرتا ہوں کہ:

إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكَبِيرِ تَحْقِيقٌ وَهُوَ دُوزِخٌ بَعْدَ خَدَاتِ الْعَالِي كَيْفَ عَمَدِ كَارِخَانُونَ مِنْ سَعِ
 اِيك هِي كِه اللّٰه تَعَالٰى كِي شَانِ عَدَالَتِ وَانْتِقَامِ نِي اِس كَارِخَانِي مِي نَظْهُورِ فَرْمَايَا هِي اَكْر
 اَنِس (۱۹) فَرَشْتُوں كِي عِدَدِ سِي سَرِ اَنْجَامِ پَايِي تُو كِيَا بَعِيدِ هِي كِه اِس كِي قَدْرَتِ كِي عَمَدِ
 كَارِخَانِي اِسِي عِدَدِ سِي پُورِي هُوئي هِي۔ زِيَادِه سِي زِيَادِه يِي هِي كِه دُوزِخِ نَزِيْرًا
 لِيْبَشَرِ آدَمِيُوں كِي لِيِي ذُرَانِي وَآلِي هُوئي هِي كِه جُو چِيْزِ اِس كِي اَوْصَافِ سِي هُوئي هِي
 اِن كِي ذُرْنِي كَا سَبَبِ هُوئي هِي جَبَكِه دُوسَرِي كَارِخَانِي جِي سِي چَانْدِ كِي نُورِ كِي تَاثِيْرَاتِ كَا
 جَانَا اُورِ صَبْحِ كَا آتَا اِن كِي ذُرْنِي كَا مُوجِبِ نِهِيں هُوتَا هِي۔ پَسِ اِس كَارِخَانِي سِي ذُرْنِي
 كِي وَجِهِ سِي اِس كِي حَالِ مِي غُورِ وَفَكْرِ نِهِيں كَرْتِي اُورِ اِس كِي حَقِيْقَتِ كَا سَرَاغِ نِهِيں لِكَا تِي
 اُورِ اِنْكَارِ كِي سَا تَه پِي شِ آتِي هِيں جَبَكِه دُوسَرِي كَارِخَانُوں مِي مَنَفَعَتُوں كِي اَمِيْدِ اُورِ اِن مِي
 رَغْبَتِ كِي وَجِهِ سِي گُهْرِي نَظَرِ سِي دِي كِهْتِي هِيں اُورِ اِن كِي اَسْبَابِ كُو سَبْجِهْتِي هِيں اُورِ حَكْمَتِ اُورِ
 بَيْتِ كِي كِتَابُوں مِي لِكِهْتِي هِيں اِس وَجِهِ سِي اِن كَارِخَانُوں مِي كُوئي بَعِيدِ سَبْجِهْتَا اُورِ اِنْكَارِ كَرْنَا
 پِي شِ نِهِيں آتَا اُورِ اِكْرَانِ كَارِخَانُوں سِي كُچْ خَطْرِه بَهِي هُوتَا هِي تُو اَفْرَادِ بَشَرِ مِي سِي بَعْضِ كِي
 سَا تَه خَاصِ هُوتَا هِي جِي سِي كِه چُورِ چَانْدِ كِي رُوشْنِي رَاتِ كِي جَانِي اُورِ صَبْحِ كِي آنِي سِي
 ذُرْتِي هِيں نِه كِه اِن كَا غِيْرِ اُورِ دُوزِخِ كَا ذُرْعَامِ هِي۔

لِيْنِ شَاءَ مِيْنِكُمْ اَنْ يَتَقَدَّمَ تَمِ مِي سِي هِرِ اِس شَخْصِ كِي لِيِي جُو كِه خِيْرِ اُورِ شَرِ كِي
 كَامُوں مِي آگِي جَانَا چَا هِي۔

اَوْ يَتَأَخَّرَ يَا كِه اِن مِي پِي چِي رِهْنَا چَا هِي اِس لِيِي كِه شَرِ كِي كَامِ مِي آگِي بُزْهِنِي كِي
 وَجِهِ سِي بَهِي دُوزِخِ كَا خَطْرِه لَاحِقِ هُوتَا هِي اُورِ كَارِ خِيْرِ مِي تَاخِيْرِ كَرْنِي كِي وَجِهِ سِي بَهِي اِس كَا
 ذُرْ رِهْتَا هِي اُورِ جُو شَخْصِ هِرِ كَارِ خِيْرِ مِي آگِي بُزْهِي اُورِ هِرِ شَرِ كِي كَامِ سِي پِي چِي رِهِي كَا نَادِرِ
 اُورِ كَا مِيَا بِ هِي اُورِ نَادِرِ مَعْدُومِ كِي طَرَحِ هِي۔ بِي شَرِ اِنْسَانِي اَفْرَادِ اِكْرِ شَرِ كِي كَامِ سِي تَاخِيْرِ
 كَرْتِي هِيں كِسِي دُوسَرِي شَرِ كِي كَامِ مِي آگِي بُزْهْتِي هِيں اُورِ اِكْرِ كَارِ خِيْرِ مِي آگِي بُزْهْتِي
 هِيں تُو دُوسَرِي كَارِ خِيْرِ مِي پِي چِي بَهِي رِه جَاتِي هِيں۔ پَسِ اِس كَا خَطْرِه هِرِ كِسِي كُو لَاحِقِ هُوتَا هِي
 اِسِي لِيِي اِس دُوزِخِ كِي گِرْفَتِ اُورِ پِكْزِ قِيَامَتِ كِي رُوزِ بَهِي عَامِ هُوگِي اِس لِيِي كِه:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ هِرْ نَفْسِ اس کے عوض جو اس نے کمائی کی ہے، نہ کام کرنے یا نیکی میں کوتاہی کرنے سے دَهِينَةَ دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید میں ہوں گے اور چونکہ ہر نفس میں کمائی کے آلات انیس (۱۹) چیزیں ہیں: دو ہاتھ، دو پاؤں، زبان، دل، اعضائے تناسل، پیٹ، پشت، حواسِ خمسہ، عقل، وہم، خیال، شہوت اور غضب تو دوزخ کے انیس (۱۹) موکل اسے ضرور عذاب اور ملامت کریں گے اور کوئی شخص کسی کوتاہی کے بغیر ان آلات کے استعمال میں نہیں رہا ہے یا اس نے ان آلات کو ان کے موزوں مقام کے غیر میں صرف کیا یا موزوں مقام میں صرف نہیں کیا۔ پس کسی کے لیے بھی دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید سے رہائی کی صورت نہیں بنتی۔

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ مگر دائیں طرف والے جو کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی ان کی علامت سچائی تھی اور محشر میں بھی عرش کے دائیں جانب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اعمال نامے اپنے دائیں ہاتھوں میں پائے اور محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی سمت ہے روانہ ہوئے اس لیے کہ انہوں نے حق واجب ادا کر کے قید سے خلاصی پائی اور اپنا ذمہ پاک کر کے دوزخ کے موکلوں سے رہائی پائی اور داخل ہوئے۔

فِي جَنَّةِ بَاغَاتٍ مِل اس وجہ سے کہ ان کی روحانیت کی سمت غالب آئی اور انہیں دوزخ کے موکلوں کے ہاتھوں سے کھینچ لے گئی اور وہ ان باغات میں اس قدر مطمئن اور فارغ البال ہوں گے کہ ایک دوسرے سے

يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْمُجْرِمِينَ پوچھتے ہیں گناہ گاروں کے متعلق کہ وہ کہاں گئے؟ اور انہیں کیا ہوا؟ گویا ان کے حال کی کوئی خبر نہیں رکھتے کہ وہ کس رو سیاہی میں گرفتار ہیں اور جب وہ سن لیں گے کہ گناہ گاروں کو ستر میں لے گئے اور انہیں اس میں داخل کر دیا گیا تو ان گناہ گاروں کی طرف متوجہ ہو کر جھڑکی کے طریقے سے یا از رہ تعجب خطاب کریں گے اور پوچھیں گے کہ:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ تمہیں ستر میں کوئی چیز لے آئی؟ اور عقل و دانش کے کامل

ہونے کے باوجود تم سے ممکن نہ ہوا کہ تم ستر کی طرف کھینچنے والے اسباب کا جو کہ حیوانی اور طبعی قوتیں ہیں، مقابلہ اور دفاع کرتے تاکہ تمہیں دوزخ کے موکل جو کہ ان قوتوں کی صورت میں یہاں نہ کھینچ لاتے اور حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں اصحابِ یمن سے مراد ایمان والوں کے بچے ہیں جو کہ بے گناہ گئے ہیں اور وہ ستر اور اس کے موکلوں کی قید میں نہیں پڑیں گے اور بعض مفسرین نے اس قول کی تائید میں کہا ہے کہ یہ سوال بھی ان کے طفل ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ابھی دوزخ میں داخل ہونے کا سبب نہیں پہچانتے۔ نیز حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ بچے جب کافروں کا جواب سنیں گے کہ ہم اس وجہ سے دوزخ میں آئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، منکوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، روز کی صحبت میں بیٹھتے تھے، یعنی کاموں میں وقت گزارتے تھے اور قیامت کے دن انکار کرتے تھے۔ کہیں گے کہ ہم بھی یہی کام کرتے تھے لیکن قیامت کے دن انکار نہیں کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ تم روزِ قیامت کا انکار کر کے اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر اصحابِ یمن سے مراد نیک بخت ہوں جیسا کہ قرآن مجید کا عرف ہے تو یہ سوال از رہ تعجب یا جھڑکی کے طور پر ہوگا اور اس سوال کے جواب میں گناہ گار قالوا کہیں گے کہ ہم سے عملی اور علمی قوتوں کو عالم بالا کی طرف جذب کرنا اور کھینچنا ممکن نہ ہوا اس لیے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے حالانکہ فرض نماز سب کی سب انیس (۱۹) رکعت تھیں۔ دو فجر سے، چار ظہر سے، چار عصر سے، تین مغرب سے، چار عشا سے اور دو صلوٰۃ اللیل سے کہ ان پر ایک رکعت کو طاق عدد کے لیے بڑھا کر وتر نام رکھا گیا ہے اس جہت سے بیس رکعت ہوئیں اور اگر ہم نماز پڑھنے والوں میں سے ہوتے آج یہ انیس (۱۹) رکعت ہمارے کام آتیں تاکہ موکلوں کے انیس (۱۹) افراد سے رہائی دلاتیں۔ نیز دن رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں اور ان میں سے پانچ نماز کے لیے مقرر ہیں تاکہ باقی انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہو جائیں جب ہم سے نماز ادا نہ ہوئی، ان انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہمارے ہاتھ نہ آیا۔ ناچار غفلت کے ہر

گھٹنے کے مقابلے میں ایک ایک موکل ہم پر مسلط ہو گیا۔

نماز کے ارکان اور شرائط کا بیان انیس ہیں

نیز نماز کے ارکان اور شرائط سب کے سب انیس (۱۹) چیزیں ہیں۔ جسم پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، فرض ستر کو ڈھانپنا، قیام رکوع، سجود، قعود، تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھا کر، قرأت، تسبیح و تکبیر کے اذکار، تشہد، درود و دعا، حضور دل، نیت سلام، ارکان میں اطمینان، نماز کے منافی قول اور عمل کا ترک کرنا اور دائیں بائیں جھانکنے کو ترک کرنا اور جب ہم نے نماز کو چھوڑ دیا، ان انیس (۱۹) چیزوں کے عوض ہمیں انیس (۱۹) موکل گرفتار کر کے لے گئے۔

وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْيَسْكِينِ اور ہم گدائے محتاج کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اس لیے کہ اگر ہم اسے ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا دے دیتے تو وہ کھانے کے وقت سے انیس (۱۹) گھنٹوں تک فراغت کے ساتھ وقت گزارتا اور اس کی انیس (۱۹) قوتیں جو کہ حیوانی اور طبعی ہیں، زندہ اور تازہ ہو جاتیں اور اگر وہ ان انیس (۱۹) گھنٹوں میں ان انیس قوتوں کے ساتھ کوئی نیکی اور کار خیر بجالاتا تو ہمارے اعمال نامے میں درج ہوتی کیونکہ اس کا باعث ہم ہوتے۔

اس کھانے کی شرائط کا بیان جو کہ موجب اجر ہوتا ہے

نیز اسے کھانا پکا کر کھلانا جو کہ کامل اجر کا باعث ہو، انیس (۱۹) اعمال پر موقوف ہے۔ مل چلانا، بیج ڈالنا، پانی دینا، جانوروں سے کھیتی کی حفاظت کرنا، اسے کاٹنا، گاہنا اور بھس جدا کرنا، کھلیان کی حفاظت کرنا، کھیت سے آبادی تک غلے کی نقل و حمل، آٹا پینا، چھانٹنا، گوندھنا، روٹی پکارنا، نمک ڈالنا، سالن مہیا کرنا، احترام اور عزت کے ساتھ منگتے تک کھانے کی نقل و حمل، منگتے کے سیر ہونے کا انتظار کرنا اور جلدی نہ کرنا، اسے عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کرنا، اس نیکی کا اس منگتے پر احسان نہ رکھنا اور اسے بار بار یاد نہ کرانا، اگر ہم ایک منگتے کو اس طرح کھانا کھلاتے یہ انیس (۱۹) اعمال انیس موکلوں کے

مقابلے میں ہمارے کام آتے۔

وَكُنَّا نَعُوْذُ مَعَ الْغَائِضِيْنَ اور ہم بُدی صحبتوں میں بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔

ان امور کا بیان جن سے پرہیز ضروری ہے

اور ان صحبتوں میں انیس (۱۹) آفات تھیں، پہلی آفت بے ہودہ گفتگو کرنا جیسے عورتوں کے حسن، دولت مندوں کی عیش و عشرت، بادشاہوں کے تکبر، ان کے اقتدار کے اسباب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی جنگ کے واقعات کا ذکر کرنا، مذاہب باطلہ کو نقل کرنا اور فاسقوں کا فسق و فجور یاد کرنا۔ دوسری آفت ایک دوسرے کے کلام میں عیب گری اور طعن کرنا اور اس کلام کا خلل بیان کرنا۔ تیسری آفت مذاہب و اقوال میں ازراہ تعصب و سب پروری، جھگڑنا اور اپنے حقوق پورے لینے کے لیے جائز حد سے زیادہ جھگڑا کرنا۔ چوتھی آفت بات کو وزن، قافیہ، استعارہ اور اچھی تقریر کر کے سنوارنا اور مذمت و تعریف کے شعر پڑھنا اور ان شعروں کے مضامین سے لذت حاصل کرنا۔ پانچویں آفت جماع، بول و براز اور پردہ نشیں خواتین کے ذکر پر مبنی فحش گفتگو کرنا۔ نویں آفت کشادہ روئی کی حد سے زیادہ بلکہ ہم نشیں کے رنج و ملال کا موجب مزاح اور خوش طبعی کرنا۔ دسویں آفت بے گناہوں کو قبیح امور کے ساتھ تہمت اور بہتان لگانا۔ گیارہویں آفت مذاق کرنا اور مسلمانوں کی حرکات اور کیفیات پر ہنسنا اور مسلمانوں کے عیب نقل کر کے دوسرے لوگوں کو ہنسانا۔ بارہویں آفت وعدہ خلاف ہونا۔ تیرہویں آفت جھوٹ بولنا اور مبالغہ کرنا۔ چودھویں آفت لوگوں کے راز ظاہر کرنا اور ان کے گھریلو چھپے ہوئے امور کو برملا ظاہر کرنا۔ پندرہویں آفت بددعا کرنا، سولہویں آفت غیبت کرنا، سترہویں آفت عیب جوئی اور طعنہ زنی، اٹھارہویں آفت ایک دوسرے کے سامنے اس کی تعریف کرنا، انیسویں آفت اپنا اپنی قوم اور اپنے بزرگوں کا فخر کرنا و فکر کے ساتھ بیان کرنا۔ ان آفات میں سے ہر آفت نے ہمیں دوزخ کے موکلوں میں سے ایک ایک کی مصیبت میں گرفتار کیا۔

وَكُنَّا نَكْتَبُ بِيَوْمِ الدِّينِ اور ہم روز جزا کا انکار کیا کرتے تھے۔

marfat.com

Marfat.com

روزِ جزا کے واقعات کا بیان

اور روزِ جزا میں انیس (۱۹) دشوار واقعات ہیں اور ان میں سے جو واقعات پہلے نوحہ کے بعد رونما ہوں گے ان کی تعداد چھ (۶) ہے۔ پہلا واقعہ آسمان کا پھٹنا ہے دوسرا زمین کا زلزلہ ہے تیسرا ستاروں کا جھڑنا چوتھا سورج اور چاند کا بے نور ہونا پانچواں پہاڑوں کی حرکت اور چھٹا دریاؤں کا بھڑکایا جانا اور ان میں سے جو دوسرے نوحہ کے بعد رونما ہوں گے وہ تیرہ (۱۳) واقعات ہیں۔ مردوں کا زندہ ہونا میدانِ حشر میں لانے کے وقت انہیں گروہ گروہ کرنا ڈھونڈنے کا آنا اور اس کا محشر والوں کو گھیرے میں لینا دوزخ اور سورج کی گرمی کی وجہ سے لوگوں کے جسموں سے پسینہ بہنا میدانِ حشر میں کھڑے رہنے تک سایہ نہ پانا قہر الہی کی تجلی کا ظہور سوالِ حساب و وزنِ اعمال نامے دکھانا اور دائیں یا بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے پکڑنا محشر سے جنت یا دوزخ کی طرف روانہ ہونا پل صراط سے گزرتا جنت یا جہنم میں داخل ہونا۔

جب ہم نے روزِ جزا کی تکذیب کی ہم نے ان تمام انیس (۱۹) واقعات کا انکار کیا ہر واقعہ کے انکار کی جزا میں ایک ایک موکل ہمارے پیچھے پڑ گیا اور اس نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ اے کاش! ہم نے اپنی عمر کی ابتدا میں یہ بُرے اعمال کیے ہوتے اور آخر میں توبہ کر لیتے تاکہ ہمیں ان اعمال پر مواخذہ نہ ہوتا لیکن ہم اپنی بدشگونی کی وجہ سے ان اعمال پر بھند رہے۔

حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَٰ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی اور موت کے بعد متنبہ اور بیدار ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کہ عمل اور توبہ کا وقت نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ خود اپنے چھٹکارے کی فکر کی اور نہ ہی انہیں کسی اور طرف سے امداد و اعانت کی امید رہی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

شفاعت کرنے والوں کا ذکر

اس لیے کہ اس دن شفاعت کرنے والے یا اعمال بدنیہ ہیں جن کا سردار نماز ہے یا اعمال مالیہ ہیں جن کا سردار مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور جب ان دونوں اعمال کی ان سے دشمنی ہوگی تو دوسرے بدنی اور مالی اعمال کی کیا طاقت کہ ان کے مقدمے میں دم ماریں۔
یا شفاعت کرنے والے انبیاء علیہم السلام اور قرآن کریم ہیں اور یوم جزا کی تکذیب کی وجہ سے جو کہ رسول علیہ السلام اور قرآن کریم کے ارشادات میں عمدہ ہے رسول علیہ السلام اور قرآن کریم ان کی شکل سے بے زار ہوں گے۔ چہ جائیکہ ان کی شفاعت فرمائیں۔

یا اولیائے اللہ علمائے کرام اور شہداء ہیں جبکہ ان کے بُری صحبتوں میں بیٹھنے بے ہودہ گوئی میں تباہ ہونے حرام چیزوں اور طعن و ملامت کو اپنانے اور اولیاء علماء اور شہداء کے طور طریقے کی مخالفت کرنے کی وجہ سے وہ بھی ان۔ بے زار اور متنفر ہوں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں ان کی صحبت اور وعظ کی طرف ہرگز توجہ نہ کی اور وہ ان کے طور طریقے کے خلاف زندگی بسر کرتے تھے۔

اور جب انہیں اس قسم کا روزِ سیاہ درپیش ہے اور انہیں اس دن کی نختیوں میں کسی سے امداد و اعانت کی امید بھی نہیں تو انہیں چاہیے کہ اس روز کی نختیوں کے علاج کے متعلق پوچھ گچھ کریں اور جو بھی انہیں ان نختیوں کے علاج سے آگاہ کرے اس کا احسان برداشت کریں اور وعظ و نصیحت کی تلاش میں خود پوری کوشش کریں۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ پس انہیں کیا ہے کہ قرآن پاک کی وعظ و نصیحت سے منہ پھیرے رہتے ہیں اور اس سے ان کی روگردانی انتہا کو پہنچ چکی اس لیے کہ کار خیر سے روگردانی کبھی بے سمجھی اور بے وقوفی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ بچے کی علم حاصل کرنے سے روگردانی اور کبھی مصلحت سمجھنے کے باوجود طبعی نفرت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ نفع دینے والی دوا سے مریض کی روگردانی اور کبھی کسی مرہوم ضرر کے ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے کہ عقل تو اس کا یقین نہیں کرتی لیکن وہم سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کام

فلان اور اس حکم نامے میں ہمیں آپ کی پیروی کا حکم دیا جائے۔ حق تعالیٰ ان کی اس باطل فرمائش کے رد میں فرماتا ہے کہ:

كَلَّا وَهِيَ خَوَّاهُشْ نَهْ كَرِيْهٍ اُوْرِيْهٍ مَقْصِدٌ طَلْبٌ نَهْ كَرِيْهٍ اَسٍ لِيْهٍ كَهْ اَفَاتٌ وَبَلِيَاتٌ سَهْ نَهْجَهْ اُوْرٍ جَانٌ بَهْجَانَهْ كِيْ فِكْرَهْ كَهْ مَقَامٌ مِيْنٌ غُرُوْرٍ اُوْرٍ تَكْبِرٍ نَهْيِسْ هُوْتَا قَرِيْبٌ الْمَرْگِ مَرِيْضٌ نَهْيِسْ كَهْتَا كَهْ مِيْرَا غُرُوْرٍ اُوْرٍ تَكْبِرٍ كُوْرَا نَهْيِسْ كَرْتَا كَهْ مِيْنٌ طَبِيْبٌ سَهْ دُوَا پُوْجَهْوِيْنٌ اُوْرٍ اَسٍ كَهْ كَهْ پَرِ عَمَلٍ كَرُوْنِ۔

بَلْ لَا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ بَلْ كَهْ وَهْ اٰخِرَتٌ سَهْ نَهْيِسْ ذُرْتَهْ اُوْرٍ اَنَهْيِسْ يَقِيْنٌ نَهْيِسْ كَهْ اَسٍ جِهَانٌ مِيْنٌ هَمَارَهْ نَهْ اَعْمَالٌ كِيْ هَمِيْنٌ سَزَادِيْ جَائَهْ كِيْ تَا كَهْ اَسٍ سَزَا سَهْ نَهْجَهْ كَا كِيْ سَهْ طَرِيْقَهْ پُوْجَهْيِسْ اُوْرٍ كِيْ نَهْيِيْحَتٌ پَرِ عَمَلٍ كَرِيْهٍ پَهْرُ فَرْمَا يَا كَهْ اِنٌ كِيْ اَسٍ بَاتٌ مِيْنٌ اِيْكَ اُوْرٍ خَلَلٌ هَهْ۔

كَلَّا وَهْ يُوْنٌ نَهْ سَهْجَهْيِسْ كَهْ يَهْ نَهْيِيْحَتٌ هَمَارَهْ غَيْرٌ پَرِ اُتْرِيْ هُوْتِيْ هَهْ بَلْ كَهْ اِنَّهْ تَذَكِّرَةٌ تَحْقِيْقٌ يَهْ قُرْآنٌ پَاكٌ كِيْ اِيْكَ كَهْ سَاْتَهْ مَخْصُوْصٌ نَهْيِسْ هَهْ كَهْ اَسٍ كِيْ جَا كِيْرٌ هُوْ نَهْيِيْحَتٌ هَرِ كِيْ كَا حَقٌّ عَامٌ هَهْ جُوْ ذُرَهْ اَسِيْ كَهْ لِيْهٍ هَهْ اَسٍ لِيْهٍ كَهْ بَشْرِيْ تَصْنِيْفٌ نَهْيِسْ هَهْ بَلْ كَهْ كَلَامٌ اِلَهِيْ هَهْ جُو كَهْ اَسٍ نَهْ اِپْنَهْ بَنْدُوْنٌ كِيْ هِدَايَتٌ كَهْ لِيْهٍ اُتَارَا هَهْ۔ حَضْرَتٌ رَسُوْلٍ كَرِيْمٌ عَلِيْهٍ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ اُوْرٍ جَبْرِيْلٌ عَلِيْهٍ السَّلَامُ قَارِيْ حَضْرَاتٌ اُوْرٍ اَسَا تَزَهْ اِيْكَ وَاسْطَهْ هِيْنٌ۔ پَسْ وَهْ حَقٌّ كِيْ اِيْكَ يَادِدَا شَتٌ هَهْ جُو اِيْكَ شَهْرٌ كَهْ مَقْرَرٌ جَجٌ كُو لَكَهْ كَرْدِيْ كُنِيْ تَا كَهْ حَالٌ اُوْرٍ مَسْتَقْبَلٌ كَهْ جَسْ جَجٌ كَهْ پَا سَ پَهْنَهْجَهْ اَسٍ پَرِ عَمَلٍ كَرَهْ۔

فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرَهُ پَسْ جُو چَا هَهْ اَسٍ قُرْآنٌ كُو يَاد كَرَهْ اُوْرٍ اَسٍ مِيْنٌ غُوْرٌ فِكْرٌ كَرَهْ اُوْرٍ اَسٍ پَرِ عَمَلٍ كَرَهْ۔ وَهَآ يَذَكِّرُوْنَ اُوْرٍ وَهْ اَسٍ قَدْرٌ مَنَجَّاشٌ دِيْنَهْ اُوْرٍ وَاضِحٌ فَهْمَاشٌ كَهْ بَا وَجُوْدٌ اَسٍ قُرْآنٌ كُو يَاد نَهْيِسْ كَرْتَهْ۔

اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ مَكْرَتًا وَتَتِيْكَهْ خُدَا تَعَالٰى چَا هَهْ كَا۔ حَاصِلٌ كَلَامٌ يَهْ هَهْ كَهْ اِنٌ مِيْنٌ سَهْ بَعْضٌ لُوْگٌ بَهْتٌ سِيْ جَنْگُوْنٌ اُوْرٍ لُزَا يُوْنٌ بَهْ شَاْرٌ جَهْگَزُوْنٌ قُرْآنٌ پَاكٌ كَهْ اُوَا مَرُوْنُوَا عِيْ كِيْ مَخَالِفَتٌ مِيْنٌ رَسُوْلِيْ اُوْرٍ ذَلَّتٌ لَاحِقٌ هُوْنَهْ قَبِيْلُوْنٌ اُوْرٍ قَرِيْبُوْنٌ كَهْ هَلَاكٌ هُوْنَهْ اُوْرٍ اَسٍ

نعتِ عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ کی ناشکری کی نحوست کی وجہ سے مال اور مرتبے کے نقصان کے بعد اسے سمجھ لیں گے اور اسے یاد کریں گے اور اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت بھی یہ نصیحت حاصل کرنا اور قرآن پاک یاد کرنا قبول فرمائے گا اور انہیں ہدایت اور معافی عطا فرمائے گا اس لیے کہ:

هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وَبِئْسَ لَأُتَىٰ تَقْوَىٰ هُوَ کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشش اور کرم کے لائق کہ اگرچہ آدمی بے شمار گناہوں اور بے پناہ مخالفتوں کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے وہ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور معافی عطا فرماتا ہے اور یہ اس کے لطف و رحمت کے کمال کی وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے جناب حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ وجل سلطانہ سے یہاں اختتامی حاشیے کے طور پر ایک عبارت نقل فرمائی ہے اس نقل کے الفاظ یہ ہیں کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا قال ربکم عزوجل انا اهل ان اتقى فلا يشرك بي شيء فاذا اتقاني العبد فانا اهل ان اغفر له یعنی تمہارے رب عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میری شان کے لائق ہے کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک قرار نہ دے اور جب بندہ مجھ سے ڈر گیا اور شرک سے پاک ہوا تو میری شان کے شایان ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دوں اور بخش دوں۔

اور اس اختتامی گفتگو کا مقصد دو محذوف اعتراضات کو دور کرنا ہے جو کہ یہاں سننے والے کے خیال میں آتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ تقویٰ کے قابل وہ ہے جس کا غضب لہور دبدبہ غالب ہو جبکہ مغفرت اس کے شایان ہے جس کی رحمت اور لطف غالب ہو۔ پس ان دونوں صفات کو جمع کرنا اگر ہر ہر بندے کی نسبت سے ہے تو اجتماعِ ضدین لازم آتا ہے اور اگر بندوں کے مجموعے کی نسبت سے ہے کہ ایک جماعت سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور اپنا دبدبہ اور غضب ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ دوسری جماعت کے ساتھ معاف کرنے

اور بخشے کا معاملہ کیا جاتا ہے اور ان کی نافرمانیوں اور گناہوں سے درگزر کی جاتی ہے تو خلاف حکمت یا خلاف عدل لازم آتا ہے اور جزا کا معاملہ انکل پر مبنی ہو جاتا ہے اور ایک قانون نہیں بنتا۔

مندرجہ عبارت مبارکہ سے اس اعتراض کا جواب یوں سمجھایا گیا ہے کہ ہر بندے کی نسبت سے ایک معاملہ ہے کہ پہلے تو اس سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور جب وہ تقویٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور بہت بڑے گناہ سے جو کہ شرک ہے باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے پرہیز کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور اس کی کوتاہیوں سے درگزر کی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں اور مغفرت کے مستحق ہونے یا نہ ہونے میں بندوں کا خلاف مغفرت کی شرط حاصل کرنے میں ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور شرک سے پرہیز کرنے کا عزم۔ پس یہ معاملہ انکل سے نہیں اور حکمت و عدالت کے خلاف نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ایک شخص نے تقویٰ اختیار کیا پھر اسے مغفرت کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ تقویٰ کا معنی گناہ سے پرہیز کرنا اور امر کا بجالانا ہے اور اگر اس نے تقویٰ اختیار نہ کیا تو مغفرت اسے گناہ پر دلیر کرنا ہے اور وہ مغفرت کے لائق نہیں ہے؟ اس اعتراض کا جواب بھی اسی عبارت سے یوں سمجھا گیا کہ تقویٰ کے مختلف درجات ہیں اور اصل تقویٰ جو کہ مغفرت کا مدار اور شرط ہے اسی قدر ہے کہ شرک اور کفر سے پاک ہو جائے اور تعمیل اور پرہیز کا پختہ ارادہ کر لے جبکہ ابھی بے شمار کوتاہیوں میں بخشش کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ

سورة القيامة

مکی ہے اس کی چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

سورة القيامة کے سورة المدثر سے رابطے کی وجہ

اور اس سورة کے سورة مدثر کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورة مدثر میں واقعہ قیامت کی ظاہری ابتدا کا ذکر ہے جو کہ نفع صور ہے کہ فرمایا: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ اور اس کی انتہا بھی مذکور ہے کہ سَأُصَلِّيهِ سَقَرَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينًا إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْبُجُرْجِينِ مَا سَلَّكُمْ فِي سَقَرَ جبکہ اس سورة میں واقعہ قیامت کی باطنی ابتدا کا ذکر ہے جو کہ عقل اور روح کو حیرت میں ڈال دے گا کہ فَإِذَا بَرَقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور اس کی انتہا کا بھی ذکر ہے۔ وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ وَجُودَ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ پس اس سورة میں قیامت کے ظاہر کا بیان ہے جبکہ یہاں اس کے باطن کا ذکر ہے۔ نیز اس سورة میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی ہے نقر ناقور ہے جو کہ کان سے ٹکرائے گی اور کان کے راستے دل کو دکھ پہنچائے گی اور متحیر کر دے گی جبکہ یہاں اس سورة میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی برقی بصر ہے یعنی نگاہ کا خیرہ ہونا ہے جو کہ آنکھ کو متاثر کرے گی اور اس راہ سے دل کو حیرت کے بھنور میں ڈال دے گی اور ظاہر کو باطن پر اور کان کو آنکھ پر مقدم رکھنے کی اس معجز کلام میں جگہ جگہ رعایت کی گئی ہے۔

نیز قیامت کے دن پہلے صور پھونکنے کی شدید آواز جہان کو زیر و زبر کر دے گی اس

کے بعد نور الہی کی قہری تجلی نافرمانوں سے بدلہ لینے اور نیکوں پر انعام کرنے کے لیے ظہور فرمائے گی۔ پس واقع ہونے کے اعتبار سے بھی اس سورۃ کے مضمون کو اس سورۃ کے مضمون پر پہل حاصل ہے۔ اور اس کے علاوہ انداز کلام اور دونوں سورتوں میں مستعمل الفاظ بھی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ وہاں کافر کے بارے میں دنیا میں فرمایا ہے کہ عیس و بسر جبکہ یہاں کفار کے بارے میں قیامت میں فرمایا ہے کہ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ بِأَسْرَةٍ گویا اُس جہان کی ترش روئی اس جہان کی ترش روئی کی جزا ہے جو کہ آیات قرآنی کے بارے میں کرتا تھا۔

اور وہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنشَرَةً جبکہ یہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ نیز اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال نماز اور صدقات کو چھوڑنے پر قیامت کے دن کفار کی حسرت ان الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعَمُ السُّكِينِ وَكُنَّا نَعْوِضُ مَعَ الْعَائِضِينَ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ جبکہ اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال کو چھوڑنے کی وجہ سے موت کے بعد کافر کا نقصان اٹھانا اس عبارت کے ساتھ ہے کہ فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ اور اس سورۃ میں کافر پر لعنت اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے۔ فَقَتَلَ كَيْفَ قَدَرًا ثُمَّ قَتِلَ كَيْفَ قَدَرًا جبکہ اس سورۃ میں اسی معنی کو اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ثُمَّ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ اور اس سورۃ میں لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ فرمایا ہے جبکہ اس سورۃ میں يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ اس کے علاوہ دیگر لفظی اور معنوی موزونیتیں اور مناسبتیں ہیں جو کہ گہرے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خوبی ہے کہ انہوں نے ترتیب کے وقت پہلی نظر میں ان تمام حقائق کو پایا تو ان کا علم کتنا وسیع اور فہم کتنا تیز ہے۔

وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ قیامت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں قیامت کا آنا واضح

marfat.com

Marfat.com

ترین دلیل کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے جسے سمجھنا بہت آسان ہے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کرنے کے بعد ہر کسی کو میسر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر آدمی اس کے بعد کہ پورے شوقِ ارادہ اور سچی رغبت کے ساتھ کسی کام کو بہمہ وجوہ اچھا اور نیک سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اور اس وقت اسے جتنا بھی سمجھایا جائے کہ اس کام کا نتیجہ اچھا نہیں ہے، بہت بڑی قباحت لائے گا، ہرگز نہیں سمجھتا اور انکار کے شوق میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اس کام کے دائیں بائیں نہیں دیکھتا اور آگے پیچھے کو ملاحظہ نہیں کرتا اور اچانک اس کام کی قباحت اور اس کے نقصان پر آگاہ ہوتا ہے اور اسے ہر سمت اس کام کی بُرائی نظر آتی ہے اور اس طرح دکھ اور درد محسوس کرتا ہے کہ اس پر روحانی قیامت قائم ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کی خودی ملامت اور مذمت شروع کر دیتا ہے اور اپنے اعضاء اور آلات کو جنہوں نے اس کام میں اس کے حکم کے تابع ہو کر اسے سرانجام دیا تھا، چاہتا ہے کہ سزا دے اور کہتا ہے کہ میں اس کو پھوڑ دوں اور اس ہاتھ کو کاٹ دوں، کیا کروں؟ وہ وقت ہاتھ نہیں آتا ورنہ میں بدلہ لیتا اور میں نہیں جانتا کہ اپنے دل کو کس طرح سزا دوں جس نے مجھ سے اس قسم کی حرکت کرائی۔

تو معلوم ہوا کہ آدمی کے کام اسے دھوکہ دیتے ہیں اور بعض اوقات اپنے آپ کو اچھی صورت میں ظاہر کر کے حکم چلاتے ہیں اور بعض اوقات نہایت قبیح شکل میں نمودار ہو کر اسے تباہ کرتے ہیں اور قیامت کا مفہوم اس سے جدا نہیں ہے کہ آدمی کے اچھے اور بُرے اعمال اپنی حقیقی شکلوں میں ظاہر ہوں اور جزا کا تقاضا کریں اور جزا کے لیے آلات اور اعضاء کو لوٹانا ضروری ہے۔ پس جسم کو لوٹانا اور روح کو پھر اس کے ساتھ متعلق کرنا ضروری ہوا۔ فرق یہ ہے کہ یہ ملامت، ندامت اور مذمت جو کہ اس دنیا میں آدمی اپنے حواسِ باطن میں پاتا ہے، ایک ایک عمل پر ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد اپنا عمر کے سارے اعمال پر ملامت اور مذمت درپیش ہوگی اسی لیے اسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور حشر و نشر کے روز نوعِ انسانی کے تمام اعمال پر ہوگی اور تمام انگلوں پچھلوں سے ہوگی اور ملامت کے اسباب اور اس نوع کے تمام افراد کی جزا کے اسباب اس دن ضروری ہوں گے اور

اسی لیے اسے قیامتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

پس آدمی قیامت کے انکار میں اس قدر غفلت کا شکار ہے کہ باطنی حواس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ ہر لمحہ اور ہر وقت قیامت کا نمونہ مجھ میں موجود ہے اور اس کا سبب دو چیزیں ہیں۔ بعض اوقات حق اور واقعیت کے ادراک کے لیے مستعد ہونا اور بعض اوقات اس کے ادراک میں غلطی کرنا اور یہ دونوں چیزیں میرا خاصہ اور میری ذاتی ہیں۔ بخلاف دوسری مخلوقات کے کہ یا تو ان میں ادراک کی استعداد نہیں جیسے حیوانات اور جمادات یا وہ ادراک میں غلطی نہیں کرتے جسے ملائکہ تو مجھے قیامت کا قیام لازمی ہے ورنہ میں اپنی ذاتی خصوصیتوں سے نکل جاؤں اور انسان نہ رہوں۔ نیز اس سورۃ میں قیامت کی دونوں قسمیں صغریٰ اور کبریٰ بیان ہوئیں۔ قیامتِ کبریٰ کا بیان سورۃ کی ابتداء سے لے کر کَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ تک ہوگا جبکہ قیامتِ صغریٰ کا بیان کَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ سے لے کر اَيْحَسِبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى تک ہے۔ پس اس سورۃ کو سورۃ قیامت کا نام دینا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ قیامت کی اقسام کا احاطہ کرنے والی ہے اور اسے واضح ترین دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ میں قیامت کے دن کی قسم نہیں اٹھاتا آدمی کے لیے اپنی کوتاہی پر حسرت واقع ہونے پر اس لیے کہ یہ حسرت اسے دنیا میں ہمیشہ لاحق رہتی ہے اور وہ متحیر رہتا ہے۔

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَاہِیَةِ اور میں آدمی کے ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں اٹھاتا جو کہ قیامت قائم ہونے کا سبب ہے وقوع قیامت پر۔ اس لیے کہ وہ اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر اور غافل ہے اور نہیں سمجھتا کہ یہ نفس تجھے قیامت کو گرفتار کرائے گا اور بڑے کاموں کی جزا چکھنے کا باعث ہوگا اور قسم اس چیز کی اٹھانی چاہیے جس کی حقیقت اپنے تمام لوازمات اور نتائج کے ساتھ مخاطب کی نظر میں نمایاں ہوتا کہ وہ اس سے استدلال کر کے اس کے مضمون کی صداقت کا سراغ لگائے جس پر قسم اٹھائی گئی۔

نفس کی قسموں کا بیان

اور نفس لوامہ کے معنوں میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے، ان کے محققین نے کہا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے جس کی تین حالتیں ہیں اگر عالم بالا کی طرف مائل ہو اور نیکیوں اور عبادتوں میں خوش دلی پیدا کرے اور شریعت کی پیروی میں سکون پائے، اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور اگر سفلی دنیا شہوتوں، لذتوں، عار، عیب، انتقام اور دشمنی کی طرف مائل ہو اور شریعت کی اتباع سے بھاگے، اسے نفس امارہ کہتے ہیں کہ روح کو بُرائی کا حکم دیتا ہے اور اگر کبھی سفلی دنیا کی طرف رغبت کرے اور شہوت اور غضب سے آلود ہو جائے اور کبھی عالم بالا کی طرف مائل ہو اور شہوت و غضب سے نفرت کرے اور اس پر نادم ہو اور اپنی خود ملامت شروع کر دے، اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے جسم میں تین نفس ہیں: نفس مقدس کہ اسے ارواحِ الہی بولتے ہیں۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي اس کی شان میں ہے اور قل الروح من امر ربي اس کا بیان اور وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت میں مطمئن اور اس کے تابع فرمان ہے، اسے مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوسرا نفس منطبعہ جو کہ جسم کی تدبیر میں نیچے چلا گیا ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کو طبعی طور پر چاہنے اور ڈھونڈنے والا ہوتا ہے اور روح کو بار بار ان تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس وجہ سے اسے امارہ کہتے ہیں اور تیسرا نفس ناطقہ کہ ظاہری اور باطنی حواس سے علم و ادراک جمع کرنا، مہیا کرنا اور اسے روح کے حضور پیش کرنا اس کا کام ہے، اسے لوامہ کہتے ہیں کہ نفس امارہ سے نامناسب کام واقع ہونے کے بعد اسے ملامت کرتا ہے اور اسے کاموں کے اچھے اور بُرے ہونے کا پتہ دیتا ہے اور اس نفس کو ملہمہ بھی کہتے ہیں کہ روح کی وساطت سے اس پر حق و صداقت پر مبنی امور کا الہام ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ہر نفس قیامت کے دن لوامہ ہوگا اور اپنے آپ کو ملامت کرے گا اس لیے کہ اگر نیک ہوگا تو اس بات پر ملامت کرے گا کہ میں نے نیکی زیادہ کیوں نہ کی اور میں نے اسے بعض وقتوں کو بے مقصد کیوں صرف

کیا اور اگر بُرا ہوگا تو اس پر ملامت کرے گا کہ میں نے بُرا کیوں کیا؟ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو کہ دنیا میں یاد حق کے بغیر گزاری تھی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں بھی مردِ مومن کی یہی شان ہے کہ ہمیشہ اپنی ملامت میں ہوتا ہے اس لیے کہ ہر آدمی کسی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا خواہ وہ کوتاہی معرفت اور اس کے مبادیات میں ہو اور خواہ عبادت، تقویٰ اور اس کی شرائط و آداب میں ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفس مطمئنہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کا نفس ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت سے مطمئن اور خطرات و وساوس کی کھینچا تانی سے رہائی پائے ہوئے ہے۔

اور نفسِ ملہمہ صالح ایمان والوں اور ابرار کا نفس ہے اور نفسِ لوامہ توبہ کرنے والے گناہ گاروں اور نادم ہونے والے قصور واروں کا نفس ہے جبکہ نفسِ امارہ کافر اور فسق پر اصرار کرنے والے فاسق کا نفس ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفسِ لوامہ پرہیز گاروں کا نفس ہے جو کہ تا فرمانِ نفسوں کو دنیا میں بھی ملامت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے اور حق یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنی جبلت میں ملامت اور ندامت کے ساتھ موصوف ہے جیسا بھی ہو جیسا کہ تفسیر میں گزرا ہے۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ قیامت آنے پر قیامت کے دن کی قسم اٹھانا کفار کی غفلت کی وجہ سے بھی مفید نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم ان دونوں قسموں سے جو کہ مطلب ثابت کرنے میں ایک عمدہ دلیل تھیں پھر کر قیامت کے بارے میں کفار کے شبہ کو زائل کرتے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں کہ

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ كَمَا بَدَأَهُ يَوْمَ يَكْفُرُ بِهِ وَعَقْلُ أَوْ فِہْمُ كَمَا بَدَأَهُ سَارِي
مخلوقات سے ممتاز ہے اور غور، فکر اور ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنا اپنی خصوصیتوں
میں سے شمار کرتا ہے اور اس پر نازاں ہے اور اس سب عقل و شعور کے باوجود عقیدہ یہ رکھتا

ہے اَنْ لَنْ نَجْمَعَنَّ عِظَامَهُ کہ ہم اس کی وسیدہ منتشر ہڈیوں کو دوبارہ زندگی کے لیے قیامت کے دن جمع نہیں کریں گے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ اخص بن شریق کا داماد عدی ابن ابی ربیعہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسایہ تھا اور آپ نے اس کے اور اس کے سر اخص بن شریق کے بارے میں یہ دعا فرمائی ہے کہ اللھم اکفنی جاء السوء بارخدا یا! مجھے میرے نمے ہمسائے کے شر سے کفایت فرما کہ وہ آپ کو بہت تکلیف دیتے تھے۔ ایک دن حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ ہمیں قیامت آنے سے ڈراتے ہیں اس دن کی کچھ کیفیت میرے سامنے بیان کیجئے میں دیکھوں کہ عقل میں آتی ہے یا نہیں آتی۔ آپ نے اسے روز قیامت کی کیفیت مژدوں کے زندہ ہونے اور باز پرس اور مواخذہ کے دوسرے واقعات کی خبر دی اس نے کہا کہ اگر مجھے اس دن کا معائنہ بھی حاصل ہو جائے پھر بھی یقین نہ کروں اور تصدیق نہ کروں اور کہوں کہ میں نے جو کچھ دیکھا نظر بندی اور تصرف خیال کے عالم سے ہے واقعی اور حقیقی ہرگز نہیں اس لیے کہ میری عقل اس بات کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتی کہ خدا تعالیٰ مردوں کی ان سب ہڈیوں کو جو کہ زمین کی مختلف اطراف میں بکھر چکی ہیں جمع کرے اور پھر انہیں زندہ کرے۔ یہ سورۃ اس کے بعید سمجھنے کے رد میں نازل ہوئی فرمایا:

بلیٰ کیوں نہیں البتہ ہم آدمی کی ہڈیوں کو جمع کریں گے ہڈیوں کو جمع کرنا ہماری قدرت کے سامنے کیا چیز ہے بلکہ ہم اس سے بھی زیادہ کریں گے کہ اس کے تمام اعضاء اور اجزاء گوشت پوست اور چھوٹی اور ریزہ ریزہ ہڈیاں درست کریں گے۔ قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَاتَهُ اس بات پر قدرت رکھتے ہوئے کہ ہم اس کی انگلی کے سرے کی کھال کو ہموار اور درست کر دیں کہ حکیموں اور طبیوں نے اسے اعضاء انسان میں سب سے زیادہ معتدل قرار دیا ہے اور اسے درست کرنا اس حقیقی اعتدال کو لوٹائے بغیر جو کہ اس میں تھا ممکن نہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ آخری چیز جس کے ساتھ خلقت انسانی پوری ہوتی ہے یہی کھال ہے اور سب سے زیادہ نازک ہے اور اس کی قوت حس بہت تیز ہے اور اسی لیے

کا یہ سوال عیب جوئی اور تنگ کرنے کے لیے بھی ہے کہ کہتا ہے کہ جب تک اس کے وقت کو بیان نہیں کریں گے میں اس کی تصدیق حاصل کرنے پر توجہ نہیں کروں گا۔ حالانکہ خوف والی چیز کا علم حاصل کرنا اس کے وقت کے علم پر موقوف نہیں ہے اور غلط فہمی کے طریقے سے بھی ہے۔ اس لیے کہ فوج اور بادشاہ کی خبریں جب تاریخ کی قید کے بغیر بیان کی جائیں اتنی قابل اعتماد نہیں ہوتیں اور جب تاریخ اور وقت کے ساتھ بیان ہوں تو اکثر لوگ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس خبر کو بھی ان خبروں پر قیاس کر کے تاریخ اور وقت کی قید کا سوال کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ تاریخ اور وقت کی قید ان امور واقعہ میں جو کہ ہو چکے ہیں خبر دینے والے کے علم کے اس واقعہ کے احاطہ کرنے پر دلالت نہیں کرتی اور اس مخبر کے سواچ جھوٹ کی تحقیق آسان ہوتی ہے لیکن مستقبل کے متوقع امور میں تو چونکہ ابھی معرض وجود میں نہیں آئے ہیں ان کی تاریخ اور وقت کے تعین کی تکلیف کرنا محض بے مقصد ہے۔ ان امور کے سچے جھوٹے ہونے کی تحقیق میں مخبر کے علم کی دلیل اور ماخذ کی قوت پر اعتماد کرنا چاہیے جس طرح کہ طبیبوں اور نجومیوں کے اندازوں میں اسی طرح تحقیق کرتے ہیں۔

اور ہر تقدیر پر خواہ ان کا سوال عیب جوئی کے طریقے سے ہو یا غلط فہمی اور بے تمیزی کے طور پر قیامت کے دن اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا کہ یہ سوال کرنے والا متحیر ہو کر اس کے برعکس دوسرے بے جا اور بے موقع سوال شروع کر دے گا اور اس دن کی سختیوں سے چھٹکارا پانے کے طریقے اور مقامات کے متعلق سوال کرے گا۔ چنانچہ فرمایا: فاذا برق ابصر تو جب آدمی کی بینائی خیرہ ہو جائے جس طرح کہ بکلی کی شدید چمک دیکھنے سے اس کی بینائی خیرہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ خیرگی اس دن قہر الہی کی جگہ کے نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے ہوگی جو کہ کافرو فاسق کی بینائی کی قوت کو متحیر اور مغلوب کر دے گی جیسا کہ سورہ زمر میں فرمایا گیا ہے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا
وَحَسَفَ الْقَمَرُ أَوْ مَطْلَقًا چاند کو بے نور کر دیا جائے اور وہ خیر کے تھال کی طرح ہو جائے اس نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے نہ کہ زمین یا کسی اور چیز کے اس کے اور

سورج کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اس لیے کہ یہ خسوف اسے لاحق ہوگا۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اس حالت میں کہ آفتاب اور ماہتاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اور درمیان میں کوئی حائل ہونے والی چیز نہیں ہے تاکہ آفتاب کی شعاع کا عکس ماہتاب پر پڑنے سے مانع ہو۔ پس اس حالت میں چاند کا گہنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ سورج بھی مطلقاً پتیر کے تھال کی طرح بے نور ہو گیا ورنہ اس کا نور چاند میں جو کہ ایک مستقل شدہ جسم ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل بھی نہیں، ضرور عکس ڈالتا اور دنیا میں جبکہ سورج اور چاند ایک برج اور ایک درجہ میں جمع ہوتے ہیں، چاند گریہن محال ہو جاتا ہے ہاں اسے گھٹنا طاری ہو جاتا ہے کہ اس کا چمکنے والا چہرہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور اس کا تاریک چہرہ زمین کی طرف، مطلقاً نور زائل نہیں ہوتا۔

پس روشنی کے سارے اسباب جو کہ دنیا میں تھے سب دگرگوں ہو جائیں گے اور تجلی قاہر کے نور کو آدمی اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے بینائی کے خیرہ ہونے کی بناء پر نہ دیکھ سکے گا، ناچار اسے زبردست حیرت لاحق ہوگی اور اس وقت

يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اِنْسَانٌ كَبِهَ غَا جَب اِس مَتَحِيْر كَرْنِ وَا لَے قَا هِر نُوْر كُو هِر مَكَان مِيں پھيلا هو ا دِكھيے گا۔

آيْنَ الْمَفْرُؤُ كَد هِر جَائِي فِرَار هِي كَه مِيں اِس حِيْر ت اور دِهَشْت سَے نَجْ جَاؤُن اور اِس وَت اِس كَا سَوَال جُو كَه دُنْيَا مِيں تَهَا كَه كَهْتَا تَهَا اَيَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَدَل جَائِي كَا اور اِس دِن سَے چَهْكَارَا پَانِي كِي رَاه پُو چَهْنِي لَگِي كَا۔ اور جِس طَرَح دُنْيَا مِيں كَمَال سِرْكَشِي اور عَنَاد كِي وَجْه سَے وَت قِيَامَت كَے مَتَعَلَق اَيَانَ كَے لَفْظ كَے سَا تَه سَوَال كَر تَا تَهَا كَه اِس لَفْظ كَے سَا تَه اِن اُمُوْر كَے مَتَعَلَق سَوَال هُو تَا هِي جُو بَعِيْد اَز اِمَكَان اور غَيْر مَتَوَقَّع هُوں جَب كَه اِس رُوْز اِپْنِي گَرِيْز كِي جَگْه كَے مَتَعَلَق اَيَانَ كَے لَفْظ كَے سَا تَه پُو چَهْتَا هِي كَه اِس لَفْظ كَے سَا تَه اِن اُمُوْر كَا سَوَال هُو تَا هِي جِن كَا حَصُوْل آ سَانَ اور وَا قِع هُو نَا مَتَوَقَّع هُو۔ حَالَا نَكَه قِيَامَت مَتَوَقَّع اور اِس كَا وُقُوْع يَقِيْنِي تَهَا اور اِس دِن گَرِيْز كِي جَگْه كَا حَا صِل هُو نَا نَا مَمْكَن۔ يَعْنِي حِيْر ت و دِهَشْت

کی وجہ سے اس کی گفتگو میں دیوانہ پن واقع ہو جائے گا جیسا کہ دنیا میں کمال سرکشی اور عناد کی وجہ سے جبٹیاں مارتا تھا۔ نیز دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور واعظوں سے انہیں الزام دینے کے لیے سوال اور اعتراض کے طور پر قیامت کے وقت کا سوال کرتا تھا اور اس روز نگاہ کے خیرہ ہونے اور عقل کے حیران ہونے کی وجہ سے جب کسی کو نہیں دیکھتا کہ فرار کی جگہ کا پتہ دے، خود بخود بے ہودہ گوئی کے طور پر کہنا شروع کر دیتا ہے کہ آئِنَ الْمَفْرُؤِ آئِنَ الْمَفْرُؤِ اور جب انسان کی حالت حیرت بے قراری بے ہودہ گوئی اور جبٹیاں مارنے کی اس حد تک پہنچ جائے تو اسے کہا جائے گا۔

کَلَّا ایسا بے جا سوال مت کر اور یہ لایعنی گفتگو مت کر۔ لَا وَزَرَ کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہے بلکہ جس چیز سے تو بھاگتا ہے وہیں جانا چاہیے۔ اِلٰی رَبِّكَ تیرے پروردگار کی قہری تجلی کی طرف ہے۔ یَوْمَئِذٍِ الْمُسْتَقَرُّ اس دن جائے قرار اور کسی کو بھی اس تجلی کے قریب حاضر ہونے سے پیچھے رہنے کا چارہ نہیں یا خوشی کے ساتھ جاتا ہے یا اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس کے بعد کہ آدمی چارونا چاروہاں قرار پکڑے گا اسے ایک اور حیرت اور دہشت لاحق ہوگی۔

يُنَبِّؤُا الْاِنْسَانَ یَوْمَئِذٍِ اس دن آدمی کو خبردار کیا جائے گا۔ بَمَا قَدَّمَا اپنے ان اعمال و افعال سے جو اس نے پہلے کیے تھے۔ خواہ وہ اعمال و افعال پہلے کرنے کے لائق تھے جیسے نماز سے پہلے وضو، تلاشِ معاش سے پہلے نماز، مال پر سال گزارنے سے پہلے زکوٰۃ دینا، حج سے پہلے عمرہ، فرض سے پہلے سنت، فقیروں کو خیرات دینے سے پہلے اپنے اہل و عیال اور قریبیوں کا حق ادا کرنا، دعا سے پہلے درود شریف اور وصیت جاری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنا یا پہلے کرنے کے لائق نہ تھے جیسے وقت سے پہلے نماز، رمضان سے پہلے یومِ شک کا روزہ، نماز عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی، عشا سے پہلے نماز وتر، قرض ادا کرنے اور اپنے اہل و عیال کے ضروری حقوق ادا کرنے سے پہلے صدقہ دینا، والدین کی خدمت اور اپنے اہل و عیال کی خبر گیری سے پہلے جہادِ نقلی حج اور نقلی علم کی طلب میں سفر کرنا اور عدت گزارنے سے پہلے نکاح کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس

وَأَخَّرَ اور اپنے ان اعمال و افعال سے جو اس نے پیچھے کر دیئے، خواہ تاخیر کے لائق تھے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کے بعد والدین کی خدمت، اپنی ضروری حاجات کو پورا کرنے کے بعد صدقہ دینا اور اپنے قریبوں کے ساتھ احسان کرنے کے بعد اجنبیوں کے ساتھ احسان کرنا یا تاخیر کے لائق نہ تھے جیسے وقت گزرنے کے بعد نماز مال پر سال گزرنے کے بعد بڑی تاخیر کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنا اور توبہ کے ممکن ہونے کے وقت کے گزرنے کے بعد توبہ کرنا۔

اور جب آدمی کو اعمال کی اس تقدیم و تاخیر سے اعمال نامے پیش کرنے اور زمین و آسمان اور روز و شب کے گواہ لانے کے ساتھ خبردار کریں گے تو حیرت زدہ ہوگا اور جان لے گا کہ جب جزا دینے کے لیے کارکنانِ قدرت نے اس ترتیب کو لکھ چھوڑا ہے اور اس کے متعلق پوچھتے ہیں اور اس پر جزا دیتے ہیں تو میرے نیکی اور بدی کے اصل اعمال کو کیوں نہ لکھا ہوگا اور ان کے متعلق کیوں نہ پوچھیں گے اور ان پر جزا کیوں نہ دیں گے اور اس پر بہت دہشت غالب ہوگی کہ بہت غور و فکر کا وقت ہے۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ماقدم سے مراد وہ عمل ہے جو کیا۔ نیک ہو یا بُرا اور ماخرا سے مراد وہ عمل ہے جو نہیں کیا اچھا ہے یا بُرا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم سے مراد وہ مال ہے جو کہ آخرت کے ذخیرے کے لیے آگے بھیجا ہوگا اور ماخرا سے مراد وہ مال ہے جو دارثوں کے لیے چھوڑ گیا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم وہ اچھے بُرے اعمال ہیں جو کر گیا ہے اور ماخرا اچھی بُری رسم اور طریقہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا ہے اور لوگ اس رسم اور طریقے کے مطابق کام کرتے ہیں خواہ وہ رسم نیک ہو اور اس شخص کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہو، خواہ بُری ہو اور قیامت تک اس شخص کے لیے بوجھ اور عذاب کا سبب ہو۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں میں نیک طریقہ اور رسم جاری کرتا ہے اسے اس رسم اور اس طریقے پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوتا ہے اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والوں کا ثواب کم ہو اور جس نے لوگوں میں بُری رسم اور بُرا طریقہ جاری کیا، اسے اس بُری رسم اور طریقے پر عمل کرنے والے سب لوگوں کا وبال ہوتا ہے اس کے بغیر

کہ ان عمل کرنے والوں کے وبال سے کچھ کم ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی ناحق خون کرتا ہے اس کا بوجھ اور وبال حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل پر لکھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس بُرے کام کی بنیاد اسی نے رکھی۔ امام مجاہد نے کہا ہے کہ ما قدم سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ اس نے جوانی اور اول عمر میں کیے ہیں جبکہ ما آخر سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ بڑھاپے اور پچھلی عمر میں کیے۔

ہر تقدیر پر اسے ہر حرکت و سکون اور قول و فعل سے آگاہ کریں گے تاکہ اسے اس کے مطابق جزا دیں اگرچہ اس کے بارے میں اس آگاہ کرنے نامہ اعمال ظاہر کرنے اور گواہوں کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بَلِ الْإِنْسَانُ بَلَكَةً آدَمِي خُودِ بَخُودِ اِنْفِ اَعْمَالِ بِمَطْلَعِ هُوَ كَمَا اس لیے کہ وَه عَلِي نَفِيهِ بِصِيْرَةً اِنْفِ بِرَحْمَتِ كَامِلٍ اور گواہ عادل ہے اس لیے کہ اس کے کسب کیے اعمال کی صورتیں اس کے نفس میں راسخ اور ثابت ہیں اس وقت کہ اس کے حواس باطنی قوی اور صاف ہو جائیں گے ان صورتوں کو دریافت کر لے گا بلکہ حواس باطنی کی طرف رجوع کی حالت بھی نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ صورتیں عالم روحانیت کے راسخ ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوں گی اور اعضاء کی صفات اور صورتیں بن جائیں گی۔ کچھ تو چہرے کے رنگ کی تاریکی اور رو سیاہی پیدا کریں گی اور کچھ چہرے کے رنگ کی رونق اور سرخ روئی پیدا کریں گی۔ اسی قیاس پر تمام اجزا اور اعضاء میں ظہور کریں گی وضو کرنے والوں کے چہرے دونوں ہاتھ اور پاؤں روشن اور چمک دار ہوں گے اور زیور پہنے آئیں گے جبکہ خیانت کرنے والوں کو خیانت کردہ چیز گردن اور کندھے پر سوار کر کے اور شہیدوں کو رنگین خون کے ساتھ لائیں گے اور زانیوں کو پیپ اور بدبودار شرم گاہ کے ساتھ لائیں گے یہاں تک کہ آدمی کا ہر عضو ان اعمال کی گواہی دے گا جن کا اس سے ارتکاب کیا گیا اور بولے گا اور آدمی کو اقرار و اعتراف کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

وَلَوْ اَلْقَى مَعَاذِ يَرَّةً اِگرچہ آدمی ترکش کے تیروں کی طرح اپنے تمام عذر ڈالے

گا۔

قیامت کے دن لوگوں کو اپنے اعمال پر اطلاع کے تین مرتبے ہوں گے
 حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آدمیوں کو اپنے اعمال پر اطلاع میں تین
 مرتبے حاصل ہوں گے پہلے یہ کہ فرشتے ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر
 پڑھیں گے اور پھر ان کے ہاتھ میں دے کر کہیں گے اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ
 الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا اس وقت لوگ اپنے غیر موزوں کاموں کا انکار کریں گے اور کہیں
 گے یہ ہم نے یہ کام نہیں کیے ہیں ہم پر جھوٹ لکھا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ آسمان و زمین
 روز و شب اور اعضاء و آلات ان کاموں پر گواہی دیں گے اور ان کے ذمے ثابت کریں
 گے کہ تم سے یہ کام صادر ہوئے۔ اس وقت وہ اقرار اور اعتراف کریں گے لیکن عذر بیان
 کرنا شروع کر دیں گے کہ فلاں کام ہم سے اس وجہ سے ہوا اور فلاں کام اس سبب سے
 اور ان کے عذر زیادہ تر اپنی جہالت اور نادانی ہوگی اور یہ کہ ہمارے رہنما ہمارے لیے
 ایک دین آئین رسم اور طریقہ مقرر کر گئے تھے اور ہم ان کی پیروی کی وجہ سے اس
 گرداب میں گرفتار ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی زبان سے اسی قسم کے
 ناقابل قبول عذروں کی حکایت کی گئی ہے۔ اور جب اس دن ان عذروں کو بھی باطل اور
 ناقابل قبول قرار دے دیا جائے گا۔ تیسری بار حکم ہوگا کہ ہر کسی کو اس کا اعمال نامہ دائیں یا
 بائیں ہاتھ میں دے کر اس کے مقام اور ٹھکانے پر پہنچا دیں۔ فرشتے نیکوں کو دائیں ہاتھ
 میں دیں گے اور انہیں محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی راہ ہے روانہ کریں گے اور
 بُروں کو بائیں ہاتھ میں دے کر بائیں طرف جو کہ دوزخ کی راہ ہے شدت اور سختی کے
 ساتھ ہانکیں گے اور بعض کو زنجیر اور طوق میں جکڑ کر لے جائیں گے اور بعض کو منہ کے بل
 گھسیٹیں گے۔

اور جب قیامت کے آنے سے آدمی کی غفلت کمزور اور نامعقول شبہات کے
 ساتھ اس کا انکار تجلی الہی کے نور قاہر کے اس دن ظہور کے وقت آدمی کی حسرت اور
 دہشت اس کی بے چینی اور بے قراری اور اس کے بیان سے کہ اسے تقدیم لاحقہ التاخیر
 اور تاخیر لاحقہ التقدیم کی خبر دے کر باز پرس کی جائے گی سے فراغت ہوئی اب اپنے

رسول علیہ السلام کو بات میں بات کے طریقے سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو اس ماجرا سے معلوم ہو چکا کہ تقدیم ماحقہ التاخیر اور تاخیر ماحقہ التقدیم قابلِ مذمت اور ناپسندیدہ ہے گرچہ امور خیر میں ہو۔ پس چاہیے کہ آپ ان دونوں کاموں سے خود کو محفوظ رکھیں خصوصاً قرآن اور اس کی تفسیر حاصل کرنے میں کہ اس علم پر کمال شوق اور حرص کی وجہ سے اس کا ارتکاب نہ ہو اور آپ سمجھتے ہیں کہ اس علم کے حاصل کرنے میں جتنی جلدی واقع ہو بہتر ہے کہ کہیں نسیان واقع نہ ہو۔ پس

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت آپ اس قرآن کو پڑھنے کے ساتھ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔

لِتَعَجَلَ بِهِ تاکہ لفظ قرآن کو یاد کرنے میں جلدی کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سبق کی ابتدا میں سے بعض الفاظ سبق کے آخری الفاظ سننے تک ذہن سے نکل جائیں اور جبرئیل ایک دفعہ پڑھ کر چلے جائیں اور بعض الفاظ فراموش ہو جائیں اس لیے کہ یہ جلدی اور شتابی پورا سبق سننے سے مانع ہے اس لیے کہ دل پڑھنے کے کام میں لگ جاتا ہے اور سننے کا کام رہ جاتا ہے اور آپ کو اس جلدی میں قرآن کے بعض الفاظ کے فراموش ہونے کا خوف ہے تو آپ مطمئن رہیں اس لیے کہ

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ تحقیق آپ کے سینے اور آپ کے حافظے میں پورے سبق کو جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی پوری تلاوت ہمارے ذمے ہے۔ فَإِذَا قَرَأَهُ نَأَاً توجب ہم وہ سبق آپ کی تعلیم اور آپ کو سنانے کے لیے جبرئیل کی زبان پر پڑھیں جو کہ ہمارا بھیجا ہوا اور قاصد ہے اور اس کا پڑھنا گویا ہمارا پڑھنا ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ تو اس کے پڑھنے کی پیروی کریں یعنی پہلے خاموش بیٹھ کر اس کے پڑھنے پر کان رکھیں اور اس کے بعد وہ پڑھ کر فارغ ہو جائے تو آپ انہیں مخارج، شد اور مد کے ساتھ پڑھیں تاکہ جبرئیل علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے پڑھنے اور جبرئیل کا آپ کا سبق سن لینے کی وجہ سے بعض الفاظ کے رہ جانے یا مخارج، شد، مد وصل اور وقف ادا کرنے کا طریقہ بھول جانے کا خطرہ بالکل زائل ہو جائے اور آپ مطمئن ہو جائیں۔

پس جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التاخیر ہے اور جبرئیل کے پڑھنے کو سننا اور اس پر توجہ کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التقدیم ہے۔ نیز جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن کے مشکل معنی کے متعلق سوال کرتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر جبرئیل علیہ السلام قرآن پڑھنے کے بعد اٹھ کر چلے جائیں اور مجھے تفسیر معلوم نہ ہو تو تبلیغ کے وقت اگر مجھ سے اس کے معنوں کا سوال کیا گیا تو کیا جواب دوں گا حالانکہ چاہیے کہ آپ اس معاملے میں مطمئن رہیں اس لیے کہ

لَمَّا الْفَاطِظِ قُرْآنَ كِي تَعْلِيمِ اَوْر اَس كِي مَخَارِجِ شَدِيدِ فَصْلِ اَوْر وَّصْلِ كِي تَصْحِيحِ كِي بَعْدِ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ تَحْقِيقِ اَس كِي مَعْنُوں كُو بَيَانِ كَرْنَا بِيْهِ هَمَارِے ذَمِّے هِے۔ پس سبق پڑھنے كِي دورانِ قُرْآنِ كِي مَعْنُوں كِي مَتَعْلُقِ سَوَالِ كَرْنَا اِيسِي چِيزِ هِے جُو كِه وَاجِبِ التَّخِيْرِ هِے اَوْر اَس كِي الْفَاطِظِ كُو صَحْحِ كَرْنِے پَر تُوْجِهْ كَرْنَا اِيسِي چِيزِ هِے جُو كِه وَاجِبِ التَّقْدِيْمِ هِے۔

كَلَّا اِيْسَامَتِ كَرِيں كِه جِس كِي تَاخِيْر وَاجِبِ هِے پَهْلِے لَانَا اَوْر جِسِے پَهْلِے لَانَا وَاجِبِ اَس كِي تَاخِيْر كَرْنَا قُرْآنِ پَاكِ پَر هُنْے پَر هَانِے اَوْر دُوسَرِے اَمُورِ خِيْرِ مِيں بِيْهِ پَسْنِدِيْدِه نَهِيں اَس لِيْے كِه اَصْلِ عِلْمِ قُرْآنِ حَاصِلِ كَرْنِے مِيں نَقْصَانِ هُوْتَا هِے۔

لَهْذَا اَس آيْتِ سِے اسْتِنْبَاطِ كِيَا گِيَا هِے كِه عِلْمِ پَر هُنْے كَا طَرِيْقَه يِه هِے كِه عِبَارَتِ پَر هُنْے كِي دورانِ صَاْحِبِ كِتَابِ بَمَنْزِلِه اسْتَاذِ هِے سُنْنِے وَالِے سُنْنِے كِي سَوَاكْسِي اَوْر كَامِ مِيں مَشْغُوْلِ نَه هُوں اَوْر قَارِي كِي هَمْرَاهِ نَه پَر هِيں اَوْر اِگَر چَاهِيں تُو سُنْنِے كِي بَعْدِ لُوْثَانِيں پھر جَب اسْتَاذِ صَاْحِبِ يَا قَارِي تَحْتِ الْفَلْفِظِ تَرْجَمَه بَيَانِ كَرِيں اَس وَاقْتِ اَس كِي هِرْ پَهْلُو كِي تَحْقِيقِ سَا مَنْنِے نَه لَانِيں جَب الْفَاطِظِ كِي تَصْحِيحِ اَوْر تَرْجَمَه تَحْتِ الْفَلْفِظِ كَا بَيَانِ پُورَا هُو جَايْے تُو پھر تَحْقِيقِ كَرِيں اَوْر اِيسِي طَرَحِ بَحْثِ كِي دورانِ اِعْتِرَاضِ كِي دَر پِے نَه هُوں بَلْكَه اَس كِي پُورَا هُوْنِے كِي بَعْدِ اِگَر وَه شَبِه بَاقِي رَه جَايْے تُو تَحْقِيقِ كَرِيں اَوْر يِه سَبْ كِچْھِ آدِي كِي طَبْعِي جَلْدِ بَازِي كِي وَجِهِ سِے هِے جُو كِه اَس كِي جَبَلْتِ هِے جِيْسَا كِه دُوسَرِي جَلْدِ فَرْمَا يَا هِے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ

بُنْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ بَلْكَه اِے لُوگو! تُمْ سَبْ دُنْيُوِي مَنْفَعَتِ كُو پَسْنِدِ كَرْتِے هُو كِه جَلْدِ بَاتُو لُگِے اَوْر فُورًا مَلِ جَايْے اَوْر يِه جَبَلْتِ اِنْسَانِي كَا تَقَاضَا هِے كِه اَس مِيں سَبْ آدِي بَرَابَرِ

ہیں۔ اتنا ہے کہ نیک لوگ اچھی منفعت دنیوی کو زیادہ پسند کرتے ہیں جبکہ بُرے لوگ بڑی منفعت کو چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کی وجہ سے بہت مشقت اٹھاتے تھے اس طرح کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے اور قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے دوران اپنی زبان اور لب ہائے مبارک کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے تاکہ آواز بلند نہ ہو اور حضرت جبرئیل سے قرآن سننے سے مانع نہ ہو۔ نیز ہر لفظ آپ کی زبان سے قرأت جبرئیل کے مطابق نکلے اور محفوظ نکلے۔ پس آپ کو ایک وقت میں دو کام بہت دشوار ہوتے تھے حق تعالیٰ نے اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے آپ کو اس کام سے روک دیا اور آپ کو تسلی دلائی کہ یہ مشقت برداشت کیے بغیر قرآن پاک آپ کے ذہن میں محفوظ اور آپ کی زبان پر پختہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رب العزت جل جلالہ کے فرمان کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تلاوت پر کان دھرے خاموش رہے اور جب حضرت جبرئیل قرأت سے فارغ ہو جاتے آپ اسی انداز میں کسی فرق کے بغیر تلاوت فرماتے۔ پس آیت لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانُكَ لِتَعْجَلَ بِهِ میں اسی امر اور نہی کو امور خیر میں تقدیم و تاخیر کی رعایت پر فرغ بناتے ہوئے دنیوی منافع کے مطابق انتقال فرمایا ہے اور مدعا یہ ہے کہ اگرچہ نیک کام دہ پیش ہو لیکن اس کی طلب میں جلدی نہیں کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ اس جلدی کی وجہ سے اس سے بہتر کوئی کام رہ جائے جیسا کہ لوگ دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت عمل میں لاتے ہیں اور اسی لیے عبارت میں تمام لوگوں سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم سب دنیوی منافع کی محبت میں گرفتار ہو۔

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس کی فکر نہیں کرتے ہو اس لیے کہ اسے دُور شمار کرتے ہو اور دنیوی منفعتوں کی محبت اور اخروی منفعتوں سے غفلت بہت بڑی خرابی کا باعث ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حب الدنیا راس

دنیا کی محبت ہر خطا کا سر ہے

اور زیادہ مشکل یہ ہے کہ دونوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی ان میں سے ایک کی محبت دوسرے سے بغض کا موجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ جی وارد ہے کہ من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب اخرتہ اضر بدنیاہ فائثروا ما یبقی علی ما یفنی یعنی جس نے دنیا چاہی آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت چاہی دنیا کا نقصان کیا تو تم باقی نعمت کو فانی پر ترجیح دو۔ اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ الدنيا والاخره ضربتان ان رضیت احدا ہما سقطت الاخری یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے اور اسی اشارے کے لیے وتذرون الآخرة کاتحبون العاجلة پر عطف ملازمت فرمایا گیا ہے اور یوں نہ فرمایا کہ وَلَا تُحِبُّونَ الْآخِرَةَ گویا فرمایا گیا ہے کہ اس کی محبت اس دوسری کو ترک کرنے کا سبب ہے حالانکہ اس کا نفع و نقصان اس کے نفع و نقصان سے ہزاروں مرتبہ زیادہ بڑا ہے یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اس لیے کہ:

وَجُودٌ چند چہرے یَوْمَئِذٍ نَّاظِرَةٌ اس دن تروتازہ روشن اور چمک دار ہوں گے اس وجہ سے کہ صحیح اعتقادات اور اچھے اعمال کے انوار ان کے چہروں پر ظاہر اوزان کے باطن کا نور ان کے ظاہر پر نمودار ہوگا اور اسی نور کی قوت کی وجہ سے جس نے ان کی آنکھوں کی بینائی کی امداد کی۔ اِنِّیْ رَبِّہَا اپنے پروردگار کی تجلی کے نور کی طرف نَّاظِرَةٌ دیکھنے والے اور عظیم لذت پانے والے ہیں اور ان کی آنکھیں اس نور کو دیکھنے میں بالکل خیرہ نہیں ہوتیں اور انہیں کوئی حیرت اور دہشت نہیں ہوتی۔

وَجُودٌ جبکہ چند چہرے یَوْمَئِذٍ اس روز حیرت اور دہشت میں پڑے گرچہ اس تجلی کے حضور کھڑے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ اسے دیکھنے سے لذت پائیں۔ اس لیے کہ وہ چہرے اپنے حال میں گرفتار ہیں۔ بَاسِرَةٌ ترش رو بے کس اور گریاں

صورت ہیں تو ان کا ظاہر اتنا خراب ہے اور ان کے باطن میں ایسا غم اور پریشانی غالب ہے۔

تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ وَهِيَ كَمَا نَظُنُّ أَنَّهَا فَاقِرَةٌ وَهِيَ كَمَا نَظُنُّ أَنَّهَا فَاقِرَةٌ
کیا جائے گا جو کمر توڑ دے اور اس وجہ سے ان کے حواس بحال نہیں ہیں تاکہ تجلی الہی کے نور کی زیارت سے بہرہ ور ہوں۔

آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت نیکوں کو نصیب ہوگی

اور حدیث شریف صحیح متواتر میں واقع ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔ انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر
لیس دونہ حجاب یعنی تم اپنے پروردگار کو یوں دیکھو گے جس طرح کہ تم چودہویں رات کے چاند کو ایسی حالت میں دیکھتے ہو کہ کوئی بادل یا دُھواں تمہارے اور چاند کے درمیان حائل نہ ہو اور تم حق تعالیٰ کو دیکھنے میں ایک دوسرے سے مزاحمت نہیں کرو گے جس طرح کہ چاند کو دیکھنے میں مزاحمت واقع نہیں ہوتی۔

نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تم قیامت کے دن دیدار سے مشرف ہو گے لیکن اگر تم سے ہو سکے کہ نماز فجر اور نماز عصر کو احتیاط کے ساتھ وقت پر بجالاؤ تو ضرور ایسا کرو اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ان دونوں نمازوں کا نور دیدار میں مدد کرے گا اور یہاں جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار آخرت میں نیکوں کے نصیب ہوگا اور حدیث متواتر جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت سے صحیح سندوں سے مروی ہوئی اس نص کی تاکید کرنے والی ہوئی۔ پس اس امر کا اعتقاد ہر مسلمان کو فرض اور لازم ہے۔

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت کے منکرین اس آیت کے معنوں میں الجھ کر عجیب و غریب باتیں بناتے ہیں چونکہ وہ اکثر باتیں کتاب اللہ کی تحریف کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور مفسر کے لیے تحریف کا رد واجب ہے ناچار انہیں یہاں ذکر کرنا ضروری ہوا ورنہ اس قسم کی گفتگو اس تفسیر کے دستور کے خلاف ہے۔

تفسیر، تاویل اور تحریف کی تعریف پر مبنی مقدمہ

اور اس سے پہلے کہ وہ چیزیں ذکر کی جائیں، ایک مقدمہ پر توجہ کرنی چاہیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام اللہ کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین چیزوں کی رعایت کی جائے۔ پہلی چیز یہ کہ اس کے کلمات میں سے ہر کلمہ کو اپنے حقیقی معنی یا اپنے مجاز متعارف پر محمول کیا جائے، دوسری چیز اس کلمے کے سیاق و سباق کا لحاظ کرنا اور نظم کلام اول سے آخر تک بے ربط اور مختل نہ ہو اور تیسری چیز یہ کہ نزول وحی کے گواہوں کا مہم جو کہ حضرت رسول پاک علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں، اس کے خلاف واقع نہ ہوا ہو اور جب بھی ان تینوں امور میں سے ایک فوت ہو جائے اور دوسرے باقی رہیں، اسے تاویل کہتے ہیں۔ پس اگر پہلا امر فوت ہو گیا اور دوسرا اور تیسرا برقرار ہیں تو تاویل قریب ہے اور اگر دوسرا فوت ہو گیا اور پہلا اور تیسرا برقرار ہیں یا تیسرا فوت ہو گیا اور پہلا اور دوسرا برقرار ہیں تو اسے تاویل بعید کہتے ہیں اور جب بھی مجموعی طور پر یہ تینوں امور فوت ہو جائیں تو اسے تحریف اور مسخ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذلك

جب یہ مقدمہ بطور تمہید بیان ہو چکا تو جاننا چاہیے کہ منکرین روایت کی سب سے وزنی بات جسے اس گروہ کے چوٹی کے مفسرین نے اگلا اور اس پر فخر کیا یہ ہے کہ لفظ ناظرۃ بمعنی منتظرہ واقع ہوا ہے جیسا کہ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ - وَانظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ میں واقع ہے۔ اور الی حرف جر نہیں ہے بلکہ بمعنی نعمت ہے جو کہ آلاء کا مفرد ہے۔ اصل میں الاتوین کے ساتھ تھا جب اسے ربھا کی طرف مضاف کیا گیا تو تنوین ساقط ہو گئی اور حرف جر کی صورت میں مشتبہ ہو گیا۔ پس آیت کا معنی یوں ہوا کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا انتظار کرتے ہیں اور روایت پر کوئی دلالت نہیں۔

مذکورہ زیارت کے منکروں کا رد

اب اس معنی میں تاویل کرنی چاہیے کیونکہ یہ رسول علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تمام گزشتہ زمانوں کے فہم کے بھی مخالف ہے۔ اس بات کے قائل کے زمانے

تک کہ کسی نے اس کا کھوج نہیں لگایا اور قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال کے بھی مخالف ہے اس لیے کہ اسی سورۃ میں دو جگہ یہ لفظ واقع ہوا ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ بِ
الْبُسْتَقْرِ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ اور اگر پورے قرآن میں تجسس کیا جائے تو شاید
ہزار سے زیادہ مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہوگا۔ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا - اِرْجِعْ اِلٰی
رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً - اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ - اِلٰی رَبِّهِمْ يَحْشُرُونَ - اِلٰی رَبِّهِمْ
يُرْجِعُونَ - وَاِنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَاِنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اور کہیں بھی اس ترکیب
میں لفظ الی کو نعمت کے معنوں میں استعمال نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن میں لفظ الی بمعنی نعمت
ہرگز واقع نہیں ہوا اور عربوں کے کلام میں بھی یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

ہاں اس کی جمع جو کہ آلاء ہے مستعمل ہے اور اکثر اہل عربیت نے تحقیق کی ہے کہ
آلاء کا مفرد الی ہمزہ کی فتح کے ساتھ ہے قفا کے وزن پر نہ کہ الی بروزن معنی۔ اور وہ جو
کہتے ہیں کہ اعشی نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اس معنی میں اسی وزن کے ساتھ استعمال کیا
ہے جہاں کہ اس نے کہا ہے ۔

ابيض لا يرهب الهزال ولا

يقطم رحما ولا يخون الی

تو یہ کس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس شعر میں الی کا لفظ ہمزہ کے کسرہ کے
ساتھ ہے تاکہ دلیل درست ہو۔ نیز ایک شاعر کا اپنے شعر میں نادر کلمے کو استعمال کرنا
وحشت اور غرابت سے نہیں نکالتا۔ ورنہ الابرشی اور مسرج بھی وحشی اور غریب الفاظ نہ
ہوں گے اور کلام اللہ کو جو کہ بلاغت و فصاحت کے انتہائی اونچے درجے پر واقع ہے کسی
غریب اور وحشی کلمہ پر ایسے مقام پر جہاں رائج متعارف اور مشہور ترکیب کے استعمال کا
گمان غالب بلکہ یقینی ہے مشتمل سمجھنا اس پر فصاحت و بلاغت کے نقصان اور دھوکہ اور
پہیلی کی تہمت لگانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے پاک ہے۔ قرآن پاک کا نزول تلبیس
اور اشتباہ کو دور کرنے کے لیے ہے نہ کہ دھوکہ دینے اور غلطی میں ڈالنے کے لیے۔ پس
الی کا یہ حقیقی معنی جو کہ حرف ہونے سے اسم ہونے کی طرف نکلنے کا موجب ہوا مجاز اور

کنا یہ سے ہزار مرتبہ زیادہ بعید ہے اور جس طرح غیر حقیقی اور غیر متعارف معنوں پر کلمہ کو محمول کرنا تاویل کے مرتکب ہونے کا موجب ہوتا ہے اسی طرح کلمہ کو ایسے معنوں پر محمول کرنا جو کہ اس کے حریت یا اسمیت یا فعلیت سے جو کہ مشہور اور رائج ہے غیر متعارف اور غیر مشہور معنی کی طرف نکلنے کا موجب ہے تاویل کے ارتکاب کا موجب ہوتا ہے بلکہ تحریف ہے جیسے زید و جاویہ من بطن عصفور وغیرہ

اور ان سب مخالفتوں کے باوجود اس کلام کی ابتدا سے جو کہ بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ہے اس کے آخر تک جو کہ یہ آیت ہے کونیش لفظ ایسا نہیں جو اس معنی کو رد نہیں کرتا اور جس مقصد کے لیے یہ کلام واقع ہوا ہے اس معنی کے سراسر منافی اور مخالف ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تم ناکارہ چیز کو پسند کرتے ہو اور عمدہ چیز کو ترک کرتے ہو۔ پس اگر آئندہ کلام میں آخرت کی عمدگی کے لیے کوئی ایسی چیز بیان نہ کریں جو کہ آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور دنیا میں پائی نہیں جاتی یہ دعویٰ درست نہیں بیٹھتا اور جب یہ بیان فرمایا گیا کہ آدمیوں میں سے چند لوگوں کو اس روز دیدار خداوندی نصیب ہوگا کہ اس کے برابر کوئی نعمت اور ترقی کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں آخرت کا عمدہ ہونا ثابت ہو گیا اور اگر نعمت الہی کے انتظار کو بیان کریں تو اس مقصد کے منافی اور مخالف ہوتا ہے اس لیے کہ نعمت الہی کا انتظار تو دنیا میں بھی حاصل ہے بلکہ بُروں کو نیکوں سے بھی زیادہ اس لیے کہ الدنیا سجن المؤمن وجنة للكافر اور ہنس مکھی اور چہرے کے رنگ کی رونق اور چمک جس قدر کفار کو حاصل ہے دنیا میں نیکوں کو میسر نہیں تو آخرت کی دنیا پر فضیلت کیا ہوگی کہ دنیا کی محبت کی مذمت فرمائی جا رہی ہے اور ترکِ آخرت پر ملامت کی جا رہی ہے بلکہ بُروں کو یہ بات کرنے کی جگہ ہے کہ ہم دنیا کو اس لیے پسند کرتے ہیں اور فکرِ آخرت میں مصروف نہیں ہوتے کہ ہمیں دنیا میں ہنس مکھی اور قسم قسم کی نعمتوں کی انتظار حاصل ہوتی ہے۔ اور نقد ہے اور قریب ہے۔ اور معلوم نہیں کہ آخرت میں ہاتھ لگے نہ لگے اور اس کے باوجود وعدہ کیا گیا ہے اور ادھار ہے۔

پھر لفظ وجوہ کا اندازہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں وجوہ سے مراد ذوات اور اشخاص ہیں لیکن بلغاء کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی کسی لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تو صفات اور کاموں میں سے جو اس لفظ کے مناسب ہو وہی لاتے ہیں جیسا کہ **وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ** و **وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ** اور **قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ** میں واقع ہے اور ظاہر ہے کہ چہروں کا کام دیکھنا اور نظر کرنا ہے، نعمتوں کا انتظار کرنا نہیں کہ وہ دل کا کام ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ **قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ مُسْرُورَةٌ** نعمت رہا منتظرہ

پھر یومئذ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ ایسی چیز کا تقاضا کرتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر ناظرہ بمعنی منتظرہ ہو اور الی بمعنی نعمت تو اس دن کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں رکھتا اس لیے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انتظار حاصل ہے اور چہرے کی تازگی تو یقیناً دنیا و آخرت میں مشترک ہے اگر کوئی اور چیز بھی جو کہ اس دن کے ساتھ مخصوص ہے بیان میں نہ آئے تو یومئذ کا لفظ بالکل بے فائدہ رہ جاتا ہے۔

پھر ناظرہ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ چہرے کی تروتازگی روشنی اور چمک کس چیز سے ہوتی ہے، حصول لذت کے ساتھ یا اس کے حصول کے انتظار کے ساتھ۔ حصول لذت کا انتظار تو خود ایک عذاب ہے جو کہ سوہان روح ہے، چہرے کی رونق اور روشن ہونے کا موجب کیسے ہوگی اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے بیت

تغ ہندی و خنجر رومی
نکند آنچہ انتظار کند

یعنی ہندی تلوار اور رومی خنجر سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی انتظار سے ہوتی ہے۔

پھر **وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ بِاسِرَةٍ تَنْظُنُّ** اَنْ يُفَعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ کے اس کے مقابلے میں لانے پر غور کرنا چاہیے جو کہ ان دنوں گروہوں کے بالکل مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی اگر نعمت کے انتظار کے درد میں گرفتار ہوں گے تو درد میں بُروں کے شریک ہوں گوا نہیں انتظار ملا ہے اور انہیں انتظار عطا ہے اس لیے کہ عطا کا انتظار بھی درد کا موجب ہے جیسا کہ انتظار بلا۔ اور اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور وہ جو رویت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے یہ ہے کہ نظر آنکھ کو کسی کی طرف متوجہ کرنے کے معنوں میں ہے خواہ وہ شخص نظر آئے یا نہ آئے جیسا کہ کہتے ہیں نظرت الی الهلال فلم ارہ یعنی میں نے ہلال کی طرف دیکھا مجھے نظر نہیں آیا۔ قرآن مجید میں ہے تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ پس آیت کا معنی یوں ہوگا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کریں گے اگرچہ اسے نہ دیکھیں اور وہ دیکھانہ جائے۔ اس کلام میں عقل مند کے لیے غور و فکر ضروری ہے کہ رویت کا انکار سب اس بناء پر کرتے ہیں کہ رویت کے لیے سمت مقابلہ دیکھی گئی چیز کا مکان اس کی طرف آنکھ کا اشارہ اور اس تک شعاع کا پہنچنا ضروری ہے اور یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے بارے میں محال ہیں تو جب انہوں نے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کرنا جو کہ آخرت میں نیکوں سے وقوع پذیر ہوگا جائز قرار دے دیا تو ان سب چیزوں کو خدا تعالیٰ کے بارے میں ثابت کر دیا اور ان پر عرب کی وہی مثال درست آئی کہ فرمن المطر ووقف تحت المیزاب کہ بارش سے بھاگا اور پرنا لے کے نیچے رُک گیا۔

علاوہ ازیں یہ ہوا کہ اس بے فائدہ تصرف کی وجہ سے کلام الہی میں کمزوری پیدا ہوگئی ہے اس لیے کہ کسی مطلوب چیز کی تلاش کرنا اور اسے نہ پانا کمال غم و اندوہ اور بدحرگی کا باعث ہوتا ہے اسے نیکوں کی تعریف کے مقام پر لانا کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ اس محرومی اور جستجو اور تلاش میں ناکامی کے باوجود ان کے چہرے روشن اور چمک دار کیوں ہو گئے ہیں۔ یہ بات تو سراسر کشیدگی اور اور ترش روئی کا موجب ہے۔

اور وہ جو رویت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی الی ثواب ربھا ناظرہ تو نری بے ہودہ اور بے معنی بات ہے اس لیے کہ نعمت کو دیکھنا فرح و سرور اور چہرے کے پُر رونق ہونے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ نعمت کا حصول۔ پس ان کے چہروں کے پُر رونق ہونے کی وجہ کے بیان میں اسے ذکر کرنا اور اس سے خاموشی اختیار کرنا بلاغت کے منافی ہوگا۔

اور اسی طرح وہ ہے جو اس فرقے کے بعض اور لوگ کہتے ہیں کہ نظرت الی

فلاں طمع اور توقع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کے ہاتھ کو دیکھتا ہے یعنی اس سے انعام کی توقع رکھتا ہے اس لیے کہ طمع اور توقع تشویش اور تردد کا موجب ہوتا ہے نہ کہ خوشی اور سرور کا سبب۔ اور زیادہ تر اس لفظ کو طمع کے مقام پر وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں اس طمع کے حاصل ہونے کا یقین نہیں ہوتا جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

انی الیک لما وعدت لناظر نظیر الفقیر الی الغنی الموسر
یعنی جب سے تو نے وعدہ کیا ہے میں تیری طرف اس طرح دیکھتا ہوں جیسے منگتا
غنی اور مال دار کو دیکھتا ہے۔ اور کسی دوسرے کہنے والے نے کہا ہے۔

وجوه ناظرات یوم بدر الی الرحمن یاتی بالفلاح کہ بدر کے دن
چہرے حضرت رحمن کی طرف دیکھنے والے ہیں کہ کامیابی عطا فرمائے اور عرب لوگ جب
کسی تنگی اور پریشانی میں گرفتار ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عینی ممدودة الی اللہ وانا
شاخص الطرف الی فلاں اور ان مقامات میں سے ہر ایک میں خوف اور رجا دونوں کا
باہمی ہجوم کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ پس آیت کے معنوں میں ایک اور خلل واقع ہو گیا کہ
ابھی ان لوگوں کو اپنے حال پر یقین حاصل نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا اور اس بے
یقینی کے ہوتے ہوئے کیفیت سرور و نشاط کے ساتھ کہاں سے لبریز ہو گئے ہیں کہ انہیں
چہروں کی تازگی اور چمک حاصل ہوگئی۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی باتیں گھڑنا بلاشبہ کتاب اللہ کی تحریف کرنا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ
مِنْ ذٰلِكَ اور جب اس کلام میں بیان فرمایا گیا کہ لوگ اس وجہ سے دنیا کی محبت میں
مشغول اور فکر آخرت سے غافل ہیں کہ دنیا کو قریب سمجھتے ہیں اور آخرت کو دور شمار کرتے
ہیں اور نقد کو ادھار سے بہتر سمجھتے ہیں اب اس غلط اعتقاد پر ڈانٹ ڈپٹ کی جارہی ہے۔
کَلَّا تم آخرت کو دور خیال کرتے ہو اس لیے کہ آخرت ایک سفر کا نام ہے جو کہ
روح کو اپنے پروردگار کی طرف پیش آتا ہے اور اس سفر کی ابتدا موت کے وقت سے ہے
کہ گویا روح اس وقت گھر سے نکلتی ہے اور راستہ طے کرنے میں مشغول ہوتی ہے۔

اور اس سفر کی انتہا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی قہری کے نزدیک حاضر ہونے کے بعد ہے جیسا کہ اسی سورۃ میں اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ کی تفسیر میں ذکر کیا گیا اور سفر کے نزدیک یا دور ہونے کو اس کی ابتدا سے شمار کرنا چاہیے نہ کہ اس کی انتہا سے اور اس سفر کی ابتدا بالکل نزدیک ہے دنیا کی زندگی کے ساتھ بالکل متصل ہے یہی کہ یہاں سے قدم اٹھایا اور وہاں قدم رکھا۔ پس آخرت کا آغاز۔

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وہ وقت ہے کہ آدمی کی جان اس کے سینے کی ہڈیوں میں جو کہ گردن کے سانس والے حصے کے ساتھ متصل ہے پہنچ جاتی ہے اور اسے انزہاق اور احتضار یعنی روح نکلنے کا وقت کہتے ہیں اور اس وقت روح حیوانی جس کا ٹھکانہ دل ہے وہاں سے باہر آتی ہے گرچہ ابھی پورے وجود سے باہر نہیں آئی ہے اس مسافر کی طرح جو کہ اپنے گھر سے باہر نکلا ہو اور ابھی شہر کے گلی کو چوں اور دروازوں سے باہر نہیں نکلا ہے اور روح حیوانی وہی ہے جو کہ سانس سے متعلق ہے اور جسم میں اس کے اپنے مقام میں ہونے کی وجہ سے دنیوی زندگی حاصل ہے اور جب اپنے مقام سے جدا ہوئی زندگی منقطع ہوگئی۔ چنانچہ اس وقت اپنے بے گانے سب مایوس ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی روح نے آخرت کا سفر اختیار کر لیا۔

وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ کون ہے دم کرنے والا تاکہ اس بے گھر شدہ روح کو پھر اس کے مقام پر کر دے۔ اور طبیبیوں کی تدبیر اور علاج سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اس گمان سے کہ چونکہ یہ واقعہ غیب سے ہے شاید منتر پڑھتے سے ارواح غیبیہ کا واسطہ حاصل ہو جائے اور اسے دور کرنے میں کارگر ہو۔

قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ہمراہ رحمت اور عذاب کے دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں

اور بعض مفسرین جیسے حضرت ابن عباس اور کلبی وغیرہا نے کہا ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہے کہ نزع کے وقت ملک الموت کے ہمراہ سات اعضاء کی گنتی کے مطابق سات یا اس سے زیادہ دوسرے فرشتے حاضر ہوتے ہیں تاکہ ملک الموت روح قبض کر کے ان

کے حوالے کر دیں۔ پس وہ فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس میت کی روح کو کون لے جائے گا ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب۔ اس سورۃ میں راق رقی سے ہے بمعنی اوپر لانانہ کہ رقیہ سے بمعنی منتر۔

وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ اور اس روح والہ بھی گمان کرتا ہے کہ گھر بار اہل و عیال اور مال و متاع سے جدائی کا وقت ہے اور یہاں ظن کا لفظ استعمال کرنے میں جو کہ گمان کے معنی میں ہے ایک لطیف استہزاء ہے۔ گویا اس بات کا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ آدمی دنیوی زندگی اور اس کی لذتیں پورے طور پر حاصل کرنے میں اپنی شدید حرص کی وجہ اس حالت میں بھی موت آنے کا یقین نہیں کرتا اس کی انتہا یہ ہے کہ گمان غالب کرتا ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے اس لیے کہ روح کا اثر جسم کے نچلے حصے سے بالکل منقطع ہو گیا، دونوں پنڈلیوں کو حرکت دینا اور ایک کو دوسری سے جدا رکھنا اس کے لیے ممکن نہ رہا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ساق اصطلاح میں مصیبت کی شدت سے کنایہ ہے۔ پس آیت کے معنی یوں ہوئے کہ ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ باہم متصل ہو جائے اس لیے کہ اس وقت اسے دو شدتیں ایک ساتھ پیش آتی ہیں۔ پہلی شدت دنیا کی جدائی، اہل و عیال اور مال اسباب کو چھوڑنا، دشمنوں کی خوشی اور دوستوں کا غمگین ہونا۔ دوسری شدت آخرت کی ہولناکیوں، ڈانٹ ڈپٹ، منکر نکیر کا سوال اور قبر کی تاریکی اور تنگی۔

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ تیرے پروردگار کی طرف اس دن کھینچ کر لے جایا جاتا ہے جس طرح کہ بھاگے ہوئے غلام کو مالک کے نوکر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ پس آخرت کی ابتدا اسی دن سے شروع ہو جاتی ہے۔ گرچہ اس کی انتہا اس دن واقع ہوتی ہے جس کا بیان **إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ** میں گزرا لیکن آدمی آخرت کی اس نزدیکی کو سمجھتا نہیں اور اس کے خرچ کے فکر سے جو کہ اسے دوران سفر کام آئے اور سوغات اور تحفہ حاصل کرنے سے جو کہ اسے مالک کی خدمت میں پہنچنے کے بعد سرخ روئی کا موجب ہے غافل گزر جاتا ہے۔

فَلَا صَدَقَ پس اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کی آیات کی تصدیق کی تاکہ صحیح عقیدہ ہمراہ لے جاتا اور قرآن اور انبیاء علیہم السلام اس کی شفاعت کرنے والے ہوئے۔

اولیں پرش نماز بود

وَلَا صَلَّيْ اور نہ ہی نماز پڑھی کہ رب العالمین کے دربار میں پہلی باز پرس اسی عبادت کے متعلق ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اول ما يحاسب به العبد من اعماله الصلوة تاکہ فی الفور سوال کی ابتدا میں ہی نام اور شرمندہ ہو۔ نیز یہ عبادت مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اگر اسے بجالاتا تو وہ خود بخود ایمان والوں کے گروہ میں شمار ہوتا۔

نیز یہ عبادت توجہ الی اللہ کی شکل ہے اسے بجالاتا گویا بھاگنے کے بعد لوٹنا ہے جیسے کہ کوئی غلام جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہو لیکن کبھی کبھی اپنے مالک کے گھر کی طرف سلام اور تعظیم کرتا ہے کہ مالک کے غصے کی شدت میں کچھ کمی کرتا ہے اور اس شخص نے صرف یہ کام ترک کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ لیکن اس نے تصدیق کے بجائے قرآنی آیات اور انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا انکار کیا و تَوَلَّى اور اس نے نماز اور توجہ الی اللہ کے بجائے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی ٹمہ پھر ان کوتاہیوں کے باوجود نام نہیں ہوا بلکہ ذَهَبَ اِلَى اَهْلِيْهِ يَتَمَطَّى اپنے گھر کی طرف اڑتے ہوئے چلا۔ گویا کہ تصدیق اور نماز کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ جنگ کر کے غالب آیا اور اپنی قوت بازو پر ناز کیا۔ ایسے بد بخت کو اس کی موت کے بعد ضرور کہا جائے گا کہ

اَوَّلِيْ لَكَ فَاوَّلِيْ تیرے لیے پھٹکار ہو۔ پس تیرے لیے پھٹکار ہو اور ان دونوں پھٹکاروں کا اس کے لئے عالم قبر میں وعدہ ہے ایک تصدیق اور نماز چھوڑنے کی وجہ سے اور دوسری تکذیب اور روگردانی کی بنا پر۔ ثُمَّ اَوَّلِيْ لَكَ فَاوَّلِيْ۔ پھر قیامت کے دن تجھے پھٹکار ہو۔ پس تجھے پھٹکار ہو۔ اور ان دونوں پھٹکاروں کا انہیں دو وجہوں کے ساتھ حشر

کے دن وعدہ ہے اور چونکہ یہاں تک بیان کیا گیا کہ آدمی قیامت اور موت سے اس طرح غفلت میں گرفتار ہے کہ تنبیہ اور نصیحت کے باوجود بالکل آگاہ نہیں ہوتا اب جھڑکنے کے انداز میں اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تیری یہ ساری غفلت کون سے شبہ کی وجہ سے ہے جس نے تیرے دل میں گھر کر رکھا ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى كَمَا آدَمِي گمان کرتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح فضول چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ جو چاہیں کریں اور ان سے اعمال کی باز پرس نہیں ہوتی، موت کے بعد نہ قیامت کے دن اور آدمی کا یہ گمان صراحتاً غلط ہے اگر وہ اپنی پیدائش میں غور کرے تو معلوم کر سکتا ہے کہ جب میں ذمہ دار ہوں مجھے اعمال کی جزا چکھنے اور ان کی پریشی کے بغیر چارہ نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اعمال کی پریشی اور جزا مردوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور مدت دراز گزرنے پر موقوف ہے اور وہ بھی اتنی شک اور انکار کی جگہ نہیں ہے، معمولی غور و فکر سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔

اللَّهُ يَكُ كَمَا آدَمِي باپ کی پشت میں نہیں تھا۔ نُطْفَةٌ ایک معمولی قطرہ مین مَنِيّ منی سے جو کہ چوتھے ہضم کا فضلہ ہے اور طبیعت کو اس کی ضرورت نہیں رہی اور حیوانی فضلے زندگی قبول کرنے سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اخلاط کے کہ انہیں طبیعت جزو بدن بناتی ہے اور زندگی کی خلعت پہناتی ہے خصوصاً وہ منی کہ جس سے انسان پیدا ہوتا ہے، حیوان کے بدن میں بھی نہیں رہتی کہ اس سے قبولیت حیات کی توقع کی جاسکے بلکہ

یُنْسِي گرائی جاتی ہے جماع کی حرکت کے ساتھ دونوں خسیوں اور آلہ کے راستے سے اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے مقام سے جدا کر دے تو پھر اس مقام کی طبیعت اس کی تدبیر اور پرورش سے دست بردار ہو جاتی ہے جسا کہ کٹی ہوئی شاخ درخت سے نشوونما قبول نہیں کرتی اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے کہ مَا ابِينِ عَنِ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ یعنی جو چیز زندہ سے جدا کر دی جائے وہ مردار کا حکم رکھتی ہے اور اس کا کھانا حرام ہے جیسے دُنبے کی چکی اونٹ کی کوہان کا گوشت جو کہ زندہ اونٹ سے کاٹ کر

کھائیں اور دودھ اس وجہ سے حلال قرار دیا گیا ہے کہ اسے طبیعت بچے کو غذا دینے کے لیے مہیا کرتی ہے۔ پس نہ تو وہ دودھ والے جانور کا جزو ہے اور نہ اس کا فضلہ درخت کے میوے کی طرح ہے جو کہ ایک حیوان کے بدن میں دوسرے حیوان کو غذا دینے کے لیے پیدا ہوا۔

لَمَّا كَانَ عَلَقَةً پھر گرانے کے بعد وہ پانی منجمد خون ہو گیا کہ وہ بھی حیات کے قابل نہیں۔ بخلاف رقیق بہنے والے خون کے کہ جسے دم مسفوح کہتے ہیں جو کہ رگوں میں جاری ہوتا ہے جو کہ حیوان کی غذا میں کام آتا ہے اور اس کے جسم کا جزو بنتا ہے۔
فَخَلَقَ پس اسے خدا تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسے زندگی کی اتنی سی استعداد کے باوجود زندہ کیا۔

فَسَوَّى پس اسے یہاں تک معتدل المزاج کیا کہ تمام حیوانات کی نسبت اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہو گیا اسی لیے وہ نفس ناطقہ کے تعلق کے لائق ہوا اور احتمال ہے کہ اعضاء کو ان مقاصد کے لیے درست کرنا مراد ہو جن کے لیے وہ اعضاء بنائے گئے یا ایک طرح کے اعضاء کی مقدار کو درست کرنا ہاتھ کو ہاتھ پاؤں کو پاؤں آنکھ کو آنکھ کان کو کان اور دانتوں کو دانتوں کے ساتھ برابر کیا تاکہ بدنما نہ ہوں اور صورت و شکل بنانے کی باریکیوں کی اس کی پیدائش میں رعایت فرمائی۔ پس ایک نطفے سے وہ تمام مختلف چیزیں جدا جدا مقاصد پر مبنی ظاہر فرمائیں اور اس ایک نطفے سے انتہائی مختلف کام لیے۔ سننا دیکھنے سے کس قدر مختلف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر عضو کا کام دوسرے عضو سے حاصل کرنا ممکن نہیں جو تا ٹوپی کیسے بن سکتا ہے پاؤں سر کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ آدمی کی اصل پیدائش میں بھی عظیم اختلاف ہے۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الذَّوْجَيْنِ پس آدمی کی جنس سے دو قسمیں بنائیں۔ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى یعنی نر اور مادہ کہ ہر ایک کی شکل جدا اور صفات جدا مردوں کا کام عورتوں سے دشوار اور عورتوں کے کام مردوں سے مشکل اور دونوں کے درمیان اس طرح تفریق اور امتیاز رکھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مشتبہ نہیں ہوتے اور اگر چاہیں کہ تکلف کے ساتھ اپنے

آپ کو دوسری قسم سے کر لیں تو پیش نہیں جاتی۔

عورتوں اور مردوں کے امتیازی امور کا بیان

اور یہ سب عجیب و غریب تدبیریں دنیا کو آباد کرنے کے لیے بنائیں تاکہ عورت جزوی کاموں اور کاری گریوں کو سرانجام دے جیسے کھانا پکانا، سینا، سوت کاتنا، بچے کی پرورش کرنا، گھر میں جھاڑو دینا، بستر درست کرنا اور گھر کے سامان اور اسباب کو جگہ بجگہ سنبھالنا وغیرہ جبکہ مرد معاش کی تلاش اور مرکزی کاموں میں مشغول ہو جیسے کانیں کھودنا، کاشت کاری، شجر کاری، کنوئیں اور نہریں کھودنا، جنگ کرنا، علوم حاصل کرنا اور انہیں لکھ کر محفوظ کرنا، دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ اور چوروں اور لٹیروں کو ڈور کرنا وغیرہ۔ پس

الَيْسَ ذَٰلِكَ كَيْفَ يَأْتِي خَالِقَ كَمَا جَسَدِي كَوْنِيَا آبَادِ كَرْنِي كَيْفَ اس
طرح پیدا کیا۔ بقَادِرِ عَلِيٍّ اَنْ يُجَيِّبَ الْمَوْتِي اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ فرمائے، آخرت کی تعمیر اور اس جہان کو آباد کرنے کے لیے اور اس زندگی میں بھی اسے مختلف فرمائے۔ بعض کو کامل اور بعض کو ناقص، بعض کو جہنم بھرنے کے لیے اور بعض کو جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کرنے کے لیے۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے تو یوں فرماتے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ بَلِيٍّ لِّعَنِي بَارِخَدَايَا تِيرِي ذَاتِ اس كَمَزُورِي سِي پَاكِ هِي
کہ اس کام کی قدرت نہ رکھے۔ کیوں نہیں تو اس کام کی قدرت رکھتا ہے اور اسی لیے ہر تلاوت کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ اس آیت کے بعد یہ دعا کہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر البتہ یہ چاہیے کہ لہجہ بدل دے اور نماز میں آہستہ کہے تاکہ عوام کے نزدیک قرآن پاک کی آیت کے مشتبہ نہ ہو۔

سورة الدھر

اس کی اکتیس (۳۱) آیات ہیں اور اسے سورة انساں کہتے ہیں اور سورة دھر بھی کہتے ہیں اور سورة ابرار بھی

سورة قیامت کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور سورة قیامت کے ساتھ اس سورة کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ سورة قیامت میں علامات قیامت اور اس کے واقعات کا بیان یہاں تک پہنچا کہ لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی۔ وَجُودَ يَوْمَئِذٍ بِأَسْرَةٍ تَنْظُنُّ أَنْ يَفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةً اور وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةً اِلَى رَبِّهَا نَاضِرَةً اُس سورة میں پہلی قسم کے کچھ حالات کی تفصیل بیان ہوئی جبکہ دوسری قسم کے حالات باقی رہ گئے اس سورة میں ان کی تفصیل اور وضاحت فرمائی گئی۔ اور دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور یکجہتی کی رعایت کی گئی ہے۔ اُس سورة میں انسانی خلقت اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے کہ اَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِّنْ مَّحْيٍ يُتْنَى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى جبکہ یہاں اس عبارت کے ساتھ کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَوِيْعًا بَصِيْرًا اور وہاں ارشاد ہوا کہ كَلَّابِلٌ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذُرُونَ الْاٰخِرَةَ جبکہ یہاں فرمایا اِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذُرُونَ وَّرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا وہاں فرمایا ہے وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةً جبکہ یہاں فرمایا وَلَقَاهُمْ نَصْرَةٌ وَسُرُورًا. وہاں اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ واقع ہے جبکہ یہاں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا وَغَيْرَ ذٰلِكَ.

اور مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی۔ واضح یہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِیْلًا سے لے کر سورۃ کے آخر تک بلاشبہ مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدنی ہو اور یُوقُونَ بِاللَّذَّةِ کے سبب نزول کی روایت سے جو کہ حضرات اہل بیت کا واقعہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات مدنی ہیں۔ واللہ اعلم

سورۃ انسان کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ انسان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا میں خلقت انسانی کا جو مقصد پروردگار کی بارگاہ میں منظور ہے ذکر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسانی فرد کو چاہیے کہ اگر اپنے آپ سے اس مقصد کا حصول دیکھے تو خود کو انسان سمجھے اور انسان کہے ورنہ قالین کے شیر اور لکڑی کے گھوڑے کی طرح صرف نام ہے باقی کچھ نہیں۔

نیز چاہیے کہ انسان اپنی پیدائش کی ابتدا سے جنت میں اپنی آسائش تک اپنی ترقیوں کا ملاحظہ کرے اور جانے کہ درحقیقت انسان وہی لوگ ہیں جو کہ اس آسائش تک پہنچے ہیں ورنہ دنیا میں جو کہ تکالیف اور دکھوں کا مجمع اور غموں اور بیماریوں کا گھر ہے، گدھے کی طرح بوجھ اٹھانے اور مصیبتیں جھیلنے کا کیا لطف اور اگر اس تک وود کے ساتھ ہزار کدورتوں میں طوٹ ایک فانی لذت حاصل ہو بھی گئی تب بھی دوسرے حیوانات سے کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا کہ وہ بھی اس قسم کی لذتیں اٹھاتے ہیں اور اس سے باز نہیں رہتے۔

سورۃ دہر کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ دہر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا میں دہریت کے عقیدہ کو باطل فرمایا گیا ہے اس لیے کہ اس عقیدے کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ جہان میں جو کچھ انقلابات اور جدتیں رونما ہوتی ہیں سب کی سب زمانے، فلک کے اطوار اور ستاروں کی گردش کی وجہ سے ہیں جو کہ عالم سفلی میں اثر کرتے ہیں ان اطوار میں سے بعض ہر دن اور رات میں اور بعض ہر ماہ اور ہر برج میں اور بعض ہر فصل میں اور بعض ہر سال میں اور

بعض چھوٹے بڑے اور درمیانی اور عظیم قرانات میں بدل جاتے ہیں اور گونا گوں انقلابات اور قسم قسم کی تبدیلیاں بروئے کار لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ اطوار بہت طویل زمانوں میں بدلتے ہیں کہ انہیں اکوار اور ادوار کہتے ہیں اور عظیم انقلابات اور عجیب و غریب اقسام کے ظاہر ہونے کا موجب ہوتے ہیں اور دریا خشکی میں بدل جاتے ہیں اور خشکی دریا بن جاتی ہے، آبادیاں برباد اور کنڈرات آبادیاں پہاڑ، صحرا اور صحرا پہاڑ بن جاتے ہیں اور بنی نوع انسان اور دوسرے حیوانات خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور بعض اقسام ختم اور فنا ہو جاتی ہیں۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ نوع انسانی کبھی نہ تھی اور اس کا کوئی ذکر تک نہ کرتا تھا، معلوم ہوا کہ اس نوع کا پیدا ہونا زمانے کی کسی وضع کا تقاضا نہ تھا اور نہ وہ وضع جس وقت اس نوع کے تقاضے کے اوقات میں سے ہوتی ہے، لوگ اس نوع کے منقطع ہونے کے اور دوسری دفعہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اسے یاد کرتے کہ فلاں دور میں یہ نوع وجود میں آ کر منقطع ہو گئی تھی اور کم از کم جنات اور ملائکہ خود اس نوع کو نام و نشان کے ساتھ پہچانتے۔

دہریوں کا اعتراض اور اس کا جواب

اور اگر دہریے کہیں کہ وہ وضع جو اس نوع کے پیدا ہونے کا تقاضا کرتی تھی شاید اس سے پہلے زمانے کی گردش میں واقع نہ ہوئی ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ تمہارے نزدیک ہر نوع ان معنوں میں قدیم ہے کہ سابقہ گردش کے اطوار و اوضاع نے بھی ان کا تقاضا کیا تھا گرچہ درمیان میں منقطع ہو گیا ہو۔ نیز تمہارے نزدیک جب گردش زمانہ کے اوضاع کی ازل کی جانب سے کوئی حد نہیں تو ہر وضع کا آنا لامتناہی دفعہ واقع ہوا ہوگا اور اپنے آثار کا تقاضا کیا ہوگا۔ وضع جدید کا ظاہر ہونا جس کی مثل کبھی واقع نہ ہوئی ہو تمہارے نزدیک محال ہے۔

نیز یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ گردش زمانہ کے اوضاع اس قسم کے انقلابات کے وقوع، انواع کے پیدا ہونے اور کثیر جماعت کے ہلاک ہونے کے وقت زنج اور تقویم

کے مطابق اتنے عجیب و غریب نہیں تھے کہ کسی وقت وہی وضع یا اس کی مانند یا اس سے زیادہ قوی واقع نہ ہوئی ہوتا کہ دوبارہ نہ ہو بلکہ اس کا واقع ہونا اور ثابت ہونا کثرت کے ساتھ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ فاعل مختار کا ارادہ ہے کہ رنگارنگ حادثے اور قسم قسم کے انقلابات اسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور سورۃ ابرار کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ كَمَا إِنْسَانٍ پُرْكَوٰی وَقْتُ اِیْسَا كَزُرَا هِیْ

کہ

لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْکُورًا وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نوع انسان جہان میں موجود نہ تھی بلکہ فرشتوں اور جنوں کی زبانوں اور ذہنوں میں ان کا نام و نشان بھی جاری و ساری نہ تھا وہاں تو ذہنی اور لفظی وجود نہ تھا، وجود خارجی کا کیا کام۔ اصل میں شئی موجود کی طرح ایک ثابت چیز کو کہتے ہیں اور اطلاق کے وقت اس سے خارجی ثبوت اور تحقیق ذہن میں آتی ہے جو کہ آثار کا مبداء ہے اور کبھی مقید کرنے کے ساتھ ذہنی اور لفظی وجود کو بھی شامل ہوتا ہے جس طرح کہ اس آیت کریمہ میں مذکور کی صفت کی قید لگانے سے سمجھا گیا اور نفی قید کی طرف لوٹی اور مطلق شے ہونے کا سلب جو کہ خارجی ہے بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ اوقات میں سے کسی وقت ذہنی اور لفظی وجود بھی نہیں رکھتا تھا، وجود خارجی کا کیا مقام۔ اور علم الہی میں انسان کا ثابت ہونا اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ علم الہی ذہن کے طرف سے بالاتر ہے اور اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی شیون ذاتیہ کے مرتبہ اور اعیان ثابتہ کے مرتبہ میں ثابت ہونا بھی اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ یہاں جدا ہونے والے وجود کی نفی ہے جبکہ اس مرتبہ میں وجود اتحادی رکھتا تھا اور اسی لیے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ جب یہ آیت قاری سے سنتے تو فرماتے یا لیتھا تم اے کاش! یہ حالت پوری ہو جائے اور جہاں سے ہم نے سفر کیا ہے وہیں

پھر پہنچ جائیں اور کثرت وحدت میں لاشی ہو جائے اور ہم بلبلے کی طرح ازل کے بحر بے کراں میں نیست و نابود ہو جائیں۔

اور علمائے ظاہر اس روایت کو ایک دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کاش یہی حالت ہمیشہ رہتی اور انسان پیدا نہ ہوتا تا کہ خودف و رجا کے گرداب میں نہ پھنستا اور اس کے کندھوں پر تکلیف کا بوجھ نہ ڈالا جاتا لیکن عقل مند پر مخفی نہیں ہے کہ انسان کی پیدائش میں خدائی حکمتیں ایسے عارفین کا ملین کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں ان سے اس آرزو کا تصور ہرگز نہیں ہو سکتا۔

چونکہ مخاطبین کو اس سوال کا جواب عقل کے معمولی غور و فکر سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے جواب سے صرف نظر فرما کر مقصد کی طرف توجہ فرمائی جا رہی ہے کہ انسان کو عدم کے پردے سے میدان ظہور میں جلوہ گر کرنے والے ہم ہیں اور اسے ہماری قدرت کے ہاتھ نے صاف شفاف آئینہ بنایا کہ اس میں غیب کی شعاعیں منعکس ہو کر وہ خلافت کبریٰ کے لائق ہو اور موجودات کی آنکھوں کا نور اور غایات کی انتہا ہو اور اگر اس نوع کی خلقت کی ابتدا سے باخبر نہیں ہیں کہ ہم کون کون سے جہان کی تسخیر کے ساتھ اسے بروئے کار لائے اور ہم نے اس میں کون کون سی باریکی چھپا رکھی البتہ اس قدر تو خود ظاہر اور روشن ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ تَحْقِيقًا۔ ہم نے اس انسان کو پیدا کیا جس کی پیدائش کو دیکھتا ہے اور اس کی کیفیت کو پہچانتا ہے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ آمَشَاجٍ ماں باپ کے نطفہ سے جو کہ تمام موالید سے مرکب ہے اس لیے کہ ماں باپ کی غذا غلہ، گوشت، دودھ، گھی، نمک، زمینی پہاڑی اور باغات کے مصالحے سب جمع ہوتے ہیں اور ہضم کے تمام مرتبوں سے گزر کر تمام اعضاء میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے کارخانہ ولادت کے مولین اس کا نچوڑ نکال کر نطفہ بناتے ہیں۔ پس معدنیات، نباتات اور مختلف طبیعتوں کے جانور اپنے جدا جدا اجزاء کے ساتھ سب کے سب اس معجون کے مفردات اور اس مرکب کے اجزاء ہیں اور جب غذا کا نچوڑ تمام اعضاء میں سیر کرتا ہے

ہر عضو کی روح اس میں اثر کرتی ہے اور وہ روح اس قوت کی حامل ہے جو کہ اس عضو کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سمجھنا، خیال کرنا، وہم کرنا، دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور ٹٹولنے کا احساس اور یہ قوتیں تمام جہانوں ملک، ملکوت اور ماوراء کو گھیرنے والی ہیں۔ نیز وہ روح مختلف حالات شہوت و غصب، حیا و حلم، غصہ و محبت، خوف و اڑنگی اور عشق سے کسی حالت کی حامل ہے۔ پس وہ ان تمام امور کی استعداد کا خلاصہ پیدا کرتی ہے اور یہ امور اس خلاصے میں اس طرح لپٹے ہوتے ہیں جس طرح کہ درخت کے تمام اجزا اور اس کے عجیب خواص گٹھلی اور بیج میں لپٹے ہوتے ہیں اور اس طرح اس کی وحدت ایسی کثرت پر مشتمل ہوتی ہے کہ اس کے بھید کی کیفیت ظاہر نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے حیوانات کے نطفہ کے کہ نہ تو ان کی غذا میں تمام موالید کا احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی ارواح اور قوتیں کثیر جہانوں پر محیط ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بنیاء کی اولاد سے علم کی استعداد کی توقع زیادہ ہوتی ہے اور مشائخ و اولیاء کی اولاد سے راہِ خدا کا سلوک اور درجات سلوک کو طے کرنا زیادہ متوقع ہوتا جبکہ بہادروں اور دلیروں کی اولاد زیادہ جنگجو ہوتی ہے اور باحوصلہ غیور سے حوصلہ مند غیور ہی پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم نے اس مخلوق کو جو کہ پیدا کی گئی تمام چیزوں میں سے زیادہ نفس اور جامع ہے بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تخلیق میں ایک عمدہ مقصد پیش نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ

نَبْتَلِيهِمْ اَسْءَلُ اَزْمَاتِهِمْ اَوَّلًا وَاٰزْمَاتِهِمْ اٰخِرًا لِّيَعْلَمَ اَلَّذِيْنَ كَفَرَ مِنْكُمْ
اور اختیار دے کر ہم اسے نیک کام کا حکم دیں اور بدے کام سے روکیں تاکہ دوسری مخلوق دیکھے کہ یہ شخص اپنے اختیار کے ساتھ کیا کام کرتا ہے اگر فرمان کے مطابق بجالایا تو ثواب انعام اور بخشش کا مستحق ہوا اور اگر اس کی خلاف ورزی کی تو ذلت رسوائی اور عذاب کا مستحق ٹھہرا۔ ورنہ غیب و شہادت جاننے والے کے حق میں آزمائش و امتحان کا کوئی معنی نہیں اور جب اس مخلوق کے پیدا کرنے سے یہ مقصد ہمارے پیش نظر تھا، اسے سمجھنے دیکھنے کے اسباب عطا کرنا ضروری ہوا۔

فَجَعَلْنَا دَسْوِيْعًا بَصِيْرًا تو ہم نے اسے ستار دیکھتا بنایا۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے اس

کے سننے اور دیکھنے میں اس قدر فراخی فرمائی کہ اس کے سننے اور دیکھنے کے مقابلے میں دوسرے حیوانات بہرے اور اندھے ہیں۔ گویا کان اور آنکھ رکھتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ مخلوق آواز کے ساتھ حروف کے مخارج اور الفاظ کو بھی سنتی ہے اور لہجہ کی تمیز کرتی ہے اور ان الفاظ کے معنوں اور اس لہجہ کے خواص کا سراغ بھی لگاتی ہے اور ہر لفظ کے مختلف اطوار کو سمجھتی ہے اور اس وجہ سے اس کا کام یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ جناب حضرت رب العالمین کی مخاطب بن جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہے جبکہ دوسرے حیوانات نری آواز کے سوا کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

اور اسی طرح انسان نظر میں آنے والی روشنی اور رنگ کے ساتھ صنعتوں اور شکلوں کی باریکیوں اور نور اور رنگ کے مرتبوں کو غور و فکر کے ساتھ دریافت کرتا ہے اور خطی نقوش کو سمجھتا ہے اور اس وجہ سے واصل بحق ہونے والوں سے ان کے علوم کا استفادہ کرتا ہے اور گزشتہ اُمّتوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے جو کہ اس سے ہزاروں سال پہلے ہو گزری ہیں اور عجیب تحقیقات کرتا ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ دلیل لازم کرنے اور نعمتیں پوری کرنے کے مقام پر خصوصیت کے ساتھ ان دونوں حواس سننے اور دیکھنے کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم امکان کے حقائق کو اپنے غیر سے دریافت کرنے اور اس دریافت کو اپنے غیر پر ڈالنے کا راستہ یا ان حقائق کا وجود لفظی ہے یا وجود خطی جو کہ الفاظ کے مقابلے میں رکھے گئے ہیں اور ان دونوں راستوں پر انہیں دونوں حواس کے ساتھ چلا جاسکتا ہے۔

نیز عبادت اور معرفت کا طریقہ یا انبیاء علیہم السلام، اولیاء، عرفاء اور علمائے کرام کا کلام سننے حاصل ہوتا ہے یا حالت حیات ظاہری میں ان کے عادات و اطوار دیکھنے اور حدیث، ملفوظات مشائخ، علماء کے جمع کیے ہوئے فنون کی کتابیں اور وصال کے بعد عارفین کے حقائق و معارف پر مبنی وسائل دیکھنے سے۔ اور یہ دونوں کام انہیں دو حواس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ بخلاف دوسرے حواس کے جن کا معرفت اور عبادت میں کہ

آزمائش کا مقصد یہی دو چیزیں ہیں، کوئی دخل نہیں ہے۔ ان سے زیادہ تر نفع معاش کے ضروری امور کی دریافت میں لیا جاتا ہے کہ دوسرے حیوانات بھی اس دریافت میں غالب طور پر شریک ہیں۔

اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ دلیل نقلی ہے یا عقلی۔ نقلی دلیل آمنے سامنے دریافت نہیں ہو سکتی مگر قوتِ سماعت کے ساتھ اور دلیل عقلی جو کہ معرفت و عبادت کی راہ چلنے میں زیادہ تر مددگار ہے، انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات دیکھنا ہے اور دونوں قوتِ بصری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ عجیب مصنوعات اور آثار قدرتِ الہی کو دیکھنا بھی اسی قوت کے ساتھ متعلق ہے اور دلائل عقلیہ جو کہ سلف کی کتابوں اور رسائل میں جمع کیے گئے ہیں، پر اطلاع بھی اسی قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ان دو قوتوں کے کمال کے بعد آدمی کی معرفت دین اور سلوک راہِ خدا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی سوائے فہم و عقل کے جو کہ دل کا کام ہے، جو ارج اور اعضاء کا نہیں اور جب امر میں زیادہ تر دلائل نقلیہ کی ضرورت ہے اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسول کریم علیہ السلام کا کلام، نصیحت کرنے والوں کی نصیحت، علماء کی تقاریر، خطباء کا وعظ، اولیاء اللہ کے اشارات و رموز اور عارفین کے حقائق و معارف سننے کو بہت دخل ہے اور یہ تمام چیزیں قوتِ سماعت سے وابستہ ہیں اسی قوت کو نعمتِ ہدایت و ارشاد کے بیان میں جگہ جگہ قوتِ بصر سے پہلے لایا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اسی دستور کو اپنایا گیا ہے۔

نیز قوتِ سماعت کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی قوت میں پائی نہیں جاتی اور وہ یہ ہے کہ دیکھنے، سونگھنے، چکھنے اور ٹٹولنے میں سے ہر قوت سے پائی جانے والی چیزیں اسی کے واسطے سے دریافت ہوتی ہیں۔ پس حواسِ خمسہ میں اس کا حکم عناصرِ اربعہ میں ہوا کے حکم کی مانند ہے اور سات سیاروں میں عطارد کے حکم کی طرح ہے کہ اپنے غیر کی حکایت بھی ہے اور کارآمد بھی ہے، زمان اور مکان کے اعتبار سے دور افتادہ لوگوں تک بصر کے مددکات کو یہی قوت پہنچاتی ہے۔ پس بصر کا کام بھی اس کے بغیر پورا نہیں ہے اور وہ مددکات بصری کا وسیلہ ہے اور وسائل مقاصد سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

جب آزمائش کے لیے پیدا کی جانے والی اس مخلوق کو جاننے اور دیکھنے کے اسباب اس حد تک حاصل ہو گئے کہ اگر ان اسباب کے ساتھ اپنے پروردگار کی معرفت اور عبادت کی راہ اور اپنے منعم کا شکر ادا کرنے کا راستہ تلاش کیا جاتا تو اس کا پایا جانا ممکن تھا لیکن اس کے حق میں صرف اسی قدر پراکتفانہ فرمایا بلکہ

إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ تحقیق ہم نے اسے اپنی معرفت کی راہ اور شکر ادا کرنے کے طریقے کی ہدایت فرمائی، ہم نے اس راہ کی طلب اور تلاش اس کے ذمہ نہیں چھوڑی تاکہ اپنی کوتاہی میں بہانہ جوئی نہ کرے۔ پس ہم نے پے در پے رسل علیہم السلام کو بھیجا، اسے ان کے ہاتھوں معجزات دکھائے واضح طور پر دلالت کرنے والی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کتابوں کے مجمل اور تشابہہ کی مراد بیان کرنا، رسل علیہم السلام اور پھر ان کے سعادت مند شاگردوں، علماء و مجتہدین کے ذمے لگایا جو کہ ہر دور میں ہوتے ہیں تاکہ اس کا سننا اور دیکھنا کسی اُلجھن اور تکلیف کے بغیر ہماری معرفت اور عبادت کے کام میں مصروف ہو اور ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرے لیکن یہ مخلوق اس ب عنایت کے باوجود ایک راہ نہ چلی بلکہ دو قسمیں ہو گئی۔

إِنَّمَا شَاكِرًا وَإِنَّمَا كَفُورًا یا شکر گزار کہ ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرتی ہے اور اس نعمت کو قبول کرتی ہے یا ناشکری، ناحق شناسی اور کفرانِ نعمت کرتی ہے اور بالکل راہ پر نہیں آتی بلکہ اس راہ کو قبول نہیں کرتی، اسے باطل کرنے میں شبہات و ہمیہ اور خیالاتِ شیطانیہ لاتی ہے اور اپنی شنوائی اور بینائی کو ہماری دشمنی اور مخالفت میں خرچ کرتی ہے اور جب ہم نے اس کے ساتھ امتحان اور آزمائش کا معاملہ کیا ہے تو اگر اسے اس دشمنی اور مخالفت پر سزا نہ دیں تو دوسری مخلوقات کی نظر میں امتحان اور آزمائش کا نتیجہ ثابت نہیں ہوتا اور ہماری حکمت اور عدالت مجروح ہوتی ہے۔ ناچار

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ تحقیق ہم نے نعمت ہدایت کی ناشکری کرنے والوں کے لیے تیار کی ہیں۔ سلاسلِ دنیوی تعلقات کی زنجیریں کہ جب دنیا میں زندہ رہیں ان زنجیروں میں جکڑے رہیں اور معرفت و ہدایت کی راہ ہرگز نہ چل سکیں، کسی کو مال کی محبت

کی کڑی میں، کسی کو عورتوں اور بیٹوں کے عشق کی زنجیر میں، کسی کو باغ لگانے، کاشت کاری کرنے اور عمارت بنانے کے خیال کی زنجیریں، کسی کو فوج اور لشکر جمع کرنے، ملک فتح کرنے اور اپنا حکم چلانے میں، کسی کو خیالی اور موہوم منافع فوت ہونے کے غم و فکر میں اور کسی کو نادر صنعتیں نکالنے اور ریاضت و طبیعت کے عجیب و غریب آلات ایجاد کرنے میں گرفتار اور مقید کر دیا اور یہ تمام زنجیریں قیامت کے دن آتشیں زنجیروں کی شکل میں ہو کر ان ناشکروں کے تمام جسموں کو پکڑ لیں گی اور وہ لوگ ان زنجیروں میں جکڑے جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ

اور جب ناشکروں میں سے کسی کو یہ چیزیں جن کی محبت کی زنجیر میں وہ گرفتار ہیں، اپنی نوع والوں کے عمدہ لوگوں جن کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں، کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتیں، ناچار ناشکروں کے لیے ہم نے ایک اور چیز مہیا کر رکھی ہے۔

وَأَغْلَالًا أُرْوِي طُوقًا جَوْكَهُ ان کی گردن میں ہوتے ہیں تاکہ سر نہ اٹھا سکیں اور معرفت و عبادت کی راہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں اور اس راہ کے دائیں بائیں نہ جھانک سکیں۔ پس کسی کی گردن میں ہم نے بادشاہوں اور امیروں کی نوکری کا طوق ڈال دیا، کسی کو ساہوکاروں کی قرض خواہی اور ان کی چاپلوسی کرنے کا طوق، کسی کو قاضیوں، مفتیوں اور حیلہ سازوں کے احسان کا طوق، کسی کو دفتری کار پروازوں، حاکموں اور ٹیکس کے افسروں کے ہاں پیشی کا طوق۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ کسی کو چکلہ نشیں عورتوں کی غلامی کا طوق، کسی کو گائے، اونٹ، گھوڑے اور خچر کی خدمت کا طوق ڈالا اور یہ سب طوق قیامت کے دن آتشیں طوق ہوں گے اور ان کی گردنوں کو بوجھل کر دیں گے اور جلائیں گے۔

اور جب اکثر ناشکروں کو یہ طوق پہننے اور ان تعلقات میں گرفتار ہونے کے باوجود اپنا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ مطلب ہاتھ آجاتے ہیں لیکن اس طرح کہ جیسے ان کی حرص اور آرزو کا تقاضا تھا، حاصل نہیں ہوتے ناچار ہم نے ان کے لیے ایک اور چیز

مہیا کی ہے۔

وَسَعِيدًا اور سینے کی جلن اپنا مطلب جلد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کہ جب تک دنیا میں زندہ رہتے ہیں وہ جلن محسوس کرتے ہیں جیسے کیمیا کی ہوس رکھنے والے اور اگر ایک طرف سے جلن کم ہوتی ہے دوسری طرف سے بھڑک اٹھتی ہے۔ پس ہم ان کی اس سب انسانی خلقت لطیف کو دیگر گوں کر دیتے ہیں۔ بدن کا نچلا حصہ زنجیر میں گرفتار۔ اس کا اوپر کا حصہ طوقوں سے گرانبار اور اس کا درمیانی حصہ جو کہ سینہ اور دل ہے جلن میں بے قرار اور وہی سوزش ہے جو کہ قیامت کے دن جہنم کی آگ کی صورت میں ان اندر باہر کو جلائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ہدایت کی نعمت کی ناشکری کی سزا چکھیں گے۔

ایک جواب طلب سوال

اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ ان تعلقات میں گرفتاری ان طوقوں کا پہننا اور مطالب دینا نہ پانے کے درد کی وجہ سے سینے کی جلن دنیوی زندگی کے لوازمات میں سے ہے جبکہ نعمت خداوندی کا شکر ادا کرنے والوں کو بھی اسی دنیا میں زندگی بسر کرنا ہے وہ ان تعلقات میں گرفتاری ان طوقوں کو پہننے اور ان جلنوں کو چکھے بغیر نہیں رہ سکتے تو پھر ان چیزوں کی ناشکروں کے ساتھ کیا تخصیص ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ شکر گزاروں کو ان تعلقات میں گرفتاری کے اسباب اور یہ طوق پہننے اور ان سوزشوں کو چکھنے کے اسباب دنیوی زندگی کے تقاضے کے مطابق پیش آتے ہیں لیکن انہیں زنجیروں میں گرفتاری طوق پہننے اور جلن محسوس کرنے کی صورت پیش نہیں آتی۔

شکر گزاروں کے تین گروہ

اس لیے کہ شکر گزاروں کے تین گروہ ہیں ابرار جن کا لقب اصحاب الیمین بھی ہے اعمال کے مقربین جن کا لقب عباد اللہ اور عباد الرحمن بھی ہے احوال کے مقربین جنہیں مقربین مطلق بھی کہتے ہیں اور سابقین بھی ان کا لقب ہے۔ پہلے ہم ابرار کا حال بیان کرتے ہیں جو کہ مقربین اعمال کا تبرک اور پس خوردہ حاصل کرنے والے ہیں اس کے

بعد ہم مقربین اعمال کے احوال بیان کرنے کی طرف منتقل ہوں گے تاکہ اس پر قیاس کر کے مقربین احوال کا حال بطریق اولیٰ ظاہر کیا جائے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ تَحْقِيقَ نِيكُو كَارِ لَوْ كَ جُو كَه اِپْنِ بَسَا ط بھَر كِسِي كَا حَق ضَا لِعْ نَہِیْس كِر تَے اور اپنے اور اپنی نوع کے دوسرے لوگوں کے بارے میں احسان کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اطاعت کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں جب تک دنیا میں زندہ ہیں۔

يَشْرَبُونَ اِي كَ دُو گھونٹ پیتے ہیں۔ مِّنْ كَأْسٍ مَّحْبُوتِ الْهِي اور اس بارگاہِ عالی تک پہنچنے کے شوق کی شراب سے مالا مال پیالے سے مقربین کے ہاتھوں اور وہ ایک دو گھونٹ پینے کی وجہ سے انہیں بے خودی حاصل ہو جاتی ہے اور دنیوی تعلقات کے طرف توجہ نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ ایک دو گھونٹ ان میں اس قدر تاثیر نہیں کرتے کہ یہ حالت دائمی رہے قوت دینے اور اس کے اثر کو ہمیشہ رکھنے کے لیے۔

كَانَ هِذَا جُھَا اس پیالے کی آمیزش ہوتی ہے۔ کہ جسے بطور عنوان اس پر چھڑکا گیا ہے۔ كَا فُوْرًا كَا فُوْر جُو كَه مَقْوِي رُو ح بھِي ہے مَفْرَحِ دَل بھِي۔ اس کی بوجہ اچھی ہے اور رنگ بھی نورانی دل کو مطلب نہ پانے کی جلن اور دنیوی تعلقات کی طرف جھانکنے سے سرد بھی کر دیتا ہے اور فاسد ارادوں اور باطل وسوسوں کی تکلیف کی اصلاح بھی کرتا ہے۔ شیخ ابو علی سینا نے مفردات قانون میں کہا ہے کہ آدمی کے جسم اور اس کی روح میں کافور کی تاثیر بعینہ جہان میں پروا ہوا کے اثر کی طرح ہے کہ ہر چیز کے جوش کو کم کرتا ہے اور بدبو کو بالکل دور کر دیتا ہے کسی دوائی کو جو کہ اعضاء میں سے کسی خاص عضو کو نفع دیتی ہے چاہیں کہ اس عضو تک جلد پہنچائیں تاکہ جگر اور معدہ کے ہضم میں دیر نہ لگے اور اس کی قوت کمزور نہ ہو جائے شربت میں ملا کر دیتے ہیں کہ یہ عمل جلد اثر کرنے اور گزر گا ہوں کو کھولنے میں بے مثال ہے۔ جب انہیں شربت میں کافور ملا کر دیا گیا تو پوری تیزی سے ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا اور اس کا اثر پوری قوت کے ساتھ روح اور قلب میں پہنچ گیا اور علائق دنیوی سے پاک ہونے دل کی خواہشات سرد پڑنے اور انہیں نہ پانے کی سوزش قبول نہ کرنے کی حالت مستحکم اور پختہ ہو گئی لیکن یہ کافور دنیوی کافور نہیں

ہے جس کی تاثیر صرف ظاہری جسم اعضاء اخلاط اور ارواح کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ کافور سے ہماری مراد

عیناً عالم روحانی کا ایک چشمہ ہے کہ انہیں کیفیتوں اور خواص کے ساتھ اس کا شربت آدمی کے باطن میں جو کہ لطائف نفس اور نفسانی قوتیں ہیں اثر کرتا ہے۔

يَشْرَبُ بِهَا نُوش کرتے ہیں اپنے ہر پیالے کو جس میں کہ اس چشمے کا پانی ملا ہوا ہے۔ عِبَادُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جو کہ کسی کی بندگی کا طوق گردن میں بالکل نہیں رکھتے اور اپنے حرکت و سکون میں خدا تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کی رضا طلب کرتے ہیں اور ثواب و جزا کی طرف بھی دھیان نہیں کرتے اور اپنے اعمال پر بھی اعتماد نہیں رکھتے۔

يُفَجِرُ دَنَهَا تَفَجِيرًا اس چشمے کو اپنے ہر عمل میں جاری کرتے ہیں جاری کرنا گویا وہ چشمہ خاص انہیں کی ملک اور انہیں کے تصرف میں ہے۔ عضو کے ہر عمل اور ہر قوت کے خلق میں اس چشمے کے پانی کے اثر کو کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ علائق دنیوی اور مادی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے اس قدر دل کو سرد کیے ہوئے ہیں کہ اپنے اعمال پر اور اچھی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں بالکل مطمئن نہیں کرتا بلکہ بارگاہ خداوندی سے ان اعمال و اخلاق کے قبول نہ ہونے کا کھٹکا اور خطرہ انہیں ہمیشہ لازم رہتا ہے۔ چنانچہ اس حال کا گواہ یہ ہے کہ

يُؤْفُونَ بِالْعَدْرِ نَذْرٍ پوری کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نوازل و طائف اور اذ صدقات اور خیرات سے جو کچھ بھی اپنے اوپر لازم کیا ہے اسے عمر کے آخری وقت تک پورے طور پر ادا کرتے ہیں اور جب انہوں نے ان چیزوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب نہ تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے ہی انہیں لازم کر لیا تھا پورے طور پر ادا کیا ہوگا تو جو واجبات خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب ہوئے انہوں نے انہیں بطریق اولیٰ پورے طور پر ادا کیا ہے۔ اور اس استقامت اور تمام واجبات اصلی اور التزامی کی ادائیگی کے باوجود اس پر وہ اعتماد بالکل نہیں کرتے اور ہمیشہ ڈرتے رہتے

ہیں۔

وَيُخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر اس آگ کی طرح منتشر اور بکھرا ہوا ہوگا جو کہ ہوا کے طوفان کے دن بھڑک اٹھے اور ہر گھر کو جلنے کا خطرہ لاحق ہو جائے اور ان کا یہ خوف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ واجبات کی ادائیگی میں ہم سے کوئی سستی اور کاہلی واقع ہو اور اس وجہ سے طبعی ظلمت نیکی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہو اور قیامت کے دن کہ اس کا شر گناہ گاروں کی نحوست کی وجہ سے بے گناہوں کو بھی پہنچے گا جیسے آسمان زمین پہاڑ دریا ستارہ سورج اور چاند وہ طبعی ظلمت کے ساتھ مخلوط نیکی نامنظور ہو اور عتاب اور عذاب کا موجب ہو اور اپنے اعمال پر ان کی اس قدر بے اعتمادی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان پر خوف بہت زیادہ غالب ہے اور خوف کا غلبہ دل کی سردی کی دلیل ہے کیونکہ حرارت کے وقت دل بہت زیادہ جرات اور بے باکی کرتا ہے۔ پس یہ اسی کا فور کا اثر ہے جسے انہوں نے شرابِ محبتِ الہی کے ساتھ ملا کر نوش کیا ہے۔ بیت اس افیون کی وجہ سے جسے ساقی نے شراب میں ڈالا حریفوں کا سر رہا نہ دستار۔

نیز اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جب انہیں ان اعمال کے ساتھ تعلق نہ رہا جو انہوں نے اپنے مطلوب کے شوق میں کیے ہیں اور ان سے ان کا دل سرد ہے تو یقیناً علائقِ دنیوی سے بھی پورے طور پر منقطع ہو گئے ہیں جو کہ ان کے مطلوب کے منافی تھے اور یہ بے خودی کا اثر ہے جسے انہوں نے محبتِ الہی کی شراب پی کر حاصل کیا ہے اور اس حالت پر ایک اور گواہ یہ ہے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ اور کھانا کھلاتے ہیں باوجودیکہ پکا ہوا تیار رکھنا کھانا نقدی اور جنس دینے سے زیادہ ناگوار ہوتا ہے اس لیے کہ جس چیز کا نفع قریب اور منفعت حاضر ہو اس میں آدمی اس چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ بخل کرتا ہے جو کہ مطلوبہ منفعت سے دور ہو اور اسی لیے اکثر لوگوں کے نزدیک گندم دینا آنا دینے سے زیادہ آسان ہے اور آنا دینا روٹی دینے سے زیادہ سہل ہے اور بعض اوقات جب انسان کھانا دینے کی سخاوت

کرتا ہے اور نقدی اور جنس دینے سے جی چراتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسے اس کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور طعام پکنے کے بعد کھانے کے علاوہ کسی اور کام نہیں آتا اور جلد بدبودار ہو جاتا ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بخلاف نقدی اور جنس کے کہ کارآمد بھی ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل بھی لیکن یہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں۔

علیٰ حبیبہ اس کھانے کو پسند کرنے کے باوجود شدید ضرورت اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کہ اس وقت پکا ہوا شلغم کچی چاندی سے بہتر ہے، کا مصداق ہو جاتا ہے یا اس کی نفاست اور خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے بے احتیاجی کے باوجود بھی بے فائدہ بدل نہیں کرتے بلکہ یا تو کچھ وقت کے بعد خود کھا لیتے ہیں یا کسی ایسے کو کھلاتے ہیں جس سے بڑی منفعت کی توقع ہو اور یہ لوگ اس حالت میں کھانا کھلاتے ہیں۔

مِسْكِينًا گدا کو جو کہ اپنی غذا حاصل کرنے سے عاجز ہے اور اس سے کسی منفعت کی کوئی توقع نہیں۔ بلکہ ایک بار کھلانے کی وجہ سے عادت بنا کر ہر روز قرض خواہ کی طرح پیچھے پڑ جاتا ہے اور غیر موزوں اور تلخ صدائیں لگا کر تشویش میں ڈالتا ہے۔

وَيَتِيمًا اور یتیم کو کہ وہ گدا سے بھی زیادہ عاجز ہے اس لیے کہ گدا کی قوت بدن بھی وافر ہے اور عقل بھی کامل اگر ایک وقت اسے کھانا میسر نہ ہو تو دوسرے وقت کوشش اور تلاش کے ساتھ گلی کوچوں میں پھر کر کچھ نہ کچھ حاصل کر کے لے آئے گا جبکہ یتیم کی نہ عقل کامل ہے نہ جسم قوی نہ اسے گداگری کا طریقہ آتا ہے نہ اس سے کسی منفعت کی توقع۔

وَأَسِيرًا اور قیدی کو جو کہ کسی کی قید میں پڑا ہے کمانی بالکل نہیں کر سکتا اور اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ گدا اور یتیم کی طرح خود کو کسی کی نظر میں ظاہر کرے تاکہ وہ اس کے حال پر رحم کر کے اس کی مدد کرے اور کھانے میں رغبت کے باوجود اس قسم کے لوگوں کو کھانا کھلانا اس کے باوجود کہ ایک عظیم احسان ہے اور ریا کی آلائش سے پاک عبادت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس عمل پر اعماد نہیں کرتے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا

نہ ہو کہ گدا، یتیم اور قیدی کھانا کھانے کے بعد ہمارے متعلق تعظیم، سلام، تعریف اور توصیف بجلائیں اور ہمارا نفس خوش ہو اور طبعی ظلمت اس کام میں بھی مخلوط ہو جائے اسی لیے عین کھانا کھلانے کے دوران انہیں صراحت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ

إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لِيُوجِبَ اللَّهُ تَحْقِيقَ هِمِّ تَمَهِّينَ نَهَيْسِ كَهَلَاتِ مَكْرَ صَرْفِ رَضَائِ خَدَاوَنَدِي كَلِي۔ لَانُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً هَمِّ تَمِّ سَ كُوْنِي بَدَلَهٗ نَهَيْسِ چاہتے کہ یہ کھانا کھانے کے بعد سلام یا تعظیم بجالو یا ہمارے حق میں ترقی کی دعا کرو۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ جب کسی گھر والوں کی خیرات بھیجتیں تو اپنی خادمہ سے پوچھتیں کہ انہوں نے خیرات لینے کے بعد کیا کہا اگر خادمہ عرض کرتی کہ انہوں نے آپ کے حق میں یہ دعا کی تو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بھی ان گھر والوں کے حق میں اسی دعا میں معروف ہو جاتیں اور فرماتیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دعا میرے صدقہ کے عوض میں گنی جائے اور میرے صدقے کا ثواب کم ہو جائے اور میں نے دعا کا بدلہ دعا کے ساتھ دے دیا تاکہ صدقہ کا ثواب برقرار رہے۔

وَلَا شُكُوْرًا اور ہم تم سے شکر گزاری نہیں چاہتے کہ لوگوں کے سامنے ہماری تعریف کرو کہ فلاں نے ہم پر یوں احساس کیا اور یوں کھانا کھلایا اس لیے کہ اگر ان کاموں سے ہم ان چیزوں کا قصد کریں تو طبعی ظلمت سرایت کر جاتی ہے پھر مذکورہ دن کا خوف لوٹ آتا ہے۔

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا تَحْقِيقَ هَمِّ اِنْفِے پُرُوْرِدْكَار سَ خَوْفِ كَرْتِے هِي۔ يَوْمًا عَبُوْسًا قَمَطْرِيْرًا ترش رو اور انتہائی چھیں بجیں دن کا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی سے کہنا یہ ہے جو اس دن ہوگی۔ از رہ ادب دن کو عبوس و قطریر کی صفت لگا دی جس طرح ترش رو اور چھیں بجیں آدمی غصے میں آ جاتا ہے اور ہلکے سے لفظ سے ہی بگڑ کر خشکیس ہو جاتا ہے اس طرح وہ دن کہ جس میں ہر چھوٹی بڑی شے کا مواخذہ ہوگا ہولناک اور ڈرانے والا ہے اور خوف شدید کے امتزاج کے ساتھ یہ عمل دونوں چیزوں کی صریح دلیل ہے۔ علائق دنیوی کے منقطع ہونے کی بھی اور دل سردی اور بے اعتمادی کی بھی۔

تفسیر واحدی اور دوسری تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر آئے، ان میں سے ایک شخص نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ صاحب زادوں کو تکلیف زیادہ ہے، آپ کوئی نذر مانیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تین روزوں کی نذر کی۔ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے بھی یہی نذر مانی اور آپ کی لہٹی نے بھی جس کا نام فضلہ تھا، یہی نذر مانی۔ حق تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا کہ حضرت؟؟ رضی اللہ عنہما شفا یاب ہو گئے اور نذر کے مطابق تینوں نے روزہ رکھا اس دن کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ غلہ فروش خیبری یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے قرض مانگا اس نے اسلام دشمنی کی بناء پر قرض دینے میں پس و پیش کی۔ آخر بہت لیت و لعل کے بعد آپ کو بارہ آثار (ایک پیانہ ہے) جو دیئے۔ آپ گھر تشریف لائے، حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے چار آثار جو چکی میں ڈال کر پیسے اور آپ کی لوٹری نے گھر والوں کی تعداد کے مطابق پانچ روٹیاں پکائیں جب افطاری کا وقت ہوا وہ پانچ روٹیاں لا کر حضرات کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چاہتے ہی تھے کہ ان روٹیوں سے تناول فرمائیں کہ اچانک دروازے پر ایک منگٹا آکھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اللہ بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو ایک مسلمان منگٹا آپ کے دروازے پر حاضر آیا ہے، کچھ کھانے کو ل جائے اور اس کے گھر کے پانچ افراد ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جتنی دسترخوانوں سے کھانا دے گا۔ ان بزرگوں نے پانچوں روٹیاں اس منگٹے کے حوالے کر دیں اور رات کو پانی کے بوا کچھ نوش نہ فرمایا۔ صبح روزہ سے اٹھے جب شام ہوئی، افطاری کے وقت مذکورہ کھانا تیار کر کے دسترخوان پر رکھا گیا۔ اچانک ایک یتیم آ پہنچا اس روز کا کھانا یتیم کو دے دیا گیا اور تیسرے دن ایک قیدی آ گیا اس روز کا کھانا قیدی کو دے دیا جب چوتھے دن اٹھے تو جانور کے چوزے کی طرح کانپ رہے تھے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے بالکل حرکت کی طاقت نہ رہی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ فرمایا کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ اپنی محراب میں نماز میں مشغول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ ان کا بطن مبارک پشت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دونوں آنکھیں اُتری ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! یہ سورۃ لیجیے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو مبارک ہو اور یہ آیات پڑھیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظاہری فتوح فرمائیں اور پھر اس قسم کی شدت فقر میں مبتلا نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان تینوں راتوں میں گدا، یتیم اور قیدی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اہل بیت کے صبر کے امتحان کے لیے تشریف لائے تھے اور اسی موقع پر کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ملک دنیا اپنے نیزے کے ساتھ لیا ہے اور ملک عقبی کو تین روٹیوں کے ساتھ خریدا ہے۔

نذر کے احکام کا بیان

جاننا چاہیے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے لیکن ایسی نذر کو جو ناجائز نہ ہو اور ناجائز نذر کو پورا کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ من نذر ان یطعم اللہ فلیطعمہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ یعنی جو شخص اطاعتِ خداوندی کی نذر مانے اسے چاہیے کہ وہ طاعت بجالائے اور جس نے معصیتِ خداوندی کی نذر مانی تو اسے چاہیے کہ اس معصیت کو چھوڑ دے۔ اس لیے نذر کی حقیقت ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا ہے جو کہ واجب نہیں ہے اور جب وہ چیز معصیت ہوگی اور اسے یہ شخص اپنے اوپر واجب کر لے تو اس نے حکم الہی کی مخالفت کی ہوگی اور اگر بالفرض کسی کی زبان سے کبھی مقامِ نذر میں معصیت کا لفظ نکل جائے تو چاہیے کہ فی الفور توبہ اور استغفار کرے اور اس نذر کو ہرگز پورا نہ کرے۔

نیز نذر اس چیز میں ہے جو کہ نیکی کی جنس سے ہو جیسے نفل نماز، نفل روزہ، ذکر، تسبیح،

تلاوتِ قرآن پاک، درود شریف، حج، نیکیوں کی زیارت، علم دین کی طلب، جہاد و صدقات، خیرات، نیکیاں اور وقف لیکن جو چیز نیکی کی جنس سے نہیں ہے جیسے فلاں کھانا کھانا، دھوپ میں بیٹھنا، کھڑے رہنا، بات نہ کرنا اور سایہ کے نیچے نہ آنا۔ پس ایسی چیز میں نذر منعقد نہیں ہوتی اور اگر مبہم نذر مانی ہے اور کہا ہے کہ مجھ پر نذر ہے کہ یہ کام کروں۔ اگر وہ کام کیا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک ایسی نذر مانی جو کہ اس شخص کی طاقت سے باہر ہے تب بھی قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ، نذر اور کفارات کا فر کو دینا درست نہیں ہے

نیز جاننا چاہیے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلانا عبادت ہے خواہ وہ مسکین، یتیم اور قیدی اہل اسلام سے ہوں یا اہل کفر سے لیکن کافر کو زکوٰۃ، نذر اور کفارہ دینا درست نہیں ہے اور اگر قیدی کافر واجب القتل ہو اسے کھلانا بھی باعثِ ثواب ہے اس لیے کہ واجب القتل کو بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفار کو قیدی کر کے لایا جاتا اور آپ انہیں مال دار مسلمانوں کے حوالے کر دیتے اور ارشاد فرماتے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مسلمان آپ کے حکم کے مطابق قیدیوں کو اپنے اہل و عیال سے بہتر طور پر رکھتے اور کھانا کھلاتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بارے میں قتل کرنے یا چھوڑنے یا مال لینے یا انہیں غلام بنا کر رکھنے کا حکم فرماتے۔

اور اسی طرح جس کے ذمے قصاص واجب ہو چکا ہو اور قتل کرنے کا مستحق ہو چکا ہو اسے بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں ہے اور جب ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے قیامت کے دن شر کے پھیلنے اور اس دن کی ترش روئی سے ہمیشہ ڈرتے ہیں اور ریا سے پاک اس قسم کے عمدہ اعمال کے باوجود ہر اسان رہتے ہیں تو لازم ہوا کہ وہ اس خوف کا پھل جو کہ آخرت میں ضرور دیکھیں گے بیان کیا جائے اور اس کے بعد ان کے اعمال کی جزا بیان کرنے پر توجہ دی جائے۔ چنانچہ ان کے خوف کے نتیجے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ پس اللہ تعالیٰ ان کی اس دن کے شر سے نگہداشت فرمائے گا جو کہ منتشر اور عام ہوگا اور یہ نگہداشت یوں ہوگی کہ ان پر اپنی صفت رضا کی تجلی فرمائے گا اور انہیں اس تجلی کے مشاہدہ میں مستغرق فرمادے گا جیسا کہ گزشتہ سورۃ میں صراحت کی گئی ہے کہ وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةً إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور ملائکہ رحمت گر وہ در گر وہ ان سے ملاقات کریں گے اور بشارت دیں گے جیسا کہ سورۃ انبیاء علیہم السلام میں مذکور ہے کہ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ المتحابون فی جلالی لهم منابر من نور یغبطهم النبیون والشهداء یعنی جو لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ میری راہ میں دوستی کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان کے حال پر انبیاء علیہم السلام اور شہداء رشک کریں گے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کو اُمت پر گواہی دینے اور انہیں اس دن کے مواقع اور خطرات سے چھڑانے کی فکر ہوگی اور وہ تشویش میں ہوں گے جبکہ ان لوگوں کو جنہیں کسی کے ساتھ تعلق نہ تھا پوری فراغت نصیب ہوگی اور یہ سب کچھ علائق دنیوی سے منقطع ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ انہیں دنیا میں حاصل تھی۔

وَلَقَّهْمُ اور ان کے سامنے لائے گا اس کے عوض جو اس دن کی ترش روئی اور چسبیں بجبیں ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے۔ نَضْرَةً تَازِجًا اور ہنس مکھی جو کہ ان کے ظاہری جسم پر نمودار ہوگی۔ وَسُرُودًا اور دل کی خوشی جس سے ان کا باطن لبریز ہوگا۔ اور فکر اور غم کے عوض جو کہ انہیں اپنے دین کے بارے میں تھا اور وہ ہمیشہ آخرت کی فکر میں وقت گزارتے تھے اور ان کے حق میں اسی قدر نعمت پر کہ خوف و غم کا زوال اور امن اور خوشی کا حصول ہے اکتفا نہ ہوگا اس لیے کہ اس قدر تو خود ان کے ڈر اور خوف کا نتیجہ تھا بلکہ ان کے اعمال پر بھی نظر رحمت ہوگی اور دیکھیں گے کہ ان کے اعمال کا دار و مدار صبر پر تھا کہ علائق دنیوی اور لذات جسمانی کو فنا کر دیا۔ نیز طاعتوں کی مشقت برداشت کی اور تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ پس ان کے صبر کا بدلہ پیش نظر ہوگا۔

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا اور انہیں پر فضا مکانات دل کشا باغات اور مسرت افزاء عمارات کے تعلق سے ان کے صبر کے بدلے جزا دے گا۔

جَنَّةٌ وَسِعَتْ جَنَّتِ كِي جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور اس کے محلات ہمیشہ منقش اور رنگین۔ وَحَرِيرًا اور ریشم سے بنا ہوا کپڑا جو کہ ان کے لباس میں لگایا گیا ہے اور ان کے فرش میں بھی مستعمل ہے اور درود یوار کی پوشش پر وہ سقف بند اور سامان آلات اور برتنوں پر لٹکنے والے کپڑوں میں کام میں لایا گیا ہے اور یہ ان کے صبر کی جزا دی جائے گی جو انہوں نے دنیا میں چھوڑے اور پیوند لگے کپڑے پہننے آستینیں چھوٹی دامن کوتاہ رکھنے اور ریشم پہننے سے پرہیز کیا اور روایات میں آیا ہے کہ جنتیوں میں سب سے کم مرتبے والے آدمی کے پاس ہر روز اور ہر شام خدام ستر ریشمی جوڑے جن میں سے ہر ایک کا رنگ جدا جدا نقش عجیب و غریب اور انداز جدا گانہ ہوگا پیش کریں گے تاکہ اسے جو مرغوب ہو وہاں لے۔ ہر کپڑے کی باریکی برگ گل کی باریکی کی طرح ہوگی۔

مُتَكِيثِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ اس جنت اور بستر میں مزین اور سایہ دار تختوں پر دنیوی بادشاہوں کی طرح تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو انہوں نے بوریا نشینی، تنگ حجروں اور تاریک خانقاہوں اور مدرسوں میں رہائش اور علوم دینیہ کے درس کی مجلس اور ذکر و توجہ کے حلقوں کی جوتوں والی صف میں جگہ پانے پر کیا۔

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَهْرًا اس جنت میں سورج کی گرمی اور موسم سرما کی ٹھنڈی نہیں دیکھیں گے اس لیے اس کی ہوا معتدل ہے گرمی اور سردی نہیں رکھتی اور وہاں سورج نہیں ہے تاکہ اس کے نزدیک آنے کی وجہ سے شدید گرمی ہو جائے اور اس کے دور ہٹنے سے نقصان دہ سردی ہو بلکہ عرش کا نور اس جہان کو ہمیشہ روشن رکھتا ہے اور جب بھی پردے اٹھائیں گے اور سیر گا ہوں میں نکل آئیں گے اور بازار قائم ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور خدمت کے لیے بچے اور غلمان حاضر ہو جائیں گے اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دن ہو گیا اور جب پردے گرادیئے جائیں گے اور محلات میں داخل ہو جائیں گے اور حور عین حصول لذت اور ہم نشینی کے لیے حاضر ہو

جائیں گی تو جان لیں گے کہ رات آگئی اور ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے جمعہ المبارک کی دوپہر میں جامع مسجد کو جانے کے وقت روزے کی گرمی پر اور حج، جہاد، طلب علم، بزرگوں اور نیکوں کی زیارت اور ان کی صحبت سے ظاہری اور باطنی فیض لینے کے لیے سفر میں کیا تھا اور موسم سرما کے غسل اور وضو وقت تہجد اور فجر و عشا کی نماز کی جماعت کی سردی پر اور موسم سرما میں حج، عمرہ، جہاد، طلب علم اور بزرگوں کی زیارت کے سفر میں کیا تھا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہواء الجنة سجع لاجر و لاجر یعنی جنت کی ہوا انتہائی معتدل ہے، گرم نہ سرد۔ اور لغت میں زمہریر حد سے زیادہ سردی کو کہتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی میم اور ہا اصلی ہیں اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو کلام عرب میں اس لفظ کی مثال نہیں ہوگی جبکہ فعل لیل بہت زیادہ موجود ہے جیسا کہ قطریہ گزرا۔ اور جنت کی ہوا اس لیے معتدل ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے اپنے اعمال اور اخلاق کو دنیا میں معتدل کیا تھا اور جنت انہیں معتدل اعمال اور اخلاق کی شکل ہے، وہاں کمی بیشی کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا اور ان پر اس جنت کے درختوں کے سائے قریب ہو چکے ہوں گے اور یہ ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے پردیسیوں، مسافروں، مظلوموں اور یتیموں کو سایہ دینے پر کیا یا اپنی عمارت کے سایہ میں یا اپنے عدل و رحمت کی حمایت کے سایہ میں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں مفسرین کا ایک مشہور اشکال ہے کہ جب جنت میں سورج نہ ہوگا تو سایہ کا تصور کیسے ہوگا اس لیے کہ حقیقت میں سایہ بالذات یا بالعرض روشنی دینے والے کی دوسری روشنی ہے جو کہ روشن کرنے والے اور اس کے مقابل کے درمیان جسم کثیف کے حائل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج کا نہ ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ دوسرا نور موجود نہ ہو اور سایہ پیدا ہونے کا موجب نہ ہو۔ ہاں وہ نور اس

جنس سے نہیں ہے کہ تکلیف دے تاکہ اس سے سایوں کی طرف بھاگیں۔ لیکن کبھی درختوں کے سائے میں بیٹھنا لذت اور چین حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لیے۔ جنتی درختوں کے سایہ میں جنتیوں کا بیٹھنا اسی قبیلے سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنتی درخت اس طرح ان کی طرف جھکیں گے اور ان درختوں کی شاخیں پتے اور پھل ان کے نزدیک پہنچ جائیں گے کہ اگر بالفرض وہاں سورج ہوتا ان درختوں کا سایہ بالکل نزدیک ہو جاتا اور مفسرین میں سے کسی نے جنتی درختوں کے سایہ کے نزدیک ہونے کا معنی ذکر نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر سایہ کسی کو محیط ہو تو نزدیک اور دور برابر ہے اور اگر محیط نہ ہو تو سایہ دور ہے نہ نزدیک۔ پس تحقیق یہ ہے کہ جنتی درخت شعور اور ارادہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنتیوں کو جو کہ اپنے مزین تختوں پر بیٹھے ہیں یا اپنی محافل اور محلات میں آرام فرمائیں اپنے پتوں اور پھلوں سے نفع دیں اس قصد کے ساتھ حرکت ارادی کر کے ان کے نزدیک آجاتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے پھول اور شگونے ظاہر کرتے ہیں تاکہ انہیں کچھ رغبت پیدا ہو اور وہ دیکھیں اور اپنے میوے اور پھل پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اس سے چن لیں اور کھائیں اور وہاں درختوں کے سائے کے قریب ہونے کا بھی معنی ہے جیسا کہ اس آیت کا بقیہ اس کا پتہ دیتا ہے۔

وَذَلَّلْتُ قُطُوفَهَا تَذَلُّلًا اور اس جنت کے میوے جنتیوں کے لیے مطیع کر دیئے گئے ہیں مطیع کرنا۔ کہ جانور کی طرح اپنی مانوس چیز کو بار بار اپنے مالک تک پہنچاتا ہے اور سواری، کھیل اور دوسرا نفع جو کہ اس جانور سے مقصود ہے، کا تقاضا پورا کرتا ہے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی پھل کو اگر چاہیں کھڑے ہو کر چن کر کھائیں اور اگر چاہیں بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹ کر کھائیں کہ وہ پھل خود بخود جنتی کے منہ میں پہنچتا ہے اور یہ ان کے صبر کا صلہ ہے جو کہ وہ تورع اور احتیاط کی وجہ سے دنیا کے میووں سے کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو لوگ یہ میوے کھاتے تھے ان کے مال میں حرام اور شبہ کی آمیزش ہو اور گاجر اور شلغم پر قناعت اختیار کرتے تھے اور یہاں تک جنتیوں کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کہ کل کی روزِ نباتی کی تسخیر اور اس نفس سے

خدمت لینے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوں گی۔ اور جس طرح دنیا میں انہیں خلافت کبریٰ عطا فرمائی گئی تھی کہ جہان کے تمام اجزا اور ارکان میں تصرف کرتے تھے اور ان سے نفع لیتے تھے جنت میں بھی ان اجزا اور ارکان کی ارواح کو ان کے لیے مسخر کر دیا جائے گا اور وہ ان کی خدمت گزار ہوں گی لیکن جنتی کی تسخیر میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں جبری اور قہری تھی، کوشش اور مشقت پر موقوف تھی جبکہ جنتی کی تسخیر جنتیوں کی تکلیف اور کوشش کے بغیر ارادی اور اختیاری ہوگی۔ نیز دنیا کی تسخیر مومن اور کافر، نیک اور ظالم کو عام تھی جبکہ جنتی تسخیر چونکہ جزا اور امتیاز کے مقام میں ہے ایمان اور صلاح والوں کو خاص ہوگی جیسا کہ سورہ اعراف کی ایک اور آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفَصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

اور ریشم اگرچہ ظاہری طور پر حیوانی معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کے کپڑے کے لعاب کے نتیجے سے بنتا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ریشم کا پیدا ہونا درختوں کے پتوں کے رس سے ہے جو کہ ریشم کا کپڑا اپنے لیے لکڑی کے جانے کی طرح بنتا ہے اور ریشم کے کپڑے کے سوائے بننے کے اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور وہ اس کے اجزا میں سے نہیں ہے تاکہ حیوانات میں شمار ہو جسے گوشت، کھال، اون، ریشم، دودھ اور گھی اور اگرچہ شہد کا حکم بھی یہی ہے لیکن شہد کی مکھی اسے غذا کے لیے مہیا کرتی ہے تو اس کا حیوانی ہونا نباتی ہونے سے غالب ہے اور یہاں سے جنتیوں کی وہ نعمتیں ذکر ہو رہی ہیں کہ جن میں معدن کا نفس کلیہ خادم اور مسخر ہو کر مہیا کرے گا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآيَةٍ اور ان کی خدمت میں بار بار لائے جاتے ہیں برتن۔ مین فیضیہ چاندی سے۔ ان کے وضو، استنجا اور غسل کے پانی کے برتن نکالنے پر صبر کرنے کے بدلے کہ دنیا میں ہمیشہ پاک رہنے اور نجاستوں میں طوٹ ہونے سے دور رہنے کے لیے کرتے تھے اور اگر وضو اور غسل کا برتن کچھ مستعمل ہو جاتا تو احتیاط کے طور پر اس کی تجدید

اور تبدیلی کرتے اور اس مناسبت سے انہیں گلی کوچوں میں گھومنا پھرنا لازم آتا۔

وَ اَكْوَابٍ اور ٹونٹی اور دستے کے بغیر آنخورے ان کے مٹی کے بازاری آنخوروں پر صبر کرنے کے عوض جو کہ گرمیوں کے روزوں کے افطار کا پانی اور شربت ٹھنڈا کرنے کے لیے بار بار استعمال کرتے تھے لیکن انہیں جنت میں ایسے آنخورے دیئے جائیں گے جو کہ ہلکے پن نزاکت اور صاف شفاف ہونے میں

كَانَتْ قَوَارِيرًا شیشہ ہو چکے ہوں گے کہ ان کے باہر سے ان کے اندر کی چیز نظر آتی ہے لیکن وہ اصل میں شیشہ نہیں ہیں بلکہ قَوَارِيرٌ مِّنْ فِضَّةٍ مصنوعی شیشے ہیں جو کہ چاندی سے بنائے گئے ہیں تاکہ سفیدی اور چمک دمک چاندی کی ہو اور صفائی اور ہلکا پن شیشے کا اور ان کے برتن چاندی سے اس لیے بنائے گئے کہ انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جاتے ہیں اور وضو کا پانی ان کے اعضاء میں سفیدی چمک اور نورانیت پیدا کرے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ان امتی یاتون یوم القیامة غرالمحجلین من آثار الوضوء یعنی میرے امتی قیامت کے دن اس صورت میں آئیں گے کہ ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے تو جو برتن انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جائیں گے وہ بھی سفید اور روشن ہوں گے چاندی سے نہ کہ سونے سے۔ نیز پانی اور شربت پینا جس قدر سفید برتن میں پُر رونق ہوتا ہے اس قدر سونے کے برتن میں رونق پذیر نہیں ہوتا اور سونے کا رنگ زرد ہے اور چاندی کا رنگ سفید اور زرد روئی شرمندگی کا نشان اور سفید روئی بامراد ہونے کی علامت ہے اور دنیا میں چاندی کی بہ نسبت سونا اس لیے نفیس ہے کہ دنیا میں سونے کی کانیں کم پائی جاتی ہیں اور چاندی کی کانیں زیادہ ہیں اور نزاکت کمیابی کی جنس نہیں ہے تاکہ اس وجہ سے سونے کی قیمت بڑھ جائے اور نفیس ہو جائے۔ اور ان کے آنخوروں کو بھی وہاں چاندی سے بیان فرمایا ہے اس لیے کہ ان آنخوروں میں انہیں قوی نشے والی شراب پلانا منظور ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور جامع بغدادی میں لکھا ہے کہ چاندی کا عمل قوت اور فرحت دینے میں یا قوت کے عمل کے قریب ہوتا ہے اور جب شراب چاندی کے برتن میں ڈالی جائے بہت جلد نشہ دیتی ہے اور اس کا نشہ انتہائی لذیذ

ہوتا ہے اور جہاں شراب پلانا منظور نہیں ہے وہاں سونے کے آنخورے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ سورہ زخرف میں فرمایا ہے يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ اور چونکہ جو آنخورے خدام تیار کر کے لاتے ہیں ان میں ایک عیب ہوتا ہے کہ کبھی ضرورت اور رغبت کی مقدار سے کم ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ اس عیب کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔

قَدَرُوْهَا تَقْدِيْرًا اِن اَنْخُوْرُوْنَ كُوْرُوْحٍ مَّعَاوِنِ كَالْكَارِيْ كُرُوْنَ نِيْ اِنْدَازِهٖ لَر كِيْ بِنَايَا هِيْ اَحْمِيْ طَرَحِ اَحْتِيَاطِ كِيْ سَا تَهْ اِنْدَازِهٖ كَرْنِيْ كِيْ سَا تَهْ اِس لِيْ كِيْ يِهْ اَنْخُوْرِيْ اَنْهِيْ اِفْطَارِيْ كِيْ پَانِيْ اُوْر شَرِبْتِ كِيْ اَنْخُوْرُوْنَ كِيْ عُوْضِ عَطَا هُوْنِيْ اُوْر اِس وَقْتِ شَدِيْدِ رَغْبَتِ كِيْ بَا وُجُوْدِ اِسْرَافِ سِيْ اَحْتِيَاطِ كَرْتِيْ تَهْ اُوْر اِعْتِدَالِ كِيْ رَا هِ چَلْتِيْ تَهْ۔ پَس اِن كِيْ سَا تَهْ بِيْ اِعْتِدَالِ كَا مَعَا مِلَهٗ وَا قَعِ هُوْ كَا بَلْ كِهٖ وَهٗ وَضُوْ كِيْ بَرْتَنُوْنَ مِيْ بِيْ اِعْتِدَالِ كِيْ رِعَايَتِ كَرْتِيْ تَهْ اُوْر اَحْمِيْ طَرَحِ وَضُوْ كَرْنِيْ كِيْ مَدِّ مِيْ كِيْ بِيْ شِيْ نِهِيْ كَرْتِيْ تَهْ۔ پَس اِن بَرْتَنُوْنَ مِيْ بِيْ اِعْتِدَالِ كِيْ رِعَايَتِ كِيْ جَا ئِيْ كِيْ۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا اُوْر اَنْهِيْ اِن شِيْ شَهٗ صَفْتِ چَانْدِيْ كِيْ بَرْتَنُوْنَ مِيْ پِلَا ئِيْ جَا ئِيْ كِيْ۔ كَا سَا اِيْ كِ شَرَابِ اُوْر عَرَبِ كِيْ اِسْتِعْمَالِ مِيْ كَا سِ بِمَعْنٰ شَرَابِ كَثْرَتِ سِيْ آ تَا هِيْ اِ كْرَ چِهٖ اَصْلِ مِيْ پِيَا لِيْ كَا نَامِ هِيْ۔

كَانَ مِيْزَا جُهًا زَنْجَبِيْلًا جِس مِيْ زَنْجَبِيْلِ كِيْ اَمِيْزِشِ هُوْ كِيْ جُوْ كِهٖ شَرَابِ كِيْ خُوْشِ ذَا لِقَهٗ هُوْنِيْ كَا مَوْجِبِ هُوْتِيْ هِيْ اُوْر اِس كِيْ اَثْرِ سِيْ شَرَابِ كَا ذَا لِقَهٗ اُوْر بُوْجِهٖ ہلْ كَا هُوْ جَا تَا هِيْ اُوْر يِهٖ نَشِيْ كِيْ نَزَا كْتِ اُوْر تَقْوِيْتِ كَا بَا عَمْفِ هُو تَا هِيْ اُوْر بَدْنِ مِيْ اِيْ كِ حَرَارَتِ پِيْ دَا كَرْتَا هِيْ اُوْر يِهٖ اَمِيْزِشِ اِس لِيْ كِيْ هِيْ كِهٖ اِن پَر شُوْ قِيْ دِيْدَارِ كَا غَلْبَهٗ هُو اُوْر غَلْبَهٗ شُوْ قِ كِيْ وَجِهٖ اِس نِعْمَتِ كِيْ پِيَا سِ بڑھے اُوْر جِبِ اَنْهِيْ وَهٗ نِعْمَتِ نَصِيْبِ هُو تُو پُوْرِيْ لَذْتِ حَا صِلِ كَرِيْ كِهٖ جُوْ چِيْزِ شُوْ قِ اُوْر طَلْبِ كِيْ بَعْدِ ہَا تَهْ آ ئِيْ زِيَا دَهٗ لَذِيْذِ هُوْتِيْ هِيْ لِيْ كِنِ زَنْجَبِيْلِ يِهٖ دُنْيَا كِيْ زَنْجَبِيْلِ نِهِيْ هِيْ جِس كِيْ تَا شِيْرِ اَدْمِيْ كِيْ صَرَفِ ظَا هِرِيْ بَدْنِ مِيْ هُوْتِيْ هِيْ بَلْ كِهٖ زَنْجَبِيْلِ سِيْ ہَا مَارِيْ مَرَادِ هِيْ۔

عَيْنَا فِيهَا جنت میں ایک چشمہ ہے کہ تُسْتَى سَلْسَبِيلًا جس کا نام سلسبیل ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اصل میں وہ چشمہ مقربین احوال کے لیے ہے جبکہ مقربین اعمال کے لیے اس سے آمیزش کے اندازے کے مطابق دیا جاتا ہے اور مقربین احوال پر شوق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور کسی حال یا مقام پر ٹھہرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ترقی کے طالب ہوتے ہیں اور ان کی زبان حال ہمیشہ اس ترانے سے معمور ہے کہ سَلْ سَبِيلًا کہ اپنے معشوق کا راستہ پوچھ۔ پس اس چشمے کو اسی نام کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تاکہ اس بات کا اشارہ ہو کہ جس نے اس چشمے کا پانی ایک بار پیا اسے ہمیشہ راستہ ڈھونڈنے کی طلب نصیب ہو جاتی ہے جس طرح کہ کوہ شیراز کو اللہ اکبر کہتے ہیں کہ اس کے اوپر جو بھی چڑھے اس کی بلندی دیکھ کر یہ کلمہ زبان پر لاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سلسبیل سلامت سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے ماء سلس و سلسل و سلسال و سلسبیل یعنی وہ پانی جو کہ حلق اور حلقوم سے آسانی سے اتر جائے۔ پس اس صورت میں مبالغہ کے لیے با اور یا زائد ہوں گے اور اس زیادتی کی وجہ سے کلمہ خماسی ہو گیا لیکن اس وجہ میں ایک خدشہ ہے اس لیے ان کے نزدیک با حروف زیارت میں سے نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس تفسیر پر تُسْتَى سَلْسَبِيلًا کا لفظ ایک وہم دور کرنے کے لیے ہے جو کہ زنجبیل کے ذکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ جب شراب میں زنجبیل کی آمیزش ہو تو گلے میں سوزش کرتا ہے اور سہولت سے حلق سے نیچے نہیں اترتا اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ زنجبیل اس زنجبیل کے قاعدے رکھتا ہے سوزش نہیں رکھتا بلکہ اس کے چشمے کا نام ہی ایسا ہے جو کہ جلن اور سوزش کے مٹانی ہے۔

اور جب معدن کی روح اور معدنیات کے موکل فرشتوں کی خدمت کے بیان سے جو کہ معدنیات کے موکل ہیں کے بیان سے جو کہ وہ جنتیوں کی کریں گے فراغت ہوئی اب ان نعمتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو کہ ارواح کو کبھی فلکیہ کی تسخیر اور ان سے خدمت لینے کی وجہ سے جنتیوں کو نصیب ہوں گی اور اس تسخیر کی صورت یہ ہے کہ جب ستاروں کی

ارواح ان کے جسموں سے جدا ہوں گی، قوی تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح جو کہ وسیع نفوس اور محیط و وافر خیالی قوتیں رکھتی ہیں، جنتیوں کی ارواح سے مل کر ان کی عقل، خیال، حرکات اور اعمال میں امداد کریں گی جبکہ کمزور تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح ان جنتیوں کی خدمت کے لیے وہ جو کہ انسانی جسموں سے نشوونما کی عمر کے اوائل میں ہوتا ہے اور حرکات کی تیزی، کپڑوں کی دلکشی، دلفریبی، سادگی، حسن و جمال اور رنگ کی تازگی جو کہ اس عمر میں زیادہ ہوتی ہے، پہن کر حاضر ہوں گی تاکہ جنسی طور پر ہم شکل ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت کے ساتھ ایک خاص انس پیدا کریں۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے پاس گردش اور آمدورفت کرتے ہیں، خدمت کے لیے اور پانی کے برتن اور شراب کے جام لانے اور لے جانے کے لیے وَنِدَانٍ خوبصورت بچے مَخْلُدُونَ جو کہ ہمیشہ بچپن کی حالت میں رہنے والے ہیں۔ جوان اور بوڑھے نہیں ہوتے۔ اور ان کا حسن و جمال جوانی کی سختی اور بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے بدلتا نہیں اور ان سے دربار کے کاموں میں بھاگنا، جلد واپس آنا اور خوش دلی کے ساتھ خدمت میں مصروف رہنا ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے جسموں کی مدبر کواکب کی ارواح ہیں جنہیں بدن میں نور و ضیاء کی کثرت، فہم و فراست اور بے انتہا گردش کی قوت، کھانے پینے کی بے احتیاجی، بول و براز اور دوسرے حیوانی فضلات سے پاکیزگی، جسم کی پھٹنے، چرنے اور اجزا کے ضائع ہونے، پڑانا ہونے اور عنصر یہ خصوصاً حیوانیہ مزاجوں کی دوسری آفات سے حفاظت کرنے کے ساتھ ایک حالت کو قائم رکھنے کی مہارت ہے۔

إِذَا رَأَوْا يَتَخَفُونَ جب تو ان نو عمر بچوں کو دیکھے کہ اس حسن و جمال اور اس نزاکت نیز صفائی اور رنگ کی چمک دمک کے باوجود ایک جاتا ہے اور دوسرا آتا ہے، ایک کسی خدمت کے لیے ایک طرف کھڑا ہے اور دوسرا کسی اور خدمت کے لیے دوسری طرف کھڑا ہے اور ہر ایک کی شعاع دوسرے کے چہرے میں منعکس ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے سامنے رکھے ہوئے شیشوں کا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا تو ان بچوں کو گمان کرے مروارید کے بکھرے ہوئے دانے کہ بعض کی شعاع بعض میں منعکس ہونے کی وجہ سے ان کی چمک کی کیفیت دو بالا ہوگئی اور نظر نے ہر طرف سے لذت اٹھائی۔ بخلاف مروارید کے ان دانوں کے جو کہ دھاگے میں پروئے گئے ہوں کہ ان کی کیفیت یوں نہیں ہوتی اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب لذت کی تجدید منظور ہو تو ہر قوت کے مدركات کو منتشر اور متفرق کرنا چاہیے تاکہ بار بار حس مشترک پر وارد ہوں اور اس کے واسطے سے نفس ہر لحظہ نیا اور اک حاصل کرے اور لذت اٹھائے اور جب لذت کی ہمیشگی مقصود ہو تو ہر قوت کے لذیذ مدركات کو مجتمع اور منظم کرنا چاہیے تاکہ ان کی صورت اور معنی کو قوت خیال اور حافظہ اپنے اندر جگہ دے کر بار بار نفس پر پیش کر دیں اور اسے وہ لذت یاد کرائیں اور یہاں تجدید لذت پیش نظر ہے نہ کہ اس کی ہمیشگی۔

وَإِذَا رَأَتْ يَتًا نَعَتْهُ اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے کہ وہاں چشمہ سلسبیل ہے اور اس کے مالک جو کہ مقربین احوال ہیں درجہ بدرجہ بیٹھے ہیں۔ رَأَتْ يَتًا نَعَيْتًا تو ایسی نعمت دیکھے جو کہ بیان میں نہیں آتی اور مقربین اعمال کی سب نعمتوں۔ بالاتر ہے کہ اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

وَمُلْكًا كَبِيرًا اور عمدہ بادشاہی کو دیکھے اس لیے کہ وہ لوگ ابرار اور مقربین اعمال پر حاکم بھی ہیں اور اپنے چشمے سے بلا واسطہ یا بالواسطہ انہیں آمیزش عطا کرتے ہیں حالانکہ مقربین اعمال اور ابرار بھی استحقاقی طور پر حکومت مطلقہ اور خلافت کبریٰ رکھتے ہیں کہ معدنیات نباتات کواکب اور فرشتوں کی کئی اقسام سب کے سب ان کے خدام اور فرماں بردار ہیں۔ پس ابرار اور مقربین اعمال کا حکم مختلف ریاستوں کے بادشاہوں کی طرح ہے جبکہ مقربین احوال کا حکم ہفت اقلیم کے شہنشاہوں کی طرح ہے اور انہیں یہ مرتبہ اسمائے الہی کے تخلق اور ان کے ساتھ تحقق کی وجہ سے حاصل ہوا کہ اسمائے الہیہ ان کی صفات بن گئے بلکہ لباس کی صورت میں ان پر ظاہر ہوئے کہ

عَلَيْهِمْ ان کے اوپر کہ دوسرے کپڑوں پر دوباری خلعت کی طرح پہنے ہوں گے۔

ثِيَابٌ سُندُسٌ حَمِيكَةٌ وَكَتَمَتِ نازكٌ ريشمى كپڑے ہیں کہ لَطِيفَةُ الظهور اسماء ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ خُضْرٌ سبز رنگ تاکہ ان کی زندگی کے سرسبز ہونے پر دلالت کریں۔ وَاسْتَبْرَقَ اور چمکتے وکتے ریشمی کپڑے ہیں کہ مکمل ظہور والے اسماء نے ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گری فرمائی۔

وَحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں جنتی چاندی سے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا کہ وہاں تمام معدنیات سے افضل ہے تاکہ ان کی خدا تعالیٰ سے دوستی کی طبیعت کے تقاضوں، وہم اور دوسری کدورتوں کے امتزاج سے صاف ہونے پر دلالت کرے۔

وَسَقَّاهُمْ رَبُّهُمْ اور انہیں حق تعالیٰ بذات پاک خود بچوں، غلمان اور فرشتوں کے واسطے کے بغیر اپنے دست قدرت سے پلائے گا۔ شَرَابًا طَهُوْرًا ایسی شراب جو کہ ظاہر و باطن کو اس طرح پاک کرنے والی ہے کہ نفس کا کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیتی کہ کسی طرف سے ظاہر ہو جائے۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبے والے کو ایک ہزار سال کی راہ کی بادشاہی عطا فرمائیں گے اور وہ اپنی ساری مملکت میں جو کچھ لشکر، خدام اور ناز و نعمت کے اسباب و آلات سے ہے سب کو اپنی جگہ سے دیکھے گا اور وہ اپنی مملکت کی آخری حد کو یوں دیکھے گا جیسے پہلے حصے کو دیکھ رہا ہے اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کی حدود مملکت میں داخل نہیں ہو سکے گا، وہ دل میں جو سوچے گا وہی واقع ہوگا۔

نیز حدیث شریف میں واقع ہے کہ جب جنتی کھانے پینے، قسم قسم کے میووں اور مختلف قسم کی شراب سے فارغ ہوگا اسے دربار حضرت رب العالمین سے آخری جام عطا فرمایا جائے گا کہ وہ شراب ظہور ہے اور اس کے استعمال کے ساتھ ہی تمام کھائی پی گئی چیزیں پسینہ ہو کر باہر آ جائیں گی اور اس پسینے کی خوشبو تیز کستوری کی خوشبو ہوگی اور اس کا پیٹ پھر لاغر ہو جائے گا اور کھانے پینے کی خواہش پیدا ہوگی اور ان قسم قسم کی نعمتوں کے باوجود ان سب کے علاوہ ایک اور نعمت ہے کہ جنتیوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام

پہنچائیں گے کہ

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً تَحْتَقِقُ يَهْتَمُّ بِهٖ تَمَامَ اِنْعَامَاتِ تَهْمَارِ اَعْمَالِ كِي جَزَا كِي لِيَهٗ
 ہوئے ہیں کہ تم اس کے مستحق ہوئے ہو اس قبیل سے نہیں ہے کہ استحقاق کے بغیر صرف
 فضل کرتے ہوئے بے حساب عطا کی گئی ہو۔

وَكَانَ سَعْيُكُمْ اَوْر تہماری کوشش محبتِ الہی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ تخلق
 علائقِ دنیوی سے صبر اور اس کی راہ کے احوال اور مقامات میں مَشْكُوْرًا مقبول ہوئی کہ تم
 سے ایک کو ہزار کے ساتھ لیا گیا اور عظیم قبولیت حاصل ہوئی۔ تو یہ پیغام سنتے ہی ان کی
 سرتمیں اور زیادہ ہوں گی اور ان نعمتوں کی لذتیں کئی گنا بڑھ جائیں گی اللہ تعالیٰ ہمیں
 اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے۔

جنتی مشروبات کی تفصیل

یہاں جاننا چاہیے کہ جنت کی پینے کی چیزیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر
 کے مطابق اس تفصیل کے ساتھ ہیں کہ نہر کوثر جنت میں خاص رسالت پناہ علیٰ صاحبہا
 الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے اور اس کا ذکر سورہ کوثر میں آئے گا اور چار اور نہریں
 متعین کے لیے ہیں۔ پانی، شہد، دودھ اور شراب کی نہریں جن کا سورہ محمد (صلی اللہ علیہ
 وسلم) میں ذکر ہے اور دو چشمے مقربین میں سے خوف والوں پر جاری ہیں جن کا ذکر سورہ
 رحمن میں ہے فِيْهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ اور دو اور چشمے اصحابِ یمن میں سے خوف والوں
 کے لیے جاری ہیں ان کا ذکر بھی مذکورہ سورہ میں ہے کہ فِيْهِمَا عَيْنَانِ نَّضَّاخَتَانِ اور
 ریح مقبوم کی شراب ہے جس کا سورہ المطففين میں ابرار کے لیے وعدہ فرمایا گیا ہے اور
 تسنیم کا چشمہ جس کی ابرار کے ریح مقبوم میں آمیزش ہوگی مقربین کے لیے ہے اس کا
 ذکر بھی اسی سورہ میں ہے اور کافور کا چشمہ جو کہ اس سورہ میں عباد اللہ کے لیے مقرر ہے
 اور ابرار کو اس کی آمیزش سے ہلاتے ہیں اور اکثر مفسرین کے نزدیک جنت میں ہے
 اگرچہ دنیا میں بھی اہل کمال کو اس سے معنوی حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور زنجبیل کا بھی جسے
 سلسبیل کہتے ہیں آمیزش عباد اللہ کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس چشمے کی

اصل اہل بیت نبوی علیہم السلام اور ان کے متوسلین کے لئے ہے جو کہ مقربین احوال ہیں اور شرابِ طہور کا بھی ان کے لیے وعدہ ہے۔

اور محققین نے کہا ہے کہ وہ محض شہود کا شربت ہے جسے پینے کے بعد غیریت اور امکان کی آلودگیاں بالکل نہیں رہتیں اور اس کے بدن کے وجود کی آلائشوں کو بالکل پاک کر کے وجودِ قدسی کی سرحد تک پہنچاتا ہے اور حق یہ ہے کہ اس شراب کو چکھے بغیر اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ مصرع

ذوق اس سے کشا سی بخدا تانہ جشی

مطالب سورۃ کا خلاصہ

فائدہ: سورۃ کی ابتدا سے لے کر یہاں تک عمدہ مطالب بیان کیے گئے۔ اس وجہ سے کہ ان مطالب سے غفلت واقع نہ ہو اجمالی طور پر ان کا پتہ پھر دیا جاتا ہے۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ انسان کو عدم محض کے بعد پیدا فرمایا گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسانی افراد کو موالید ثلاثہ (حیوانات، نباتات، جمادات) کے نچوڑے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کے خلاف آدمی کی پیدائش ذمہ داری امتحان اور آزمائش کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ذمہ داری امتحان اور آزمائش کے مسئلہ میں جو کچھ ضروری تھا اسے عطا فرمایا گیا ہے بلکہ سلوک کی راہ کا پتہ اور بیان اس طرح فرمایا گیا کہ اس کا کوئی عذر باقی نہ رہا۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ انسان کے کام کا انجام دو حالتیں ہیں۔ شکر یا ناشکری۔ چھٹا مطلب یہ ہے کہ شکر ادا کرنے والے شکر کی ادائیگی کے درجات میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور قسم قسم کے کمالات رکھتے ہیں اور ان درجات والوں میں سے ہر ایک کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و مقام میں ایک حد ہے جو کہ اس کی جزا کے اندازے سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو انسانی پیدائش اور اس کے امتحان و آزمائش کے معاملہ سے منظور کمالات کا ظہور اور بیان ہے۔ ان ساتوں مطالب کو مد نظر رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک کا اکثر حصہ انہیں مطالب کی شرح اور تفصیل ہے۔

اور جب مطالب میں گہری غور و فکر کی جائے تو مبداء و معاد اور ان کے درمیان کا مقام جو کہ شریعت اور دین سے عبارت ہے کے مسائل منکشف اور ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان جنتی نعمتوں کا ذکر فرماتے جو قرآن مجید میں نازل ہوئیں اور وہ آیات لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے۔ کفار سن کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس شخص کو ناز و نعمت اور عیش پرستی کی رغبت پیدا ہو گئی ہے کہ بار بار ان لذیذ چیزوں کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کو ان وعدہ شدہ لذیذ چیزوں کی امید دلا کر (معاذ اللہ) فریب دیتا ہے اور انہیں ان کے دین و آئین سے برگشتہ کر دیتا ہے۔ آئیے تاکہ ہم اسے ان لذیذ چیزوں کی طمع دیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے دین اور آئین کو دگرگوں کرنے سے باز آئے اور اپنا مقصد پالے۔ قریشی سرداروں میں سے دو آدمی عتبہ بن ربیعہ بن عبد اللہ شمس اور ولید بن مغیرہ مخزومی اس کام کے لئے منتخب ہو کر بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر آئے اور کہنے لگے کہ ہماری آپ سے قریشی رشتہ داری ہے اور ہمارا اور آپ کا گوشت پوست اس طرح متحد ہے کہ جدائی نہیں اگر آپ کو خو برو عورتوں دنیوی نعمتوں یعنی لذیذ کھانوں، قیمتی لباسوں، مروارید چاندی اور خدمت کے لیے نو عمر خوبصورت بچوں کا شوق دل میں جاگزیں ہے جن کا آپ بار بار ذکر کرتے ہیں تو خدا را آپ بلا تکلف اشارہ فرمائیں۔

عتبہ نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے جس کے حسن و جمال کی اس شہر میں کوئی عورت نہ ہوگی میں اسے بے پناہ جہیز اور بے شمار سامان کے ساتھ آپ کے نکاح میں دیتا ہوں اور ولید نے کہا کہ آپ کو میری مال داری معلوم ہے کہ مکہ سے طائف تک تمام باغات، کھیتیاں اور مویشی میرے ہیں اور تازہ بات یہ ہے کہ میں نے مروارید کی تجارت شروع کی ہے اور غوطہ خوروں کو نوکر رکھا لیا ہے جو کہ سمندر سے قیمتی مروارید نکالتے ہیں اور میں شام اور مصر بھیجتا ہوں اور اس سے بے تحاشہ نفع کماتا ہوں میں اپنا نصف مال اور مروارید آپ کی ملک کرتا ہوں بشرطیکہ آپ بت پرستی سے نہ روکیں اور ہر محفل میں ہمارے بتوں

اور ہمارے بزرگوں کی مذمت نہ فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہو گئے کہ انہوں نے آیات قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر محمول کر کے مجھ سے کیا سوال کیا ہے؟ اگر میں انہیں جھڑکتا ہوں تو رشتے داری کا تعلق درمیان میں ہے اور اس قسم کا بڑا آدمی جو بالمشافہ اپنی لڑکی مجھے دے اگر میں قبول نہیں کرتا تو اپنا قبیلہ طعن و تشنیع کرتا ہے اور اگر قبول کرتا ہوں تو یہ شرط فاسد اور یہ جھوٹی تہمت اس کے ہمراہ ہے اسی حالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت کریمہ لائے کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا تحقیق یہ قرآن خود ہم نے آپ پر آہستہ آہستہ درجہ وار اتارا ہے تاکہ آپ کو تسلسل اور آہستگی کے ساتھ ملک و ملکوت کے حقائق پر عبور اور ذات و صفات کے حقائق آخرت کے احوال کا ملین کے درجات اور ان کی اچھی صفات پر اطلاع حاصل ہو اور آپ خود کو ان صفات کے ساتھ متحقق کریں اور وہاں جنتیوں کی لذیذ نعمتوں میں سے جو کچھ مذکور ہے ہم نے جان بوجھ کر انہیں ذکر فرمایا ہے آپ کو اس کی تبلیغ میں کوئی عار نہیں کیونکہ آپ اپنے پروردگار کا کلام پہنچا رہے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جس سے ان نعمتوں میں آپ کی طمع ثابت ہو اور بالفرض اگر یہ کفار آپ پر تہمت رکھیں۔

فَاصْبِرْ تُوَّأَىٰ ان کی جفا اور تہمتوں پر صبر کریں۔ لِيُحْكَمَ دَيْنُكُمْ لَكُمْ اپنے پروردگار کے حکم کی فرماں برداری کے لیے۔ اس لیے کہ اس میں طمع و حرص کی تہمت ہو تو بھی اپنے مالک کی فرماں برداری چاہیے۔ بیت

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں

خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اور جسے اپنے محبوب کی فرماں برداری کا ذوق حاصل ہوا اسے دشمنوں کی جفا پر صبر کرنا ضروری ہے کہ جس کے دل میں اس کا عشق جگہ پالے اسے ہزاروں کی جفا برداشت کرنا روا ہے خصوصاً اس سورۃ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے عبر کی جزائشی ہے

اور انہیں جو کچھ دنیوی تعلقات منقطع کرنے پر عطا ہوا ہے، معلوم کیا ہے تو آپ بھی صبر کریں۔

وَلَا تُطْعَمُ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُوْرًا اور ان میں سے کسی گناہ گار نا شکر کی بات تک نہ سنیں۔ کہتے ہیں کہ آثم سے مراد عتبہ ہے جو کہ فسق اور عیث کی دلدیتا تھا جبکہ کفور سے مراد ولید ہے جو کہ کفر میں انتہائی شدید تھا، بے شمار نعمتوں کے باوجود جو کہ اسے حاصل تھیں، ہرگز شکر ادا نہیں کرتا تھا۔

اور اپنے آپ سے حرص اور طمع کی تہمت دُور کرنے کے لیے ایک اور کام کریں کہ وہ تہمت بالکل زائل ہو جائے اور ان لوگوں کو پورا یقین ہو جائے کہ یہ شخص دنیا کی طرف قطعاً مائل نہیں ہے، ان لذیذ نعمتوں کا ذکر صرف تبلیغ قرآن پاک کے لیے فرماتا ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ سَبَّحْ رَبَّكَ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں خواہ نماز میں خواہ جہیل و تکبیر میں اور ذکر قلبی میں۔ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا صبح و شام اور اس سے مراد ذکر الہی پر بیچگی کرنا ہے جو کہ دل سے غیر کی محبت منقطع کرنا ہے اور علائق دنیوی کی دل سے نفی کرنے میں ایک تمیاز مجرب ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سیر و اسبق المفرحون قالوا وما المفرحون قال الذين خفف الذکر عنهم العقابهم یعنی مفرحوں کی طرح آگے بڑھو۔ عرض کی گئی کہ مفرحوں کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جن کے بوجھ ذکر کرنے ہلکے کر دیئے ہیں۔ اور اسی لیے مشائخ طریقت نے اس بات پر لعن فرمایا ہے کہ راہِ خدا کے سلوک میں جو کہ دنیوی علائق منقطع کرنے اور خطرات کی نفی کرنے پر موقوف ہے، ذکر سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ اور رات کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے حضور سجدہ کیجئے تاکہ آپ کو اس دربارِ عالی اور رب الارباب کی بارگاہ کا قرب خصوصی حاصل ہو۔ اس لیے کہ دن، ہجوم اور مصروفیت کا وقت ہے، غیبت کا حکم رکھتا ہے اور ذکر عائب ہونے کے مناسب نہیں۔ جبکہ رات خلوت اور فرصت کا وقت ہے، سلام اور تعظیم اس وقت کے مناسب ہے۔ گویا مالک کی بارگاہ میں حاضری ہے۔

وَسَبَّحَهُ لَيْلًا طَوِيلًا اور اپنے پروردگار کی طویل رات تک تسبیح کیجیے۔ مراد یہ ہے کہ نماز تہجد کے دوران ہر چار رکعت کے بعد راحت کے لیے بیٹھنا چاہیے اور اس میں تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور نماز تہجد کے بعد بھی اسی طریقے سے تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور ان تسبیحات کو لمبا کر دینا چاہیے اور جب آپ اپنے دن رات کو ان دونوں اعمال سے معمور کریں گے تو یہ لوگ خود بخود آپ کی صحبت چھوڑ جائیں گے اور آپ سے ان کی رشتے داری کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ لوگ آپ کی دوستی اور رشتے داری کے لائق نہیں ہیں اس لیے کہ قرأت اور دوستی اس لیے منظور ہوتی ہے کہ کسی با مقصد کام میں امداد کریں جبکہ ان لوگوں میں اس کام کی اہلیت ہرگز نہیں ہے۔

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَتَحْقِقَ يَهْ كَرُوهُ قَرِيْشٌ جُو كَهْ اَآءِ كَهْ قَرِيْبِيْ هِيْ اُوْر اَآءِ هِيْمِيْشَهْ اِن كَهْ دَرْمِيَان رَهْ هِيْ اُوْر اِن كَهْ سَاْتَهْ دُوْستِيْ اُوْر مَحْبَبْتِ كَهْ تَعْلُقَاتِ رَهْ هِيْ۔

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ دُنُوِيْ لَذْتُوْنَ كُوْ يَسْنَدُ كَرْتَهْ هِيْ۔ اُوْر جُوْ چِيْزِ كَسِيْ كِيْ مَحْبُوْبِ هُوْ اَسْ كَاْ چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب محبوب کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ناپسندیدہ بوجھ بھی اٹھانا پڑے جو کہ نفس کا مجاہدہ ذکر پر ہیشتگی اور شب بیداری ہے۔

وَيَنْدُوْنَ اُوْر چھوڑتے هِيْ وَرَاآءَ هُمُ اِنِّيْ پَسِ پِشْتِ ڈَالِ كَرِ يَوْمًا ثَقِيْلًا سَخْتِ وَزِنِيْ دِنِ كُوْ اُوْر اَسْ دِنِ كِيْ فِكْرِ بِالْكُلِّ نَهِيْشِ كَرْتَهْ حَالًا نَكِهْ اَسْ دِنِ كُوْ وَهْ جَتْنَا پَسِ پِشْتِ ڈَالْتَهْ هِيْ اَتَا هِيْ وَهْ اِن كَهْ پِشِ پِشِ اَتَا هِيْ۔

نَحْنُ خَلَقْنَا هُمْ هَمْ نَهْ اِنِهِيْ پِيْدَا فَرْمَا يَا هِيْ جِيْسَا كَهْ سُوْرَةُ كِيْ اِبْتِدَا مِيْشِ فَرْمَا يَا گِيَا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْسَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ پَسِ هَمْ اِن كِيْ اسْتِعْدَادِ كَهْ مَرْتَبُوْنَ كُوْ جَانْتَهْ هِيْ اُوْر يَهْ جِسْ چِيْزِ كِيْ طَرَفِ وِلِيْ مِيْلَانِ رَكْتَهْ هِيْ اُوْر اَسْ چھوڑنا ان پر دشوار ہے وہ بھی ہمیں معلوم ہے۔

وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ اُوْر هَمْ نَهْ دُنْيَا كِيْ فَاْنِيْ لَذْتُوْنَ اُوْر وَهَاں كَهْ عِيْشِ اُوْر كَامِرَانِيْ كِيْ پَسْنَدِيْدِيْ كَهْ سَاْتَهْ اِن كِيْ وَابَسْتِيْغِيْ اُوْر پَابَنْدِيْ كُوْ سَخْتِ كَرِ دِيَا هِيْ جِيْسَا كَهْ سُوْرَةُ كِيْ اِبْتِدَا مِيْشِ هَمْ نَهْ فَرْمَا يَا هِيْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلكَافِرِيْنَ سَلَابِيْلَ وَاعْغَلَالًا پَسِ اِن سَهْ دِيْنِ خِدَا وَنَدِيْ كِيْ

امداد اور آپ کی مصروفیت کو جو کہ ذکر پر ہمیشگی، شب بیداری اور مجاہدہ نفس ہے، تقویت دینے کی توقع ہرگز نہیں ہے۔

وَإِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں گے کہ آپ کے اس قبیلے سے دین کی تائید اور آپ کی مصروفیت کی تقویت اور اعانت کرائیں۔ بَدَلْنَا أَمْثَالَهُمْ ہم ان کا بدل لائیں گے اسی قبیلے سے ان لوگوں کو جو کہ حسب و نسب، عالی ہمتی، ذہانت اور زرد فہمی میں ان کی مثل ہوں گے۔

تَبْدِيلًا ظاہری طور پر بدل لانا۔ کہ جسے ہر کوئی دیکھے اور سمجھے گا۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ حضرت حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو عتبہ کا بدل لایا گیا اور آپ پہلے مہاجرین میں سے ہوئے ہیں اور زہد پر ہیزگاری، تقویٰ اور مجاہدہ نفس میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے جبکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ کا بدل لایا گیا کہ بے شمار فتوحات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ عالیہ میں بھی اور آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف من سیوف اللہ کا لقب عطا فرمایا اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کا بدل لایا گیا جو کہ ظاہر و باطن دونوں جہادوں میں بے مثل اور لاجواب تھے اور حضور علیہ السلام کو خواب میں بشارت دی گئی کہ ان کے لیے جنت میں انگور کے سچے تیار ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قبیلہ قریش سے وہ جوان پیدا کیے گئے جنہوں نے دین کا ہر کام سرانجام دیا اور وہ تلوار اور نیزے کی ضرب سے، محبت اور برہان کے بیان سے اور وعظ و نصیحت سے دوسروں کو دین اسلام کی راہ پر لائے اور انہوں نے دنیا کو ظاہر و باطن کے انوار سے منور کیا۔

اور وہ جو سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخر میں مذکور ہے کہ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اے کافرو! وہ سرکشی، کفر و عناد اور بات نہ سننے میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے اور جو مماثلت یہاں مذکور ہے اس سے مراد نسب و حسب اچھے اخلاق، دلیری، پختہ عزم اور روشن ذہن کی

مماثلت ہے جو کہ اس قبیلے کے ساتھ مخصوص تھی۔ پس ایک دوسرے کے منافی ہونے کا وہم بے جا ہے۔

إِنَّ هَذِهِ تَحْقِيقٌ يَهْدِي قُرْآنِي آيَاتٍ تَذَكِّرُكَ بِمَنْدُ وَنُصِيحَتٍ هِيَ كَمَا أَنَّ آيَاتٍ فِي قُرْبِ
الہی کے فوائد اور اس دربار عالی سے دُوری کے نقصانات ذکر کیے جاتے ہیں۔ شادی کا
کھانا اور برادری کا سلوک نہیں ہے کہ اپنے قبیلے سے ہر کسی کو اس سے حصہ دیا جائے
مند و نصیحت کی تقسیم اور ہدایت و ارشاد میں صلاحیتوں اور رغبتوں کی رعایت کی جاتی ہے۔

فَمَنْ شَاءَ تَوَجَّحَ إِلَى دُورٍ وَنَزِدِيكَ مِنْ قُرْبِي وَأَجْنِبِي مِنْ شَأْنِ
رَبِّهِ سَبِيلًا اپنے پروردگار کی طرف ایک۔ راستہ اختیار کرے کہ اس راہ سے اس دربار عالی
تک رسائی حاصل ہو جائے خواہ ابرار کا راستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کا جو کہ مقررین
ہیں۔

وَمَا تَشَاءُ وَنَ اور تم از خود اس راہ پر چلنا نہیں چاہتے۔ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ مگر اس
وقت جبکہ خدا تعالیٰ کی مشیت حاصل ہو۔ اس لیے کہ تمہاری چاہت اس کی مشیت کے
تابع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے حق میں نہیں چاہا ہے کہ اس راہ کے سلوک کی خواہش
کرے اس لیے کہ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا تَحْقِيقُ اللَّهُ تَعَالَى بِأَحْكَمِ دَانَ هِيَ۔ اگر بے
صلاحیت لوگوں کو بھی جبراً چاہتے ہوئے یہ راستہ عطا فرمائے امتحان اور آزمائش کی حکمت
دگرگوں ہو جائے اس لیے کہ مجبوری اور بے اختیاری میں امتحان اور آزمائش نہیں ہے
امتحان اور آزمائش کے لیے اختیار ضروری ہے اور اس کے باوجود اس کا رخا نے کو بے کار
نہیں چھوڑتا اور باصلاحیت لوگوں کو امدادِ غیبی سے محروم نہیں فرماتا بلکہ

يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ جَسَّهٖ چاہتا ہے اور اس راہ کے سلوک کا مستحق سمجھتا
ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ پس اسے اس راہ کے سلوک کی توفیق عطا فرماتا ہے
اور غیب سے ہر لمحہ اسے الہام اور بشارت پہنچاتا ہے تاکہ اس کی خواہش قوی ہو اور سلوک
پورا کرے اور قرب اور وصول کی حد کو پہنچ جائے۔

وَالظَّالِمِينَ اور ظالموں کو جو کہ ہدایت و ارشاد کی نعمت کا حق ضائع کرتے ہیں اور اپنے منعم کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا لَّيْمًا ان کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے تاکہ رحمت و غضب کے دونوں پروگرام انجام پذیر ہوں اور جنت اور جہنم دونوں کا رخانے آباد ہوں اور آدمی کو پیدا کرنے کا جو مقصد تھا پورا ہو۔

سورۃ مرسلات

مکی ہے اور اس کی پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

سورۃ دہر کے ساتھ رابلطے کی وجہ

اور اس سورۃ کی سورۃ دہر سے رابلطے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ دہر کی ابتدا میں کافروں کو شدید وعید فرمائی گئی ہے کہ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَاَغْلَالًا وَّسَعِيرًا اور اس کے آخر میں بھی ظالموں کے لیے دردناک عذاب کا وعدہ فرمایا گیا اس وعدے کے سچے ہونے میں کفار اور ظالم شک کرتے تھے اس لیے کہ یہ دنیا میں واقع نہیں ہوتا اور برزخ کو کوئی دیکھ کر نہیں آیا تا کہ اس سے تحقیق کی جائے۔ حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس وعدے کو قسم کے ساتھ پکا کر کے ارشاد فرمایا کہ اس کے وقوع کا وقت یوم الفصل ہے نہ کہ دنیا اور برزخ

اور اس سورۃ کے اور اس سورۃ کے مختلف مضامین بھی باہمی مناسبت اور یک جہتی رکھتے ہیں اس سورۃ کی ابتدا میں آدمی کی پیدائش اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا جبکہ اس سورۃ میں اس عبارت کے ساتھ اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ اِلْحٰ اور اس سورۃ میں ابرار اور مقربین جن کا لقب عباد اللہ ہے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا وَاَنَّ فِيهَا ظِلَالًا وَذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا جبکہ اس سورۃ میں متقین کے حق میں ارشاد ہوا کہ اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ دَعِيمٍ وَّفَوَاطِكٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ اور اس سورۃ میں قیامت کے دن کے بارے

میں ارشاد ہوا کہ **يَوْمًا عَبُوسًا قَمَطَرِيًّا - وَيَذُرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا** جبکہ اس سورۃ میں اس دن کے بارے میں یوں فرمایا گیا ہے کہ **لِإِذَا يَوْمًا أَجَلَتْ لِيَوْمِ الْفَضْلِ وَمَا آدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَضْلِ - وَهَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ - وَهَذَا يَوْمُ الْفَضْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ** پس اس سورۃ میں اس دن کے ثقل اور ترش روئی کی شرح ہے جو کہ اس سورۃ میں مجمل تھی۔ پس اس اعتبار سے یہ سورۃ شرح کا حکم رکھتی ہے جبکہ وہ سورۃ متن کا حکم رکھتی ہے اور قال اقول کی ترتیب میں متن کو شرح پر مقدم رکھتے ہیں اور متن کے کلام کے پیچھے شرح کا کلام لکھتے ہیں۔

سورۃ مرسلات کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ مرسلات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدا میں ہوا کے پانچ کاموں کی قسم اٹھائی گئی ہے کہ ان میں سے ہر کام احسان کے انتقام کے ساتھ بدلنے کا سبب ہے۔ پس بندوں کے بارے میں معاملہ الہی کے انقلاب کی دلیل ہوگی کہ پرورش رحمت اور احسان سے پھر جائے اور تخریب ہلاک کرنے انتقام لینے اور غضب کرنے میں مصروف ہو اور جس کام کو پہلے ذکر فرمایا گیا ہے اور اسے مرسلات کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ان پانچوں کاموں میں سے عوام کے فریب اور دھوکہ کھانے کا زیادہ تر باعث ہوتا ہے اور وہ اسے خیر محض سمجھتے ہیں اور اس بات کا وہ ہم ہرگز نہیں کرتے کہ یہ کام خرابی اور بُرائی پر انجام پذیر ہو۔ اور جب لوگوں کے ذہنوں میں افعال الہی کو جو کہ جہان کے ایک حال سے دوسرے حال میں متقلب ہونے کے باعث ہوتے ہیں ہواؤں کے ساتھ پوری مشابہت ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ اس گردش میں دنیا کی ہوا دیگرگوں ہے اور ٹھہریے تاکہ ہوا صاف ہو جائے اور اس وقت کی ہوا کو فلاں دیکھتا ہے تو ناچار ہواؤں کے مختلف افعال سے استدلال بہت مناسب رہا تاکہ اس سے افعال الہی کے اختلاف کا سراغ لگائیں اور وعدہ انتقام کے واقع ہونے کے منکر نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق جو کہ ہوا ہے اس قسم کی تبدیلیاں رکھتی ہے اور عمدہ انقلاب کا موجب ہوتی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اجمال کی تفصیل

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عناصر اربعہ میں سے ہوا سب سے زیادہ لطیف اور بے رنگ ہے اور اس کی کیفیتیں غالباً اس چیز کے تابع ہیں جس پر سے گزرتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہوا اسی سے اثر لیتی ہے جس پر سے گزرتی ہے۔ بدبو سے بدبو اور خوشبو سے خوشبو۔ اور یہ بھی اس کے کمال لطافت کی وجہ سے ہے۔ بخلاف آگ کے کہ اپنے نفس میں حرارت اور خشکی کی کیفیت غالب رکھتی ہے اور جلاتی اور ہلاک کرتی ہے اور مرکبات کے مزاج کو دگرگوں کر دیتی ہے اور بخلاف پانی اور مٹی کے کہ اپنی کثافت کی وجہ سے دوسری مخلوقات کی کیفیات کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان سے حرکت انتقال اور ایک مخلوق کی کیفیت دوسری مخلوق تک پہنچانا ممکن نہیں ہے اگرچہ پانی مٹی کی بہ نسبت اس امر میں کچھ برتری رکھتا ہے اور ہوا کے ساتھ مشابہت ظاہر کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہوا کی لطافت اور جلد اثر کرنا نہیں رکھتا۔ اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس عنصر کو بعض مخلوقات کی کیفیتیں بعض تک پہنچانے پر مقرر فرمایا ہے اور تین عمدہ قوتوں سمع، بصر اور شامہ کے ساتھ احساس کرنے کا آلہ اسی عنصر یعنی ہوا کو قرار دیا کیونکہ سماعت کا ادراک نہیں ہے مگر آوازیں جبکہ آوازوں کو لاحق ہونے والی کیفیات اور آواز نہیں پائی جاسکتی مگر ہوا کے تموج اور اس کے کان کے سوراخ میں پہنچنے اور اس کیفیت کو کان میں پہنچانے کے ساتھ اور بصر کا ادراک نہیں ہے مگر زیادہ قوی مذہب کے مطابق شعاع نکلنے کے ساتھ۔ جبکہ بے رنگ، لطیف عنصر کے سوا شعاع کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور یہ عنصر نہیں ہے مگر ہوا۔ اور شمع یعنی سوگنھنے کی قوت کا ادراک نہیں ہوتا مگر اس ہوا کے پہنچنے کے ساتھ جو کہ بو والی چیز کی کیفیت میں متکلیف ہو کر ناک کے اندر پہنچتی ہے اور خود کو سوگنھنے کی قوت کے متصل پہنچاتی ہے اور ٹٹولنے کے احساس میں بھی اس کی مدد بہت زیادہ ہے اس لیے کہ چیزوں کی حرارت، ٹھنڈک، رطوبت اور خشکی کو خود اٹھا کر چمڑے کے مسام میں سرایت کرتی ہے۔ پس ہوا دو وجہ کے ساتھ ٹٹولنے میں مدد کرتی ہے۔ پہلی یہ کہ ٹٹولنے والے کی جلد سے دور چیزوں کی حرارت، برودت، رطوبت اور خشکی کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر اسی عنصر

کی وجہ سے اور دوسری یہ اندرونی اعضاء کو ان کیفیات پر اطلاع نہیں ہوتی مگر مسام میں ہوا کی سرایت کرنے کے ساتھ اور اس کے علاوہ ہر زندگی والی جے کا سانس لینا اسی عنصر پر موقوف ہے اور یہ عنصر گویا روح ہوائی کی پہلی غذا ہے جس سے زندگی قائم ہے اور اسی لیے کہتے ہیں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے خشک گوشت کی اس کی سختی کے باوجود ضرورت پیدا کر دی حالانکہ لوگ اس قسم کی چیزوں کی ضرورت نہیں رکھتے اور ہوا کے سانس ذلیل کیے حالانکہ ہر سانس لینے والا اس کے سانسوں کا محتاج ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جاندار کو زمین کے نیچے دفن کر دیں یا پانی میں غوطہ دیں اس طریقے سے کہ ہوانہ پہنچے تو وہ مر جاتا ہے اور اس کا سانس ختم ہو جاتا ہے۔ پس بقائے حیات اور حواس کے ساتھ احساس کے طریقے سے ربوبیت الہی کا ظہور اسی عنصر میں ہے اور بعض مخلوقات کو بعض دوسری مخلوق کی کیفیات کے ساتھ نفع بخشنا بھی اسی عنصر کا کام ہے۔ پس یہ عنصر اپنی تاثیرات اور افعال میں قدسی غیبی تاثیرات کے ساتھ کمال مشابہت رکھتا ہے اور اس کا انقلاب افعال الہی کے انقلاب پر واضح دلیل ہے اور اسی لیے اس سورۃ کی ابتدا میں اس کے پانچ کاموں کی قسم اٹھا کر وعدہ انقلاب کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا یَجْمَعُ اَنْ هَوَاوُسْ كِی قَسْمَ هِیْ جُو كَ مَخْلُوْقِی خَدَا كِی بَهْتَرِی اَوْر نَفْعِ كِی لَیْے بَیْحِی جَاتِی هِیْ اَوْر هَوَا چَلْنِے كِی وَجْهَ سَے مَخْلُوْقِی خَدَا كِی نَفْعِ كِی وَجُوْهَاتِ اِس قَدْر ظَاہِرِیْ ہِیْ كَہ مَحْتَاجِ بَیَا نِیْہِیْ ہِیْ۔ پَہْلِی وَجْہ ہر جَا نِ دَا ر كَا سَا نْس لَی نَا اِس سَے وَا قْع ہُو تَا ہِے دُوسَرِی وَجْہ جِسْم كِے اِنْدُر و نِی حَصَّہ مِیْنِ شُھْنَدَك پَہنچَا اَوْر كَھِیْتِ كِے وَا نَہ اَوْر دَر خْت كِے مِیو ہ كَا بڑھ نَا سَبزِے كِی اَفْزَا ئِش اَوْر اُگ نَا اِس كِے طَفِیْل ہِے تِیْ سَرِی وَجْہ بَا رِش كَا آ نَا اِس كِی وَجْہ سَے ہِے چُو تھِی وَجْہ كَشْتِیوں كَا دَرِیَا ئَے شُور مِیْنِ تِجَا رَت اَوْر دُوسَرِی مَصْنَعُوتوں كِے لَیْے جَا رِی ہُو نَا اِس كِے سَا تھ مَتَعَلَق ہِے پَا نچُویں وَجْہ جُو كَا م ہُو ا چَلْنِے پَر مَوْقُوف ہِیْ اِس كِے سَا تھ صُور ت پَکڑ تَے ہِیْ۔

فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا پس ان کی قسم جو کہ چلنے میں تیز ہونے والی ہیں تیز ہونا۔ کہ ان کی وجہ سے عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے اور نیکی بدی کے ساتھ بدل جاتی ہے اور کھیتی کے دانے پڑ مردہ ہو جاتے ہیں اور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے پھلوں کو بے مزہ کرتی ہے آدمیوں کے جسموں میں ہوائیں اور بخارات کا غلبہ ہو جاتا ہے زخم از سر نو تازہ اور صدمہ گویا ابھی پہنچا، بارش بالکل معدوم کشتیوں کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا، مسافروں کو راستہ طے کرنا دشوار ہو گیا، سبزہ خشک ہو گیا، درختوں کے پتے گر گئے، ننگے بدن کی طرح بے رونق رہ گئے، ہر سبز و سرخ کا رنگ زردی اور سیاہی میں بدل گیا۔

اور چونکہ ابتدا میں ہوا کا چلنا آہستگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے نفع کی توقع ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہی ہوا طوفان بن کر خرابی کرتی ہے اس لیے فالعاصفات میں فا کا لفظ لایا گیا ہے۔ گویا نرم چلنے اور تیز چلنے کے دونوں مجموعی کاموں کی قسم فرمائی جا رہی ہے اور ایک حال کے دوسرے حال میں انقلاب کو سمجھایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہوا کے نرم چلنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ وہ ہوائیں یہ کام بھی کرتی ہیں۔

وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا اور مجھے ان ہواؤں کی قسم جو کہ منتشر کرتی ہیں منتشر کرنا۔ اور ہوا کا یہ عمدہ کام ہے کہ ہر چیز سے لطیف اجزا اٹھا کر اپنے ساتھ اڑالے جاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہے۔ گویا ہوا ہر مخلوق کے اجزاء کو لوٹنے والی ہے۔ کہ قیمتی جنس کو لوٹ کر لے جاتی ہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچاتی ہے۔ یا بمنزلہ ایک تاجر کے ہے کہ ایک ملک کا سامان خرید کر دوسرے ملک کے سپرد کرتا ہے اور اگر ہوا کا یہ کام درمیان میں نہ ہو تو کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے اجزاء سے کبھی بہرہ ور نہ ہو اور ایک دوسرے کو کیفیات منتقل نہ کریں اور کیفیات کے جمع کرنے اور جوڑنے، منتقل کرنے اور بدلنے کا پروگرام کہ جسے ہر مخلوق کے اجزاء لطیف اٹھائے ہوئے ہیں، ایجاد کا نقش حاصل نہ کر سکے۔

فَالْفَرْقَاتِ فَرَقًا پس کیفیت اور کیفیت والی چیز کے درمیان اور ایک چیز کے لطیف اور کثیف اجزاء کے درمیان فرق کرتی ہے فرق کرنا۔ اور یہی فرق اور جدائی ہے جس کی

ہے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

عُدْرًا یعنی کلامِ الہی پہنچانا یا عذر کی بناء پر ہے تاکہ اعمال کی بازپرس کے وقت اس کے پاس کوئی عذر اور سند ہو کہ میں نے یہ کام خدا تعالیٰ کے حکم کی بناء پر کیا اور یہ کام خدا تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ہے کہ کلامِ الہی میں احکام۔ امر اور نہی ہو یا اس میں صحیح اعتقادات پر مبنی ذات و صفات نبوت اور آخرت کی بحثیں ہوں۔

اَوْنُدْرًا یا ڈرانے اور خوف دلانے کی بناء پر ہے کہ کلامِ الہی میں سابقہ اُمتوں کے گزشتہ واقعات اور خبریں ہیں۔ یا قبر حشر، نشر، عمال تو لنے، پل صراط سے گزرنے، بہشتی نعمتوں اور جہنم کی ہولناکیوں کے حالات ہیں۔ کہ ان سے مقصود صرف خوف دلانا اور ڈرانا ہے اور یہاں بشارت کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا گیا کیونکہ اس سورۃ میں خطاب کافروں سے ہے اور وہ بشارت کے لائق نہیں تھے۔ نیز عذر کا لفظ دونوں چیزوں عذاب اور جنت کے درجات پانے میں کامیابی کو شامل ہے اس لیے کہ احکامِ الہی پر عمل کرنا دونوں چیزوں کی سند طلب کرتا ہے کہ قیامت کے دن اس سند کے ساتھ دونوں کو چاہے گا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ ہواؤں کی پہلی صفت جو کہ مرسلات عرفا ہوتی ہے، حقیقت میکائیلی کے شعبوں سے ایک شعبہ ہے کہ جسے جسموں کی پرورش، کھیتی باڑی کے کاموں کی اصلاح اور رزق سپرد کیے گئے ہیں۔ اور دوسری صفت جو کہ عاصفات ہے، حقیقت عزرائیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ انتظام درہم برہم کرنا، جسموں کو خراب کرنا اور آپس میں ملے ہوئے اجزا کو جدا جدا کرنا اس کا کام ہے۔ اور تیسری اور چوتھی صفت جو کہ ناشرات اور فارقات ہے حقیقت اسرافیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ صور پھونکنے کے ساتھ ارواح کو بکھیرنا تاکہ اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں اور پھر ہر مذہب، ہر ملت، ہر طریقے، ہر عادت اور ہر عمل والوں میں جدائی کا کام ان کے سپرد ہے اور دنیا میں بھی ارواح کو بکھیرنا تاکہ ماؤں کے پیٹوں میں موجود بچوں کے جسموں کے ساتھ تعلق

ہوں اور ارواح کے درمیان فرق کہ اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ اور اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ لگانا چاہیے بھی انہیں کا کام ہے۔

اور پانچویں صفت کہ **فَالْمَلَقِيَّاتِ ذِكْرًا عُدْرًا اَوْ نَذْرًا** ہے حقیقت جبریلی کے شعبوں میں سے ایک ہے کہ احکام الہی اور اس کی طرف سے خوف دلانے اور ڈرانے کے خطابات رسول علیہ السلام کے قلب مقدس تک پہنچانا تا کہ وہاں سے لوگوں کے کانوں تک پہنچیں۔ آپ کی ڈیوٹی ہے اور چونکہ یہ صفت بہت بلند مرتبہ اور اونچا مقام رکھتی ہے اس لیے اس پر فائے تعقیب لائی گئی۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ میں گزشتہ چار صفات کے بعد اس صفت کی قسم اٹھاتا ہوں۔ بخلاف اس فائے تعقیب کے جو کہ فالعاصفات اور فالفارقات میں لائی گئی اس لیے کہ وہ فَا گزشتہ فعل کے بعد فعل لانے کے لیے ہے نہ کہ قسم کے بعد قسم لانے کے لیے۔ پس اس کلام میں درحقیقت تین قسمیں مذکور ہیں اور ہر قسم دو فعلوں کے ساتھ ہے۔ پہلی قسم ہوا کے نرم چلنے اور تیز چلنے کے ساتھ اور دوسری قسم بکھیرنے اور فرق کرنے کے ساتھ جبکہ تیسری قسم عذر عطا کرنے اور ڈرانے کے ساتھ ہے لیکن تیسری قسم کو پہلی اور دوسری قسم پر فا کے ساتھ عطف دیا گیا ہے تا کہ قسم میں ترقی پر دلالت کرے جبکہ پہلی دو قسموں کے دونوں فعلوں کے درمیان بھی حرف فا کے ساتھ عطف لایا گیا تا کہ ایک فعل کے دوسرے فعل کی فرع کے طور پر آنے پر دلالت ہو اور تیسری قسم کے دونوں فعلوں کو اجمالی طور پر ایک کلمہ بنا کر حرف او کے ساتھ تقسیم فرما دیا گیا تا کہ ذکر کے ان دو قسموں میں تقسیم ہونے کا پتہ دے اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق میں اختلاف

اور ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق کے تعین میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے یعنی بعض ہواؤں پر محمول کرتے ہیں اس تفصیل کے ساتھ کہ مرسلات عرفا جسم کے لیے خوشگوار ہوائیں ہیں اور عاصفات تیز ہوائیں جو کہ جسموں کو نقصان دیتی ہیں اور کشتیوں کو غرق کر دیتی ہیں اور ناشرات، فارقات اور ملقیات بارش سے متعلق ہوائیں ہیں جو کہ

پہلے بادل کے مادہ کو فضا میں پھیلاتی ہیں اور جب بادل برس کر فارغ ہو جاتا ہے تو اسے جدا جدا کر دیتی ہے اور پھاڑ دیتی ہیں اور بارش کی وجہ سے لوگ ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کا ذکر کرنا دو میں سے ایک مقصد کے لیے ہوتا ہے یا شکر کے طور پر ہوتا ہے اگر بارش مفید ہے۔ پس یہ ذکر اس نعمت کا حق ادا کرنے میں ان کا عذر بن جاتا ہے یا ڈر اور خوف کے طور پر ہے اگر بارش نقصان دہ ہو۔

اور حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ مرسلات عرفا سے مراد ربانی محرکات اور الہامات ہیں جو کہ سالک کو نفع پہنچانے کے لیے اس کے دل پر آتے ہیں تاکہ وہ راہ خدا کا سلوک کرے اور عاصفات سے مراد جذب و کشش کی وہ ہوائیں ہیں جو کہ سالک کے دل سے ماسوی اللہ کی محبت زائل کرتی ہیں اور اس کے شوق کی شدت کا موجب ہوتی ہے اور ناشرات سے مراد وہ اشغال اور اذکار ہیں جو کہ اپنے اثرات اور انوار ذاکر و شاعل کے تمام آلات و اعضاء میں پھیلا دیتے ہیں اور فارقات سے مراد وہ واردات الہیہ ہیں جو کہ وجودنا سوتی کی فنا کا موجب ہوتے ہیں اور وجود حقیقی اور وجود مجازی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور ملقیات ذکر اسے مراد وہ علوم و معارف ہیں جن کا فیض مرتبہ بقاء حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور فیض پانے والے کو ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ محبت کے طریقے سے جو کہ عذر ہے یا خوف کے طور پر جو کہ نذر ہے۔

جبکہ واعظ کہتے ہیں کہ ان پانچ چیزوں سے مراد فرشتوں کے گروہ ہیں۔ پس مرسلات عرفا فرشتوں کا وہ گروہ ہے جسے کوئی کام سرانجام دینے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس صورت میں عرفا کا معنی کسی کام کے لیے جمع ہونا اور پے در پے آنا ہے۔ عرب کے محاورے میں کہتے ہیں جاء و اعرفا و احدا یعنی سب پے در پے آئے اور اس لفظ کی اصل عرف الفرس سے لی گئی ہے جو کہ گھوڑے کی گردن کے معنوں میں ہے اور گھوڑے کی گردن میں بال جمع ہو جاتے ہیں اور پے در پے نظر میں آتے ہیں جب ایک جماعت کسی کام کے لیے اونٹوں کی قطار کی طرح آگے پیچھے روانہ ہوتی ہے تو وہ انہیں بالوں کے مشابہہ ہوتی ہے۔ نیز عرب لوگ کسی کام پر ہجوم کے مقام پر بولتے ہیں کہ ہم علیہ کعرف

الضیغ یعنی انہوں نے اس کام پر اس طرح ہجوم کیا ہے کہ گویا بجو کے بال ہیں۔ اور عاصفات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ تندی اور تیزی کے ساتھ کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا مرسلات سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں اور عاصفات سے مراد عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو کہ کسی گھریا لشکر یا ملک کو برباد کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور ناشرات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ وحی الہام اور خدائی فیصلوں کو سننے کے لیے اپنے پر کھولے ہوئے۔ منظر کھڑے رہتے ہیں یا جہان میں اور اولیاء اور ایمان والوں کے دلوں میں رحمت الہی کے آثار یعنی انوار برکات اور اچھے الہامات بکھیرتے ہیں اور فارقات سے مراد وہی گروہ یا اور گروہ ہے جو کہ حق و باطل اور مطیع و نافرمان میں فرق کرتے ہیں یا جادو اور معجزے کے درمیان امتیاز عطا کرتے ہیں اور ملقیات ذکر سے مراد ایک اور گروہ ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کا القاء کرتے ہیں جو کہ حق والوں کے لیے عذر ہوتی ہے اور باطل پرستوں اور بد مذہبوں کے لیے خوف

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ناشرات وہ فرشتے ہیں جو کہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے جبکہ فارقات وہ فرشتے ہیں جو کہ اہل محشر کو جدا جدا کریں گے اور ہر ملت اور ہر مذہب والوں کے درمیان تفریق کریں گے۔

اور اہل قرأت یوں کہتے ہیں کہ ان تمام پانچ صفات سے مراد آیات قرآنی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نفع کے لیے پے در پے نازل ہوئی ہیں اور باطل ملتوں اور فاسد دینوں والوں پر سختی اور تیزی کرتی ہیں اور ان کے غلط اعتقادات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ ان تیز ہواؤں کی طرح جو کہ پرانی عمارتوں اور کھوکھلے درختوں کو زیر کر دیتی ہیں۔ اور استعداد والوں اور علمائے کرام کے دلوں میں ہدایت کے آثار اور حکمت کے انوار پھیلا دیتی ہیں۔ پس حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان فرق کرتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کی یاد کو ہر مرد مومن کے دل میں جگہ دیتی ہیں اور آیات قرآنی کے یہ کام یا تو عذر کے طور پر ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندے ان پر کار بند ہوں اور ان کے مطابق عمل کریں یا ڈرانے

کے طور پر ہیں اگر ان سے منہ پھیریں۔

اور واقعات بیان کرنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ ان صفات سے مراد انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں جو کہ مخلوق خدا کے نفع اور احسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اور انہوں نے مخالفت اور عداوت کرنے والوں پر سختی اور قہر فرمایا اور دعوت الی اللہ کو مخلوقات میں پھیلایا، حق و باطل کے درمیان فرق کیا اور لوگوں تک ذکر اور توحید الہی کو پہنچایا تاکہ انہیں حق تبلیغ و رسالت ادا کرنے میں عذر ہو یا گنہگاروں اور منکروں کے لیے ڈرانا ہو۔

اور مفسرین کے ایک اور گروہ نے ان پانچ صفات کو متعدد موصوفوں پر محمول کیا ہے اور پہلی صفت کو ہواؤں پر اور دوسری تین صفات کو فرشتوں پر محمول کیا اور کہتے ہیں کہ اس قسم میں ہواؤں اور فرشتوں کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لطافت بے رنگی، نظر سے پوشیدہ ہونے، تیز چلنے اور حقیقت میں لطیف ہونے کے باوجود طاقت طلب کاموں پر قادر ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں یا پہلی دو صفات کو ہواؤں پر اور تین دوسری صفات کو فرشتوں پر محمول کرتے ہیں اور کلام الہی میں عطف کا انداز اس محمول کرنے کی تائید کرتا ہے یا پہلی صفت کو ملائکہ رحمت، دوسری صفت کو ملائکہ عذاب اور تین باقی صفات کو آیات قرآنی پر محمول کرتے ہیں۔

بہر حال جب قسموں کی تاکید سے فراغت ہوئی مدعا کا ذکر فرمایا گیا۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ تَحْقِيقَ تَمَهَارِے اچھے اور بُرے کاموں پر تمہیں جس چیز کا وعدہ دیا جاتا ہے کہ جنہیں تم باقی نہ رہنے والی عارضی چیزیں جانتے ہوئے ہوا کی طرح سمجھتے ہو۔ اور نہیں جانتے کہ یہ اعمال کس اچھے اور بُرے انقلاب کا موجب ہوں گے۔

لَوَاقِعَ الْبِتِّةِ واقع ہونے والی ہے اس اچھے اور بُرے انقلاب کی طرح جس کا سبب ہوا نہیں بنتی ہیں اور کسی کے گمان میں نہیں آتا کہ ہوا کا چلنا ایک جہان کی خرابی کا موجب یا کسی کھل نفع کا سبب کیونکر ہوگا۔

فَإِذَا النُّجُومُ طُبِسَتْ پس جس وقت کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں اور وہ

روح جو کہ ستاروں کے جسموں کی مدد برتھی اور ستاروں کا نور اسی کی تاثیر سے قائم تھا، ان جسموں سے جدا ہو جائے جیسا کہ موت کے وقت روح بھری جدا ہو جاتی ہے اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے کہ إِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ اس کے بعد ستارے کے جسم اپنے مقامات سے زائل ہو کر گر پڑیں اور پراگندہ ہو جائیں اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر کی گئی کہ إِذَا الْكُوكَبُ انْتَثَرَتْ اور چونکہ اصل لغت کے مطابق لفظ نجوم میں ظہور اور طلوع سمجھا جاتا ہے اس لیے بے نور اور مکر ہونے کے مقام پر لفظ نجوم ارشاد فرمایا اور لفظ کوكب میں اصل لغت کے اعتبار سے ثابت اور پکار ہنا سمجھا جاتا ہے اس لیے پراگندہ ہونے اور گرنے کے مقام پر اسی لفظ کو اختیار فرمایا گیا تاکہ لاحق ہونے والی حالت کا گزشتہ حالت کے منافی ہونا زیادہ روشن ہو اور جب روح کو اکب ان سے جدا ہو جائے تو اس روح کا بنی آدم کے اعمال کی مثالی صورتوں کو روشن اور ظاہر کرنے کا اثر ان کے عقلی اور خیالی حواس پر غلبہ کرے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ فُرَجَّتْ اور جب آسمان میں شکاف ڈال دیئے جائیں اور دوسرے مقام پر اس حالت کے متعلق انقطاع اور تشقق کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے اور اس حالت سے پہلے آسمان کو سستی اور اجزاء کے مضبوط نہ رہنے کا عارضہ لاحق ہوگا کہ جسے سورہ حاقہ میں اس عبارت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ اور نفوس ساویہ کے ان کے جسموں کی تدبیروں سے منقطع ہونے اور ان نفوس کے بنی آدم کے نفسوں کی امداد کرنے کی وجہ سے عقلی اور خیالی حواس کئی گنا بڑھ بھی جائیں اور ترقی کریں اور انہیں گنتی شدت اور مدت میں غیر متناہی افعال کی قوت بھی حاصل ہو اور وہ ابدی جزا چکھنے کے قابل ہو جائیں۔

وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفتُ اور جس وقت پہاڑوں کو ہوا میں اڑا دیا جائے۔ اور لغت عرب میں منسف اس چیز کو کہتے ہیں جس سے غلے کو بھس، تنکوں اور ڈھول سے پاک کیا جاتا ہے اور اس علاقے کی زبان میں اسے چھاج کہتے ہیں اور پہاڑوں کے بارے میں

قرآن مجید میں چند عبارات واقع ہوئی ہیں۔ سورہ طہ میں یہی معنی ارشاد فرمایا گیا کہ
 وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا جَبَةً دَوَسَّىٰ سَوَاحِلَ الْأَرْضِ لِيُظَاهِرَ فِيهَا
 عِبَارَات ہیں اور ان عبارات کے مختلف مضامین کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو
 زلزلے کی وجہ سے زمین اور پہاڑ آپس میں ٹکرائیں کہ حُصِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ
 فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً پھر پہاڑ رنگین دھکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں جیسا کہ سورہ
 قارعہ میں ہے۔ پھر گردوغبار کی طرح معلوم ہوں کہ سورہ واقعہ میں ہے فَكَانَتْ هَبَاءً
 مُنْبَثًا پھر ہواؤں کو پہاڑوں پر مسلط کریں گے اور یہی نصف کی حالت ہے۔ اور پہاڑ اپنی
 جگہ سے اڑ جائیں گے تو جو انہیں دُور سے دیکھے گمان کرے کہ پہاڑ ہے اور جب
 نزدیک پہنچے تو جان لے کہ ان میں سختی اور اجزا کا باہم اکٹھا رہنا بالکل نہیں رہا اور بادل کی
 طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں جیسا کہ سورہ نمل میں مذکور ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا
 جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ اور سورہ تہٰم میں ہے کہ وَسَيَّرَتِ الْجِبَالَ
 فَكَانَتْ سَرَابًا پھر وہ زمین جو پہاڑوں کے نیچے ڈھکی چھپی تھی ظاہر ہو جائے جیسا کہ
 سورہ کہف میں ہے وَيَوْمَ نُسِطِرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً اور پہاڑوں پر یہ
 حالت طاری ہونے کی وجہ سے زمین کی سختی کے اجزا زمین سے جدا ہو کر بنی آدم کے
 جسموں میں پیوست ہو جائیں اور انسانی جسم ان اجزا کے ملنے کی وجہ سے حد بیان سے
 زیادہ طول و عرض اور قوت و مضبوطی پیدا کریں۔

وَإِذَا الرُّسُلُ اقْتَتَتْ اور جس وقت رسولوں کا وقت مقرر کر دیا جائے تاکہ اپنے اس
 مقررہ وقت کے مطابق سوچ بچار کر کے اپنے اہمیتوں کے ہمراہ میدانِ حشر میں حاضر
 آئیں اور حساب و وزن اعمال ظالموں سے مظلوموں کے حقوق لینا اور رسل علیہم السلام کی
 گواہی اور ان کی موجودگی میں بل صراط سے گزارنے کا کام صورت پذیر ہو اور جنہوں
 نے رسل علیہم السلام کے پیغام کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کیے تھے ان لوگوں سے
 جدا ہو جائیں جنہوں نے ان کے پیغام کا انکار کیا اور اس کے مطابق عمل نہ کیے اور جو جس
 معاملے کا مستحق ہو اسی کے مطابق جزا دی جائے اور حرف شرط جو کہ اذائے کی جزا سابق

قرینے کی وجہ سے محذوف ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں تو وہ وعدہ بھی واقع ہو جائے۔ اور اگر قیامت کے منکر پوچھیں کہ لِآتی یَوْمَ أُجِّلَتْ کہ کس دن کے لیے ان چیزوں کی تاخیر کی گئی یہ چیزیں اس وقت واقع کیوں نہیں ہوئیں تاکہ جزا کا وعدہ بھی ثابت ہو جائے اور ہمارا شک و شبہ دُور ہو جائے تو جواب میں کہنا چاہیے کہ

لِیَوْمِ الْفَصْلِ یعنی یہ چیزیں فیصلے کا دن آنے کے لیے مؤخر کی گئی ہیں اور فیصلے کا دن ایسا نہیں کہ تم اس کی تاخیر کو آسانی سے دریافت کر سکو جیسا کہ سورہ تساءل میں اس دن کی تاخیر کی بعض وجوہ آتی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ

وَمَا آدْرَاكَ مَا یَوْمَ الْفَصْلِ تو کیا جانے کہ روز فصل کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔ اور اگر غیب سے اسے بیان کیا جائے تو اس کا بیان نہیں ہوگا مگر انہیں عظیم حادثوں کے سانہ جو کہ اس میں واقع ہوں گے۔ پس یہ کہیں گے کہ ان حادثوں کو اس دن پر کیوں موقوف رکھا گیا ہے۔ پس زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اس دن سے ڈرایا جائے اور کہا جائے کہ

وَيَلْ یَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ اس دن انکار کرنے والوں کے لیے سخت مصیبت ہے۔ یہاں جاننا چاہیے کہ قیامت آنے کے منکروں کو اس واقعہ کے رونما ہونے کے وقت دس وجوہ سے سختی درپیش ہوگی۔ پہلی وجہ یہ کہ جس چیز کی انہیں توقع نہ تھی اچانک واقع ہو جائے اس کے واقع ہونے کی وجہ سے مدہوش اور متحیر ہو جائیں اور یہی وہ سختی ہے جو کہ آئندہ واقعہ کے ہر منکر کو اس کے واقع ہونے کے وقت لازم ہوتی ہے اور اس آیت میں مذکور سخت مصیبت سے مراد یہی سختی ہے اور اس کے بعد نو دوسری سختیاں جو کہ خاص قیامت کے منکروں کو درپیش ہوں گی اس سورہ کے باقی حصے میں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان سختیوں کے اسباب کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ پس اس سورہ میں اس آیت کے تکرار کو صرف تاکید کے لیے سمجھنا غور و فکر کی کوتاہی ہے۔ پس سختی کی دوسری تیسری اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے جہل مرکب اور اپنے خوشنما جھوٹے مقدمات کے فاسد ہونے پر جن کی وجہ سے قیامت آنے سے انکار میں پوری ضد کرتے تھے اچانک مطلع ہوں گے

اور اپنی سمجھ کی کوتاہی اور غلط فہمی پر آگاہ ہوں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ ہمیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے عقائد پر قطعاً یقین نہ تھا، ہم اس کی قدرت اور تاثیر سے بے خبر رہے۔ پس اس سختی کی دوسری وجہ یہ ہوگی کہ انہیں دنیا میں اتنی کثیر مخلوق سے بدلہ لینے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا پتہ نہ چلا اور وہ کہتے تھے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام یوم الفصل کو نوع انسانی کی پورے طور پر ہلاک کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں اور یہ بات کسی کی عقل میں نہیں آتی کہ تمام نوع انسانی ایک وقت میں فنا ہو جائے اور عام ہلاکت رونما ہو۔ اس لیے کہ جو حادثہ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے اس سے بعض افراد قوت بازو یا مکان کی حفاظت یا تدبیر و حیلے کے زور سے بچ جاتے ہیں۔ اور دنیا میں ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ سب کے سب ایک حادثے میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس شبہ کے جواب میں ایک مثال بیان فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اس بات کو سمجھنا اور اس شبہ کو دور کرنا تم پر بہت آسان ہے اس لیے کہ ایک شخص اور ہزار شخصوں کو ہلاک کرنا برابر ہے۔ جب مختلف اوقات میں لاکھوں کروڑوں کا مرنا مشاہدے میں آتا ہے تو قیاس کر لو کہ ایک وقت میں تمام نوع انسانی کی روح سلب ہو سکتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے مَا خَلَقُكُمْ وَلَا بَعَثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ اور اگر وہ مختلف اوقات میں لاکھوں ہزاروں کے ہلاک ہونے میں بھی تردد کریں تو ہم کہتے ہیں

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک سب کی روح سلب کی گئی ہے۔

ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وقت میں مر کر جا رہے ہیں اور جب مختلف اوقات میں اتنی کثیر تعداد کی ہلاکت ثابت ہوگئی تو ثابت ہوا کہ

كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ہم پہلی دفعہ صور پھونکنے کے وقت گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح سلوک کریں گے کہ سب کی ایک ہی وقت میں روح سلب ہو جائے گی۔

اور اس وقت سے پہلے جبکہ تمام نوع انسانی کی ایک ہی وقت میں روح سلب نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور بعض گناہ گاروں کی پشت میں نیک نسل ہوتی ہے اور ان سے معرفت اور عبادت کی توقع ہوتی ہے جبکہ اس وقت جبکہ سب گناہ گار ہوں گے اور اس وقت سے چالیس سال پہلے بانجھ پن کی وجہ سے جو کہ بنی آدم کو لاحق ہوگا، نسل کے جاری ہونے کی امید بھی نہیں رہے گی۔ پس سب کے سب ہلاک کرنے کے لائق ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں یہ بات وارد ہے کہ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ أَحَدٌ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ یعنی اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زمین میں ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی ہے۔

وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ اس روز منکروں کے لیے سخت مصیبت ہے کہ اپنے عقیدہ کے غلط ہونے پر اپنے اس شبہ کے باطل ہونے کی وجہ سے جس کا دنیا میں معمولی غور و فکر سے ازالہ ہو سکتا تھا اور انہوں نے نہ کیا، مطلع ہوں گے اور حسرت کے ساتھ ہاتھ کانٹیں گے اور اس دن کی سختی کی تیسری وجہ یہ ہوگی کہ کفار دنیا میں مردوں کو زندہ کرنے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا عقیدہ نہیں اپناتے اور یقین نہیں کرتے تو گویا وہ اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی دائمی ربوبیت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے آخرت کے انتقام کو دنیا کے انتقام پر قیاس کر کے ثابت کیا لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے دنیا میں انتقام زندوں سے ممکن ہے کہ انہیں درد اور عذاب پہنچائیں اور ہلاک کر دیں جبکہ مردے سے انتقام اس میں زندگی لوٹائے بغیر ممکن نہیں ہے اور زندگی کے لیے شرط ہے کہ زندگی قبول کرنے کا مادہ ہو پتھر اور لکڑی کو زندہ نہیں کیا جا سکتا اور مردوں کے بدن یوم فصل آنے تک بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر زندگی قبول کرنے سے مکمل دُور ہو چکے ہوں گے، ان میں زندگی لوٹانا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے عقیدہ کے بارے میں ان کی غلط فہمی اور غور و فکر کی کوتاہی پر آگاہ کر کے اس حقیقت کا پتہ دیا کہ یوم فصل میں اس عقیدہ کے غلط ہونے اور اس شبہ کے کمزور ہونے پر بھی مطلع ہو جاؤ گے اس لیے کہ تم اپنی تخلیق کی ابتدا کو جانتے ہو کہ گندی بدبودار چیز سے ہوئی ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ کیا ہم نے تمہیں حقیر بد حال پانی سے پیدا نہیں فرمایا؟ اور وہ ایک نطفہ ہے جو کہ پیشاب کی راہ سے باہر آتا ہے اور اس سے آلودہ ہونے کی وجہ سے کپڑا اور جسم ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو مشام میں خلل ڈال دیتی ہے اور وہ اس قدر بد حال ہو چکا ہے کہ ہضم کے تمام درجے طے کر کے آخری ہضم کا فضلہ ہو چکا اور طبیعت نے اپنے خالق کے حکم سے اسے ہر عضو سے کھینچ کر گردوں اور کپوروں کے راستے سے عضو مخصوص کے سوراخ سے باہر پھینک دیا اور اسے بدن کو غذا دینے کے قابل نہ پاتے ہوئے اس سے لاپرواہی اختیار کی۔ جیسے بول و براز۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس میں زندگی قبول کرنے کی کچھ استعداد بھی ہوتی تو طبیعت اسے پھینکنے میں بخل کرتی جیسا کہ خون میں بلکہ دوسری اخلاط میں بھی کرتی ہے کہ انہیں اس حقارت کے ساتھ ہرگز نہیں پھینکتی۔

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَدَرٍ مَّكِينٍ پس ہم نے اپنی کمال مہربانی سے اس بے کار پانی کو محفوظ قرار گاہ میں جو کہ مکانیت کے قابل ہے رکھا جو کہ ماں کا بچہ دان ہے اور عرب کی زبان میں اسے رحم کہتے ہیں اور وہ ایسا پٹھوں والا عضو ہے جس کی لمبائی حمل سے خالی ہونے کے وقت رحم والی عورت کی بارہ انگلیوں کی قدر ہوتی ہے۔ اس کی دُم معدے کے ساتھ متصل ہو کر مٹانے کے نیچے سیدھی آنت کے اوپر ہوتی ہے۔ اور اس میں اگر اتفاق ہو جائے دو جڑواں بچوں کی ولادت کے لیے دو خانے بنائے گئے ہیں اور اس کا ہر خانہ ناف کی طرف پستان تک ایک سوراخ رکھتا ہے کہ بچے کی غذا کے لیے خون اور حیض اسی راہ سے آتا ہے۔ اور جب اس میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو کھل جاتا ہے اور طول و عرض بچے کے اندازے کے مطابق بڑھتا ہے۔ اور اس عضو کو پشت کے ساتھ طنابوں کے ذریعے باندھ کر مضبوط کر دیا گیا ہے اور انہیں طنابوں کی وجہ سے باہر آنے کے وقت بچے کو پیٹ سے کھینچا جاتا ہے اور اس کا منہ شرم گاہ کے سوراخ کے متصل ہے اور جماع کے وقت اس میں مرد کا آلہ تناسل داخل ہوتا ہے اور ہم نطفے کی اس قسم کے محفوظ مکان میں حفاظت کرتے ہیں جو کہ مضبوط طنابوں سے باندھا گیا جو کہ پیٹ کے اندر واقع ہے جو کہ

شہر کے درمیان محفوظ محلے ہر طرف سے بند کوچے میں واقع مضبوط حویلی کی طرح ہے۔
إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ مدت معین تک جو کہ غالباً نو ماہ ہوتی ہے اور کبھی کبھی کم و بیش بھی
ہوتی ہے۔

فَقَدَرْنَا پس ہم نے اس مدت میں ہر چیز کا اندازہ کیا جو کہ شرائط و لوازمات میں
سے زندگی کے فیضان اور اس کے کمال میں مطلوب تھی۔

فَنِعْمَ الْقَائِدُونَ پس ہم اچھا اندازہ کرنے والے ہیں اس لیے کہ اس مدت میں
ضروریات میں سے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی اور زائد اور فالتو چیزوں میں سے کوئی شے بھی
پیدا نہیں ہوتی۔ بخلاف دوسرے اندازہ کرنے والوں کے جو کہ کسی اہم شے کو لانے کے
وقت بعض ضروریات کو فوت کر دیتے ہیں اور بعض زائد چیزوں کو درج کر دیتے ہیں اور
اسی لیے جب وہ کام سے فارغ ہوتے ہیں تو اندازے والی شے اور فی الواقع موجود
صورت میں بہت فرق ظاہر ہوتا ہے اور وہ جمع اور خرچ میں تغیر و تبدل کے محتاج ہوتے
ہیں۔

رحم مادر میں بچے کی تخلیق کا تفصیلی بیان

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب بچہ دان معتدل منی پر مشتمل ہو جاتا ہے تو اس کا
منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوتی تاکہ منی کو خراب نہ کرے۔ پس
منی میں سے وہ جو اس کی سطح کو چھوتی ہے اسے تنگ کھال کی طرح جسے عربی میں غشاء اور
ہندی میں جھلی کہتے ہیں کر دیا جاتا ہے تاکہ اس میں شریانیں داخل ہو سکیں اور اس داخل
ہونے کی وجہ سے خون پہنچانا آسان ہو اور اس جھلی کو عرب لوگ مشیمہ کہتے ہیں اور ہندی
جیہر کہتے ہیں اور اس پردے کے اندر ناف سے مٹانے تک فضلات کو دور کرنے کے لیے
ایک اور پردہ تن دیا جاتا ہے اور اس پردے کے اندر رطوبتوں کی حفاظت کے لیے تیسرا
پردہ ہوتا ہے اور ظلماتِ ثلاثہ جو کہ سورہ زمر میں واقع ہوئیں سے مراد یہی ہے اور وہ جو منی کا
خلاصہ ہوتا ہے بچہ دان کے ان گڑھوں میں چمٹ جاتا ہے جو کہ اس کے منہ کے ساتھ
ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ جمننا شروع ہو جاتا ہے اور اس جمننے کے ساتھ مقام کی حرارت

کی وجہ سے قدرے جوش بھی مارتا ہے اور اس سے ایک جھاگ نکلتی ہے جو کہ اس کے درمیان میں قرار پکڑتی ہے اور وہ دل ہے اور اس جھاگ کا ظاہر ہونا منی واقع ہونے کے تیسرے دن ہوتا ہے اور چوتھے روز اس کے اوپر ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے جو کہ دماغ ہے پھر چھٹے دن اس نقطے کی دائیں جانب جس نے درمیان میں قرار حاصل کیا تھا، ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جگہ ہے اور غالب طور پر اس مدت میں ایک ہفتہ لگ جاتا ہے۔ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں۔

اس ہفتے کے گزرنے کے بعد اس میں رگوں کے ریشے کھنچ جاتے ہیں اور یہ کام غالباً منی کے واقع ہونے کے دسویں دن ہوتا ہے اور اس وقت منی کا رنگ سرخی پیدا کرتا ہے جب پندرہواں دن ہوتا ہے سرخی شدت اختیار کر جاتی ہے اور اس وقت منی کو علقہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ سب کی سب سرخ ہو گئی۔ سوائے پہلے ذکر کیے گئے تین پردوں کے جو کہ اس سے باہر ہے اور اسی لیے محقق طبیبوں نے کہا ہے کہ یہ تینوں مذکورہ پردے خاص کر عورت کی منی سے ہوتے ہیں نہ کہ مرد کی منی سے اور جب ستائیسواں دن آتا ہے وہ منجمد خون جسے علقہ کہتے ہیں سخت ہونے لگتا ہے اور دونوں کندھوں سے دماغ جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضاء ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اکتالیسویں دن اس میں مختلف اعضاء کی شکلیں نمودار ہوتی ہیں اور اس وقت اعضاء ریشہ سے خدمت کرنے والے اعضاء اُگتے ہیں اور شریانیں پیدا ہوتی ہیں اور مذکورہ پردوں میں سے ہوتی ہوئی رحم کی شریانوں کے ساتھ چسپاں ہو جاتی ہیں۔

اور پینسٹھ (۶۵) دن گزرنے کے بعد اعضاء خون سے غذا لینا شروع کرتے ہیں اور دموی اعضاء جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونے لگتے ہیں اور اس کی وریدیں ماں کی وریدوں کے ساتھ چمٹ کر ایک ہی ہو جاتی ہیں خون چوستی ہیں یہاں تک کہ تہتر (۷۳) دن گزرنے کے بعد اس کا سارا بدن گوشت اور کھال کا لباس پیدا کرتا ہے اس کا منہ ماں کی پشت کی طرف ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں زانوؤں پر دونوں پاؤں اس کی دونوں جانب اور سر دونوں پاؤں کے درمیان جھکا کر بیٹھتا ہے اور جتنا بڑھتا ہے بچہ دان

اسی قدر کھلتی ہے اور حرارت اور طبعی روح اس میں منی کے واقع ہونے سے انیسویں (۱۹) دن تک نشوونما کا کام کرنے میں مشغول ہوتی ہے اور وقوع منی سے نوے (۹۰) دن گزرنے کے بعد اس میں حیوانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پس پہلے مہینے میں معدن یعنی کان کا حکم رکھتا تھا کہ بالکل حرکت نہیں کرتا تھا اور دوسرے مہینے میں اُگنے والی گھاس کی طرح تھا کہ ارادے کے بغیر حرکت کر کے اس سے غذا لینا ظہور پذیر ہوتا تھا تیسرے مہینے میں حیوان کا حکم پیدا کیا اور جب سو دن گزرتے ہیں اس کی حیوانی قوت دماغ میں پہنچتی ہے اور اس میں کمزور حرکت ارادی پیدا ہوتی ہے اس نحیف و کمزور آدمی کی طرح جو کہ بالکل قوت نہیں رکھتا اور ایک سو دس دن کے بعد اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ نیند اور بے داری کے درمیان ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد کامل حیوانی قوت پیدا کرتا ہے اور وہ جو حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چلے گزرنے کے بعد پیٹ کے اندر بچے میں روح پھونکی جاتی ہے اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد اس میں روح حیوانی پھونکی جاتی ہے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور اس سے پہلے وہ حیوانات میں سے ایک حیوان تھا۔

اور جب اس حد سے آگے بڑھتا ہے تو اس کی حرکت پیٹ کے باہر سے اس میں محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ساتویں مہینے میں اس کے اعضاء مسلسل حرکت کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں اور قوت پکڑتے ہیں گویا اس مدت تک ورزش اور محنت کرائی جاتی ہے۔ پس وہ تینوں پردوں کو ترتیب کے ساتھ پھاڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ نیز اپنی رگوں کو اپنی ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قدرت بھی حاصل کرتا ہے چاہتا ہے کہ اس تنگ مکان سے باہر آئے یہاں تک کہ نویں مہینے میں باہر آ جاتا ہے۔

تخلیق انسانی کے تدریجی مراحل کے متعلق نجومیوں کی تحقیق

اور اہل نجوم کہتے ہیں کہ جب تک نطفہ جمع شدہ پانی کی صورت میں ہوتا ہے زحل اور مشتری کی تربیت میں ہوتا ہے۔ پس زحل کی ٹھنڈک اور مشتری کی رطوبت کام کرتی ہے اور جب خون کارنگ اختیار کرتا ہے اس پر مریخ مسلط ہو جاتا ہے اور یہ تینوں ستارے

لمبی گردش والے ہیں اس کے بعد قریبی گردش والے ستارے اس کی تربیت کرتے ہیں جو کہ شمس، زہرہ اور عطارد ہیں اور جب روح پھونک دی جاتی ہے تو قمر کے احاطے میں آ جاتا ہے اس کے بعد پھر زحل کی تربیت میں آتا ہے اس لیے کہ نواں حرکت و نقل کا مقام ہے۔

اور یہ جو معین مقدار بیان کی گئی ہے اس صورت میں ہے کہ دوسری خصوصیات جیسے والدین کے مزاج کی گرمی یا منی کی حرارت یا بہار کا زمانہ اور موسم گرما اور بلد جنوبی یا ان خصوصیات کی ضدیں لاحق نہ ہوں ورنہ ان خصوصیات کی وجہ سے رحم میں رہنے کی مقدار کم و بیش ہو جاتی ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ فعل و تاثیر میں ٹھنڈک کی بہ نسبت حرارت زیادہ قوی ہوتی ہے جبکہ رطوبت متاثر ہونے اور اثر قبول کرنے میں یوست سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس اگر والدین جوانی اور گرم مزاجی کی عمر میں ہوں اور منی بھی شہد اور اس قسم کی چیزوں سے پیدا ہوئی اور حمل قرار پانے کا وقت گرم اور ملک بھی گرم ہو تو حرارت اور یوست کی رفتار بھی کمال کے ساتھ ہوگی جبکہ اس کے عکس میں ٹھنڈک اور رطوبت اور ان چار کیفیات میں سے دو کیفیتوں کے جمع ہونے کے مطابق حمل کی مدت جدا جدا ہو جاتی ہے لیکن چھ ماہ سے کم اور روایتوں کے اختلاف کے مطابق دو سال یا چار سال سے زیادہ واقع نہیں ہوتی۔

اور جب نطفے کو زندہ کرنا معلوم ہے جو کہ تعفن، بدبو، حقارت اور کچھ نہ ہونے میں مردوں کے جسموں اور ہڈیوں سے کم نہ تھا اور رحم میں طویل مدت تک رہنے کے بعد جیسا کہ مردے طویل مدت تک زمین میں رہتے ہیں، قسم قسم کے اندازوں کے ساتھ اس درجہ کامل اور پورا ہوا۔ پس زمین میں مدت دراز گزرنے کے بعد مردوں کی ہڈیوں اور اجزا کو زندہ کرنا کیوں بعید سمجھا جائے اور جب زندہ کرنا واقع ہوگا تو

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ
 اس روز اس قدرت کے منکروں کے حال پر افسوس سے
 باوجودیکہ اس قدرت کا اثر ہر روز اور ہر رات آدمیوں کے پیدا ہونے میں دیکھتے ہیں اور
 ہوش نہیں کرتے۔

منکروں پر اس دن کی سختی کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کو اپنے مشہور و متعارف اسباب کا پابند سمجھتے ہیں اور اسے اپنی طرح اسباب اور آلات کا پابند سمجھتے ہیں۔ گویا اسباب کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اکیلے اللہ تعالیٰ کو اسباب کے بغیر تاثیر میں عاجز شمار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ماں کے شکم میں آدمی کو پیدا کرنا رحم کی خاصیت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر نطفہ زمین پر ڈالیں تو اس نطفے سے آدمی کی پیدائش کس طرح صورت پکڑے گی؟ حق تعالیٰ ان کے اس عقیدے کو بھی باطل فرماتا ہے اور جتلاتا ہے کہ یوم فصل میں اپنے اس عقیدے پر بھی بڑی حسرت کا اظہار کریں گے اور اپنی غلط فہمی کو پہچان لیں گے کہ ہم نے دنیا میں غور و فکر نہ کی اور یہ نہ سمجھا کہ زمین بھی رحم کی مانند ہے۔

اللَّهُ نَجْعَلُ الْأَرْضَ كِفَاتًا. کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے اور فراہم کرنے والی نہ بنایا۔

أَحْيَاءَ بے شمار زندوں کو جو کہ حشرات الارض ہیں اور ماں کے رحم کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ وَأَمْوَآتًا اور بے شمار جمادات کو جو کہ خوش رنگی بناؤ سنگھار کے حسن اور قابل تعریف و رغبت کیفیات میں زندوں سے کم نہیں ہیں جیسے یا قوت الماس زبرجد نمک کی قسمیں اور دوسری معدنیات جو کہ تاثیر میں نباتات اور حیوانات سے بہتر ہیں تو جب زمین کی تربیت میں اس قسم کی چیزوں کو دیکھا گیا تو مردے کی ہڈیوں کی تربیت میں کیا امر محال رہا۔

اور اگر کہیں کہ زمین اگرچہ زندوں اور مردوں کی تربیت کرتی ہے لیکن انسانوں کی ولادت تربیت کے ساتھ متصور نہیں ہے۔ ہاں اس میں حشرات اور معدنیات پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ انسانی جسم انتہائی مختلف اجزا سے مرکب ہے ان میں سے بعض انتہائی سخت ہیں جیسے ہڈی اور ان میں سے بعض انتہائی لطیف اور رقیق ہیں جیسے ہوائی روح اور بعض منجمد اور جمے ہوئے جیسے اعضاء اور بعض ہنپے والے اور جاری جیسے اخلاط اور فضلات زمین کی بے شعور طبیعت سے ہم اس قسم کی مختلف اور رنگارنگ صورتوں کا یقین کیسے کریں

تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں بے شعوری کے باوجود زمین یہ رنگ رکھتی ہے اس لیے کہ رحم اور زمین دونوں بے شعور ہیں اور افعال کی رنگینیاں ہمارے ارادے سے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ اور ہم نے زمین میں نہایت اونچے پہاڑ بنائے جن کی مضبوطی اور اونچائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور ہم نے پہاڑوں کے نیچے سے نہریں اور چشمے جاری کیے۔

وَأَسْقَيْنَاكُم مَّاءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں پہاڑ کے دامن سے میٹھا پانی پلایا جو کہ تشنگی کو دور کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زمین میں اس قسم کے سخت اور اس حد تک لطیف اجزا کی تربیت ممکن ہے اور جب یہ امر واقع ہوگا۔

وَيَلُؤْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ اس دن منکرین کے حال پر افسوس ہے جو کہ زمین میں انسان کے زندہ ہونے کا انکار کرتے اور نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے زمین میں اجزائے لطیفہ اور اجزائے کثیفہ دونوں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک زمین کی طبیعت کی خاصیت کی وجہ سے جدا صورت اختیار کرتا ہے تو کیا بعید ہے کہ مردوں کے بعض اجزا زمین میں نطفہ ہونے کی استعداد پیدا کریں اور بعض لطیف ہو کر روح ہو جائیں اور بعض کثیف اور غلیظ ہو کر اعضاء ہڈیوں پٹھوں اور نرم ہڈیوں کی شکل اختیار کریں اور روح پھونکنا اور روح مجردہ کے جسموں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا باعث ہو جائے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پھونکنا

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی پانچویں وجہ یہ ہوگی کہ جب اس دن سورج کو قریب لایا جائے گا اور دوزخ کی آگ کی گرمی اور اٹھنے والی بھاپ اس کے ساتھ مل کر میدان قیامت کو شعلوں اور دھوئیں سے بھرے ہوئے تنور کی مانند کر دے گی اور لوگ سایہ کی تلاش میں دائیں بائیں دوڑیں گے اور کہیں سایہ نہ پائیں گے کہ ایک لحظہ کے لیے ستائیں اللہ تعالیٰ کامل ایمان والوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جبکہ کفار کو عذاب کے فرشتے آگ کی گرزوں اور خوف ناک شکلوں کے ساتھ نمودار ہو کر کہیں گے

انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ اس چیز کی طرف چلو جس کا تم انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ چیز ہرگز واقع ہونے والی نہیں۔ اور وہ چیز نیکیوں اور بُروں کے درمیان امتیازِ جدائی، علیحدگی اور فرق کرنا ہے۔ اور پہلی چیز جو اس دن ان دونوں گروہوں کے درمیان امتیاز کے طور پر واقع ہوئی یہی ہے کہ نیکیوں کا سایہ اتنا لطف رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں رب العالمین کا قرب نصیب ہوا اور تمہارا سایہ یہ بد مزگی رکھتا ہے کہ تم دیکھو گے۔

انْطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعْبٍ تَمِّنِ شَاخُونَ وَالسَّائِءِ فِي طَرَفِ چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔

قنادہ اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ کافروں اور بدکاروں کے سائے کے لیے جہنم سے ایک دھواں اٹھے گا جو کہ ہر ایک کو تین طرفوں سے گھیر لے گا اس کا ایک حصہ سائبان کی طرح سر پر کھڑا ہو جائے گا دوسرا حصہ دائیں طرف سے ہوگا اور تیسرا حصہ بائیں طرف سے اور وہ اسی سائے میں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے حساب سے فراغت ہو اور ایمان والے نیک لوگ عرش کے سائے میں کھڑے ہوں گے۔

حکمائے اسلام کے محققین نے فرمایا ہے کہ آگ کے دھوئیں کا یہ سایہ ان کے اعمال کی تاریکی کی طرح ہوگا کہ ان کے نفس نے انہیں ان تین سمتوں سے گھیرا ڈالا تھا۔ شیطانی قوت کی تاریکی جو کہ وہم سے آلودہ عقل سے عبارت ہے اور اس کے پیدا ہونے کا مقام دماغ ہے جو کہ بدن کے اوپر کی جانب میں ہے اور صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کے نزدیک قوتِ غصبیہ اور شہویہ دونوں قلب میں ہیں لیکن قوتِ غصبیہ دل کی دائیں سمت اور قوتِ شہویہ اس کی بائیں سمت متعلق ہوتی ہے اسی وجہ سے جو دھواں کہ غصبیہ تاریکی سے اٹھا ہوگا بدن کی دائیں جانب ہوگا اور جو دھواں کہ شہوت اور حرص کی تاریکی سے اٹھا ہوگا بدن کی بائیں جانب ہوگا۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ ذی ثلثِ شعب کا معنی یہ ہے کہ اس دھوئیں کی میں سفستیں ہیں ان میں سے ایک لاطلیل دوسری لایغنی من اللهب اور تیسری انہا

ترہمی بشر کا قصر ہے لیکن اس صورت میں ان کی ضمیر کی تانیث باوجودیکہ اس کا مرجع ظل ہے اور وہ مذکر ہے توجیہ طلب رہ جاتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ جب ظل کو ذی ثلث شعب کے ساتھ موصوف کیا گیا اور اس میں اس کی صفات اور اس کے شعبوں پر نظر کرتے ہوئے جمع ہونے کا معنی پیدا ہو گیا تو معنی پر نظر کرتے ہوئے اسے مؤنث لایا گیا کیونکہ ہر جمع مؤنث ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی ضمیر شعب کی طرف لوٹی ہے نہ کہ ظل کی طرف جب ظل کے حال کا ذکر ہوا کہ وہ راحت بخشے گا نہ آگ کے شعلوں کو دور کرے گا تو اس کی علت بیان کرنے کے مقام میں ترقی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس کے تینوں شعبے اس قسم کے شعلے پھینکیں گے تو اس ظل سے نفع کی کس طرح توقع کی جاسکتی ہے۔ بہر صورت اس دن کافروں کا سایہ ایمان والوں کے سائے کے خلاف ہوگا کہ

لَا ظِلِّيلٌ وَهٖ سَوِيحُ السَّيْرِ كَوْرُو كُنَّ وَاللَّانَ هُوَ عَرَبٌ كَبْتِ هِي ظِلُّ ظَلِيلٍ يَعْنِي سَائِءَ كَابْجُومِ هِي اُوْر اِس مِل سُوْر اَخ نَبِيْس هِي جِن سِ سُوْر جِ كِي شَعَائِيْس پَهِنْجِيْس اُوْر سَائِءِ كِ قَائِدِ هِي كِي كَرِيْس۔

وَلَا يُغْنِي مِنَ النَّهَبِ اُوْر آگ کے شعلوں یا تشنگی کی وجہ سے اندرونی جلن میں سے کچھ بھی دور نہیں کرے گا۔ اور سائے کے یہی دو فائدے ہیں اور جب اس سائے میں یہ دونوں فائدے نہیں ہیں۔ گویا سایہ ہی نہیں بلکہ جہنم کی آگ کا ڈھواں ہے جو کہ دور سے سائبان اور بادل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لیے کہ

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرِّ تَحْتِقِ اِس دُوْر خِ سِ بَهِت بُوْر بُوْر شَعْلِ اُزْتِ هِي كِ اِن مِل سِ هِر شَعْلِ طُوْلٍ وِعْرَضِ مِل كَالْقَصْرِ بَادِشَاهُوْنَ كِ مَحَلَاتِ اُوْر رِيْسُوْنَ كِ اِيَوَانُوْنَ كِي طَرَحِ هِي كِ دُنْيَا مِل بَهِتْرِيْنَ سَايِ اَنْهِيْس كَاتْهَا اُوْر كِفَارِ هُوَا كَرْمِ هُوْنِ كِ وَقْتِ اِن مَحَلَاتِ اُوْر اِيَوَانُوْنَ كِي آرْزُو كَرْتِ تَمَّ اِس وَقْتِ اِن كِي وَهْ آرْزُو اِس صُوْرْتِ مِل نَمُوْدَارِ هُوِيْ اُوْر رَنُكٌ جَلِدِ چَلْنِ اُوْر پِے دَر پِے آ نِے مِل

كَانَتْهُ كُوْيَا كِه وَهْ چَنكَارِي جِمَالَةً صَفْرَ زَرْدِ رَنُكِ كِ اُوْتُوْوَ كِي قَطَارِ هِي كِه جُو كِه پِے

درپے جا رہے ہیں اور کفار دنیا میں جب جنگل اور سفر میں جلتے تھے تو آرزو کرتے کہ کاش ہم بھی بادشاہوں اور رئیسوں کی طرح مسہریاں اور بڑے بڑے سائبان اونٹوں پر لا کر اپنے ہمراہ رکھتے تاکہ جہاں بھی ڈیرہ جمائیں، وافر سایہ موجود ہو جیسا کہ کہا گیا ہے صاحب نعمت پہاڑ، جنگل اور بیابان میں بھی مسافر نہیں، جہاں بھی پہنچا خیمہ گاڑا اور دربار بنا لیا۔

اور ان کی یہ آرزو بھی اس روز اس شکل میں رونما ہوگی۔ اور ان کے لیے اس دھوئیں میں سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ مہیا ہوگا اور جمال جمل کی جمع ہے اور تا کو جمع کے معنوں کی تاکید کے لیے استعمال کرتے ہیں اور جمالہ کہتے ہیں جیسا کہ حجارہ میں جو کہ حجر کی جمع ہے، بھی تا زیادہ کی گئی ہے اور چونکہ روز فصل میں پہلے ہی تفریق اور تمیز ہوگی اور جس چیز کا اس دن میں وعدہ کیا گیا تھا واقع اور ظاہر ہونے لگے گی۔

وَيَلِّقُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ اس روز منکروں کے حال پر افسوس ہوگا اس لیے کہ پہلے تو یہ دکھ اور تکلیف برداشت کریں گے اور دوسرے اس بات کا سراغ لگائیں گے کہ ہم اس دن میں نیکیوں اور نیکوں میں امتیاز کے لیے جو سختیاں اور پریشانیاں سنتے تھے سب واقع ہونے والی ہیں۔ گویا اس وقت تک اس دن کے انکار اور اپنے عقائد کے غلط ہونے کی حسرت میں سختیاں جھیلی تھیں اور اب اس دن کے واقعات کا خوف جو کہ نہایت خطرناک ہے، ان کا گریبان پکڑے گا اور سختی پر سختی بڑھ جائے گی۔

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی چھٹی وجہ یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی شخص اچانک ایسی مصیبت میں پڑ جائے جس کی توقع نہ ہو اور وہ گمان کرے کہ اس مصیبت کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت مصیبت آئے والی ہے تو جلد اس موجودہ اور متوقع تکلیف کو دور کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے کسی گناہ اور خیانت میں پکڑے ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ تقریر کر کے اور باتیں بنا کر اس گناہ کا انکار کرے۔ اور اگر انکار کی پیش نہ جائے تو کوئی عذر کرنا شروع کر دے تاکہ اسے مواخذہ نہ ہو اور اپنی چرب زبانی کی وجہ سے خلاصی پائے۔ اور وہ پہلے اسی طریقے پر توجہ دیتا ہے یہ آسان بھی ہے اور اس میں

دوسرے سے مدد مانگنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ کفار بھی جب فیصلے اور جزا کے دن کی آمد دیکھیں گے اور اس کے کچھ آثار سابیوں کی تقسیم میں چکھیں گے تو ارادہ کریں گے کہ اپنے گناہوں کے لیے کسی عذر کی تمہید باندھیں اور بعض گناہوں کا انکار کریں، انہیں اس تدبیر اور حیلہ گری سے بھی مایوس فرمایا جا رہا ہے کہ

هَذَا يَوْمَ جَسَّاسِ كَلَامٍ فِي ذِكْرِ هُوْرٍ هَا هِيَ اُوْرَ اِسِي رَاةٍ سَا سَا حَاضِرٍ قَرَارِدَا
 كَرَقْرِيْبٍ يَادِرْمِيَانِي اِسْاَرَاةٍ كَا صِيغَا كَا سَا تَهْ مَتَعِيْنٍ فَرْمَا يَا كِيَا۔

يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ اِيكَا اِيَا دِنٍ هَا جَسَّاسِ فِي وَهْ بِالْكَلِّ دَمٍ نَهِيْسٍ مَارِيْسٍ كَا اُوْرَبَاتٍ
 نَهِيْسٍ كَرِيْسٍ كَا هَمَّ سَا كِيَا كُوْتَا هِي سِرْزِدْ هُوْتِي كَا هَمِيْسٍ دَهْوِيْسٍ كَا اِسْ سَا اِيْسٍ مِيْلَا لَا جَا
 رَهَا هِيْنٍ اُوْر قَسْمٍ قَسْمٍ كَا دُكْهُ اُوْر تَكْلِيْفِيْسٍ دِي جَارِ هِي هِيْن۔

نافع بن ارزق نے جو کہ خارجی علماء میں سے تھا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس دن بات نہیں کریں گے جبکہ دوسری آیات میں اس کے خلاف ارشاد ہوا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ قالوا وَاللّٰهُ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی وہ کہیں گے کہ قسم بخدا ہم مشرک نہ تھے اور سورۃ زمر میں فرمایا ہے کہ لَمَّا اَنْتُمْ اِيْنَكُمُ الْقِيَامَةُ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَضِعُوْنَ اِلَيْهِ كَا فُرُوْا قِيَامَتَا كَا دِنٍ تَمَّ اِيْچَا پُرُوْر دُكَا رَا كَا مَطْوُرَا اِيكَا دُوْسْرَا نَا سَا بَھُكْرَا كُوْرَا كَا پِيْرُوْتِي كَرَا لَا اِيْسَا اِيْسَا مَقْتَدَا وِنٍ كُوْمَلَامَتَا كَرِيْسٍ كَا اُوْر مَقْتَدَا اِيْسَا پِيْرُو كَا رُوْتٍ سَا سَا بَا رَا رُوْتٍ كَا سَا اِسْ كَا عِلَاوَا اُوْرَا اِيَاتَا مِيْنِ بَھِي كَفَا رَا كِي كَفْتَلُوْا اُوْر جَھُوْتَا عَذْرَا لَا لَا كَا بَھِتَا زِيَا دَا دُكْرَا كِيَا كِيَا هَا۔

ان مختلف مضامین کے درمیان مطابقت کس طرح کی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن مختلف مجلسیں اور مختلف مقامات درپیش ہوں گے اور بعض مقامات اور محافل میں وہ باتیں اور بے ہودہ گفتگو کریں گے جبکہ بعض مقامات پر انہیں اس بے ہودہ گفتگو سے باز رکھا جائے گا۔ پس ان مضامین کا اختلاف زمانوں اور اوقات کے اختلاف کے مطابق ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس خارجی کے جواب میں یوں فرمایا ہے

کہ کفار اور گناہ گار صحیح دلیل اور قابل قبول عذر نہیں لائیں گے تو ان کا بات کرنا گویا بات کرنا ہی نہیں اور ان کا عذر کرنا گویا عذر کرنا ہی نہیں ہے۔ ان کی ظاہری گفتگو کی وجہ سے ایک مقام پر انہیں بات کرنے والا قرار دے کر ان کی خرافات کو نقل فرمایا گیا ہے جبکہ حقیقت اور معنوں پر نظر کرتے ہوئے دوسرے مقام پر انہیں گونگے قرار دیا گیا۔ پس کوئی تناقض نہیں ہے۔

وَلَا يُؤْتِنُ لَهُمْ اٰذْرًا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا كَفَرُوْا وَاَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا كَفَرُوْا وَاَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا كَفَرُوْا
اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں ہے بے ہودہ بکیں گے۔

فَيَعْتَذِرُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ اَعْرَابًا لَا تَدْرُوْنَ السُّبُوْحَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
ہودہ عذر وہاں کوئی نہیں سنتا۔

اور عربی قانون کے مطابق یہاں ایک مشہور الجھن ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں فَيَعْتَذِرُوْنَ کیوں نہ فرمایا تاکہ نصب کی وجہ سے ن گر جاتا اور نفی کا جواب ہوتا جیسا کہ دَلَايِقُضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَا تُؤْتُوا وَاَقْرَبُ مَشْرُوعًا وَاَقْرَبُ مَشْرُوعًا وَاَقْرَبُ مَشْرُوعًا واقع ہے اور اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اگر نون کو حذف کر دیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ان کا عذر نہ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہیں اجازت نہ ملی ورنہ وہ معقول عذر کرتے اور وہ عذر ان کے پاس موجود اور تیار تھا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا جس سے وہ دلیل پکڑیں۔ پس فَيَعْتَذِرُوْنَ میں فاکلمہ صرف عطف کے لیے ہے، سبب کے بغیر اور جب سبب ثابت نہ ہوئی تو نفی کا جواب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نفی کا جواب ہونے میں سبب ضروری ہے۔ بہر حال اس روز کفار اس قسم کی چالوسی، خوشامد، مکر اور حیلے سے بھی عاجز ہو جائیں گے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَلْمُكَ اُولُو الْاَيْمَانِ سَوِيًّا اَنْ لَّمْ يَكُنِ الْاَمْرُ بِالْحَقِّ وَاَنْ لَّمْ يَكُنِ الْاَمْرُ بِالْحَقِّ
اس دن کی مصیبتوں کو دور کرنے کی تدبیر نہیں پائیں گے اور مطلقاً مایوس ہو جائیں گے۔
منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی ساتویں وجہ یہ ہوگی کہ جب وہ اس دن کی سختیوں کو دور کرنے میں اپنی گفتگو اور حیلہ گری سے مایوس ہو جائیں گے تو اپنی نوع

داخل ہوں گے تو طوبی اور دوسرے درختوں کا سایہ پائیں گے اور جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو محلات اونچے مکانات اور تختوں کے سائے پائیں گے۔

وَعْيُونٍ اور جاری چشموں میں ہیں جن میں سے بعض چشموں کی مہک کا نور کی ہے اور بعض کا ذائقہ سونٹھ کا اور بعض کو تسنیم کہتے ہیں اور ان چشموں کے ہوتے ہوئے انہیں تشنگی بالکل نہ رہی۔ بخلاف تمہارے کہ آگ کے دھوئیں کا سایہ تمہاری اندرونی بے چینی اور جلن کا زیادہ موجب ہوا ہے۔

فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ اور ان پھلوں میں ہیں جو انہیں مرغوب ہیں، کھٹے میٹھے، سرد گرم۔ سرد ملکوں اور گرم ملکوں کے، موسم بہار اور موسم حریف والے کچے اور پکے تاکہ ان پھلوں کی وجہ سے بھوک کی گرمی بھی ان کے باطن میں اثر انداز نہ ہو۔ پس ان کی آب و ہوا اور ان کے پھل سب کے سب گرمی دور کرنے میں ایک دوسرے کے معاون واقع ہوں۔ بخلاف تمہارے کہ پھلوں کے بجائے تم، جہنم کی آگ کے چنگارے کھاتے ہو اور اندر اور باہر سے گرمی تم پر غلبہ کرتی ہے اور یہ سب تفریق اور جدائی اس وجہ سے ہے کہ تم نے اس دن کے انکار اور شک کی گرمی کو اپنے دل میں جگہ دی جبکہ انہوں نے یقین کی ٹھنڈک کو اپنے دل میں جاگزیں کیا۔ پس ہر کسی کو وہی ملا جو اس نے اختیار کیا۔ اور اس کے علاوہ متقیوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ معظم و مکرم مہمانوں کی طرح انہیں کھانے اور پینے کی بار بار تاکید فرمائی جا رہی ہے اور انہیں کہا جا رہا ہے کہ

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا كَمَا وَرَبُّوهُمْ خَوْشِقَارًا ہوگا بخلاف دنیا کے کھانے پینے کے کہ اس سے ہیضہ بد ہضمی، ثقل اور تکلیف کے خوف کی وجہ سے ڈرتے تھے اور تمہارا یہ کھانا اور پینا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اس کے عوض ہے جو تم عمل کرتے تھے اور گرم دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور پیاسے رہتے تھے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے روزے میں بھوکے رہتے تھے اور راہ خدا میں لذیذ کھانوں کو فقیروں پر خرچ کرتے تھے۔ اور اسی طرح تم روزہ داروں اور مسکینوں کو نہایت عمدہ شربت پلاتے تھے اور اگرچہ تمہارے اعمال چند دنوں

سے زیادہ نہ تھے اور تمہارے ذہن میں اس کے عوض اتنی مقدار کی جزا کا تصور نہ تھا لیکن ہماری عادت یہی ہے کہ ہم جزا کے مقام میں ایسی دائمی منفعت عنایت فرماتے ہیں جو کہ ناقص ہونے کے عیب سے پاک ہو اور کمال کے اعلیٰ مرتبوں کو پہنچے۔

إِنَّا كَذَّالِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ تحقیق ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں کہ ایک چیز کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور فانی کے بدلے میں ہمیشہ باقی رہنے والی چیز عنایت فرماتے ہیں اور ناقص کے بدلے کامل عطا فرماتے ہیں اور یہ کہنے سے متقیوں کا عقلی اعزاز حسی اعزاز کے ساتھ جمع ہو کر ان کی سر میں بڑھائے اور وہ جان لیں کہ ہمارے سب کام قبول ہوئے کہ یہ پھل ملا اور جب منکر دُور سے دیکھ کر یا ارشاد پر مبنی اس کلام کو سن کر یہ حال معلوم کریں۔

وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ اَسْ دُنْ مَنكُرُوں كُو افسوس ہوگا اور وہ جان لیں گے کہ متقیوں نے یہ نوازشات روز جزا کے عقیدے کی وجہ سے پائیں اور ہم نے اس دن کا انکار کر کے یہ ڈکھ اور تکلیف اٹھائی۔

اور منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی نوں وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں قیامت آنے کا انکار کرنے کی وجہ سے کھانے پینے اور لذیذ چیزوں سے بہرہ مند ہونے میں نہایت بے خوفی اور بے احتیاطی کرتے تھے اور جب پرہیزگاروں کو دیکھتے تھے کہ اس دن کے ڈر سے دنیوی لذت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اپنے دل میں کہتے کہ یہی عقیدہ دنیوی لذتوں سے محرومی کا باعث ہے اور ہم نے اچھا کیا کہ ہم اس عقیدے کی وجہ سے ان نعمتوں سے محروم نہ رہے۔ قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا کہ

كُلُوا وَتَمَتُّوْا كھاؤ اور فائدہ حاصل کرو دنیا کے حرام و حلال سے بے گانہ ہو کر اور یہاں امر کا صیغہ ماضی کے معنوں میں ہے اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب فعل ماضی کو ایسے مقام میں ذکر کرتے ہیں کہ جہاں امر و نہی کے لیے اس کام کی لیاقت بیان کرنا منظور ہو تو اسے امر اور نہی کے صیغے سے ادا کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے اخوتی لا بعدوا ابداء و بلاد اللہ قد بعدوا حاصل کلام یہ کہ تم دنیا میں کھاتے پیتے اور بہرہ مند ہوتے رہے۔

قَلِيلًا تھوڑا سا وقت جو کہ تمہاری عمر کی مدت تھی اور وہ پرہیزگاروں کے کھانے پینے اور بہرہ مند ہونے کے وقت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ زمانہ ابد کی جانب نہ ختم ہونے والا ہے اور ختم ہونے والے کو نہ ختم ہونے والے کے ساتھ کیا نسبت؟ پس تم نے فائدہ لینے کی چیزوں کی تھوڑی سی مقدار جو کہ خالص اور کامل بھی نہ تھی، دائمی، کامل، نہ ختم ہونے والے منافع کے بدلے اختیار کی اور یہ دے کر اسے خرید کیا اور اس کے باوجود اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ تحقیق تم گناہ گار ہو تم نے اس کھانے اور فائدہ لینے کو بھی گناہ میں صرف کیا۔ پس یہ تمہارے عذاب کی زیادتی کا موجب ہوا اور جب کافر اس بات پر مطلع ہوں گے کہ روز قیامت کے انکار کی وجہ سے ہماری تمام دنیوی زندگی نے سم قاتل اور زہر ہلاہل کا حکم پیدا کر لیا اور ہم نے جو کچھ کھایا اور پیسا سب خلط فاسد ہو کر آگ کی صورت اختیار کر گیا۔

وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا کہ اپنے کاروبار کے خسارے پر مطلع ہوں گے اور جان لیں گے کہ ہم نے سیاہ سانپ کو پھولوں کا ہار سمجھ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور ایسے نفع کی وجہ سے جو کہ حقیقت میں نقصان تھا، ہم نے ان حقیقی دائمی منافع کو ضائع کر دیا اور یہ سب کچھ ان کے بات نہ سننے کی وجہ سے ہے اور اسی لیے منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی دسویں وجہ یہ ہوگی کہ بات نہ سننے کی اپنی روش پر افسوس کرتے ہوئے ہاتھ کاٹیں گے اور حسرتیں اٹھائیں گے اس لیے کہ دنیا میں ان کی عادت یہی ہے کہ پیغمبروں علیہم السلام، مرشدوں اور واعظوں کے حکم پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس کی ضد کو عمل میں لاتے ہیں یہاں تک کہ اگر انہیں آسان کام کا حکم دیں، قبول نہیں کرتے۔

نماز میں رکوع کی حکمت

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت میں رکوع کرو تاکہ تم مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ عبادت میں رکوع کرنا مسلمانوں کا خاصہ ہے۔ دوسرے لوگ اپنی عبادت میں قیام اور سجدہ کرتے ہیں، رکوع

نہیں کرتے اور رکوع کی حقیقت امانت کا بوجھ اٹھانے کے لیے دل کا جھک جانا ہے اور اسی لیے اس شریعت میں اس صورت کو عبادت قرار دیا گیا ہے تاکہ اس بات کا اظہار ہو کہ میں نے بار امانت کو اپنی پشت پر اٹھالیا اور اس نے مجھے کھڑے قدم والا آدمی پیدا کر کے حکم دیا کہ میں اس بوجھ کو اٹھاؤں۔ میں اس کے حکم کی وجہ سے اپنے سیدھے قدم پر مغرور نہ ہوا اور خود کو اونٹ، خچر، گائے اور گھوڑے کی طرح خم کر کے اس کے دربار میں حاضر ہو گیا تاکہ جو چاہے میری پشت پر لا دے اور اسی لیے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا اَقْبِمُوا الصَّلَاةَ وَالْأَنْوَاعَ الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ پس نماز میں رکوع کرنا مسلمانی کی علامت ہے اور کفار اگر اس اہم علامت کو بجالاتے تو قیامت کے دن جو کہ جدائی کا وقت ہے اس علامت کی وجہ سے اہل اسلام کے زمرہ میں شمار ہوتے لیکن وہ لَا يَرْكَعُونَ ہرگز رکوع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی مشابہت سے دُور رکھتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بنو ثقیف کے رئیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام کا اظہار کیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں نماز کا حکم دیا اور نماز کا طریقہ بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نماز کے سارے ارکان بجالائیں گے مگر رکوع نہیں کریں گے کہ یہ آدمی کے لیے بہت عار کا موجب ہے۔ ایک آدمی سیدھے قدم کے باوجود خود کو جانوروں کی طرح پشت جھکا کر الٹا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا خَيْرَ فِي دِينٍ بَلَّسَ فِيهِ رُكُوعًا یعنی اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے جس میں رکوع نہ ہو۔ اس لیے کہ دین انسانیت کے معنوں کا تحقق کرنا ہے اور انسانیت تقاضا کرتی ہے کہ اپنے مالک کے اوامر و نواہی کی ذمہ داریوں کو خوشی ناخوشی قبول کیا جائے اور اس مشقت کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے اپنی پشت خم کی جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عرف عام میں تعظیم و سلام کے وقت پشت کو خم کرتے ہیں۔ گویا اشارہ کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کے احسان کا بوجھ اپنی پشت پر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن رونما ہوگا کہ تجلی الہی کشف ساق فرمائے گی اور لوگوں کو حکم ہوگا کہ سجدہ کریں۔ ایمان والے سجدے میں گر پڑیں گے جبکہ

کافروں کی گردن اور کمر آہنی تختے کی طرح ہو جائے گی ہرگز جھک نہیں سکیں گے جیسا کہ سورہ ن والقلم میں مذکور ہے۔

لیکن اس تفسیر میں دو قوی خدشے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہاں رکوع کا ذکر ہے جبکہ سورہ نون میں سجدے کا ذکر ہے اور رکوع کو سجدے پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرا یہ کہ لایرکعون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار اپنے اختیار کے ساتھ رکوع نہیں کرتے جبکہ سورہ نون میں لَا يَسْتَطِيعُونَ مذکور ہے جو کہ ان کے بے اختیار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال جب رکوع و سجود کرنے والوں کو قیامت کے دن قسم قسم کے انعامات سے نوازا جائے گا تو کفار کو یاد آئے گا کہ ہمیں بھی دنیا میں اس آسان عمل کی وجہ سے یہ انعامات حاصل ہوتے ہم نے نصیحت کرنے والوں کی بات نہ سنی اور اسے فضول اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔

وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا کہ اپنی کوتاہ اندیشی پر افسوس کریں گے کہ ہم نے کس آسان چیز کے بدلے اس قیمتی دولت کو نہ خریدا اور جب کفار بات سننے پر اس قدر بے توجہی کرتے ہیں کہ آسان سے حکم کو جو کہ پشت خم کرنا ہے بجا نہیں لاتے۔

فَبَاقِيَ حَدِيثِ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ تو وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر کس ذمہ داری کو قبول کریں گے اس سرکش جانور کی طرح کہ جب وہ بالکل پشت خم نہ کرے تو اس سے بار برداری کی توقع محال ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ بعدہ کی ضمیر سے مراد قرآن کریم ہے اگرچہ پہلے اس کا ذکر نہیں گزرا لیکن تلاوت قرآن پاک کے وقت ہر کسی کا ذہن اسی طرف جاتا ہے یعنی جب وہ قرآن کے اس واضح بیان پر جبکہ قرآن کتب الہیہ کا خاتم ہے کہ آسمان سے کسی اور کتاب کے نازل ہونے کی توقع نہیں رہی ایمان نہیں لائے اور اس کے معتقد نہ ہوئے۔ پس وہ اس قرآن پاک کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے اس لیے کہ آسمان سے کوئی

اور کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے اور دوسری کتابیں جو کہ لوگ لکھتے ہیں اس قدر موثر گفتگو نہیں رکھتیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے چاہے کہ اس کے بعد خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر یہ الفاظ کہے:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحَدَّهٗ

(سادس جمادی الاولیٰ یوم الاربعاء ۱۴۱۰ھ)

